مجموعۃ تفسیر القرآن

اُستاذُالاَساتذہ

پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ

(م ۱۹۸۹ء)

پروفیسر عبدالقیوم عربی و اسلامی علوم کے مایہ ناز عالم، استاذ اور محقق تھے۔ ''مجموعہ تفسیر القرآن'' اُن کی تفسیری کاوشوں کا مجموعہ ہے۔

اس مجموعے میں سورۂ بقرہ، نساء، مائدہ، انفال، نور اوراحزاب کی ۶ بڑی سورتیں شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سورہ فاتحہ اور پارہ عم کی آخری ۱۸ سورتیں بھی داخل ہیں۔ اس مجموعے میں شامل مختلف سورتوں کی تفاسیر مختلف مدارج کے حامل طلبہ و طالبات کے لیے لکھی گئیں۔ اس لیے تفسیر کے اختصار وطوالت میں خاص درجے کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مجموعی طور پر ساری تفسیری نگارشات مستند اور ٹھوس علمی مباحث پر مشتمل ہیں۔

''دارالمعارف'' نے اِسے ضروری تخریج و حواشی اور ضمیمہ کے ساتھ موجودہ دور کے طلبہ و طالبات کی نصابی ضروریات اور عام قارئین کے لیے بطور خاص تیار کیا ہے۔

مجموعۂ تفسیر القرآن

اُستاذُ الاَساتِذہ

پروفیسر عبدالقیومؒ

(م۱۹۸۹ء)

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ، لاہور

مجموعہ تفسیر القرآن

اُستاذُ الاَساتِذہ

پروفیسر عبدالقیومؒ

(م۱۹۸۹ء)

تحقیق وتخریج	....	حافظ محمد فیاض الیاس
کمپوزنگ	....	عبدالقدوس
طبع	....	۲۰۲۴ء
تعداد	....	۱۱۰۰
صفحات	....	۸۰۲
ناشر	....	ادارہ ثقافتِ اسلامیہ
اہتمام	....	دارالمعارف، لاہور
قیمت	....	2200/-

(یہ کتاب دارالمعارف لاہور کے اشتراک سے شائع ہوئی ہے۔)

فہرست

سُوْرَۃُ الْمَائِدَہ

سُوْرَةُ الْاَنْفَال

سُوْرَةُ النُّوْر

سُوْرَةُ الْاَحْزَاب

سُوْرَۃُ الْمَاعُوْنِ

سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ

سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ

سُوْرَۃُ النَّصْرِ

سُوْرَۃُ اللَّھَبِ

سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ

سُوْرَۃُ الْفَلَقِ

سُوْرَۃُ النَّاسِ

ضمیمہ جات

سُوْرَۃُ الْحُجُرَاتِ

سُوْرَۃُ الصَّفِّ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة

منتخب آیات کا ترجمہ و تشریح (حصہ اوّل)

منتخب آیات کا ترجمہ و تشریح (حصہ دوم)

منتخب آیات کا ترجمہ و تشریح (حصہ سوم)

فہارس

مصادر و مراجع

حرفِ آغاز

پروفیسر عبدالقیوم مرحوم نے مختلف جماعتوں کی نصابی ضرورتوں کے لیے کئی اہم کتب تالیف کیں۔ ان میں منتخب سورتوں کی تفاسیر بھی شامل تھیں۔ یہ تفسیری نگارشات متفرق طور پر مختلف نصابات میں ۶۰ — ۱۹۵۰ء اور بعد کی دہائیوں میں شائع ہوتی رہیں۔ زیرِ نظر کتاب پروفیسر صاحب کی اُنھی تفسیری کاوشوں کا مجموعہ ہے۔ پروفیسر عبدالقیوم عربی و اسلامی علوم کے مایہ ناز عالم، اُستاذ اور محقق تھے۔ اُن کا یہ مجموعہ مستند مباحث، ٹھوس علمی مواد اور سہل و شستہ اُسلوب کا آئینہ دار ہے۔ کئی دہائیاں بیتنے کے باوجود اُن کی تفسیری کاوشیں عصرِ حاضر میں بھی قیمتی اور قابلِ قدر ہیں۔ چنانچہ دارالمعارف کے محققین نے اس مجموعے کو شاندار علمی معیار پر تیار کیا۔ یہ موجودہ دور کے طلبہ و طالبات کی نصابی ضروریات کی بھی تکمیل کرتا ہے اور اس میں قرآن کی سورتوں کا انتخاب عام مسلمانوں کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ اس مجموعے کو دارالمعارف کے اشتراک سے شائع کر رہا ہے۔ یقیناً یہ کتاب قارئین کے لیے نہایت معلوماتی اور قابلِ استفادہ ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ!

ڈاکٹر مظہر معین

ناظم ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

پیش لفظ

مجموعہ تفسیر مولفہٗ "پروفیسر عبدالقیوم" پیش خدمت ہے۔ یہ مجموعہ اُن منتخب سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے جو پروفیسر صاحب نے مختلف جماعتوں کے طلبہ وطالبات کے لیے قلم بند کی۔ ان منتخب سورتوں کے نام یہ ہیں:

الیف۔اے: سورۂ فاتحہ، بقرہ، احزاب، پارہ عمّ کی آخری ۱۸ سورتیں

بی۔اے: سورۂ نساء، مائدہ، انفال، نور

ان سورتوں کی تفسیری نگارشات کی اوّلین اشاعت ۶۰ ۔ ۱۹۵۰ء اور بعد کی دہائیوں میں ہوئی۔ اس مجموعے کی سورتیں آج بھی پہلی جماعت سے لے کر میٹرک تک اور الیف۔اے سے ایم۔اے اسلامیات تک کے نصاب میں شامل ہیں۔ کتاب کے مجموعی اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے چند سورتوں اور منتخب آیات کی تفسیر بطور ضمیمہ شامل کی گئی ہے، اسے بھی موجودہ دور کے طلبہ و طالبات کی ضرورت کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔

اس مجموعے میں قرآن کا ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری کا ہے، البتہ پارہ عمّ کی آخری سورتوں کا ترجمہ پروفیسر عبدالقیوم صاحب کا اپنا ہے۔

اس مجموعہ تفسیر کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ طلبہ کی ضرورت کے مطابق مشکل الفاظ کے معانی، صیغے، مختصر اور ضروری تفسیر وتشریح نہایت جامع اور مفید اسلوب میں لکھی گئی ہے۔

۲۔ کتاب کی افادیت بڑھانے کے لیے نصوص کی تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۳۔ بعض مبہم یا مشکل مقامات پر مقابل موقف کی نشاندہی یا دلائل واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو مستند تفاسیر سے استفادہ کر کے حواشی قائم کر دیے گئے۔

۴۔ سورۂ نساء کی تفسیر میں مفاہیم ومطالب کی سرخیاں پروفیسر صاحب نے قائم کیں۔ باقی تمام سورتوں کی سرخیاں ادارے کی طرف سے داخل کی گئیں۔

۵۔ قارئین کی سہولت کے لیے اجمالی اور تفصیلی دونوں قسم کی فہرستوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۶۔ آخر میں موجودہ دور کے طلبہ و طالبات کے لیے دو اہم فہارس شامل کی گئیں:

(۱) اسلامیات لازمی اور اختیاری کا موجودہ نصاب (۲۰۲۳ء)

(۲) سورتوں کا انتخاب اور حالیہ نصابات

۷۔ شروع میں کتاب کا ایک تعارف بھی شامل کیا گیا ہے جو زیر نظر مجموعہ تفسیر کی افادیت اور پروفیسر عبدالقیوم کا منہج تفسیر واضح کرتا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں دارالمعارف کے متعدد محققین نے حصہ لیا۔ حافظ محمد فیاض الیاس نے تخریج کی۔ قاری کاشف الرحمن سیف نے پروف ریڈنگ اور فنی اصلاحات کے فرائض انجام دیے۔ محمد نعمان فاروقی نے پروفیسر صاحب کے مجموعہ تفسیر کو علمی و تحقیقی نظر سے دیکھا اور اہم مقامات پر حواشی کی ضرورت کی نشاندہی کی۔ مجموعۂ تفسیر اور مؤلف کا تعارف، حواشی، ضمیمہ اور فہارس کی تیاری کا کام محمد زکریا رفیق نے انجام دیا۔ سورتوں کے مطالب پر سرخیوں کا اندراج بھی انھی کی طرف سے ہے۔

شعبہ تحقیق و تالیف

دارالمعارف، لاہور

تعارف پروفیسر عبدالقیومؒ

پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ (۱۹۰۹ - ۱۹۸۹ء) پنجاب کے عروس البلاد لاہور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے عربی و اسلامی علوم کی تعلیم و تحقیق کے میدان میں بڑا نام کمایا۔ انھوں نے میکلوڈ سکالرشپ کے تحت چار سال (۳۸ - ۱۹۳۵ء) فنِ تحقیق میں گزارے اور فہارس لسان العرب مرتب کر کے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۴۰ء کی دہائی میں مشہور مستشرقین ڈاکٹر بروکلمان (Dr. Brockelmann)، پروفیسر ڈاکٹر سپولر (Prof. Dr. Spuler)، فواد سزگین (Fuad Sizgheen) اور ڈاکٹر ایف کرنکو (Dr. F. Krenkow) نے انھیں اپنی اپنی کتابوں میں خراجِ تحسین پیش کیا۔

موصوف کی زندگی کے تیس سال (۱۹۳۹-۱۹۶۸ء) زمیندارہ کالج گجرات، گورنمنٹ کالج ہوشیار پور، گورنمنٹ کالج لدھیانہ، گورنمنٹ کالج لاہور اور یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور جیسے نامور تعلیمی اداروں میں عربی و علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس میں صرف ہوئے۔ پروفیسر عبدالقیوم تعلیم و تدریس میں غیر معمولی صلاحیت کے حامل تھے۔ انھوں نے مولانا اصغر علی روحی اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع جیسے کبار اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، جبکہ علامہ عبدالعزیز میمنی اور پروفیسر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ جیسے ممتاز فضلاء کے معتمد ساتھی رہے۔

اُن کی زندگی کے آخری اکیس سال (۱۹۶۸-۱۹۸۹ء) پنجاب یونیورسٹی کے عظیم علمی منصوبے اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کی تحقیق و تدوین میں گزرے۔ انھوں نے اپنے رفقائے کار کے ساتھ مل کر اُردو دائرہ معارف کو ملتِ اسلامیہ کا عظیم علمی و فکری سرمایہ بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ پروفیسر عبدالقیومؒ نے اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کی اکیس جلدوں کی تدوین میں حصہ لیا اور انھیں مستشرقین کے محلِ نظر بیانات کے تنقیدی جائزہ کے ساتھ صحیح اسلامی فکر کی صورت میں پیش کیا۔ یہ عظیم کام آج بھی اعلیٰ علمی حلقوں میں ایک مستند علمی حوالے کے طور پر نہایت وقیع اور معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اور آنے والے وقتوں میں اس کی افادیت اور اہمیت مزید مستحکم ہوگی۔ ان شاء اللہ

پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ نے پہلی جماعت سے لے کر ایم۔ اے تک عربی و اسلامیات کے طلبہ و طالبات کے لیے متعدد اہم نصابی کتب تالیف کیں۔ ''مجموعہ تفسیر القرآن'' بھی ان کی نگارشات پر مشتمل ایک شاہکار تصنیف ہے جو طلباء طالبات اور عام دینی قارئین کے لیے علم اور تقویت ایمان کا باعث ہوگی۔ آیندہ صفحات میں اس کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

تعارف مجموعہ تفسیر القرآن

قرآن کی حیثیت اُم العلوم کی ہے۔ قرآن سے عقیدہ و تزکیہ، فقہ وشریعت اور دیگر عظیم الشان علوم پھوٹتے ہیں۔ توحید، اطاعتِ رسول، دعوت و جہاد اور فکر آخرت پر قرآن میں بے شمار آیات ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کی اسی عظمت کی طرف اشارہ فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))[1]

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

جو مکمل قرآن پڑھے اور سیکھے وہ نہایت عظیم ہے اور اس کی عظمت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن جو مکمل قرآن نہ پڑھ سکے وہ چند اہم سورتوں کو ضرور پڑھے اور یاد کرے۔ یہ ہمیشہ سے ہمارے دین کا طریقہ کار رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بعض سورتوں کو بطورِ خاص بار بار پڑھنے اور سمجھنے کی تلقین کی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سورتیں باقی قرآن کی بہ نسبت زیادہ قابل توجہ ہیں۔ یہ ایک حکیمانہ نکتہ ہے کہ انسان کو سب سے زیادہ فکرِ آخرت کی ضرورت ہے اور آخری سورتوں کا خاص موضوع فکر آخرت ہے۔ اسی طرح عیدین اور جمعہ کی نماز میں آپ ﷺ مخصوص سورتیں تلاوت کرتے تھے،[2] جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مضامین مسلسل یاد رکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے صحابہ کو سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت کی خصوصی تلقین کی۔[3] اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان سورتوں میں کوئی خاص مباحث ہیں جن کی وجہ سے ان کی باقاعدہ تاکید کی گئی۔ سورۂ فاتحہ، معوذتین اور سورۂ اِخلاص کی خاص فضیلتیں ہیں۔ سورۂ اِخلاص کو ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔[4] سورۂ اخلاص کی یہ فضیلت اس کے مخصوص مباحث کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح بعض آیات خصوصی توجہ کی حامل ہیں، جن میں پورے قرآن کریم کا پیغام مختصر اور جامع انداز میں سمویا گیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۵۰۲۷

[2] صحیح مسلم: ۸۷۸

[3] صحیح مسلم: ۸۰۴

[4] صحیح مسلم: ۸۱۱

قرآن کی چند سورتوں اور بعض آیات کا انتخاب زیرِ نظر مجموعے کی اہم خصوصیت ہے۔ یہ منتخب سورتیں قرآن وسنت کی تعلیمات، اہل علم کے غور وفکر اور ماہرین کی تجاویز کا خلاصہ ہیں۔ سورۂ فاتحہ اور آخری پارے کی ۱۸ سورتوں کی تعلیم ہر مسلمان مرد وزن اور بچوں وبچیوں کے لیے ضروری ہے۔ احادیث میں سورۂ بقرہ کی بہت فضیلت ذکر ہوئی ہے۔ اس سورت میں بنی اسرائیل کے واقعات کے ذریعے سے امت مسلمہ کو ہدایت دی گئی کہ وہ غور کریں کہ سابقہ امتوں کا عروج وزوال کیسے ہوا اور ان کے زوال کی کیا وجوہ ہوسکتی ہیں۔ سورۂ انفال، سورۂ ممتحنہ اور سورۂ فتح مسلمانوں کے جہادی احکام کے پس منظر میں نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ جہاد اسلام کی کوہان ہے، یہ مدنی سورتوں کا اہم موضوع اور سیرت طیبہ کا ایک اہم باب ہے۔ سورۂ نساء، سورۂ نور اور سورۂ احزاب خواتین کے نظام کے تناظر میں شامل نصاب ہیں۔ ان سورتوں کا مقصد نوجوان بچوں اور بچیوں کی اخلاقی تعمیر اور خاندانی نظام کا استحکام ہے۔ سورۂ مائدہ میں بھی عقیدہ واحکام کے مختلف اہم مسائل ذکر ہوئے۔ سورۂ حجرات مکمل، سورۂ فرقان کا آخری رکوع اور اس طرح قرآنی سورتوں کے بعض دیگر اقتباسات اخلاقِ حسنہ پر بہترین انتخاب ہیں۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کی اسلامیات میں بعض چھوٹی چھوٹی آیات بھی شاملِ نصاب ہیں جو ایمانیات، عقائد، مقاصدِ شریعت، بنیادی دینی تعلیمات اور اخلاقیات کی جامع ترین آیات ہیں۔

پروفیسر صاحب قرآن وسنت کی روشنی میں تفسیر کرتے ہیں۔ وہ صحابہ کرام، تابعین، جمہور ائمہ مفسرین اور اہل سنت والجماعت کے موقف کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں جو ''تفسیر بالماثور'' کا طریقہ کہلاتا ہے۔ کئی جگہوں پر انھوں نے ابن جریر طبری، ابن کثیر، قرطبی، راغب اصفہانی، سیوطی، شوکانی اور دیگر مفسرین کے براہِ راست حوالے نقل کیے۔ صحاح ستہ کی احادیث نقل کیں۔ شانِ نزول میں مفسرین کے پیش کردہ واقعات بیان کیے۔ سورۂ نساء میں یتیم بچیوں کے احکام، وراثت کے عام مسائل، سورۂ انفال میں جنگِ بدر کے واقعات، سورۂ نور میں واقعۂ اِفک، سورۂ احزاب میں واقعہ خندق وبنوقریظہ ان کے ذوقِ تفسیر بالماثور کی عمدہ مثالیں ہیں۔

توحید وشرک اور سنت وبدعت کا مسئلہ اہل السنہ کے نزدیک بہت اہم ہے۔ پروفیسر عبدالقیوم مرحوم نے بھی اس پر خاصا زور دیا ہے اور بڑے خوبصورت پیرائے میں مدلل انداز سے بیان کیا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت: ۴۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اللہ شرک کبھی معاف نہیں کریں گے، اس کے علاوہ جو گناہ چاہیں تو معاف کردیں گے۔'' اس آیت کی تفسیر میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''مشرک اللہ کو اس لیے گوارا نہیں کہ ہر چیز کو پیدا تو وہ کرے اور معمولی ضرورتوں کے لیے انسان غیروں کو پکارے اور حاجت روائی کے لیے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کے سامنے ذلیل وخوار ہو۔ فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے: یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز شریک نہیں ہے۔ نہ فرشتہ، نہ آدمی، نہ جن، نہ جاندار اور نہ بے جان۔ نہ تو کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک ہے اور نہ صفات وافعال میں۔

قرآن شریف نے ہر طریق سے شرک کی تردید کی ہے اور فرمایا کہ زمین وآسمان کی پیدائش، کائنات کے انتظام و قیام، موت وحیات، صحت وتندرستی، رزق کی فراخی اور تنگی، غرضیکہ نظام سماوی وارضی میں کسی کا کوئی دخل اور واسطہ نہیں ہے۔ اس لیے یہ ازبس ضروری ہے کہ مسلمان شرک سے بچے۔ شرک خواہ الوہیت میں ہو یا ربوبیت میں، جلی ہو یا خفی، اس سے اجتناب اور کنارہ کشی کرنے میں نجات ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات وذات یا اپنے قول وفعل میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں ان سب کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ شرک ظلم عظیم ہے۔ مشرک کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ مشرک کا ٹھکانا دوزخ ہے، اس لیے شرک سے بچنا چاہیے۔''[1]

پروفیسر صاحب کے نزدیک منہج سلف اور اہل سنت کے موقف کی بہت اہمیت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے متعلق لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ تمام محدثین اور مفسرین کا اس بات پر پورا اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔''[2]

پروفیسر صاحب عقیدہ اہل سنت اور اجماع امت کی نمائندگی پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں نہیں آسکتیں، خواہ مکان اور رہائش الگ الگ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس میں بھی کوئی جھگڑا نہیں کہ خواہ دونوں بہنیں ایک ماں باپ سے، یا فقط باپ سے، یا فقط ماں سے ہوں سب صورتوں میں جمع کرنا حرام ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔''[3]

اسی طرح وہ اہل تشیع کے مقابلے میں اہل سنت کا اتفاقی مسئلہ بھی واضح کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ متعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء: ۴۸

[2] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء: ۱۹۵

[3] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء: ۲۳

''جمہور علمائے اسلام، تمام اہل سنت فقہاء، صحابہ اور تابعین سب کے نزدیک متعہ حرام ہے۔''[1]

پروفیسر صاحب صحیح احادیث پر مبنی موقف کو خوب اجاگر کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں بعض منکرینِ حدیث نے قربِ قیامت نزولِ مسیح علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ وہ قربِ قیامت نزولِ مسیح علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ رقم کرتے ہیں:

''قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ زمین پر آنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ جسم اور روح کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آنے کے بعد شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے اور امت محمدیہ کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب توڑیں گے۔ سب اہل کتاب ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئیں گے۔ یہ اہل السنہ کا مسلّمہ عقیدہ ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اسی پر اجماعِ امت ہے۔ سلف و خلف میں کسی اہل تقویٰ اور ماہرِ اسرارِ شریعت اور واقفِ رموزِ دین نے اس عقیدے کے خلاف نہیں کہا۔ اس مسئلے پر قدیم و جدید علماء نے مستقل کتابیں اور رسائل لکھے ہیں جو بکثرت مل جاتے ہیں۔''[2]

پروفیسر صاحب کا فقہی ذوق بہت عمدہ ہے۔ وہ پیچیدہ مسائل میں ائمہ کے اختلاف کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اجماعی مسائل اور جمہور کے نقطہ نظر کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ انھوں نے طلاق، ظہار، ایلاء، عدت، لعان، وراثت، نمازِ خوف، نمازِ قصر کو جس سہل اسلوب میں بیان کیا ہے وہ لائقِ تحسین ہے۔ ان فقہی مسائل سے طلبہ وطالبات کے علاوہ عام قارئین بھی آسانی سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ وہ احکام واضح کرنے کے لیے نمبر وار مسائل بیان کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے فقہی ذوق کی سب سے عمدہ مثال آیاتِ وراثت کی آسان اور جامع تفہیم ہے۔ اس کے علاوہ احکامِ ستر وحجاب بڑے شاندار انداز میں بیان کیے ہیں۔

پروفیسر عبدالقیوم کے مجموعہ تفسیر میں آیات ومباحثِ قرآن کے ربط ونظم کی ہلکی پھلکی جھلکیاں بھی ملتی ہیں، لیکن انھوں نے ربط ونظمِ آیات کو باقاعدہ ایک فن کے طور پر اختیار نہیں کیا اور نہ اس کے بیان کا مستقل اہتمام کیا ہے۔ گویا ربط ونظم کے سلسلے میں پروفیسر صاحب جمہور مفسرین کے طریقے پر چلے ہیں۔ ربط ونظمِ آیات میں صحیح مسلک یہی ہے کہ جہاں آسانی سے ربط کا بیان ممکن ہو وہاں ربط بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس سلسلے میں ناروا تکلف، احادیث کو نظر انداز کرنا اور شانِ نزول کی روایات کو توڑنے موڑنے کی کوشش کرنا درست نہیں۔

---

[1] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء: ۲۴

[2] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء: ۱۹۵

پروفیسر صاحب قدیم موقف کی نمائندگی کے ساتھ جدید حالات کے تناظر میں کچھ مفید تبصرے بھی شامل کرتے ہیں تاکہ قرآن سے عصری مسائل پر رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ اسلام کے تصورِ غلامی پر مغرب کی طرف سے شدید نقد کیا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب غلامی کے مسئلے میں بیک وقت اسلام کے صحیح نظریے کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور موجودہ مسلمانوں کے غلط رویوں اور عملی کمزوریوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"بعض اسلامی ممالک میں استرقاق یعنی غلاموں کی خرید وفروخت کا رواج اب تک پایا جاتا ہے۔ یہ قطعاً درست نہیں ہے۔ قرآن کا نظریہ مِلک یمین تو یہ ہے کہ دشمن کی وہ عورتیں جو مذہبی لڑائی میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں وہ لونڈیاں اور بیویاں بن سکتی ہیں۔ ان سے حسنِ سلوک کا حکم ہے۔ لیکن مسلمان عورتوں بلکہ بعض اوقات شریف اور آزاد مسلمان عورتوں کو اغوا کر کے مالِ تجارت سمجھ کر خرید وفروخت کرنا اسلامی اصول کے صریح خلاف ہے۔"[1]

ایک جگہ یورپ میں طلاق کے طریقہ کار پر تبصرہ کرتے ہیں:

"لفظ طلاق سے بھی یورپین مصنفین بہت برہم ہوا کرتے ہیں۔ وہ یہ امر فراموش کر دیتے ہیں کہ جسٹینین کوڈ میں طلاق کی آزادی عیسائیوں کے لیے بحال رکھی گئی ہے۔ وہ یہ بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ آج دنیا میں صرف یورپ ہی ہے جہاں طلاق بکثرت دی جاتی ہے اور طلاق منظور کرنے والی جداگانہ عدالتیں یورپ میں ہی ہیں۔ اسلام نے تو عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکین عرب کی بے روک ٹوک طلاق پر بہت سی قیود بڑھا دی ہیں، جس سے بے جا طلاق کی رسم قریباً ملیامیٹ ہوگئی۔"[2]

ایک جگہ اسلام کے نظریہ توبہ اور دیگر مذاہب کے طریق کار کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسرے مذاہب میں گناہ کی سزا ضرور بھگتنی پڑتی ہے۔ اس فلسفہ کی بدولت کسی کے ہاں کفارہ کا مسئلہ پیدا ہوا اور کسی کے ہاں اواگون کا چکر۔ اسلام نے توبہ کا دروازہ کھول دیا۔ اب دیگر مذاہب کے اس قسم کے تمام نظریے بے کار اور باطل ہوگئے۔"[3]

ایک جگہ اسلام کے نظریہ ہجرت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء: ۲۴

[2] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، البقرہ: ۲۳۱

[3] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء: ۱۸

''اسلام کا نظریہ وطن و دین دوسری قوموں سے قدرے مختلف ہے۔ ایک مسلمان کے لیے وطن بھی عزیز ہے، لیکن وطن سے زیادہ عقیدہ اور شریعت عزیز ہیں۔ وطن کی محبت بھی محض اضافی ہے۔ پھر اسلام نے جس عقیدے کو پیش کیا ہے وہ توحید ہے اور توحید دنیا میں وحدت عقائد پیدا کرتی ہے۔ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ اس لیے وطن کی قیود اور جغرافیائی حدود اس کے سامنے چنداں اہمیت نہیں رکھتیں۔ اگر عقیدے کی حفاظت نہیں ہوسکتی اور عبادت کے لیے آزادی نہیں ملتی تو مسلمان کے لیے ایسی سرزمین اور ایسے وطن کو چھوڑ دینا نہایت ضروری ہے۔ ایسے موقع پر مسلمان وطن کو خیرباد کہہ کر نئے علاقے میں جابسے، لیکن عقیدے اور دین کو بچالے۔ ایک مسلمان کا نظریۂ حیات یہ ہے کہ وہ اسلام کی خاطر ہر عزیز چیز کی قربانی کرسکتا ہے۔''[1]

پروفیسر صاحب آیت استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں کہ مسلمانوں کو دنیا میں عزت ووقار نصیب ہوتا ہے لیکن ہم مسلمان خود بداعمالی کا شکار ہوگئے۔ وہ رقم طراز ہیں:

''اللہ کا یہ وعدہ ہمیشہ کے لیے اور ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ہے۔ اللہ نے بارہا یہ وعدہ پورا کیا، لیکن مسلمانوں نے شرائط پوری نہ کیں۔ نافرمان بن گئے اور موعودہ انعامات سے محروم ہوگئے۔ کائنات اور دُنیا کی حکومت کا وعدہ آج بھی قائم ہے بشرطیکہ ہم اپنے عقائد اور اعمال میں ایک انقلاب پیدا کریں اور صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں۔ خالص اللہ کی عبادت کریں۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں تو یہ وعدہ ہم سے بھی پورا ہوسکتا ہے۔ ایک اعتبار سے اللہ نے وعدہ پورا کیا بھی ہے کہ ہمیں پاکستان عطا کیا، اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم صحیح طور پر مسلمان بن جائیں۔ خالص اللہ کی عبادت کریں اور ہر قسم کے جلی یا خفی شرک کو چھوڑ دیں۔''[2]

اسی طرح پروفیسر صاحب نے چار شادیوں کی اجازت، نکاح میں سادگی کی اہمیت، قیدیوں کو گھروں میں رکھنے کا فائدہ، خاوند کا سربراہِ خاندان ہونا اور بیوی کی عزت وتوقیر پر بھی اپنی اپنی جگہ پر عمدہ بحث کی ہے۔

پروفیسر صاحب کا اسلوب تفسیر اختصار اور جامعیت کا حامل ہے۔ وہ دوراز کار باتوں، موضوع و من گھڑت روایات اور غیر ضروری مواد سے یکسر پرہیز کرتے ہیں۔ ان کا منہجِ تفسیر ثقہ اور معتبر اہل علم کے طریقہ کار کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ سورتوں کی تفسیر کے ابتدا میں بالعموم سورت کا تعارف، سببِ نزول، وجۂ تسمیہ اور فضائل و محاسن درج کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سورت کا اجمالی خاکہ اور خلاصۂ مضامین بھی بیان کرتے ہیں۔

---

[1] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النساء:۱۰۰

[2] مجموعہ تفسیر پروفیسر عبدالقیوم، النور:۵۵

وہ آیات کا بامحاورہ ترجمہ کرنے کے بجائے لفظی ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ یہ لفظی ترجمہ طلبہ وطالبات اور عام قارئین کی عربی استعداد میں اضافے کے لیے نہایت مفید ہے۔ آج کل بھی اسلامیات اختیاری کی نصابی کتب میں لفظی ترجمے ہی کو ترجیح حاصل ہے۔

اسی طرح پروفیسر صاحب تشریح الفاظ کی سرخی قائم کرتے ہیں اور اس کے تحت قرآنی الفاظ کے معانی نہایت محکم اور آسان لب ولہجے میں بیان کرتے ہیں اور ساتھ اہم الفاظ کے صیغے و مادّہ اشتقاق بھی بتاتے ہیں۔ یہ طریق کار بھی عربی دانی اور قرآن کی علمی مہارت کے لیے نہایت کارگر ہے۔ اردو زبان میں ایسی تفاسیر بہت کم ہیں جن میں تفسیر کے اندر تشریح الفاظ اور ان کے صیغوں کو بطورِ خاص اہمیت دی گئی ہو۔ آخر میں مفہوم ومطلب کے عنوان کے تحت قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔ آیات کی تشریح میں سیاق وسباق، شانِ نزول، دیگر قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ بھی نقل کی گئی ہیں۔ فقہی آیات کی تفسیر میں فقہی ضروریات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔

پروفیسر عبدالقیوم کا طرزِ تحریر طلبہ وطالبات اور عام قارئین کے لیے نہایت سہل اور شُستہ ہے۔ تخریج، تحقیق اور فہارس کے علمی کام کی وجہ سے اس مجموعے کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوا۔ سورتوں کا عمدہ انتخاب، معتبر ومستند تفسیر، مختصر اور جامع طرزِ تحریر، یہ تمام امور طلبہ وطالبات کی ضرورتوں کی تکمیل اور عام قارئین کی قرآن دانی کے لیے مفید ہیں۔

محمد زکریا رفیق

محقق دار المعارف، لاہور

یکم جون ۲۰۲۳

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ [1]

سورۃ الفاتحہ کے فضائل

فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں۔ تلاوت کے لحاظ سے یہ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت ہے۔ اس کی حدیث میں بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں، جن میں سے ایک الصلوٰۃ اور الرُّقیہ بھی ہے۔ رقیہ دم کو کہتے ہیں۔ ایک صحابی نے بچھو کے ڈسے ہوئے ایک آدمی کو یہ سورت پڑھ کر دم کیا تو اسے شفا مل گئی۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ''تمھیں کیسے معلوم تھا کہ یہ دم ہے؟!'' [2]

الصلوٰۃ کے معنی نماز ہیں۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔'' [3]

یہ سورت مکے میں اُتری۔ اس میں سات آیات ہیں۔

---

[1] اس سورت کی تفسیر ایف۔ اے کے طلبہ و طالبات کے لیے لکھی گئی۔

[2] صحیح البخاری: ۲۲۷۶

[3] صحیح مسلم: ۳۹۵۔ مراد سورۂ فاتحہ ہے، جس کا نصف حصہ اللہ کی بزرگی اور حمد و ثنا پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ دعا و مناجات پر۔ حدیث مبارکہ میں سورۂ فاتحہ کو نماز کا لازمی حصہ قرار دیا گیا ہے، جس کے بغیر نماز ناقص ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جو ہر نماز اور نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کی دلیل ہیں۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَة

(معانی و مطالب)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○	میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①	سب تعریف اللہ کے لیے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے۔
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ②	نہایت رحم والا مہربان۔
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③	بدلے کے دن کا مالک۔
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④	ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤	ہم کو سیدھا رستہ دکھا۔
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ	رستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے فضل فرمایا۔
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦	جن پر نہ تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہو گئے۔ (آمین!)

آیات ۱ تا ۷۔ تشریح الفاظ

بِ: بمعنی ساتھ۔ یہ حرف آغاز اور ابتدا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔[1]

اِسْم: نام۔ اِسْم کا الف (الف وصل) کثرتِ استعمال سے لکھتے وقت اس جگہ حذف کر دیا گیا اور بِ کو سْمِ سے ملا کر بِسْمِ لکھا گیا۔

اللّٰهُ: اسم ذات ہے۔ ایسی ذات جس کے سامنے بندے ضرورت اور حاجت کے وقت ہاتھ پھیلائیں۔

---

[1] یعنی کبھی الصاق کی باء کا اردو ترجمہ آغاز وابتدا کے معنی میں ہوتا ہے۔

الرَّحْمٰنِ: نہایت رحم والا۔ یہ اللہ کے لیے اسم خاص ہے۔ رحمٰن خدا کے سوا کسی اور ذات کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

الرَّحِیْمِ: مہربان۔ رحیم کا لفظ انسانوں کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے۔ الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِیْمِ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنٰی میں سے ہیں۔

اَلْحَمْدُ: سب تعریف، تمام حمد و ستائش۔

رَبِّ: پالنے والا، پروردگار۔ نیز مالک اور آقا کے لیے بولا جاتا ہے۔

الْعٰلَمِیْنَ: عَالَم کی جمع۔ مختلف چیزوں کا مجموعہ۔ عَالَمٌ میں زمین، آسمان، انسان، جن، فرشتے اور سب جاندار داخل ہیں۔ مراد کل کائنات، سارا جہان۔ یَوْمِ: دن، روز۔

الدِّیْنِ: جزا، بدلہ (نیز قرآن مجید میں یہ اطاعت و فرماں برداری، ملت، عادت اور رسم و رواج کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے)۔ اِیَّاكَ: صرف تیری ہی۔

نَعْبُدُ: ہم عبادت کرتے ہیں۔ فعل مضارع، جمع متکلم۔ عَبَدَ یَعْبُدُ، عبادت کرنا۔

نَسْتَعِیْنُ: ہم مدد مانگتے ہیں۔ فعل مضارع، جمع متکلم۔ عَوْن سے اِسْتَعَانَ باب استفعال ہے۔

اِھْدِنَا: (اھْدِ، نَا) ہدایت کر، دکھا، بتلا ہمیں ہدایت سے۔

الصِّرَاطَ: راہ، راستہ، طریق، روشن اور واضح راستہ۔ یہاں مراد دینِ اسلام ہے۔

الْمُسْتَقِیْمَ: استقامت سے اسم فاعل۔ سیدھا۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سیدھے راستے سے مراد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے۔

الَّذِیْنَ: جمع کے لیے اسم موصول۔ ان لوگوں کا (راستہ)۔

اَنْعَمْتَ: فعل ماضی، واحد حاضر مذکر۔ تو نے انعام کیا، فضل فرمایا۔

عَلَیْهِمْ: (عَلَیْ، هِمْ) ان پر۔ اِنعام یافتہ لوگوں سے مراد انبیاء علیہم السلام، صدیق، شہید، صالح اور نیک لوگ ہیں۔

غَیْرِ: سوا، بغیر، نہیں، نہ۔ الْمَغْضُوْبِ: غضب کیا گیا۔

عَلَیْهِمْ: ان پر۔ لَا: نہ۔

الضَّآلِّیْنَ: گمراہ، بھٹکے ہوئے۔ ضَلَّ سے اسم فاعل۔ مغضوب سے مراد یہودی اور ضالین سے مراد عیسائی ہیں۔[1] سورت کے آخر میں آمین کہنا چاہیے، یعنی اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔

---

[1] أحمد بن حنبل، المسند: ۱۹۳۸۱

مطلب ومفہوم

اِس سورت میں کئی باتوں کی تعلیم دی گئی ہے :

۱۔ قرآن مجید کے آداب میں سے ہے کہ پڑھنے والا پاک صاف ہو۔ پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھے تاکہ اللہ اپنی حفاظت میں رکھے اور شیطان کے وسوسوں اور فریب سے بچائے۔ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے " اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ "(میں شیطان ملعون ومردود سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں) پڑھنا ضروری ہے۔[1]

۲۔ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللہ پڑھنی چاہیے۔[2]

۳۔ حمد وستائش کا حق دار صرف اللہ ہے۔ ہر طرح کی تعریف وتوصیف اسی کو لائق اور سزا وار ہے۔ قابلِ تعریف ایک اللہ کی ذات ہے کیونکہ وہ تمام دنیا کا رب اور مالک ہے۔

۴۔ وہ رحمت کا سرچشمہ ہے۔نہایت رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔

۵۔ اُس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی اور روزِ جزا کو اسی کا اقتدار ہوگا۔

۶۔ اسی کی عبادت کرنی چاہیے،اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ اور کوئی اس قابل نہیں کہ اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے۔

۷۔ سیدھی راہ پر چلنے کی دعا سکھائی : اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام اور فضل ہوا اور ایسی راہ سے بچا جس پر چلنے سے تو ناراض ہوتا ہے اور آدمی بھٹک جاتا ہے۔

چونکہ یہ سورت قرآن مجید کے شروع میں ہے، اس لیے "سورۂ فاتحہ" کہلاتی ہے۔ یا اس لیے کہ ہر رکعت کی ابتدا اسی سورت سے ہوتی ہے۔[3] اسے "سبع مثانی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں سات آیات ہیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں۔[4] اس کا ایک نام "اُمّ القرآن" بھی ہے۔[5]

---

[1] النحل:۹۸/۱۶

[2] الدارقطنی، السنن:۸۸۴

[3] ابن کثیر، التفسیر، الفاتحہ:۱

[4] صحیح البخاری:۵۰۰۶

[5] صحیح البخاری:۵۷۳۶و صحیح مسلم:۳۹۴

سُوْرَةُ الْبَقَرَة [1]

سورۃ البقرہ کے فضائل

سورۃ البقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چالیس رکوع ہیں اور دو سو چھیاسی آیات۔ یہ سب سے لمبی سورت ہے۔

اس سورت میں احکام، اوامر اور نواہی بڑی کثرت سے مذکور ہیں۔ تاریخی حوالے اور خبریں بھی بہت ہیں۔ سورۃ البقرہ کی فضیلت، اجر اور کثرتِ احکام و مواعظ کی وجہ سے اس کو ''فسطاط القرآن'' [2] بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بارہ برس تک اس کے احکام و مسائل پر غور و فکر کرتے رہے اور آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آٹھ برس تک۔ [3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سورۃ البقرہ'' پڑھا کرو۔ اس کا پڑھنا اور سمجھنا باعثِ برکت و سعادت ہے اور اس کی تلاوت سے محرومی باعثِ حسرت۔'' [4]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے اس گھر میں شیطان نہیں رہ سکتا۔'' [5]

بعض روایتوں میں سورۂ بقرہ کو ''قرآن مجید کا مغز'' قرار دیا گیا ہے [6] اور بعض میں بلندی اور اونچائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [7]

---

[1] اس کی تفسیر ایف۔اے کے طلبہ و طالبات کے لیے لکھی گئی۔ آج کل اس سورت کے پہلے ۲۰ رکوع ایف۔اے اسلامیات اختیاری اور آخری بیس رکوع بی۔اے اسلامیات اختیاری میں شامل ہیں۔

[2] القرطبی، التفسیر، البقرہ:۱۔فسطاط القرآن کا مطلب ہے: ''قرآن کا خیمہ''

[3] القرطبی، التفسیر، البقرہ:۱ والذہبی، سیر أعلام النبلاء:۲/۴۰۸

[4] صحیح مسلم:۸۰۴

[5] صحیح مسلم:۷۸۰

[6] الطبرانی، المعجم الکبیر:۸۶۴۴ والالبانی، السلسلۃ الصحیحۃ:۵۸۸۔''قرآن کا مغز'' لُبابُ القرآن کا مفہوم ہے۔

[7] سنن الترمذی:۲۸۷۸

مقصد یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کا مطالعہ ایک مسلمان کو فکری اور عملی گمراہیوں سے بچا لیتا ہے اور ایمان و عملِ صالح کی راہ دکھا کر دین و دنیا کی کامیابی سے بہرہ مند کر دیتا ہے۔

امورِ شرعی کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں مندرجہ ذیل ضروری امورِ شرعی کی طرف اشارات فرمائے ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی ہے۔
۲۔ تمام لوگوں کو اپنے رب کی عبادت کی دعوت دی گئی ہے۔
۳۔ اللہ کے سوا تمام معبودوں کا بطلان اور اس کے شریک ٹھہرانے کی ممانعت ہے۔
۴۔ وحی اور رسالت کا ذکر۔
۵۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے۔
۶۔ کافروں کو قرآن جیسی کتاب پیش کرنے کی تحدی (چیلنج)۔
۷۔ اللہ کی توحید بنیادی عقیدہ ہے۔
۸۔ تمام طیب اور پاکیزہ چیزوں کے کھانے کی اجازت۔
۹۔ ارکانِ اسلام، مثلاً اقامت صلاۃ، زکوٰۃ کی ادائیگی، روزے کے احکام، حج اور عمرہ کے احکام وغیرہ کا بیان۔
۱۰۔ قتال وقصاص کے احکام۔
۱۱۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم۔
۱۲۔ شراب اور جوئے کی حرمت۔
۱۳۔ یتیموں کے معاملات اور ان کا معاشرے میں اختلاط۔
۱۴۔ احکامِ زوجیت از قسم طلاق، خلع، رضاعت، عدت وغیرہ۔
۱۵۔ سود کی حرمت۔
۱۶۔ قرضے کے احکام۔
۱۷۔ تحریری یادداشت، گواہوں کا تقرر، شہادت، عورتوں اور مردوں کی شہادت کے ضمن میں احکام۔
۱۸۔ امانت کی ادائیگی ضروری ہے۔
۱۹۔ شہادت چھپانا حرام ہے۔
۲۰۔ سورۃ البقرہ کے آخری رکوع میں ذکر فرمایا کہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اور آخر میں بڑی جامع اور مفید دعا سکھائی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَة

(معانی ومطالب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کا نام لے کر جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

الم۔ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلامِ خدا ہے، خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور (اے محمد!) جو کتاب آپ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں آپ سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

یہی لوگ اپنے پروردگار (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

جو لوگ کافر ہیں انھیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو اُن کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لانے کے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷

خدا نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور اُن کے لیے بڑا عذاب تیار ہے۔

آیات ا تا ۷۔ تشریح الفاظ اور مطالب

الٓمّٓ: ایسے حروف قرآن مجید کی انتیس سورتوں میں آتے ہیں۔ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے: ''اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ'' سب سے بہتر معنی ہے۔ ذٰلِكَ: اسم اشارہ، مذکر بعید کے لیے۔

فِيْهِ: (فِيْ، هِ) فِيْ حرف جر ہے اور هِ ضمیر متصل ہے۔ هُدًى: ہدایت، راہ دکھانے والی ہے۔

لِّلْمُتَّقِيْنَ: (لِ، الْمُتَّقِيْنَ) یہ لفظ وَقٰى يَقِيْ سے نکلا ہے۔متقی اور پرہیز گار لوگ، تقویٰ رکھنے والے۔تقویٰ کا مطلب ہے خدا کی نافرمانی سے بچنا۔

يُؤْمِنُوْنَ: مضارع، جمع مذکر غائب۔ایمان رکھتے ہیں۔ایمان کا لغوی معنی ہے تصدیق قلبی اور اصطلاح شرع میں زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور عمل صالح کا نام ایمان ہے۔

بِالْغَيْبِ: غیب پر۔غیب سے مراد خدا، فرشتے، روزِ قیامت اور تقدیر وغیرہ ہے۔

يُقِيْمُوْنَ: مضارع، جمع مذکر غائب۔قائم کرتے ہیں۔قَامَ يَقُوْمُ سے باب افعال۔اقامت سے مراد سنت نبوی ﷺ کے مطابق جملہ امور کو پوری طرح ادا کرنا ہے۔

قُلُوْبِهِمْ: (واحد، قَلْبٌ) ان کے دلوں۔ غِشَاوَةٌ: پردہ۔

مطلب ومفہوم: متقین کے اوصاف

بلا ریب یہ سچی کتاب ہے۔اس میں متقین کے لیے راہنمائی ہے، یعنی اس کی ہدایت ہے تو سب لوگوں کے لیے، لیکن قبولیت ہدایت کے لیے جو لوگ آگے بڑھ کر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں وہ متقی ہی ہیں اور متقی کون ہیں؟ وہ جو ذیل کی صفات کے ساتھ متصف ہوں:

۱۔ ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

۲۔ قیام صلوٰۃ کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

۴۔ قرآن مجید اور دیگر کتب سماوی پر ایمان رکھتے ہیں۔

۵۔ آخرت کے ساتھ ایمان، یعنی حشر نشر، حساب کتاب، جزا اور سزا وغیرہ کو بھی مانتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لیے تو جنت کی خوشخبری ہے۔کامیاب زندگی دنیا اور آخرت میں انھی لوگوں کی ہے۔

دوسرا گروہ کافروں کا ہے جو اس کے بالکل برعکس ہے اور وہ یہ کہ اوپر کی بیان کردہ باتوں میں سے وہ کسی پر بھی ایمان نہیں رکھتے اور جب انھیں ڈرایا جائے تو بجائے ماننے کے اور زیادہ ضد کرنے لگ جاتے ہیں۔

گویا مختصر طور پر یوں سمجھیے کہ انسان تین قسم کے ہیں: مومن اور کافر جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا اور منافق جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا ہُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۘ﴿۸﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔

یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَ مَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ؕ﴿۹﴾

یہ (اپنے پندار میں) خدا کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں۔ مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں۔

فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ ۬ۙ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۱۰﴾

ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا، خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں: ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾

دیکھو! یہ بلا شبہ مفسد ہیں لیکن خبر نہیں رکھتے۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اٰمِنُوۡا کَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ کَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَہَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ السُّفَہَآءُ وَلٰکِنۡ لَّا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لائے تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں: بھلا جس طرح بیوقوف ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سن لو کہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب یہ اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں اور ہم تو (پیروانِ محمد ﷺ سے) ہنسی کیا کرتے ہیں۔

اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ وَیَمُدُّہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ﴿۱۵﴾	ان (منافقوں) سے خدا ہنسی کرتا ہے اور انھیں مہلت دیے جاتا ہے کہ شرارت وسرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔
اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُہُمۡ وَمَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ﴿۱۶﴾	وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ وہ ہدایت یاب ہی ہوئے۔
مَثَلُہُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَہٗ ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُوۡرِہِمۡ وَتَرَکَہُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ﴿۱۷﴾	ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (شب تاریک میں) آگ جلائی، جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں تو خدا نے ان لوگوں کی روشنی زائل کر دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔
صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ﴿۱۸﴾	(یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے راستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔
اَوۡ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیۡہِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ یَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰہُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ﴿۱۹﴾	یا ان کی مثال مینہ کی جیسی ہے کہ آسمان سے (برس رہا ہو اور) اس میں اندھیرے پر اندھیرا (چھا رہا) ہو اور (بادل) گرج رہا ہو اور بجلی (کوندرہی ہو تو یہ) کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور خدا کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔
یَکَادُ الۡبَرۡقُ یَخۡطَفُ اَبۡصَارَہُمۡ ؕ کُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَہُمۡ مَّشَوۡا فِیۡہِ ۙ وَاِذَاۤ اَظۡلَمَ عَلَیۡہِمۡ قَامُوۡا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَذَہَبَ	قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اچک لے جائے۔ جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے

بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳

ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر خدا چاہتا تو ان کے کانوں (کی سنوائی) اور آنکھوں کی بینائی (دونوں کو) زائل کر دیتا۔ بلاشبہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

آیات ۸ تا ۲۰۔ تشریح الفاظ

يُخٰدِعُوْنَ: دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

يَخْدَعُوْنَ: دھوکا دیتے ہیں۔

خَلَوْا: علیحدہ ہوتے ہیں۔

كَصَيِّبٍ: (کَ، صَيِّب) مثال بادل کی۔[1]

اَصَابِعَهُمْ: (واحد اِصْبَعٌ) انگلیاں اپنی۔

مِنَ الصَّوَاعِقِ: (واحد صَاعِقَةٌ) کڑکوں کے باعث۔

مطلب و مفہوم: منافقین کا ذکر

اب منافقوں کا ذکر شروع کیا جاتا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ زبان سے تو ایمان باللہ اور بالیوم الآخر کا دعویٰ ہے، لیکن دل سے نہیں مانتے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جیسے عام لوگوں سے ہم اپنے دل کی بات چھپا لیتے ہیں، ویسے ہی اللہ تعالیٰ سے مذاق کر رہے ہیں۔ حقیقت میں وہ اتنے بیوقوف ہیں کہ اپنی ہی جانوں سے دھوکا کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل بیمار ہوتے ہیں اور اپنے کرتوتوں کی بنا پر مزید بیمار ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے انھیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جب غلبہ و اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شر و فساد کرتے ہیں۔ جب انھیں اس سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں: ہمارا رویہ صلح پسندانہ ہے۔ حالانکہ ہیں وہ فسادی ہی، لیکن سمجھانے سے سمجھتے نہیں۔

پھر اس دعوت کے باوجود حقیقی مومنوں کو بیوقوف کہتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ خود ہی بیوقوف ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔ جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ وعدہ اخوت کرتے ہیں اور کفار سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مومنوں سے تو ہم مذاق کرتے ہیں۔ اصل میں تو ہم تمھارے ساتھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق والا معاملہ کرے گا اور اس سرکشی کی وجہ سے حیران پھریں گے۔ ایسے لوگوں کی سودا بازی بھی کوئی سودمند نہیں ہوتی اور دین حق کی انھیں ہدایت بھی نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جو جنگل میں بھٹک رہا ہے۔ تلاش راہ کے لیے اس نے آگ جلائی، جب روشنی ہوئی تو

[1] صَيِّبٌ صَابَ يَصُوْبُ سے ہے۔ اس کے معنی بارش کے ہیں۔ (مختصر تفسیر بغوی، البقرہ: ۱۹)

اچانک وہ آگ بجھ گئی اور پھر گھپ اندھیرا ہوگیا اور وہ پھر کُفر کی گمراہیوں میں بھٹکتا رہا۔ بہرا، گونگا، اندھا ہوکر اصل راہ نہ پاسکا۔

یا پھر بادل جیسی مثال ہے کہ جب کڑکوں، بجلیوں، چمکوں کے ساتھ آتا ہے تو ایسے لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے تو تھوڑا سا چل لیتے ہیں اور جب چمک پھر بند ہوجاتی ہے تو کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی قوت سمعی وبصری کو سلب کرلے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾	لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾	جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر تمھارے کھانے کے لیے انواع واقسام کے میوے پیدا کیے۔ پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔
وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾	اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنالاؤ اور خدا کے سوا جو تمھارے مددگار ہوں ان کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو۔
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾	لیکن اگر (ایسا) نہ کرسکو اور ہرگز نہیں کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ	اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنادو، ان کے لیے (نعمت کے) باغ ہیں

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَأُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۗ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۲۵﴾

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب انھیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا۔ اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیے جائیں گے اور وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا ۙ وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِينَ ﴿۲۶﴾

خدا اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی مثال بیان فرمائے۔ جو مومن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ اُن کے پروردگار کی طرف سے سچ ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے خدا کی مراد کیا ہے؟ اس سے (خدا) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو۔

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيثَاقِهٖ ۖ وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۲۷﴾

جو خدا کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (یعنی) رشتہ قرابت کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اس کو قطع کیے ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾

(کافرو!) تم خدا کے کیونکر منکر ہو سکتے ہو جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تم کو جان بخشی۔ پھر وہی تم کو مارتا ہے، پھر وہی تم کو زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ

وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمھارے لیے پیدا کیں، پھر آسمانوں کی طرف متوجہ

فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

آیات ۲۱ تا ۲۹۔ تشریح الفاظ

فِرَاشًا: بچھونا۔
بِنَاءً: چھت۔
مِنَ الثَّمَرَاتِ: (واحد، ثَمَرَةٌ) پھلوں سے۔
اَنۡدَادًا: (واحد، نِدّ) شریک، ساجھی۔
وَقُوۡدٌ: ایندھن۔
اَزۡوَاجٌ: (واحد، زَوۡجَةٌ) بیوی۔
بَعُوۡضَةٌ: مچھر۔

مطلب ومفہوم: عبادت کا حکم اور اللہ کی نعمتیں

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ پہلے اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور پھر اپنی نعمتیں یاد کراتا ہے۔ فرمایا کہ تمھیں میں نے پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی میں نے ہی پیدا کیا۔

زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنانے والا، بادل بھیج کر مینہ برسانے والا اور زمین میں روئیدگی پیدا کرکے تمھارے لیے مختلف رنگوں کے میوے پیدا کرنے والا وہی اللہ ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔

نشاناتِ قدرت دیکھنے کے بعد بھی اگر تم نزول قرآن کے بارے میں شک کرتے ہو تو پھر اس جیسی ایک سورت بنا کر پیش کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ تم سے ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا اس آتش دوزخ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے۔ ہاں! جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں ان کے لیے جنت ہے۔ جس میں نہریں چلتی ہوں گی۔ رنگ برنگ پھل ہوں گے، جن کے ملنے پر کہیں گے کہ یہ تو وہی ہیں جو ہم دنیا میں کھایا کرتے تھے۔ پھر پاکباز رفقائے زندگی ملیں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

لوگوں کو حقیقت حال سمجھانے کے لیے اگر مچھر وغیرہ کی مثال بیان کر دی جائے تو یہ کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ ایماندار تو جانتے ہیں کہ سچی بات ان کے رب کی طرف سے ہے، لیکن کافر کہتے ہیں کہ مچھر وغیرہ کی مثال بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان باتوں اور مثالوں سے سمجھدار لوگوں کو تو ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور کتنے ہی انسان ہیں جن کے حصے میں گمراہی آئے گی۔ خدا کا قانون ہے کہ گمراہ نہیں کرتا مگر انھی

لوگوں کو جو (ہدایت کی تمام حدیں توڑ کر) فاسق ہو گئے ہیں۔

جو لوگ احکام الٰہی کی اطاعت کا عہد کر کے توڑ ڈالتے ہیں اور رشتوں کو بجائے جوڑنے کے توڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ فاسق اور خسارے والے ہیں۔

پھر فرمایا کہ تمھارا وجود نہ تھا، تمھیں پیدا کر کے وجود عطا کیا۔ اللہ پھر تمھیں مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ایسی باجبروت ذات کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ پھر اللہ نے جو کچھ زمین میں ہے وہ تمھارے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ پھر آسمانوں کی طرف جا کر ان کو برابر کیا اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝٣٠

اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ نے) فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝٣١

اور اس نے آدم (علیہ السلام) کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے، پھر اُن کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

قَالُوا سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝٣٢

انھوں نے کہا: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔

قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَٰوَٰتِ

(تب) اللہ نے حکم دیا کہ آدم! تم اِن کو اُن (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ جب اُنھوں نے اُن کو ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا: کیوں، میں نے تم سے

وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾	نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے (ہو سب) مجھ کو معلوم ہے؟
وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڎ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾	اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔
وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾	اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمھاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا، نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾	پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشتِ بریں سے) چلے جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔
فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾	پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے۔
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾	ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا) جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جنھوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

آیات ۳۰ تا ۳۹۔ تشریح الفاظ

يَسْفِكُ: بہائے گا۔
نُقَدِّسُ: پاکیزگی بیان کرتے ہیں ہم۔
اَنْۢبِئْهُمْ: (اَنْبِئْ ، هُمْ) تو خبر دے ان کو۔
رَغَدًا: بافراغت۔
فَتَلَقّٰٓى: پس سیکھے۔

مطلب ومفہوم: حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش

ان آیات میں خلیفۃ اللہ[1] حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا، پھر فرشتوں پر اس کو برتری دی اور فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔فرشتوں نے اطاعت کی۔ شیطان نے نافرمانی کی اور اللہ کے ہاں مردود قرار دیا گیا۔

پھر آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ محترمہ کو جنت میں رہائش گاہ عطا فرمانا، پھر شیطان کا انھیں اطاعت امرِالٰہی سے بھول میں ڈال دینا، ان کا جنت سے نکل کر دنیا میں آباد ہونا اور پھر اس بھول سے پریشان و پشیمان ہو کر رجوع الی اللہ کرنا مذکور ہے۔

اس کے بعد اولادِ آدم کا دنیا میں پھیل جانا اور پھر ان سے نافرمانیوں اور نیک اعمال کا صدور۔ پھر بُروں کو سزا اور نیکوں کو اچھا بدلہ دیے جانے کا ذکر ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اے آل یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھی سے ڈرتے رہو۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا

اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد ﷺ پر) نازل کی ہے جو تمھاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر

---

[1] ایسی قوم جو نسل در نسل ایک دوسرے کی خلیفہ بنے گی۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ: ۳۰)

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

ایمان لاؤ اور اس سے منکر اوّل نہ بنو اور میری آیتوں میں (تحریف کرکے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو اور مجھی سے خوف رکھو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

یہ کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کیے دیتے ہو، حالانکہ تم کتابِ (خدا) بھی پڑھتے ہو، کیا تم نہیں سمجھتے؟

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر اُن لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

جو یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

آیات ۴۰ تا ۴۶۔ تشریح الفاظ

فَارْهَبُوْنِ: (فَ، اِرْهَبُوْا، نِ) پس مجھی سے ڈرو۔

فَاتَّقُوْنِ: (فَ، اِتَّقُوْا، نِ) پس میرے (غضب) سے بچو۔

مطلب و مفہوم: بنی اسرائیل پر اللہ کے انعام، تذکرہ اوّل

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات یاد دلائے ہیں اور پھر انھیں حکم دیا کہ اس پیغمبر (حضرت محمد ﷺ) کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اس پیغمبر ﷺ پر جو کتاب نازل کی گئی ہے یہ کتاب تمھاری آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اگر تم نے اس کے ساتھ کفر کیا تو دوسرے لوگ بھی تمھاری پیروی کرکے انکار کر دیں گے۔

اے بنی اسرائیل! دنیوی اغراض کو پورا کرنے کے لیے میری اس کتاب کی آیات کو مول نہ بیچو اور حق و باطل کو ملا کر دنیا کے سامنے مت پیش کرو، جبکہ تمھیں حقیقت حال کا سارا علم ہے۔

اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم دے کر پھر فرمایا کہ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کا تمھیں پتہ ہی نہیں۔ کتاب پڑھنے کے باوجود عقل سے کام نہیں لیتے ہو۔

اگر کوئی مصیبت آجائے تو صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اس کا مداوا کراؤ۔ اور نماز جو ہے وہ تو ان لوگوں کو ہی پیاری لگتی ہے جو خشوع کرنے والے ہیں اور انھیں یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن ہمیں ضرور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾	اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾	اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے گی اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کر سکیں گے۔
وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾	اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے مَخلَصی [1] بخشی۔ وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔
وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾	اور جب ہم نے تمھارے لیے دریا کو پھاڑ دیا تو تم کو نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔

---

[1] نجات۔

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا، تاکہ تم شکر کرو۔

وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور معجزے عنایت کیے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ تمھارے خالق کے نزدیک تمھارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر اس نے تمھارا قصور معاف کر دیا اور بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب تم نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو ازسرِ نو زندہ کر دیا تاکہ احسان مانو۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور بادل کا تم پر سایہ کیے رکھا اور (تمھارے لیے) منّ و سلویٰ اتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ (پیو مگر تمھارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی) اور وہ ہمارا کچھ

نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور جب ہم نے (ان سے) کہا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھنا) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور ''حِطَّةٌ'' کہنا، ہم تمھارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

تو جو ظالم تھے انھوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا۔ پس ہم نے (ان) ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا، کیونکہ وہ نافرمانیاں کیے جاتے تھے۔

آیات ۴۷ تا ۵۹۔ تشریح الفاظ

شَفَاعَةٌ: سفارش۔ عَدْلٌ: بدلہ۔

يَسُوْمُوْنَكُمْ: چکھاتے تھے تم کو۔ بَلَآءٌ: آزمائش۔

الْعِجْلَ: بچھڑا۔ اَلْغَمَامَ: بادل۔

اَلْمَنَّ: میٹھی چیز۔ اَلسَّلْوٰى: نمکین چیز۔[1]

حِطَّةٌ: خدایا! ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کر دے۔

مطلب ومفہوم: بنی اسرائیل پر انعامات۔ تذکرۂ ثانی

ان آیات میں بنی اسرائیل کی سیاسی تاریخ بیان کی گئی ہے کہ پہلے تم غلام تھے، پھر تم کو غلامی سے نجات دی اور تمھارے اس دشمن کو غرق کیا جو تمھاری بیٹیوں کو زندہ رکھتا اور تمھارے بیٹوں کو قتل کر دیتا تھا۔ ان سب مصیبتوں سے نجات دے کر تمھارے دشمن کو اسی دریا میں غرق کر دیا، جس میں سے تم کو سلامتی کے ساتھ بچا لیا۔

---

[1] منّ اور سلویٰ کی تشریح میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ تاہم ان کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو بغیر محنت ومشقت کے بطورِ احسان خوراک عطا کی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۵۷)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لینے گئے اور بعد میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی، اس کا ذکر ہے کہ تمھارا یہ فعل غیر مستحسن تھا۔ اس کے بدلہ میں سزا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرو، تب تمھاری توبہ قبول ہوگی۔

پھر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم جب تک اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے نہیں تجھ پر ایمان نہیں لانے کے۔ تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے گئے اور وہاں فوت ہو گئے۔ پھر تمھیں زندہ کر دیا گیا، تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔ اس کے بعد جنگل میں آسمان سے تمھارے لیے مَن وسلویٰ کا انتظام کر دیا گیا۔

اس انعام کے بعد کہا گیا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ جس کی آبادی تمھارے سامنے تھی۔ ہم تمھیں اس میں فتح مندانہ داخل کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے یہ بھی حکم دیا کہ جب شہر کے دروازے میں داخل ہونے لگو تو ''حِطَّةٌ'' کہتے ہوئے داخل ہونا، لیکن تم نے اس کے بجائے ''حِنْطَةٌ'' کہا۔ (یعنی پہلے لفظ کے معنی تھے کہ الٰہی! ہماری غلطیاں معاف فرما دے اور بدلے ہوئے لفظ کے معنی تھے کہ الٰہی! ہمیں گندم عطا کر) یہ مذاق تھا، جو انعامات الٰہی حاصل کرنے کے بعد تمھیں زیب نہ دیتا تھا، لیکن تم نے ایسا ہی کیا اور یہ فاسق لوگوں کا کام ہے۔

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾	اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے (اللہ سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، (انھوں نے لاٹھی ماری) تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کرلیا۔ (ہم نے حکم دیا کہ) اللہ کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ	اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا تو اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں ہمارے لیے پیدا کر

اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ هُوَ اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ هُوَ خَیۡرٌ ؕ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَکُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ؕ وَضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡکَنَةُ ٭ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّکَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾	دے۔ انھوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟(اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو، وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا اور (آخر کار) ذلت (و رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔

آیات ۶۰ تا ۶۱۔ تشریح الفاظ

وَاِذِاسۡتَسۡقٰی: اور جب پانی طلب کیا۔

بِعَصَاكَ: (بِ، عَصَا، كَ) عصا، لکڑی، ڈنڈا۔

فَانفَجَرَتۡ: (فَ، انفَجَرَتۡ) پس جاری ہو گئے۔

بَقۡلِهَا: اس کی سبزی، ترکاری۔

قِثَّآئِهَا: اس کی ککڑی۔

فُوۡمِهَا: اس کے گیہوں۔

عَدَسِهَا: اس کے مسور۔

بَصَلِهَا: اس کا پیاز۔

مفہوم ومطلب: بنی اسرائیل پر انعامات، تذکرہ ثالث

صحرائے سینا میں پانی کی قلت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے بارہ چشمے جاری کر دیے۔ غرض یہ تھی کہ میری نعمتیں کھائیں، پئیں اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں فتنہ وفساد سے باز رہیں۔ اس نعمت کے بعد آسمان سے مَنّ وسلویٰ نازل فرمانا شروع کر دیا۔ لیکن اے بنی اسرائیل! تم سبزیاں ترکاریاں، ککڑیاں، گیہوں، مسور، لہسن، پیاز مانگنے لگے۔ یہ بھی کفرانِ نعمت تھا۔ لیکن ہم نے کہا کہ چلو ایسے ہی سہی۔ تمھاری مطلوبہ اشیاء کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ تم نے میری ہر نعمت کو ٹھکرایا ہے اور اس کا کفران کیا ہے۔ میرے نبیوں کو بغیر حق قتل کیا۔ (مثلاً حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو) تمھاری ساری زندگی نافرمانیوں میں گزری ہے۔ ان گناہوں کی پاداش میں تم دنیا میں ہمیشہ ذلیل رہو گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

اور جب ہم نے تم سے عہد کر لیا اور کوہِ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تا کہ (عذاب سے) محفوظ رہو۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾

تو تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لیے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے عبرت اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت بنا دیا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ بولے: کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

انھوں نے کہا: اپنے پروردگار سے التجا کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: پروردگار فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو، سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

انھوں نے کہا: اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ ہم کو یہ بھی بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا کہ پروردگار فرماتا ہے: اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

انھوں نے کہا: اپنے پروردگار سے پھر درخواست کیجیے کہ ہم کو بتا دے کہ وہ کس کس طرح کا ہو؟ کیونکہ بہت سے بیل[1] ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں، (پھر) اللہ نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے کام میں لگی ہوئی نہ ہو اور نہ تو زمین جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے: اب تم نے سب باتیں درست بتا دیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انھوں نے اس بیل کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔

آیات ۶۲ تا ۷۱۔ تشریح الفاظ

قِرَدَةً: بندر۔
نَكَالًا: عبرت۔
فَارِضٌ: بوڑھی۔
بِكْرٌ: جوان۔

[1] تفسیر ابن کثیر میں گائے کا لفظ مذکور ہے۔

عَوَانٌ: متوسط۔
صَفْرَآءُ: زرد رنگ کی۔
فَاقِعٌ: خالص۔
لَاذَلُوْلٌ: نہ ہل جتی ہو۔
تُثِیْرُ: پھاڑتی ہو۔
شِیَةَ: داغ۔

مطلب و مفہوم: بنی اسرائیل کی سرکشی۔ تذکرۂ اوّل

ان آیات میں اس بات کا بیان ہے کہ مومن کہلانا، یہودی، نصرانی اور صابی کہلانا کوئی بات نہیں جب تک انسان ایمان باللہ والیوم الآخر ملا کر (یعنی آخری نبی پر کامل ایمان لا کر) عمل صالح نہ کرے۔ اگر تم سب میں یہ خوبی پیدا ہو تو پھر قیامت کے دن تمھیں کسی قسم کا خوف و غم نہ ہوگا۔[1]

نیز یہ بیان ہے کہ جب بنی اسرائیل نافرمانی میں بہت زیادہ بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ان کے سر پر سائے کی طرح کر دیا تا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو پڑھ کر اس پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں، لیکن بنی اسرائیل وعدہ کر کے پھر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن بنی اسرائیل کو مچھلی کا شکار کرنے سے منع فرمایا تھا، لیکن انھوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی جس کی پاداش میں انھیں ذلیل بندر بنا دیا گیا۔ یہ واقعہ بعد کے نافرمانوں کے لیے بھی باعث عبرت ہے۔

(بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے چچا کو قتل کر دیا تھا۔ انھوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو انھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ۚ۷۲	اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے، لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷۳	تو ہم نے کہا: اس (گائے) کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔ اس طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

---

[1] ہر دور کے اہل ایمان اپنے نبی کا اتباع کر کے نجات پائیں گے، تاہم آخری نبی کی آمد کے بعد اب کوئی سابقہ دین اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ:۶۲)

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھر تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تمھارے عملوں سے بے خبر نہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

(مومنو!) کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمھارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے؟ (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٦﴾

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اس لیے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمھارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٧﴾

کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے؟!

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٧٨﴾

اور بعض ان میں اَن پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (اللہ کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝۷۹

تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے، تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان کے لیے تباہی ہے اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے پاس سے لکھتے ہیں اور پھر ان پر افسوس ہے اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ ان سے پوچھو: کیا تم نے اللہ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا؟ (نہیں) بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمھیں مطلق علم نہیں۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱

ہاں! جو بُرے کام کرے اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲

اور جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے (اور) ہمیشہ اس میں (عیش کرتے) رہیں گے۔

آیات ۷۲ تا ۸۲۔ تشریح الفاظ

فَادّٰرَءْتُمْ: (فَ، ادّٰرَأَ، تُمْ) تو جھگڑا کیا تم نے۔

قَسْوَةً: سخت۔

يَشَّقَّقُ: پھٹ جاتا ہے۔

يَهْبِطُ: گر پڑتا ہے۔

لِيُحَآجُّوْكُمْ: تا کہ حجت پکڑیں تم پر۔

اَمَانِيَّ: سُنی ہوئی باتیں۔

ثَمَنًا: قیمت، مول۔

مطلب ومفہوم: بنی اسرائیل کی سرکشی۔تذکرہ ثانی

جب گائے ذبح کر دی گئی تو حکم کیا گیا کہ اس کے گوشت کا ٹکڑا اس مقتول کے جسم کے ساتھ مارو، وہ خود بتائے گا کہ میرا قاتل کون ہے؟ چنانچہ اس طریق سے قاتل کا پتہ بھی چل گیا اور ساتھ ہی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

پھر بنی اسرائیل کی سنگدلی کا بیان ہے کہ تمھارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ پتھر پھٹ جاتے ہیں تو ان سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے خوف سے ویسے بھی گر پڑتے ہیں۔ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور یہ سب کچھ خوف الٰہی سے ہوتا ہے۔ لیکن تمھارے دلوں پر حق وصداقت کی کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ خوفِ الٰہی سے خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے ایک جماعت اللہ کا کلام سننے اور سمجھنے کے باوجود اس میں تبدیلی کر دیتی ہے باوجود کہ انھیں سب باتوں کا علم ہے۔

پھر نفاق کی بیماری میں بھی مبتلا ہیں۔ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمھارے ساتھ ہیں اور جب اپنے ساتھیوں سے بات کرتے ہیں تو انھیں یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تم نے مسلمانوں کو اپنی کتابوں کی باتیں بتلا دیں تو تم سے اللہ کے دربار میں جھگڑا کریں گے حالانکہ اگر ایسا نہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی ظاہر و پوشیدہ ہر بات کو جانتا ہے۔

فرمایا کہ ان میں ان پڑھ لوگ بھی ہیں۔ کتاب وغیرہ کا کچھ علم نہیں رکھتے اور حال یہ ہے کہ اپنی ہر خواہش اور خیال کو دین اور شریعت کا درجہ دیتے ہیں۔ پھر جو اللہ کی کتاب میں اپنے ہاتھوں لکھ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، انھیں یہ بھی غلط فہمی ہو گئی ہے کہ اگر ہمیں عذاب بھی ہوا تو بس چند روز ہو گا جیسے اللہ سے عہد و پیمان کر کے آئے ہوئے ہیں۔ ہاں ہاں! ہمارے ہاں نیکیاں کرنے والوں کو جنت ملے گی اور اس کی نعمتیں ملیں گی اور برے اعمال کرنے والوں کو بری جگہ یعنی دوزخ ملے گی۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا
لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور
وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا	یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور
لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا	لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ
الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا	دیتے رہنا تو چند شخصوں کے سوا تم سب (اس عہد سے)

مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴿۸۳﴾	منہ پھیر کر پھر بیٹھے۔
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴿۸۴﴾	اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں کشت وخون نہ کرنا اور اپنوں کو ان کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اقرار کرلیا اور تم (اس بات کے) گواہ ہو۔
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۸۵﴾	پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کر کے انھیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور اگر وہ تمھارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلہ دے کر ان کو چھڑا بھی لیتے ہو، حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم کو حرام تھا۔ (یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (اللہ) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے غافل نہیں۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴿۸۶﴾	یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔ سو نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو (اور طرح کی) مدد ملے گی۔

آیات ۸۳ تا ۸۶۔ تشریح الفاظ

مِيْثَاق: عہد۔

تَظَاهَرُوْنَ: مدد کرتے ہو تم۔

اُسَارٰى: (واحد، اَسِيْرٌ) قیدیوں۔

تُفٰدُوْھُمْ: فدیہ دیتے ہو تم ان کے چھڑانے کا۔

خِزْیٌ: ذلت وخواری۔

مطلب ومفہوم: بنی اسرائیل کی سرکشی۔ تذکرۂ ثالث

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ احکام بھی دیے گئے:

۱۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

۲۔ ماں باپ، ذوی القربیٰ، یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ نیکی کرنا۔

۳۔ تمام لوگوں سے حسن سلوک کرنا۔

۴۔ قیام نماز۔

۵۔ ادائے زکوٰۃ پر قائم رہنا۔

لیکن حکم ملنے کے بعد سوائے چند ایک کے اکثر نے نافرمانی کی۔ پھر اس وعدہ کا ذکر ہے کہ کمزوروں کے ساتھ نہ تو خون خرابہ کرنا ہے اور نہ ہی انھیں گھروں سے نکالنا ہے۔ لیکن تم نے خون خرابہ بھی کیا اور انھیں گھروں سے بھی نکال باہر کیا۔ قید بھی کیا اور پھر ان کا فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو، حالانکہ انھیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی حرام تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ تمھیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، اس وجہ سے ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف نہ ہوگی اور نہ ہی کسی قسم کی مدد کے حقدار سمجھے جائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾	اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرائیل) سے ان کو مدد دی۔ جب کوئی پیغمبر تمھارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمھارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو تم جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور کہتے ہیں: ہمارے دل پردے میں ہیں، (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی پر ایمان لاتے ہیں۔

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور جب اللہ کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

جس چیز کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا وہ بہت بُری ہے (یعنی) اس جلن سے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے نازل فرماتا ہے، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے تو وہ (اس کے) غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے (اب) نازل فرمائی ہے اس کو مانو تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر (پہلے) نازل ہو چکی ہے ہم تو اسی کو مانتے ہیں (یعنی) یہ اس کے سوا اور (کتاب) کو نہیں مانتے، حالانکہ وہ (سراسر) سچی ہے اور جو ان کی (آسمانی) کتاب ہے اس کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ (ان سے) کہہ دو کہ اگر تم صاحبِ ایمان ہوتے تو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے ہی کیوں قتل کیا کرتے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) تمھارے پاس کھلے ہوئے

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

معجزات لے کر آئے تو تم ان کے (کوہِ طور پر جانے کے) بعد بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اور تم (اپنے ہی حق میں) ظلم کرتے تھے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور جب ہم نے تم (لوگوں) سے عہد واثق لیا اور کوہِ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو زور سے پکڑو اور (جو تمھیں حکم ہوتا ہے اس کو) سنو تو وہ (جو تمھارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا (گویا) ان کے دلوں میں رَچ گیا تھا۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ اگر تم مومن ہو تو تمھارا ایمان تم کو بری بات بتاتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اور لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے لیے نہیں اور اللہ کے نزدیک تمھارے ہی لیے مخصوص ہے تو اگر سچے ہو تو موت کی آرزو تو کرو۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

لیکن ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

بلکہ ان کو تم اور لوگوں سے زندگی کے کہیں حریص دیکھو گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی۔ ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش! وہ ہزار برس جیتا رہے۔ مگر اتنی لمبی عمر اس کو مل بھی جائے تو اسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان کو دیکھ رہا ہے۔

آیات ۸۷ تا ۹۶۔ تشریح الفاظ

قَفَّيْنَا: پے در پے بھیجے ہم نے۔ لَا تَهْوٰى: نہیں چاہتے تھے۔
غُلْفٌ: پردہ۔ اَحْرَصَ النَّاسِ: سب لوگوں سے زیادہ حریص۔
لَوْ يُعَمَّرُ: کاش کہ عمر دیا جائے۔ بِمُزَحْزِحِهٖ: دور رکھنے والا اس کو۔

مطلب ومفہوم: بنی اسرائیل کی سرکشی۔ تذکرہ رابع

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح تعلیم پیش کر کے بنی اسرائیل کے انکار اور ان کے حیلے بہانوں کا ذکر کیا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے دلی بغض وعناد کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے دل صاف ہوں تو پھر حق وصداقت کو قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ انھوں نے تو صرف دنیاوی اغراض سامنے رکھی ہوئی ہیں اور بس۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

کہہ دو کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیے)۔ اس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے تمھارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور ہم نے تمھارے پاس سلجھی ہوئی آیتیں[1] ارسال فرمائی ہیں اور ان سے انکار وہی کرتے ہیں جو بدکردار ہیں۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ان لوگوں نے جب (اللہ سے) عہد واثق کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اس کو (کسی چیز کی طرح) پھینک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر بے ایمان ہیں۔

---

[1] مراد واضح آیات۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر (آخر الزماں) آئے اور وہ ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾

اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان (علیہ السلام) کے عہدِ سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان (علیہ السلام) نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور ان باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں۔ تم کفر میں نہ پڑو۔ غرض لوگ ان سے ایسا (جادو) سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں اور اللہ کے حکم کے سوا وہ ایسے (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اور (کچھ ایسا علم) سیکھتے جو اُن کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور جس چیز کے عوض انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بری تھی۔ کاش! وہ (اس بات کو) جانتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ کاش! وہ اس سے واقف ہوتے۔

آیات ٩٧ تا ١٠٢۔ تشریح الفاظ

عَدُوٌّ: دشمن۔
نَبَذَ: پھینک دیا۔
وَرَآءَ: پیچھے۔
السِّحْرُ: جادو۔
اَلْمَرْءُ: مرد۔
زَوْجٌ: بیوی۔
لَمَثُوْبَةٌ: البتہ ثواب تھا۔

مطلب ومفہوم: بنی اسرائیل کا دین سے انحراف اور جادو سے لگاؤ

بنی اسرائیل نے ایک اور عذر لنگ تراشا کہ اگر حضرت محمد ﷺ پر جبرائیل کے علاوہ کوئی اور پیغامِ الٰہی لے کر آتا تو ہم تسلیم کر لیتے کہ واقعی یہ سچا پیغمبر ہے۔ جبرائیل تو ہمارا دشمن ہے۔ ہم پر جتنے عذاب اور مصائب آئے وہ اسی کی وجہ سے آئے۔ ہم بھی اس کے دشمن ہیں۔[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ کا، اس کے فرشتوں، رسولوں، جبرائیل و میکائیل کا دشمن ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے۔

پیغمبرِ اسلام سے خطاب کہ دعوتِ حق کا ظہور سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ ہوا ہے۔ جن سے کوئی راست باز انسان انکار نہیں کر سکتا اور اگر علمائے یہود کتاب اللہ کے ہونے کے باوجود انکار کر رہے ہیں تو یہ کفر و انکار کا کوئی نیا مظاہرہ نہیں ہے جس پر تعجب ہو، اس سے پہلے بھی ان کی روش ایسی ہی رہ چکی ہے۔

بنی اسرائیل کے ضعف عقل و ایمان پر اس واقعہ سے استشہاد کہ جادوگروں کے شعبدوں پر جھک پڑے تھے اور کتاب الٰہی کی تعلیم پس پشت ڈال دی تھی۔ ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ اس بارے میں جو خرافات مشہور ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾	اے اہل ایمان! (گفتگو کے وقت اللہ کے پیغمبر ﷺ سے) رَاعِنَا نہ کہا کرو، اُنْظُرْنَا کہا کرو اور خوب سن رکھو اور کافروں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔
مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ	جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب یا مشرک وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے خیر و برکت نازل ہو اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی

---

[1] احمد بن حنبل، المسند: ٢٤٨٣ و الطبرانی، المعجم الکبیر: ١٢٤٢٩

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝١٠٥

رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٠٦

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر بات پر قادر ہے؟

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝١٠٧

تمھیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝١٠٨

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر (ﷺ) سے اسی طرح کے سوال کرو جس طرح کے سوال پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے کیے گئے تھے اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے بدلے کفر کیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ښ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٠٩

بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں، حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔ تو تم معاف کردو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے۔ بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝١١٠

اور نماز ادا کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جو بھلائی اپنے لیے آگے بھیج رکھو گے اس کو اللہ کے ہاں پالو گے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾	اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا۔ یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں۔(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔
بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾	ہاں! جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

آیات ۱۰۳ تا ۱۱۲۔ تشریح الفاظ

رَاعِنَا: ہماری طرف دیکھیے۔ مَا يَوَدُّ: نہیں پسند کرتے۔

مَا نَنْسَخْ: جو حکم تبدیل کرتے ہیں ہم۔ نَسَخَ يَنْسَخُ سے۔

نُنْسِهَا: ہم بھلا دیتے ہیں وہ۔ (نَسِيَ سے اِنْسَاء) جمع متکلم۔

فَاعْفُوْا: (فَ، اعْفُوْا) پس معاف کر دو۔ وَاصْفَحُوْا: اور درگزر کر دو۔

بُرْهَانَكُمْ: دلیل اپنی۔

بَلٰى: ایسا نہیں، کیوں نہیں۔ (یعنی جیسا) تم کر رہے ہو وہ ٹھیک ہے۔ لفظی معنی: ہاں۔

مطلب و مفہوم: بنی اسرائیل کے بعد ایمان والوں سے خطاب

دعوت قرآنی کے پیروؤں سے خطاب کہ بنی اسرائیل کے ایام و وقائع سے عبرت پکڑیں اور ان ٹھوکروں سے بچیں جو انھیں اس راہ میں لگ چکی ہیں۔ نیز ان شکوک اور اعتراضات کا جواب جو منکرین حق مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لیے ہوا کہ یا تو ''نسخ'' کی حالت طاری ہوئی یا ''نسیان'' کی۔ نسخ یہ ہے کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن موقوف ہوگئی اور اس کی جگہ دوسری بات آ گئی۔ جیسے شریعت محمدی کے آنے سے شریعت موسوی منسوخ ہوگئی۔ نسیان کے معنی بھول جانے کے ہیں۔

پس بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی لیکن احوال وظروف بدل گئے تھے یا اس کے پیروکاروں کی عملی روح معدوم ہوگئی تھی، اس لیے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے۔ بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ امتدادِ وقت سے تعلیم بالکل فراموش ہوگئی اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا۔ پس لامحالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیان شرائع، لیکن نئی تعلیم پہلی تعلیم سے بہتر ہوگی یا اس کے مانند ہوگی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو، کیونکہ اصل تکمیل ارتقا ہے نہ کہ تنزل و تسفل۔

کثرتِ سوال اور تَعَمّق فِی الدِّین کی ممانعت کر دی۔ ''تعمق'' یعنی ضرورت سے زیادہ باریکیاں نکالنی اور کاوشیں کرنی اور ایک سیدھے سادے معاملہ کو پیچیدہ بنا دینا۔

نماز اور زکوٰۃ یعنی قلبی اور مالی عبادت کی سرگرمی ایک ایسی حالت ہے جس سے جماعت کی معنوی استعداد اور صلاحیت نشوونما پاتی اور قوی ہوتی ہے۔ جس جماعت میں یہ سرگرمی موجود ہو وہ نہ تو دین سے برگشتہ ہوسکتی ہے اور نہ اس کی اجتماعی قوت میں کمزوری آسکتی ہے۔

یہود اور نصاریٰ کا یہ خیال کہ جب تک یہودی یا نصرانی نہ بنا جائے جنت میں داخلہ نہ ملے گا۔ اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جنت کی کلید ایمان اور عمل صالح ہے۔ جنت کسی خاص جماعت کی اجارہ داری نہیں ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾	اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں: یہودی رستے پر نہیں، حالانکہ وہ کتاب (الٰہی) پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بالکل انھی کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ قیامت کے دن اس کا ان میں فیصلہ کر دے گا۔
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ	اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کیے جانے کو منع کرے اور ان کی

أُولَٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمۡ أَن يَدۡخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَۚ لَهُمۡ فِي ٱلدُّنۡيَا خِزۡيٞ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴿١١٤﴾

ویرانی میں ساعی[1] ہو۔ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

وَلِلَّهِ ٱلۡمَشۡرِقُ وَٱلۡمَغۡرِبُۚ فَأَيۡنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجۡهُ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ وَٰسِعٌ عَلِيمٞ ﴿١١٥﴾

اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔تو جدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے۔[2] بے شک اللہ صاحبِ وسعت اور باخبر ہے۔

وَقَالُواْ ٱتَّخَذَ ٱللَّهُ وَلَدٗاۗ سُبۡحَٰنَهُۥۖ بَل لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ كُلّٞ لَّهُۥ قَٰنِتُونَ ﴿١١٦﴾

اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ (نہیں) وہ پاک ہے، بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔

بَدِيعُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ وَإِذَا قَضَىٰٓ أَمۡرٗا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿١١٧﴾

(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ لَوۡلَا يُكَلِّمُنَا ٱللَّهُ أَوۡ تَأۡتِينَآ ءَايَةٞۗ كَذَٰلِكَ قَالَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِم مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡۘ تَشَٰبَهَتۡ قُلُوبُهُمۡۗ قَدۡ بَيَّنَّا ٱلۡأٓيَٰتِ لِقَوۡمٖ يُوقِنُونَ ﴿١١٨﴾

اور جو لوگ (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی انھی کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جو لوگ صاحبِ یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ بِٱلۡحَقِّ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗاۖ

(اے محمد!) ہم نے آپ کو سچائی کے ساتھ خوشخبری

---

[1] کوشش کرنے والا۔

[2] ''وَجۡهُ ٱللَّهِ'' کے لفظی معنی ہیں: اللہ کا چہرہ۔ یہاں اللہ کا چہرہ ثابت ہو رہا ہے جو اللہ کی شان کے لائق ہے اور تشبیہ و تمثیل سے پاک ہے۔ (تفسیر سعدی، البقرۃ:۱۱۵) ایک معنی اللہ کی رضا ہے، یعنی اللہ کی رضا والا قبلہ۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۱۱۵)

وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں آپ سے کچھ پرسش نہیں ہوگی۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

اور آپ سے نہ یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔ (ان سے) کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر!) اگر آپ اپنے پاس علم (یعنی اللہ کی وحی) کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو آپ کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسا) پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو اس کو نہیں مانتے وہ خسارہ پانے والے ہیں۔

آیات ۱۱۳ تا ۱۲۱۔ تشریح الفاظ

سَعٰى: کوشش کرے۔ فَثَمَّ: (فَ، ثَمَّ) پس اسی طرف۔

قَانِتُوْنَ: فرمانبرداری کرنے والے۔ بَدِيْعُ: نیا پیدا کرنے والا۔

تَشَابَهَتْ: یکساں ہو گئے۔ اَهْوَآءَهُمْ: (واحد، هَوٰى) ان کی خواہشات نفسانی کی۔

مطلب و مفہوم: بنی اسرائیل کے متفرق اعتراضات

یہودی کہتے تھے: جب تک ایک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔ عیسائی کہتے تھے: جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں مل سکتی۔ قرآن کہتا ہے: نجات کا دارومدار خدا پرستی اور نیک عملی پر ہے، نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔ جو انسان بھی خدا پرست اور نیک عمل ہوگا نجات پائے گا، خواہ گھڑی ہوئی گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

مذہبی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ہر گروہ کے لیے اس کی مخصوص عبادت گاہیں ہیں۔ اگر دوسرے گروہ کا کوئی آدمی ان میں خدا کی عبادت کرنا چاہے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔ ہر گروہ چاہتا ہے کہ دوسرے گروہ کی عبادت گاہیں ڈھا دے اور ویران کر دے، حالانکہ سب خدا پرستی کے مدعی ہیں اور سب کا خدا ایک ہی خدا ہے۔[1]

خدا کسی خاص عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر محدود نہیں ہے کہ صرف وہیں اس کی عبادت کی جاسکے۔ جہاں کہیں بھی اسے اخلاص کے ساتھ یاد کیا جائے وہ قبول کر لے گا۔

عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کتاب الٰہی کی تعلیم سے منحرف ہو گئے اور ابنیت مسیح کے اعتقادِ باطل پر اپنی کلیسائی گروہ بندی قائم کر لی۔ مشرکین عرب اور ان کے جاہلانہ و معاندانہ اعتراضات، قرآنِ مجید نے سب کی نشان دہی کی ہے۔

جس طرح انسانی سچائی کا مزاج ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے، اسی طرح انسانی گمراہی کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زمانہ میں منکرینِ حق نے ایک ہی طریقہ پر سچائی کو جھٹلایا ہے اور ایک ہی طرح کی صدائیں بلند کی ہیں۔

سچائی کی پہچان رکھنے والوں کے لیے سب سے بڑی نشانی پیغمبر کی تعلیم اور اس کی زندگی ہے۔ یہ بات سنتِ الٰہی کے خلاف ہے کہ لوگوں کے جاہلانہ خیالات کے مطابق فرمائشی معجزے دکھلائے جائیں۔

اے پیغمبر ﷺ! یہود و نصاریٰ تو آپ کو اپنا متبع بنا کر خوش ہوں گے لیکن اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو ہمارے ساتھ تمھارا تعلق منقطع ہو جائے گا، لہٰذا خبردار رہیو۔

پھر بنی اسرائیل سے فرمایا گیا کہ ضد و تعصب چھوڑ کر حق و صداقت پر لگ جاؤ، تمھارے لیے اس میں بہتری ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾	اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور یہ کہ میں نے تم کو اہل عالم پر فضیلت بخشی۔
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ	اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام

---

[1] یعنی تمام مسلمانوں کا الٰہ ایک ہے۔ یہ مراد نہیں کہ تمام انسان اور اہل مذاہب اسی ایک کی عبادت کرتے ہیں۔

شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

نہ آئے اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے اور نہ اس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے اور نہ لوگوں کو (کسی اور طرح کی) مدد مل سکے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم (علیہ السلام) کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اُترے۔ اللہ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انھوں نے کہا کہ (پروردگار!) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو)۔ اللہ نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم (علیہ السلام) کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو اور ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا کر۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا۔ (مگر) پھر اس کو دوزخ کے (عذاب بھگتنے کے) لیے ناچار کردوں گا اور وہ بری جگہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک

تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور (پروردگار!) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انھی میں سے ایک پیغمبر (ﷺ) مبعوث کیجیے جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔

آیات ۱۲۲ تا ۱۲۹۔ تشریح الفاظ

وَإِذِ ابْتَلَىٰ: اور جب آزمایا۔

لَا يَنَالُ: نہیں ملے گا، نہیں پہنچے گا۔

الْبَيْتَ: بیت اللہ، کعبہ۔

مَثَابَةً: جگہ پھرنے کی، یعنی اجتماع کی جگہ۔

لِلطَّائِفِينَ: واسطے طواف کرنے والوں کے۔

الْعَاكِفِينَ: اعتکاف کرنے والے۔

الرُّكَّعِ: رکوع کرنے والے۔

السُّجُودِ: سجدہ کرنے والے۔

الْقَوَاعِدَ: (واحد، قَاعِدَةٌ) بنیادیں۔

مطلب ومفہوم: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ خیر، آزمائش اور منصب امامت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش، منصبِ امامت کا عطیہ، دین الٰہی کی دعوت، کعبہ کی تعمیر اور امت اسلامی کے ظہور کی دعا، یہ ذکر اس محل میں چار بصیرتیں رکھتا ہے:

۱۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مسلمہ تھی، اس لیے ان کی دعوت سے استشہاد تینوں کے لیے ضروری اور قابل قبول ہے۔

۲۔ مذہبی گروہ بندی کے خلاف تینوں گروہوں کے لیے ایک حجت قاطع ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ تینوں گروہ بندیاں اور ان کے عقائد و رسوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کیا تھا؟ یقیناً وہ ان گروہ بندیوں کا طریقہ نہ تھا۔ پس جو طریقہ ان کا تھا اسی کی دعوت قرآن دیتا ہے۔

۳۔ یہودیوں کی سرگردانی زیادہ تر نسلی غرور کا نتیجہ تھی۔ وہ کہتے تھے: ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ تورات میں ہے کہ خدا نے اس کی نسل کو برکت دی۔ اس بیان نے واضح کر دیا کہ اوّل تو نسل کے شرف میں بنی اسحاق کی طرح بنی اسماعیل بھی شریک ہیں۔ پھر جو کچھ بھی ہو خدا کا عہدِ برکت نیک کرداروں کے لیے تھا نہ کہ بدکرداروں کے لیے۔ جن لوگوں نے ایمان و عمل کی سعادت کھو دی ان کے لیے نسل کا امتیاز کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔

۴۔ پچھلی اُمتوں کی محرومیوں کے ذکر کے بعد یہ حقیقت واضح کرنی تھی کہ اب توفیق الٰہی نے پیروانِ دعوتِ قرآن کو خدمت حق کے لیے چُن لیا ہے اور اقوام عالم کی ہدایت کا سررشتہ[1] ان کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے دعوتِ قرآن کے معنوی ظہور کی تاریخ بیان کر دی جائے۔ چنانچہ کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر اس غرض سے کیا گیا ہے کہ آنے والے بیان کے لیے قدرتی تمہید کا کام دے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾	اور ابراہیم (علیہ السلام) کے دین سے کون رُوگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرہ) صلحاء میں ہوں گے۔
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾	جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔
وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ	اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی

---

[1] بنیادی تعلق، اصل۔

یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾	وصیت کی اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔
اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰـھًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾	بھلا جس وقت یعقوب (علیہ السلام) وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے۔ جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے۔ جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔
تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾	یہ جماعت گزر چکی، ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا) اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔
وَقَالُوْا کُوْنُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَھْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرٰھٖمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۳۵﴾	اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو: (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ۖ وَنَحْنُ لَہٗ	(مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (سب پر ایمان

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾	لائے)۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔
فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾	تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیرلیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمھارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمھیں اللہ کافی ہے اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔
صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ؗ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾	(کہہ دو کہ ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کرلیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔
قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾	(ان سے) کہو: کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی تمھارا اور ہمارا پروردگار ہے اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا) اور ہم خاص اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾	(اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے محمد! ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ	یہ جماعت گزر چکی، اُن کو وہ (ملے گا) جو اُنھوں نے

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾	کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا اور جو وہ عمل کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔

آیات ۱۳۰ تا ۱۴۱۔ تشریح الفاظ

يَّرْغَبُ عَنْ: پھر سکتا ہے۔ — سَفِهَ: جاہل رہا۔

وَالْاَسْبَاط: (واحد، سِبْطٌ) اولاد میں۔ — صِبْغَةَ اللّٰهِ: اللہ کا رنگ۔

مطلب ومفہوم: ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کا دین کیا تھا؟

ان آیات میں ملت ابراہیم علیہ السلام کو اصل دین قرار دیا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا دین خالص اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔ جس کی آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور حضرت یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔ جس کی عبادت آپ کے آباء واجداد حضرت ابراہیم، اسماعیل واسحاق علیہم السلام نے کی۔

پھر پہلے لوگوں کے عقائد کے بارے میں بحث وجدال سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ خود نیک کردار پیدا کرو۔ ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جو تم کرو گے اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا، جو انھوں نے کیا اس کا سوال ان سے ہوگا تم سے نہیں ہوگا۔

یہود ونصاریٰ اب بھی یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ۔ اصل بات یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام پر چلو جو خالص اللہ کی عبادت کرنے والے تھے اور مشرکوں سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کہہ دو کہ ہم تو اللہ اور قرآن مجید، صحفِ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد کے صحیفوں کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ ان سب انبیاء کی تعلیم خالص توحید الٰہی تھی، اسی وجہ سے ہم ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے۔ اگر یہ لوگ تمھاری طرح ایمان لے آئیں تو بہتر، ورنہ وہ نافرمان ہیں۔ اصل رنگ اللہ کے دین کا رنگ ہی ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ	احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾

تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُـوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ ھَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِـيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾

اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ بنیں اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کون (ہمارے) پیغمبر (ﷺ) کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی، مگر جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یونہی کھودے۔ اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحب رحمت ہے۔

قَدْ نَرٰى تَـقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَـقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾

(اے محمد ﷺ!) ہم تمھارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو۔ اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کیا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں۔

وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور اگر تم ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾	کر آؤ تو بھی یہ تمھارے قبلے کی پیروی نہ کریں اور تم بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہو اور ان میں سے بھی بعض بعض کے قبلے کے پیرو نہیں۔ اور اگر تم باوجود اس کے کہ تمھارے پاس دانش (یعنی اللہ کی وحی) آچکی ہے ان کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾	جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (پیغمبر ﷺ آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں، مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾	(اے پیغمبر ﷺ! یہ نیا قبلہ) تمھارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۴۷۔تشریح الفاظ

سَيَقُوْلُ: قَالَ يَقُوْلُ سے مضارع، جمع مذکر غائب، سین برائے استقبال ہے۔سَ، يَقُوْلُ، عنقریب کہیں گے۔

السُّفَهَآءُ: اَل، سُفَهَآءُ (واحد، سَفِيْهٌ) بیوقوف، کم عقل، غیر مستقل رائے والا۔

وَلّٰهُمْ: (وَلّٰ، هُمْ) وَلّٰی يُوَلِّيْ سے فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب۔ پھیر دیا۔

يَهْدِيْ: هَدٰى يَهْدِيْ سے مضارع، واحد مذکر غائب۔ راہ دکھاتا ہے، ہدایت کرتا ہے۔

لِتَكُوْنُوْا: (لِ، تَكُوْنُوْا) كَانَ يَكُوْنُ سے جمع مذکر مخاطب۔ تاکہ ہو جاؤ تم۔

شُهَدَآءَ: (واحد، شَهِيْدٌ) گواہ، شہادت دینے والا۔

لِنَعْلَمَ: (لِ، نَعْلَمَ) عَلِمَ يَعْلَمُ سے جمع متکلم۔ تاکہ جان لیں ہم۔

يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ: (عَقِبٌ سے تثنیہ) ایڑی سے پھرنا، محاورہ ہے۔ تابعداری سے منحرف ہو جانا، بات کو نہ ماننا۔

لَكَبِيْرَةً: (لَ، كَبِيْرَةً) بڑی بات۔

لِيُضِيْعَ: (لِ، يُضِيْعَ) اَضَاعَ يُضِيْعُ سے واحد مذکر غائب۔ تاکہ ضائع کرے، خراب کردے۔

تَقَلُّبَ: تَقَلَّبَ يَتَقَلَّبُ سے مصدر۔ بار بار پھرنا۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ: (فَ، لَ، نُوَلِّيَنَّ، كَ) وَلّٰى يُوَلِّي سے۔ جب مضارع پر نون ثقیلہ آجائے تو خاص استقبال کا معنی ہو جاتا ہے۔ پھیر دیں گے ہم، یا والی بنا دیں گے ہم۔ پہلے معنی کا مصدر تَوَلِّی ہے اور دوسرے معنی کا مصدر تَوْلِيَة ہے۔ اور اس میں ایک زبردست پیشگوئی ہے جو تحویل قبلہ سے چھ سال بعد ۸ ھ میں فتح مکہ کی صورت میں پوری ہوئی جو نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

شَطْرَ: طرف، جانب، سمت۔

لَيَعْلَمُوْنَ: (لَ، يَعْلَمُوْنَ) عَلِمَ يَعْلَمُ سے۔ البتہ جانتے ہیں۔

اَهْوَاءَ: (واحد، هَوٰى، خواہش) خواہشات۔ اَبْنَاءَ: (واحد، اِبْنٌ بیٹا) بہت سے بیٹے۔

لَيَكْتُمُوْنَ: (لَ، يَكْتُمُوْنَ) كَتَمَ يَكْتُمُ سے جمع مذکر غائب۔ چھپاتے ہیں۔

مطلب و مفہوم: تحویل قبلہ کا حکم، تذکرہ اوّل

رسول اللہ ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کرکے جب مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو سولہ سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔[1] پھر جب کعبہ شریف کو دائمی قبلہ بنانے کا حکم صراحتاً آگیا تو جو اعتراض اہل کتاب کرنے والے تھے اس کی بابت پہلے سے ہی خبر دے دی کہ وہ ایسا ایسا کہیں گے، لیکن یہ ان کی بیوقوفی ہوگی۔

بیت المقدس کو عارضی قبلہ بنانے کے اسباب یہ تھے:

۱۔ جب تک آپ ﷺ مکہ میں رہے بیت المقدس قبلہ رہا۔ کیونکہ مشرکین مکہ بیت المقدس کو قابل احترام نہیں سمجھتے تھے اور کعبہ کو انھوں نے خود ہی بڑا بت کدہ بنا رکھا تھا۔ اس لیے شرک اور توحید کے درمیان یہی حد امتیاز تھی کہ بیت المقدس کو قبلہ بنایا جائے۔

۲۔ مدینہ اور اس کے نواح میں زیادہ تر یہودی اور عیسائی تھے۔ یہ کعبۃ اللہ کی عظمت نہیں جانتے تھے۔ اس لیے مدینہ میں اسلام قبول کرنے کی علامت یہ قرار پائی کہ بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نماز

[1] صحیح البخاری: ۴۰؛ صحیح مسلم: ۵۲۵

پڑھی جائے۔

۳۔ دنیا معلوم کرے کہ عرب نے آنحضرت ﷺ کی اتباع اس لیے نہیں کی کہ آپ ﷺ ان کے قبلہ کو سجدہ گاہ بنا رہے ہیں بلکہ اصل مُطاع (قابلِ اطاعت) رسول اللہ ﷺ کو سمجھتے تھے۔جدھر حکم ہوا ادھر ہی منہ پھیر لیا۔اگرچہ یہ اس قوم کے لیے سخت مشکل امر تھا کہ صدیوں سے جو ان کا قبلہ چلا آرہا تھا یک دم بدل دیا جائے۔

۴۔ منافق اور مومن الگ الگ ہو جائیں، منافق ممتاز ہو جائیں تاکہ آئندہ صرف راسخ الایمان ہی میدان میں نکلیں۔

نیز یہاں اب بنی اسرائیل کو منصب امامت سے معزول کر کے دنیا کی امامت مسلمانوں کو سونپی جارہی ہے کہ اب تم کو سب لوگوں کا امام بنایا جارہا ہے۔لہٰذا تم تبلیغ حق وصداقت میں کوتاہی مت کرنا۔اگر تم نے کسی قسم کی کوتاہی کی تو اس کے متعلق تم سے باز پرس ہوگی۔

اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہونا تھا کہ تحویل قبلہ سے پہلے جو نمازیں پڑھی جا چکی ہیں ان کا کیا ہوگا؟[1] تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر تسلی دے دی کہ ﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ یعنی تمھاری پہلی نمازوں کا اجر بھی اللہ تعالیٰ نے ضائع نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے ساتھ نہایت نرمی اور مہربانی کرنے والا ہے۔

آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی حالت میں اکثر آسمان کی طرف منہ کر کے خیال فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے تمام جہان کی امامت سونپی جارہی ہے تو اس کے لیے ایک مرکز بھی ملے اور وہ مرکز ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ گھر یعنی بیت اللہ تھا، جو مکہ جیسی مرکزی جگہ میں واقع تھا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اس بات کو جانتے تھے،اس وجہ سے تسلی کے طور پر ان آیات کو نازل کیا گیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ اے پیغمبر! ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف لوٹا دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔

تحویل قبلہ کا حکم جنگ بدر سے پہلے رجب یا شعبان میں نازل ہوا۔ نبی ﷺ حضرت ام بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کے ہاں کھانا کھانے گئے۔ وہاں ظہر کا وقت آگیا۔آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

[1] سنن أبی داود: ۴۶۸۰ و سنن الترمذی: ۲۹۶۴

دو رکعتیں پڑھا چکے تھے۔ تیسری رکعت میں یکایک قبلہ بدلنے کا حکم آ گیا۔ آپ اسی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے اور آپ کے پیچھے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کعبہ کی طرف رخ پھیر لیا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مع آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حکم فرماتے ہیں کہ دیکھیے! اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ذی علم لوگ بھی اس بات سے آگاہ ہیں کہ تحویلِ قبلہ کی صورت ایسے ہی ہوگی، لیکن چونکہ ان کے دلوں میں حسد ہے کہ یہ پیغمبر بنی اسماعیل سے کیوں بنایا ہے؟ بنی اسرائیل سے ہی ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ مشیت ایزدی میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا آپ انھیں کتنی ہی نشانیاں اور دلائل دکھائیں وہ کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرکے عبادت نہیں کریں گے اور آپ بھی ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ کو تو وہ سمجھتے ہی غیر ہیں۔ وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرنے کے، لہٰذا ان سے یہ توقع عبث ہے۔ اس لیے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کے دل میں یہ خیال گزرے کہ اب تحویل قبلہ کا حکم آ جانے کے بعد بھی میں ان کے قبلہ کی طرف منہ کرکے کبھی کبھی نماز پڑھ لیا کروں تو شاید ان کے دل میں اسلام جاگزیں ہو جائے تو اگر آپ ایسا کریں گے تو پھر آپ کا بھی لحاظ نہیں ہوگا۔

دیکھیے! جن لوگوں (یہود و نصاریٰ) کو ہم نے کتاب دی وہ تحویل قبلہ کے حکم سے اسی طرح آشنا اور واقف ہیں جیسے وہ اپنے بچوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ لیکن ان میں حاسدوں کی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو حق و صداقت کے احکام کو باوجود جاننے کے چھپائے ہوئے ہے۔ اے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بات ہے بھی سچی اور ہے بھی آپ کے رب کی طرف سے تو اب آپ کو اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾	اور ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے، جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو، تم جہاں ہو گے اللہ تم سب کو جمع کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۲۴۱ وابن حجر، فتح الباری: ۱/ ۹۷۔ اس بات میں اختلاف ہے، صحیح موقف کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۵/ ۴۸۴۔۴۶۹

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾	اور تم جہاں سے نکلو (نماز میں) اپنا منہ مسجد محترم[1] کی طرف کر لیا کرو، بے شبہ وہ تمھارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾	اور تم جہاں سے نکلو اپنا منہ مسجد محترم کی طرف (کر کے نماز پڑھا) کرو۔ اور مسلمانو! تم جہاں ہوا کرو اسی (مسجد) کی طرف رخ کیا کرو (یہ تاکید) اس لیے (کی گئی ہے) کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔ مگر ان میں سے جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں) سو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔ اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہِ راست پر چلو۔
كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾	جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمھی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کے سناتے اور تمھیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن اور دانائی) سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾	پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔

آیات ۱۴۸ تا ۱۵۲۔ تشریح الفاظ

وِجْهَةٌ: جہت یا آئین و شریعت۔

فَاسْتَبِقُوا: (فَ۔ اسْتَبِقُوْا) اِسْتَبَقَ يَسْتَبِقُ سے فعل امر، جمع مذکر مخاطب۔ سبقت کرو، آگے بڑھو۔

[1] مسجد محترم سے مراد مسجد الحرام ہے۔

فَوَلِّ: (فَ ، وَلِّ) وَلّٰی یُوَلِّیْ سے فعل امر، واحد مذکر مخاطب۔ پھر۔

اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: بیت اللہ شریف۔ جہاں مختلف ممالک سے مسلمان حج کرنے جاتے ہیں۔ اسے حرمت والا گھر بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں شکار کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا قتل و غارت، فتنہ و فساد غرض یہ کہ ہر وہ بات جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہو یا پہنچنے کا احتمال ہو منع ہے۔

وُجُوهَكُمْ: (وُجُوْهَ، كُمْ) (واحد، وَجْهٌ) چہرے تمھارے۔

وَاخْشَوْنِیْ: (وَ ، اِخْشَوْنِیْ) خَشِیَ یَخْشٰی سے فعل امر، صیغہ جمع مذکر مخاطب۔ اور ڈرو تم۔ نِیْ ضمیر متکلم۔ مجھ سے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے)

مطلب و مفہوم: تحویل قبلہ کا حکم، تذکرہ ثانی

ہر جماعت کا کوئی نہ کوئی طریق عبادت ضرور ہے۔[1] لیکن بہتر طریق وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہو۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔

تم کہیں سے بھی نکلو (یعنی کسی سمت اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن (نماز میں) رُخ اسی طرف کو پھیرلو جس طرف مسجد حرام واقع ہے۔ اور یقین کرو یہ معاملہ تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے۔

بیت اللہ تمھارا قبلہ ہے۔ حق بات میں کافروں سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو، علاوہ بریں یہ حکم اس لیے بھی دیا گیا ہے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کردوں۔ نیز اس لیے کہ سعی و عمل کی سیدھی راہ پر تم لگ جاؤ۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تم میں سے ایک شخص کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا۔ وہ ہماری آیتیں تمھیں سناتا ہے۔ (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) تمھارے دلوں کو صاف کرتا ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ وہ باتیں سکھاتا ہے جن سے تم یکسر ناآشنا تھے۔

پس (اب) میری یاد میں لگے رہو، میں بھی تمھاری طرف سے غافل نہ ہوں گا۔ (یعنی قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اگر تم اللہ سے غافل نہ ہوگے تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمھاری طرف سے غافل نہ ہوگی) اور دیکھو! میری نعمتوں کی قدر کرو، ایسا نہ کرو کہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاؤ۔

---

[1] ایک معنی ہے کہ ہر مذہب والوں کا اپنا اپنا قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتے ہیں اور اللہ کا پسندیدہ قبلہ کعبہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ: ۱۵۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں۔ (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمھاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

بے شک (کوہ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے (بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے) اور جو کوئی نیک کام کرے تو اللہ قدر شناس اور دانا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد) سے چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم نے ان لوگوں کے سمجھانے کے لیے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾	ہاں! جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور (احکام الٰہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں ان کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم والا ہوں۔
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾	جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے، ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾	وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں (گرفتار) رہیں گے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکا ہی کیا جائے گا اور نہ انھیں کچھ مہلت ملے گی۔
وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾	اور (لوگو!) تمھارا معبود اللہ واحد ہے، اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

آیات ۱۵۳ تا ۱۶۳۔ تشریح الفاظ

اِسْتَعِیْنُوْا: اِسْتَعَانَ یَسْتَعِیْنُ سے فعل امر، صیغہ جمع مذکر مخاطب۔ مدد مانگو۔

اَمْوَاتٌ: (واحد، مَیِّت) مردے۔ اَحْیَاءٌ: (واحد، حَیٌّ) زندے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ: (وَ، لَ، نَبْلُوَنَّ، كُمْ) بَلٰی یَبْلُوْ سے مستقبل مؤکد بنون ثقیلہ، صیغہ جمع متکلم۔ ہم تم کو ضرور آزمائیں گے۔ اَلْاَمْوَالِ: (اَلْ، اَمْوَالِ) (واحد، مَالٌ) مالوں۔

اَلْاَنْفُسِ: (واحد، نَفْسٌ) جانوں۔ اَلثَّمَرَاتِ: (واحد، ثَمَرَةٌ) پھل۔

اَلْمُهْتَدُوْنَ: (اِهْتَدٰی یَهْتَدِیْ) سے اسم مفعول صیغہ جمع مذکر۔

شَعَائِر: (واحد شَعِیْرَةٌ) نشان۔ اس کا اشتقاق شعر شعور سے ہے، بمعنی دانستن، جاننا (کیونکہ نشان دیکھ کر کسی چیز کو پہچانا جاتا ہے، اس لیے یہاں شعائر اللہ کہا گیا)۔

حَجَّ: فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ حج کیا۔ اِعْتَمَرَ: عمرہ کیا۔

مطلب ومفہوم: ایمان والوں کو نماز اور صبر کے ذریعے سے مدد مانگنے کا حکم

ان آیات میں قیام دین الٰہی کے لیے سرگرم عمل ہونے سے مشکلات کا جو دور شروع ہوتا ہے اس کی مختصر طور پر نشان دہی کر دی گئی ہے اور ساتھ ہی فرمایا گیا کہ جب بھی کوئی تکلیف پہنچے تو استعانت کے وقت اللہ ہی کی طرف توجہ کرو اور اگر کوئی راہ حق میں قتل کر دیا جائے تو اسے مردہ مت کہنا، کیونکہ اللہ کے نزدیک انھیں ابدی زندگی مل چکی ہے، لیکن تمھیں اس زندگی کا شعور نہیں ہو سکتا۔

راہِ حق کی تبلیغ واشاعت میں تمھیں ذیل کی باتوں سے آزمایا جائے گا:

خوف، بھوک، مالوں کی کمی، جانوں کی کمی اور پھلوں کی کمی سے، لہٰذا جو لوگ صبر واستقامت کا ثبوت دیں گے ان کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ اور جن لوگوں کو راہ حق میں تکلیف پہنچتی ہے وہ بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا کرتے، بلکہ ''اِنَّا لِلّٰہِ'' پڑھتے ہیں۔ یعنی ہم بھی اللہ ہی کے لیے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور راہ ہدایت پر بھی ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

مکہ کی دو پہاڑیاں صفا ومروہ میں راہ حق اختیار کرنے والوں کی تاریخ مضمر ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے مفصل حالات جنھیں راہ ہدایت پر چلنے سے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انصار چونکہ صفا ومروہ کا طواف گناہ سمجھتے تھے، لہٰذا انھیں اس کی اجازت دی گئی بلکہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری اس نیکی کی قدر کرے گا۔[1]

جو لوگ حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی کتمانِ حق کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہے اور ایسے لوگوں پر ہر لعنت کرنے والے کی لعنت ہی ہونی چاہیے۔ ہاں! جو لوگ توبہ کرلیں اور راہ حق پر آجائیں تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بھی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔ جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی پھٹکار ہے اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے۔

تمھارا معبود ایک ہی ہے۔ اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات ہی رحمت والی اور کائنات کی ہر نیک ہستی کو اپنی بخشش سے فیض یاب کرنے والی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ	رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں

---

[1] صحیح البخاري: ۱۶۴۳ وصحیح مسلم: ۱۲۷۷

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لیے رواں ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقلمندوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں، لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کے سب سے زیادہ دوست دار ہیں اور اے کاش! ظالم لوگ جو بات عذاب کے وقت دیکھیں گے اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت اللہ ہی کو ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

اس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذابِ (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

(یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش! ہمیں دنیا میں جانا پھر نصیب ہو تاکہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہوں۔ اس طرح اللہ ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔

آیات ۱۶۴ تا ۱۶۷۔ تشریح الفاظ

السَّمٰوٰتِ: (اَل، سَّمٰوٰتِ) (واحد، سَمَآءٌ) آسمانوں۔ تَصْرِیْفُ: پھیرنا۔

الرِّیَاحِ: (اَل، رِّیَاحِ) (واحد، رِیْحٌ) ہوائیں۔ اَنْدَادًا: (واحد، نِدًّا) شریک۔

تَبَرَّاَ: بیزار ہوا۔ کَرَّۃً: پھر جانا۔

تَقَطَّعَتْ: تَقَطَّعَ یَتَقَطَّعُ سے فعل ماضی، صیغہ واحد مؤنث غائب۔ یہ ٹوٹ جائیں گے۔

اَلْاَسْبَابُ: (واحد، سَبَبٌ) ہر قسم کے سبب، تعلقات، ذرائع۔

مطلب ومفہوم: اللہ کی نشانیوں پر غور وفکر

ان چیزوں میں انسان کے لیے بہت سارے نشانات قدرت ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

اتنا بڑا آسمان، زمین، رات اور دن کا اختلاف، سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا مال تجارت لے کر چلنا۔ آسمان سے پانی کا نزول، مردہ زمین کو زندہ کرنا، ہر قسم کے چار پائے، درندے، چرندے، پرندے، ہواؤں کا چلنا، آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کی تسخیر۔ ان چیزوں سے فوائد حاصل کرنے کے بعد بھی اگر انسان اللہ تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ کر غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور کفر کی راہ اختیار کرے تو اس کی زندگی پر افسوس ہے۔

ان زبردست نشانات کو دیکھ کر بھی بعض لوگ باطل معبودوں سے اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اگر یہ بدکردار لوگ عذاب الٰہی کو دیکھ لیں تو انھیں پتہ چل جائے کہ قوت ہر قسم کی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ سخت ترین عذاب کرنے والا ہے۔ اور دیکھو جب وہ لوگ عذاب الٰہی دیکھیں گے تو دنیا میں جھوٹی پیشوائی کا دعویٰ کرنے والے اس دن اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور اس طرح پیروکار کہیں گے کہ یا اللہ! اگر تو اب ہمیں دنیا میں بھیج دے تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں۔ لیکن اس دن تمام تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے اعمال جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں اسی طرح ان کو دکھا دے گا کہ یہ ہیں تمھاری بدکاریاں۔ وہ حسرت سے بدکرداریوں کو دیکھیں گے، لیکن دوزخ کی آگ سے نکل نہ سکیں گے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا	لوگو! جو چیزیں زمین پر حلال (اور) طیب ہیں وہ
طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ	کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، وہ تمھارا کھلا

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾

دشمن ہے۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

وہ تو تم کو بُرائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ بھی علم نہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْــٴًـا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں: (نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے رستہ پر ہوں (تب بھی وہ انھی کی تقلید کیے جائیں گے)؟

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ (یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اگر اللہ ہی کے بندے ہو تو (اس کی نعمتوں کا) شکر بھی ادا کرو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سُور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے۔ ہاں! جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حدِ (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾	جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔
اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی وَالۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَۃِ ۚ فَمَاۤ اَصۡبَرَہُمۡ عَلَی النَّارِ ﴿۱۷۵﴾	یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا۔ یہ آتش (جہنم کی) کیسی برداشت کرنے والے ہیں۔
ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِی الۡکِتٰبِ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۷۶﴾	یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آکر نیکی سے) دور (ہو گئے) ہیں۔

آیات ۱۶۸ تا ۱۷۶۔ تشریح الفاظ

خُطُوٰتِ: (واحد، خُطْوَۃٌ) قدموں۔ یَنۡعِقُ: نَعَقَ یَنۡعِقُ سے فعل مضارع، واحد مذکر غائب۔ بلاتا ہے۔

صُمٌّ: بہرے۔ بُکۡمٌ: گونگے۔

عُمۡیٌ: اندھے۔ طَیِّبٰتِ: (واحد، طَیِّبَۃٌ) پاکیزہ چیزیں۔

اُضۡطُرَّ: اِضۡطَرَّ یَضۡطَرُّ سے فعل ماضی مجہول، واحد مذکر غائب۔ بے بس کیا گیا۔

بَاغٍ: بَغٰی یَبۡغِیۡ سے اسم فاعل۔ بغاوت کرنے والا۔

عَادٍ: عَدٰی یَعۡدُوۡ سے اسم فاعل۔ زیادتی کرنے والا۔ شِقَاقٌ: گمراہی۔

مطلب و مفہوم: حلال و حرام کے چند احکام

یہاں وہ احکام بیان کیے جاتے ہیں جو کھانے پینے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کھانے پینے کے متعلق لوگوں نے

اپنے اوپر از خود پابندیاں عائد کر رکھی تھیں جو وہم پرستی پر مبنی تھیں، لہٰذا سب سے پہلے اس کی حقیقت واضح کی گئی اور ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا گیا جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔

فرمایا کہ حلال اور پاکیزہ تمام چیزیں تمھارے کھانے کے لیے ہیں۔تم بتلائے وہم ہو کر شیطان کے نقش قدم پر مت چلو، کیونکہ وہ تو تمھارا ازلی دشمن ہے۔ اسے تو سوائے برائی اور بے حیائی کے کاموں کے اور کوئی بات آتی ہی نہیں۔ وہ تو تم سے اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہلوانا چاہتا ہے جنھیں تم جانتے ہی نہیں۔

جہلا کا یہ حال ہے کہ جب انھیں احکام الٰہی کی تابعداری کرنے کو کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباء و اجداد کی پیروی کریں گے۔ حالانکہ ان کے باپ دادا اگر بے عقل اور ہدایت سے دور ہوں تو ان کی پیروی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ان کافروں کا حال اس شخص جیسا ہے جو کسی بہرے، گونگے، اندھے اور بے عقل کو آوازیں دے اور صرف یہی نہیں کہ وہ اُس کی آواز نہیں سنتا بلکہ جواب دینے سے بھی قاصر ہے۔

ایمان والو! ہماری دی ہوئی ہر ایک پاکیزہ چیز تمھیں ضرور کھانی چاہیے۔ اگر تم خالص اللہ کے عبادت گزار ہو تو پھر شکر گزاری بھی اسی کی کرو اور دیکھو! ذیل کی چیزیں تم پر حرام ہیں:

مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جو غیر اللہ کے نام پر مشہور کر دی جائیں۔البتہ حلال و پاکیزہ چیز نہ ملنے کی وجہ سے ان کو بقدر ضرورت استعمال کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس کے دل میں اللہ کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا خیال نہ ہو۔[1]

جو لوگ قرآن کے نازل ہونے کے بعد بھی کتمانِ حق کرتے ہیں اور اس کے ساتھ قلیل قیمت حاصل کرتے ہیں تو وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو انھیں پاک کرے گا اور نہ ہی ان سے کلام کرے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔ایسے ہی لوگ ہدایت و مغفرت کے بدلے ضلالت و عذاب کا سودا کرتے ہیں۔

قلیل قیمت سے مراد ہے کہ آخرت کے مقابلے پر دنیا کا بڑے سے بڑا فائدہ حقیر اور قلیل ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ	نیکی یہی نہیں کہ مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ

---

[1] غَيْرَ بَاغٍ کے دو معنی ہیں: (۱) لوگوں پر باغی اور سرکش نہ ہو۔ (۲) ضرورت سے زائد کھانے والا نہ ہو۔ (تفسیر بیضاوی، البقرہ: ۱۷۳)

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (مطالبہ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمھارے لیے آسانی اور مہربانی ہے۔ جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دکھ کا عذاب ہے۔

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور اہل عقل! (حکم) قصاص میں (تمھاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل وخونریزی سے) بچو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا

الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾	وقت آ جائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔ (اللہ سے) ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔
فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾	جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں، بے شک اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے۔
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾	اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی وارث کی) طرف داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو تو اگر وہ (وصیت کو بدل کر) وارثوں میں صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے۔

آیات ۱۷۷ تا ۱۸۲۔ تشریح الفاظ

وَالْمُوْفُوْنَ: (وَ۔الْ۔مُوْفُوْنَ) اَوْفٰى يُوْفِيْ سے اسم فاعل، صیغہ جمع مذکر۔ ایفا کرنے والے۔

اَلْبَاْسَآء: (اَلْ۔بَاْسَآء) فقر و فاقہ۔ الضَّرَّآء: (اَلْ۔ضَرَّآء) بیماری۔

فَاَصْلَحَ: (فَ۔اَصْلَحَ) اَصْلَحَ يُصْلِحُ سے فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ اصلاح کرلے۔

مُوْصٍ: اَوْصٰى يُوْصِيْ سے اسم فاعل، واحد مذکر۔ وصیت کرنے والا۔ اَلْبَاْسِ: (اَلْ۔بَاْسِ) جنگ۔

مطلب و مفہوم: اخلاقیات کی جامع آیت، قصاص کا حکم

اب نیکی کے متعلق کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں اور نیک لوگوں کی نشانیاں بھی بتائی جا رہی ہیں کہ نیکی پورب پچھم، اتر، دکھن کی طرف منہ کرنا نہیں، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اور نیک لوگوں کی نشانیاں یہ ہیں کہ وہ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور صرف رضائے الٰہی کے لیے اپنے مال کو قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور زکوۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ جب وعدہ کریں تو وہ بھی

پورا کرتے ہیں۔ فقر و فاقہ اور بیماری میں صبر کرتے ہیں۔ ان صفات کے ساتھ جو لوگ متصف ہیں دراصل یہی سچے اور پرہیز گار ہیں۔

دیکھو ایماندارو! مقتولوں کا برابر برابر بدلہ لینا بھی تم پر فرض کیا گیا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت قتل کیے جائیں گے۔ ہاں! اگر مقتول کے ورثا قتل کی معافی دے دیں اور اس کے بدلے میں شریعت کے مقرر کردہ حساب سے مال دے دیں تو پھر قاتل اور اس کے ورثاء کو چاہیے کہ اچھے طریقے سے وہ ادا کر دیں۔ یہ تمھارے رب کی جانب سے بڑی تخفیف اور رحمت ہے۔ اگر اس کے بعد بھی کسی نے زیادتی کی تو اُس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ دیکھو! اگر قاتل کو یہ سزا دے دی گئی یا دیت کی رقم ادا کرنا پڑی تو پھر قتل و غارت کا سلسلہ رک جائے گا اور تمھیں امن کی زندگی نصیب ہوگی۔ سزا دینے کی غرض یہ ہے کہ تم قتل و غارت جیسے قبیح فعل سے بچے رہو۔

اُوپر کی صورت تو قتل و غارت کی موت کی تھی۔ اب اگر تم میں سے کوئی طبعی موت مرنے لگے تو پھر وہ اپنے ماں باپ، قریبی رشتہ داروں کے لیے اپنے مال سے وصیت کر جائے، کیونکہ یہ امر تم پر فرض کیا گیا ہے۔ متقی لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دستور کے مطابق ایسا ضرور کر جائیں۔

وصیت کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اس میں ردو بدل کرے گا تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا۔ ہاں! اگر وصیت کرنے والے نے کسی قسم کا ظلم یا گناہ کیا ہے تو لوگوں نے اصلاح کر لی ہے تو پھر کوئی گناہ نہیں۔

یہ آیات تقسیم وراثت کی آیات سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ وراثت کے احکام کے بعد ان آیات کی اہمیت کم ہوگئی ہے۔[1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾	مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ	(روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں

[1] یعنی اب والدین اور ورثاء کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

روزوں کا شمار پورا کرلے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا، جو لوگوں کا راہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔تو جو کوئی تم میں سے موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) ان کا شمار پورا کر لے۔ اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور (یہ آسانی کا حکم) اس لیے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کرلو اور اس احسان کے بدلے میں کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے۔تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور (اے پیغمبر!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمھارے پاس ہوں۔جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾	روزوں کی راتوں میں تمھارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے، وہ تمھاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کرتے تھے، سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تمھاری (حرکات سے) درگزر فرمایا۔ اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو۔ اللہ نے جو چیز تمھارے لیے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (اللہ سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے، پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار بنیں۔
وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾	اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوتاً) حاکموں کے پاس پہنچاؤ، تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر نہ کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔

آیات ۱۸۳ تا ۱۸۸۔ تشریح الفاظ

الصِّيَامُ: روزے۔[1] صَوْمٌ سے بمعنی بند رہنا۔ یعنی حلال وطیب چیزوں کے استعمال سے بھی صبح سے شام تک

[1] الصِّيَامُ مصدر ہے، اس کے معنی روزہ رکھنا ہیں۔

اپنے آپ کو روکے رکھنا۔

مَعْدُوْدٰتٌ: (واحد، مَعْدُوْدَۃٌ) گنتی۔ یُطِیْقُوْنَهٗ: (یُطِیْقُوْنَ ، هٗ) طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

تَطَوَّعَ: تَطَوَّعَ یَتَطَوَّعُ سے فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ شوق سے نیکی کا کام کرنا۔

وَالْفُرْقَانِ: (وَ، الْ ، فُرْقَانِ) جدائی کرنے والا۔ فَلْیَصُمْهُ: (فَ ، لْ ، یَصُمْ ، هُ) چاہیے کہ روزہ رکھے۔

اَلْیُسْرَ: آسانی۔ اَلْعُسْرَ: دشواری۔

اَلدَّاعِ: دَعَا یَدْعُوْا سے اسم فاعل، پکارنے والا۔ دَعَانِ: دَعَا، نِیْ تھا۔ پکارا اس نے مجھ کو۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ: (فَ ، لْ ، یَسْتَجِیْبُوْنَ، لِیْ) نون لام امر آنے سے گر گیا۔ پس چاہیے کہ مجھی کو پکارا جائے۔[1]

الرَّفَثُ: میاں بیوی کا ملنا۔ جنسی میلان اور اُس کی مبادیات بھی رفث میں شامل ہیں۔[2]

بَاشِرُوْهُنَّ: بَاشَرَ یُبَاشِرُ سے فعل امر۔ یعنی اپنا جسم تم ان کے جسم سے ملاؤ۔ مباشرت ایک دوسرے سے جسم ملانے کو کہتے ہیں۔

مطلب و مفہوم: روزوں کے احکام

رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم اور اس سلسلہ میں دین حق کے بعض اصولی حقائق کی تعلیم، نیز ان غلطیوں کا ازالہ جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں، فرمایا کہ مسلمانو! تم پر بھی پہلے لوگوں کی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں، تاکہ تم میں پرہیز گاری پیدا ہو اور یہ روزے گنتی کے چند ایام ہیں۔ پھر اگر ان ایام میں بھی تم سے کوئی بیمار ہو جائے تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔ اور اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جو روزہ کی شدت کو برداشت نہ کر سکتے ہوں، جیسے بہت بوڑھا اور حاملہ یا بچے کو دودھ پلانے والی عورت اور اسے یہ توقع بھی نہ ہو کہ آگے چل کر روزہ رکھ سکے گی[3] تو پھر وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔ اگر تمہیں علم ہے تو پھر بہتر بات روزہ رکھنا ہی ہے۔

رمضان میں روزے اس لیے فرض کیے گئے کہ نزول قرآن بھی اسی ماہ میں ہوا اور یہ قرآن لوگوں کی صحیح رہنمائی بھی کرتا ہے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز بھی کرتا ہے۔ لہٰذا روزے اسی ماہ میں رکھنے ضروری ہیں۔

---

[1] استجابہ کے معنی ہیں: حکم قبول کریں یعنی صرف مجھے پکاریں۔

[2] تفسیر ابن کثیر، البقرہ:۱۸۷

[3] ایک قول کے مطابق حاملہ اور مرضعہ کے لیے مطلق طور پر فدیہ جائز ہے، وہ روزہ کی قضا نہ دیں۔ (سنن الترمذی، اقوال تحت الحدیث:۷۱۵)

ہاں! اگر کوئی شخص تم میں سے بیمار ہو جائے یا سفر کی حالت میں ہو تو پھر دوسرے دنوں میں روزے رکھ سکتا ہے اور دیکھو! اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے دشواری میں ڈالنے کا نہیں، اور یہ جو بیماروں اور مسافروں کے لیے روزہ قضا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ نے تم پر راہ سعادت کھول دی ہے تو اس پر اس کی بڑائی کا اعلان کرو۔ نیز اس لیے کہ (اس کی نعمت کام میں لاکر) شکر گزاری میں سرگرم رہو۔

اے پیغمبر ﷺ! جب میرے بندے آپ سے میری نسبت دریافت کریں تو انھیں بتلا دو کہ میں تو ان کے بالکل قریب ہوں۔ جب بھی کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں۔ پس اگر واقعی میری طلب رکھتے ہیں تو پھر مجھے ہی پکاریں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں۔

اور دیکھو! روزہ کے دنوں میں رات کو تم اپنی بیویوں سے خلوت میں جا سکتے ہو۔ تمھارا ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس سلسلہ میں تم جو خیانت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ چنانچہ پہلی بات تمھیں معاف کردی گئی۔ اب تمھیں ان سے زناشوئی[1] کی اجازت ہے اور طلوع فجر سے پہلے کھانے پینے کی اجازت ہے۔ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک تمھیں کھانا پینا اور زناشوئی منع ہے اور جب تم مساجد میں معتکف ہو تو پھر رات کو بھی ان سے خلوت صحیحہ منع ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ ان کے قریب نہ جائیو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام بیان فرما دیتا ہے، تاکہ لوگ نافرمانی سے بچیں۔

اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ حدود سے باہر جو مال ہو وہ ناجائز طریقے پر کھانا شروع کردو اور حاکموں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیے تم وہ ناجائز طریق سے کمایا ہوا مال خرچ کرو، تاکہ اس کے ذریعہ تم دوسرے کے مال کا حصہ حاصل کرو، جبکہ تم جانتے ہو کہ حقیقت حال کیا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِھَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؁	(اے محمد ﷺ!) لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے؟) کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں) اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے اور نیکی اس بات میں نہیں کہ (احرام کی حالت میں) گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکو کار وہ ہے جو

---

[1] جماع۔

پرہیز گار ہو، اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو۔ مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکے سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔ اور (دین سے گمراہ کرنے کا) فساد قتل و خونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے اور جب وہ تم سے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا۔ ہاں! اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کر ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

اور اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

ادب کا مہینہ ادب کے مہینے کے مقابل ہے اور ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلہ ہیں۔ پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

اور اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر رستے میں روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈا لے تو) اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔ پھر (جب تکلیف دور ہو کر) تم مطمئن ہو جاؤ تو جو (تم میں) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے اور جس کو (قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مکے میں نہ رہتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

آیات ۱۸۹ تا ۱۹۶۔ تشریح الفاظ

الْاَهِلَّةِ: (واحد، هِلَال) شہرت دینا۔ چونکہ نیا چاند چڑھنے پر ایک دوسرے کو بتایا جاتا ہے، لہٰذا اسے ہلال کہا گیا۔ تیسری رات تک چاند کو ہلال کہتے ہیں، لہٰذا جمع کے طور پر اسے اَهِلَّةٌ استعمال کیا گیا۔

الْمَوَاقِيْتُ: (واحد، مِيْقَاتٌ) اوقات ہیں۔[1]

---

[1] مَوَاقِيْتُ، مِيْقَات کی جمع ہے جیسے میزان کی جمع موازین ہے۔ میقات ظرف زمان اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے۔ (عبدالقاہر جرجانی، درج الدرر فی التفسیر، البقرۃ: ۱۸۹)

اَلْبُيُوْتَ: (واحد، بَيْتٌ) گھروں۔ عُدْوَان: زیادتی۔

ظُهُوْر: (واحد، ظَهْرٌ) پیٹھوں (پشتوں) مراد پیچھے سے، پچھواڑے سے۔

يُقَاتِلُوْنَكُمْ: (يُقَاتِلُوْنَ، كُمْ) قَاتَلَ يُقَاتِلُ سے فعل مضارع، جمع مذکر غائب۔ لڑائی کرتے ہیں تم سے۔

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ: ثَقِفَ يَثْقَفُ سے فعل ماضی، جمع مذکر مخاطب۔ جہاں کہیں پاؤ تم ان کو۔

اَلْحُرُمٰتُ: (واحد، حُرْمَةٌ) حرمتیں۔ مَحِلَّهٗ: جگہ اپنی۔

فَاعْتَدُوْا: (فَ، اِعْتَدُوْا) اِعْتَدٰى يَعْتَدِي سے فعل امر، صیغہ جمع مذکر مخاطب۔ پس زیادتی کرو تم بھی۔

مطلب و مفہوم: جہاد اور حج کے احکام

اِسلامی احکام و عبادات کا تعلق چونکہ قمری مہینوں سے ہے، لہٰذا اس کے متعلق جس قسم کے سوالات تھے ان کا جواب ضمنی طور پر بیان کیا جاتا ہے:

اے پیغمبر ﷺ! لوگ آپ سے چاند کی بابت سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اس سے اوقات معلوم کیے جاتے ہیں اور اس سے حج کے مہینے کا تعین ہو جاتا ہے۔ حج کے مہینہ میں تم اپنے گھروں کے دروازوں سے داخل ہوا کرو، کیونکہ نیکی تو اللہ کا ڈر اختیار کرنے میں ہے گھروں میں پچھواڑوں سے داخل ہونے میں نہیں ہے اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔

جو لوگ تم سے لڑنا چاہیں ان سے ضرور لڑو لیکن اس لڑائی میں تمھاری طرف سے زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو اور جیسے انھوں نے تمھیں گھروں سے نکال دیا ہے تم بھی انھیں گھروں سے نکال باہر کرو۔ قتل سے بھی بڑی بات فتنہ بپا کرنا ہے۔[1] اور دیکھو! مسجد حرام کی حُرمت کا خیال کرتے ہوئے مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو۔ ہاں! اگر وہ آمادہ پیکار ہوں تو پھر تمھیں بھی اجازت ہے۔ اس صورت میں تم انھیں قتل کر سکتے ہو اور کافروں کا یہی بدلہ ہے اور اگر وہ لڑائی سے رک جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

اور دیکھو! تم ان سے فتنہ مٹانے کی غرض سے لڑائی کرو، جب اللہ کا دین برسرِ عروج آجائے اور ان کی سرکشی رک جائے تو پھر کسی سے لڑائی کرنے کی ضرورت نہیں۔

اگر کافر حرمت کے مہینوں کی رعایت کریں تو پھر تمھیں بھی رعایت کرنی چاہیے اور اگر وہ رعایت نہ

[1] فتنہ سے مراد کفر و شرک اور اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ: ۱۹۳)

کریں تو پھر تم بھی نہ کرو۔ مہینوں کی حرمت کے معاملہ میں ادلے کا بدلہ ہے۔ جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو، اتنی جتنی کہ اس نے کی اور اللہ کا ڈر اختیار کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز کرنے والوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ جہاد کی اعانت سے غافل ہو کر اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دو۔ نیکی کرو، یقیناً اللہ کی محبت انھی لوگوں سے ہے جو نیکی کرنے والے ہیں۔

اور دیکھو! جب حج اور عمرہ کی نیت کر لی جائے تو اسے اللہ کے لیے کرنا چاہیے۔ اور اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ تم اس نیت سے نکلے مگر راہ میں لڑائی یا کسی دوسری وجہ سے گھِر گئے تو پھر ایک جانور کی قربانی کرنی چاہیے، جو بھی میسر آئے۔ اس وقت تک سر کے بال نہ منڈواؤ (جو اعمال حج سے فارغ ہو کر کیا جاتا ہے) جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔ ہاں! اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اسے کسی وجہ سے مجبوری ہو تو چاہیے کہ بال اتارنے کا فدیہ دے دے اور وہ یہ ہے کہ روزہ رکھے یا صدقہ دے یا جانور کی قربانی کرے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو کوئی عمرہ اور حج ملا کر کرے تو اس کے لیے بھی جانور کی قربانی ہے، جیسی بھی میسر آ جائے اور جسے قربانی میسر نہ آئے تو اسے چاہیے کہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب واپس ہو، یہ دس کی گنتی پوری ہوگئی۔ البتہ یہ یاد رہے کہ عمرہ کے تمتع کا حکم اس کے لیے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو اور دیکھو! ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچو۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے [۱] اور نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہو جائے گا اور زادِ راہ (یعنی رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ راہ (کا) پرہیز گاری ہے اور اے اہل عقل! مجھ سے ڈرتے رہو۔

---

[۱] لَا رَفَثَ اَیْ لَا جِمَاعَ۔ یعنی احرام میں بیوی سے جماع نہ کیا جائے۔ (تفسیر جلالین، البقرہ: ۱۹۷) اور دوسرے معنی ہیں کہ نہ فحش کلامی ہو۔ (تفسیر بیضاوی، البقرہ: ۱۹۷)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام (یعنی مزدلفے) میں اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا اور اس سے پیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) محض ناواقف تھے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو اور اللہ سے بخشش مانگو، بے شک اللہ بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر (ایسے لوگوں) کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخشیو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کاموں کا حصہ (یعنی اجر نیک تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ

اور قیام منیٰ کے دنوں میں (جو) گنتی کے (دن ہیں) اللہ کو یاد کرو۔ اگر کوئی جلدی (اور) دو ہی دن میں

وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

(چل دے) تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ باتیں اس شخص کے لیے ہیں جو (اللہ سے) ڈرے اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اُس کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور انسانوں اور حیوانوں کی نسل نابود کر دے اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے خوف کر تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے، سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ تو تمھارا صریح دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ

پھر اگر احکام روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو

الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾	جان رکھو کہ اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾	کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آ نازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں) اور کام تمام کر دیا جائے۔ اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔

آیات ۱۹۷ تا ۲۱۰۔ تشریح الفاظ

اَشْهُرٌ: (واحد، شَهْرٌ) مہینے۔ رَفَثَ: جماع

فُسُوْقَ: نافرمانی۔ جِدَالَ: جھگڑا۔

تَزَوَّدُوْا: تَزَوَّدَ يَتَزَوَّدُ سے فعل ماضی، جمع مذکر غائب۔ زادِراہ یا سفر خرچ لے لیا کرو۔

مَنَاسِكَ: (واحد، مَنْسَكٌ) عبادتیں۔[1] اَلَدُّ الْخِصَامِ: سخت جھگڑالو۔

زَلَلْتُمْ: زَلَّ يَزِلُّ سے فعل ماضی، جمع مذکر مخاطب۔ پھسل جاؤ تم۔

ظُلَلٍ: (واحد، ظِلٌّ) سایوں۔ اَلْغَمَامِ: بادل۔

مطلب ومفہوم: حج کے احکام۔ تذکرہ ثانی

حج کے مہینے تو معلوم ہی ہیں۔ جو شخص حج کی تیاری کرے اُسے ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے: جب احرام باندھے تو اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ نہ کرے[2] اور اللہ کی نافرمانی والے کام نہ کرے۔ کسی سے جھگڑا نہ کرے، کیونکہ جو کام بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کا علم ہے۔ زادِراہ (یعنی سفر خرچ) لے لیا کرو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کا ڈر تمھیں بہت زیادہ ہونا چاہیے اور عقل مندوں کو اللہ ہی سے ڈرنا چاہیے۔

سفر حج میں ارکانِ حج کی تکمیل سے پہلے یا بعد غیر محرم ہونے کی صورت میں تم اپنے پروردگار کے فضل کو

---

[1] مناسک میں طریقہ حج بھی شامل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۲۰۰)

[2] خلوت صحیحہ سے مراد جماع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحبت کی مبادیات یعنی بوس وکنار وغیرہ سے بھی بچے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۱۹۷)

بھی تلاش کرو (یعنی کاروبار اور تجارت کرو) تو کوئی حرج کی بات نہیں اور جب عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر الحرام (مزدلفہ) میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو جیسا کہ تمھیں بتایا گیا ہے۔ اگر چہ تم بھی اس سے پہلے انھی لوگوں میں سے تھے جو راہِ حق سے بھٹک گئے تھے۔

پھر اے مکہ والو! جہاں سے دوسرے لوگ لوٹتے ہیں تم بھی وہیں سے لوٹو اور پہلی لغزشوں کو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے، جبکہ تم اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ پھر جب تم حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو چاہیے کہ جس طرح تم پہلے اپنے آباء واجداد کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کی بڑائی بیان کرو، کیونکہ تمام اعمال حج سے اصل مقصود یہی ہے۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو صرف دنیا کے طلب گار ہیں۔ ان کا تو آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت دونوں میں نیکی کی توفیق عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے نجات دے۔ ایسے لوگوں نے جتنی نیکیاں کیں وہ انھی کا حصہ ہے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر دسویں تاریخ سے تیرھویں تک بھی کرو جو کہ گنتی کے دن ہیں اور اگر صرف دو دنوں میں واپس آجاؤ تو پھر بھی کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اصلی بات تو تقویٰ ہے اور اللہ سے ہی ڈرو اور یقین کرو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔

اور دیکھو! بعض آدمی ایسے ہیں جن کی باتیں دنیوی زندگی کے بارے میں تمھیں بڑی بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے ضمیر کی صفائی پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ سخت قسم کے جھگڑالو ہیں۔ جب انھیں حکومت مل جاتی ہے تو زمین میں ایسا فساد پیدا کرتے ہیں جس سے کھیتیاں اور نسلیں برباد ہوجائیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فسادات کو پسند ہی نہیں کرتا۔ جب ایسے شخص سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو وہ اور زیادہ ظلم کرتا ہے تو ایسے شخص کو تو جہنم کافی ہوگا جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

اس کے برعکس کچھ لوگ خدا ترس ہیں جو اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک بیچ ڈالتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔

مسلمانو! پوری طرح اور اعتقاد وعمل کی ساری باتوں میں مُسلم ہوجاؤ اور دیکھو! شیطانی وسوسوں کی پیروی نہ کرو۔ شیطان تو تمھارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر ایسا ہوا کہ تم ڈگمگا گئے جبکہ تمھارے پاس روشن دلیلیں بھی آچکی ہوں تو پھر یاد رکھو پھر تم اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے، کیونکہ وہ سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

پھر یہ لوگ کس بات کے انتظار میں ہیں؟ کیا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور فرشتے ان کے سامنے بادلوں کے سایوں میں نمودار ہوں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے؟ تو یہ بات دنیا میں تو نہیں ہونے کی۔ لیکن آخر سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

(اے محمد ﷺ!) بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے ان کو کتنی کھلی نشانیاں دیں اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

اور جو کافر ہیں ان کے لیے دنیا کی زندگی خوشنما کر دی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں، لیکن جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن اُن پر غالب ہوں گے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا فیصلہ کر دے۔ اور اس میں اختلاف بھی انھی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے (اور یہ اختلاف انھوں نے صرف) آپس میں ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے؟ اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں۔ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیے گئے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ کب اللہ کی مدد آئے گی؟ دیکھو! اللہ کی مدد عنقریب (آیا چاہتی) ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

(اے محمد!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں؟ کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو اور ان باتوں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آیات ۲۱۱ تا ۲۱۶۔تشریح الفاظ

سَلْ: سَأَلَ يَسْأَلُ سے فعل امر، واحد مذکر مخاطب۔ پوچھ تو۔

زُيِّنَ: زَيَّنَ يُزَيِّنُ سے فعل ماضی مجہول، واحد مذکر غائب۔ مزین کی گئی۔

يَسْخَرُوْنَ: سَخِرَ يَسْخَرُ سے فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب۔ ٹھٹھا کرتے ہیں۔

لِيَحْكُمَ: (لِ۔ يَحْكُمَ) تاکہ فیصلہ کرے۔ بَغْيًا: سرکشی سے۔

خَلَوْا: خَلٰى، يَخْلُوْ سے فعل ماضی معروف، صیغہ جمع مذکر غائب۔ گزر چکے ہیں۔

مطالب ومفہوم: بنی اسرائیل کی سرگزشت

مذکورہ احکام صادر فرمانے کے بعد بنی اسرائیل کی سرگزشت سنائی جا رہی ہے کہ انھوں نے کتنے ہی نشانات قدرت دیکھنے کے بعد پھر انھیں بدل ڈالا تو یاد رکھو! ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ اصل میں کفار کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ ایمانداروں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں حالانکہ ایماندار متقی لوگوں کا درجہ قیامت کے دن ان سے بلند ہوگا۔ اور یہ روزی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔

دراصل سب لوگ ایک ہی جماعت میں تھے۔ جب ان میں عملی خرابیاں پیدا ہوگئیں تو پھر اصلاحِ احوال کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام بھیجے، جو جنت کی خوشخبری دینے اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والے تھے۔ پھر ان کے ساتھ سچی کتاب نازل کی، تاکہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے۔ جبکہ وحی الٰہی کے احکام ان کے سامنے تھے، صرف سرکشی اور عناد کی بنا پر وہ اختلاف کرنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے سچ کو قبول کرنے والوں کو راہ ہدایت دکھائی اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

پھر کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ محض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم سے پہلے لوگوں کو تو اس طرح آزمایا اور جھنجھوڑا گیا کہ پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اللہ نے فرمایا: خبردار! گھبراؤ نہیں، میری مدد بالکل قریب ہے۔

(اے نبی ﷺ!) اب تم سے پوچھتے ہیں کہ خیرات میں سے کیا کیا خرچ کیا کریں؟ کہہ دیجیے کہ تم جو چیز خرچ کرنا چاہو وہ ماں باپ، عزیز واقربا، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرو اور تم جو کچھ بھی نیکی کرو اللہ اس کو جاننے والا ہے۔

اور دیکھو! اب تم پر اپنی عزت وعصمت بچانے کے لیے لڑائی فرض کر دی گئی ہے۔ حالانکہ تم اسے اچھا نہیں سمجھتے اور جس چیز کو تم اچھا نہیں سمجھتے ہو سکتا ہے کہ وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور جسے تم بہتر سمجھتے ہو وہ تمھارے لیے بہتر نہ ہو۔ حقیقت میں تم جس بات کو نہیں جانتے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

(اے محمد ﷺ!) لوگ آپ سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے) سے (بند کرنا) اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے۔ اور فتنہ انگیزی خون ریزی سے بھی بڑھ کر ہے اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمھارے دین سے پھیر دیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر (کر کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے لیے وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے وہی اللہ کی رحمت کے امید وار ہیں اور اللہ بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۚ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ

(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

اور یہ بھی آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو۔

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

دنیا اور آخرت (کی باتوں) میں (غور کرو) اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (یعنی خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اور (مومنو!) مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا، کیونکہ مشرک عورت خواہ تم کو کیسی ہی بھلی لگے اس سے مومن لونڈی بہتر ہے اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا، کیونکہ مشرک (مرد) سے خواہ وہ تم کو کیسا ہی بھلا لگے مومن غلام بہتر ہے۔ یہ (مشرک لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ اور اللہ اپنے حکم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

آیات ۲۱۷ تا ۲۲۱۔تشریح الفاظ

لَا یَزَالُوْنَ: زَالَ یَزَالُ سے فعل مضارع منفی، جمع مذکر غائب۔ وہ ہمیشہ رہیں گے۔

فَیَمُتْ: (فَ، یَمُوْتُ) مَاتَ یَمُوْتُ سے واحد مذکر غائب۔ پس وہ مرجائے۔

یَرْتَدِدْ: اِرْتَدَّ یَرْتَدُّ سے واحد مذکر غائب۔ مرتد ہوجائے۔ (دین اسلام سے پھر جائے)۔

یَرْجُوْنَ: رَجَا یَرْجُوْ سے جمع مذکر غائب۔ امید رکھتے ہیں۔ مَنَافِعُ: (واحد، مَنْفَعَۃٌ) فائدے۔

تُخَالِطُوْھُمْ: خَالَطَ یُخَالِطُ سے جمع مذکر مخاطب۔ ملالو تم اُن کو۔

لَاَعْنَتَکُمْ: (لَ، اَعْنَتَ، کُمْ) اَعْنَتَ یُعْنِتُ سے فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ (تم کو تکلیف میں ڈال دیتا)

مطلب و مفہوم: چند شرعی احکام: قتل، شراب، جوا اور مشرک سے نکاح

حرمت والے مہینے چار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب۔[1] ان میں مسلمانوں کو مظلوم ہونے کی وجہ سے اجازت دی گئی تھی۔ جب خطرہ زائل ہوگیا تو پھر پہلا حکم بحال کر دیا گیا اور فرمایا: اللہ کے راستہ سے روکنا اس کے احکام کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک قتل سے بھی بڑی بات ہے۔ ان کا اگر بس چلے تو اے مسلمانو! تمھیں دین حق سے پھیر دیں اور نہ پھرنے کی صورت میں تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں۔ لیکن یاد رکھو! اگر تم میں سے کوئی مرتد ہوگیا اور پھر وہ کفر کی حالت میں مرگیا تو اس کے دنیا اور آخرت کے سارے اعمال ضائع ہوگئے۔ ایسے لوگوں کے لیے عذابِ دوزخ تیار ہے۔

اور دیکھو! اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کرنے والے اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ پھر شراب کی حرمت اور انفاق فی سبیل اللہ اور یتیموں کا بیان ہے اور یتیموں کے متعلق فرمایا کہ اگر ان کو اپنے ساتھ ملا کر دیانتداری سے کام کرو تو اللہ تعالیٰ کو فساد اور صلح کا علم ہے۔ گویا تمھاری نیت نیک ہونی چاہیے۔

پھر مشرک عورت اور مومن مرد کا اور مشرک مرد اور مومن عورت کے آپس میں نکاح سے منع فرمایا۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کو پسند ہی کیوں نہ کرنے لگے ہوں۔ بلکہ مشرک آزاد عورت سے ایمان والی لونڈی بہتر ہے اور مشرک آزاد مرد سے مومن غلام بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے جس کے

[1] صحیح مسلم: ۱۶۷۹ و سنن الترمذی: ۹۳۲

عقائد و اعمال اسلامی ہوں۔ مشرک ماں یا مشرک باپ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت اسلامی اقدار کے مطابق نہیں کرسکتا ہے۔لہٰذا خدا نے اسلامی گھرانوں سے شرک کو اس طرح بھی مٹانا چاہا ہے۔مشرک لوگ تو تمھیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمھیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیات کو وضاحت سے بیان کرتا ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو: وہ تو نجاست ہے۔ سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔ ہاں! جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ، کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ[1] اور اپنے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ (ایک دن) تمھیں اس کے رُوبرو حاضر ہونا ہے اور (اے پیغمبر ﷺ!) ایمان والوں کو بشارت سنا دو۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ (کے نام) کو اس بات کا حیلہ نہ بنانا کہ (اس کی) قسمیں کھا کھا کر سلوک کرنے اور پرہیز گاری کرنے اور لوگوں میں صلح و سازگاری کرانے سے رک جاؤ۔ اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

---

[1] مباشرت کا جو بھی طریقہ اختیار کرو لیکن دُبر یعنی گندگی والے مقام سے بچو اور کھیتی یعنی اولاد پیدا ہونے والی جگہ اختیار کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ: ۲۲۳)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾	اللہ تمھاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔لیکن جو قسمیں تم قصدِ دلی سے کھاؤ گے ان پر مواخذہ کرے گا اور اللہ بخشنے والا برُدبار ہے۔
لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾	جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں ان کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیے۔اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾	اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سنتا (اور) جانتا ہے۔
وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾	اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رہیں اور اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں اور اُن کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ایسا ہی ہے جیسا دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے، البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔

آیات ۲۲۲ تا ۲۲۸۔تشریح الفاظ

اَلْمَحِيْضِ: وہ خون جو عورت کے بالغہ ہونے کی نشانی ہے۔حیض۔ عُرْضَةٌ: نشانہ۔

تَبَرُّوْا: تَبَرّٰى يَتَبَرّٰى سے فعل ماضی، جمع مذکر مخاطب۔نیکی کرو تم۔

يُؤْلُوْنَ: اٰلٰى يُوْلِيْ سے فعل مضارع، جمع مذکر غائب۔وہ قسمیں کھاتے ہیں۔

يَتَرَبَّصْنَ: انتظار کریں۔

مطلب ومفہوم: چند اہم ازدواجی احکام

ان آیات میں مندرجہ ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ حالت حیض میں اپنی عورتوں سے خلوت نہ کرو[1] کیونکہ اس میں دونوں کے بیمار ہو جانے کا خطرہ ہے۔

۲۔ کسی نیکی کے کام کو ٹالنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمھارے دلوں پر نگاہ ہے۔ ہاں! لغو قسمیں جو بے مقصد ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔

۳۔ ایلاء وہ قسم ہوتی ہے جو انسان اپنی بیوی سے قسم کھا کر کہے کہ میں تیرے ساتھ کبھی خلوت صحیحہ نہیں کروں گا، لہٰذا عورت چار ماہ تک انتظار کرے۔ اگر اس مدت میں خاوند رجوع کرے تو پھر اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ ہاں! اگر قسم کھانے والا خاوند طلاق دینے کا ارادہ کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے۔[2]

۴۔ مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے خاوندوں کے ہاں ہی رہیں اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو پھر جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے (یعنی حمل سے) تو وہ ہرگز نہ چھپائیں۔ اگر اس مدت میں خاوند صلح کا ارادہ کرلیں تو پھر ان کے پاس ہی رہنا زیادہ بہتر ہے اور دیکھو! حقوق کے لحاظ سے عورت مرد مساوی ہیں کہ ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ ہے۔ مرد میں کسب مال کے لیے انتظامی اور کاروباری صلاحیتیں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ فوقیت رکھتا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ	طلاق (صرف) دو بار ہے (یعنی دو دفعہ طلاق دے
اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ	دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ
لَکُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ	(نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ
شَیۡئًا اِلَّاۤ اَنۡ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیۡمَا	دینا اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم اُن کو دے چکے ہو اس میں
حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا	سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں! اگر زن وشوہر کو خوف ہو کہ

---

[1] یعنی جماع حرام ہے البتہ بوس وکنار کی اجازت ہے بشرطیکہ انسان خود پر قابو رکھ سکے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ:۲۲۲)

[2] ایلاء کی قسم کا کفارہ عام قسم کے کفارے کی طرح ہے یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا لباس مہیا کرنا یا ایک گردن آزاد کرنا۔ (المائدہ:۸۹/۵)

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں، یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، ان سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہگار ہوں گے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی۔ ہاں! اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان کو وہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

اور جب تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے چکو تو ان کی عدت پوری ہو جائے تو انھیں یا تو حسنِ سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کر دو اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیے کہ انھیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو اور جو ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ اور اللہ نے تم کو جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

کی ہیں جن سے وہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے ان کو یاد کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

آیات ۲۲۹ تا ۲۳۱۔ تشریح الفاظ

اِمْسَاكٌ: بند رکھنا۔ تَسْرِيْحٌ: رخصت کرنا۔

اَلطَّلَاقُ: چھوڑ دینا، چونکہ بیوی کو خاوند علیحدہ کر دیتا تھا، اس وجہ سے عرف عام میں اس کا نام طلاق ہی پڑ گیا۔

مطلب ومفہوم: طلاق کے احکام

اس رکوع میں طلاق کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ لفظ طلاق سے بھی یورپین مصنفین بہت برہم ہوا کرتے ہیں۔ وہ یہ امر فراموش کر دیتے ہیں کہ جسٹینین کوڈ میں طلاق کی آزادی عیسائیوں کے لیے بحال رکھی گئی ہے۔ وہ یہ بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ آج دنیا میں صرف یورپ ہی ہے جہاں طلاق بکثرت دی جاتی ہے اور طلاق منظور کرنے والی جداگانہ عدالتیں یورپ میں ہی ہیں۔ اسلام نے تو عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکین عرب کی بے روک ٹوک طلاق پر بہت سی قیود بڑھا دی ہیں، جس سے بے جا طلاق کی رسم قریبا ملیا میٹ ہوگئی۔ (جیسے:)

۱۔ مہرِ زوجہ (حق مہر) بھی طلاق کی روک ہے۔ طلاق شرعی تین ہیں۔ ہر طلاق ایک حیض کے بعد ہونی چاہیے۔ یہ تین مہینے کی میعاد بھی طلاق کے لیے روک ہے۔

۲۔ آخری طلاق تک خاوند بیوی ایک گھر میں رہیں۔ یہ بھی طلاق کی روک کے لیے ہے۔

۳۔ طلاق پر دو گواہ ضروری ہیں [1] اور یہ بھی اہل غیرت کے لیے جو غیر کے سامنے اپنا پردہ کھولنا نہیں چاہتے طلاق کی روک ہے۔

۴۔ مطلقہ عورت [2] پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ کوئی اور اس سے نکاح نہ کر لے۔ [3] اور پھر

[1] صحیح البخاری: ۵۲۵۱ والطبرانی، المعجم الکبیر: ۲۴/ ۳۲

[2] جسے تین طلاقیں مل چکی ہوں۔

[3] البقرۃ: ۲/ ۲۳۰

اتفاق وقت سے نہ چھوڑ دے۔[۱] یہ سخت دشوار شرط بھی طلاق کے لیے روک ہے۔

۵۔ سب سے بڑھ کر ''اِنَّ اَبْغَضَ الْحَلَالِ عِنْدَ اللهِ اَلطَّلَاقُ'' سب سے زیادہ طلاق روکنے والی ہے۔اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ''جائز کاموں میں سب سے زیادہ قابل نفرت خدا کے نزدیک طلاق ہے۔''[۲]

۶۔ قرآن مجید میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابی زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ﴿اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ﴾[۳] ''اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے (اور اسے طلاق دینے میں) اللہ سے ڈر۔'' لیکن سارے قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں کہ کسی کو طلاق دینے کی بابت کہا گیا ہو۔

۷۔ قرآن مجید نے ظہار لغو ٹھہرایا۔[۴] حالانکہ عرب کے نزدیک یہ بھی طلاق تھی، اس سے بھی طلاق کی کمی ہوگئی۔

۸۔ قرآنِ مجید نے اِیلاء کی اصلاح کی۔[۵] حالانکہ عرب کے نزدیک یہ بھی طلاق ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا۔اس سے بھی طلاق میں کمی واقع ہوئی۔

۹۔ قرآنِ مجید نے لازم ٹھہرایا ہے کہ ناچاقی و بدسلوکی کی صورت میں ایک ثالث شخص شوہر کے کنبہ کا اور ایک شخص ثالث بیوی کے کنبہ سے مقرر کیے جائیں اور یہ دونوں مل کر میاں بیوی کی شکایات سن کر ان میں صلح کرا دیں۔[۶] یہ تدبیر بھی طلاق کی روک کے لیے ہے۔

اگر کسی اور مذہب نے طلاق کی روک میں اتنی اور ایسی تدابیر کی تعلیم دی ہے تو وہ پیش کرے۔ ان احکام کا عملی نتیجہ دیکھو کہ مسلمانوں میں طلاق کا استعمال شاذ و نادر کیا جاتا ہے۔لیکن یورپ میں جو عدم جواز طلاق کے مسئلہ پر متفکر ہے کوئی شہر، کوئی قصبہ، کوئی محلہ ایسا نہ ملے گا جہاں طلاق کی مثالیں بکثرت نہ مل سکیں بلکہ یہ کہنا غلط نہیں کہ طلاق یورپ کا فیشن بن گیا ہے۔اس کے مقابلے میں اسلام میں طلاق جائز تو ہے لیکن نہایت ہی ناگزیر حالات میں۔

---

[۱] وہ اتفاقی طور پر چھوڑ دے یا فوت ہو جائے۔

[۲] سنن أبي داود: ۲۱۷۸ وسنن ابن ماجہ: ۲۰۱۸، إسنادہ ضعیف

[۳] الاحزاب: ۳۳/ ۳۷

[۴] المجادلہ: ۵۸/ ۱-۴۔ظہار کا مطلب ہے کہ بیوی کو ماں کہہ کر حرام قرار دینا۔

[۵] البقرہ: ۲/ ۲۲۶

[۶] النساء: ۴/ ۳۵

پھر اسلام نے طلاق جیسے مسئلے میں ایک حُسن پیدا کر دیا۔ فرمایا کہ علیحدگی بحسن وخوبی ہونی چاہیے۔[۱] ایک دوسرے کو بدنام نہ کیا جائے، کیچڑ نہ اچھالا جائے، بلکہ ایسے نازک موڑ پر بھی حسن سلوک کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ اگر عورت کو سونے کے ڈھیر بھی دے چکے ہو تو تمھیں کوئی چیز بھی واپس لینے کا حق نہیں پہنچتا۔[۲] اس سے پاکیزہ تعلیم کیا ہو سکتی ہے؟![۳]

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس حکم سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمھارے لیے نہایت خوب اور پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس

---

[۱] البقرۃ: ۲/ ۲۲۹، ۲۳۱ والطلاق: ۶۵/ ۲

[۲] النساء: ۴/ ۲۰

[۳] اہل علم کا اجماع ہے کہ بیوی کو طلاق دینے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ بیوی کو اس طہر میں ایک طلاق دی جائے جس میں صحبت نہ کی ہو۔ حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے اور وہ خاوند کے نکاح سے آزاد ہو کر گھر چلی جائے اور چاہے تو دوسری جگہ شادی کر لے۔ پہلی اور دوسری طلاق کی عدت میں رجوع کی اجازت ہے یعنی خاوند رجوع کر کے بیوی کو دوبارہ گھر میں بسا سکتا ہے۔ (بدایۃ المجتہد: ۳/ ۱۳۹۱)

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوٓا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور اسی طرح (اگر بچے کا باپ مر جائے تو نان ونفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے[۱] اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں، بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق جو تم نے دینا کیا تھا دے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں اور جب یہ عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِيٓ أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

اگر تم کنائے کی باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو یا نکاح (کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے۔ مگر (ایام عدت میں) اس کے سوا کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو۔ پوشیدہ طور پر ان سے قول و قرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری نہ ہولے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا اور جان رکھو کہ جو کچھ تمھارے دلوں

---

[۱] وارث سے مراد باپ کا وارث ہے جو کہ خود بچہ ہے۔ چنانچہ بچے کا نگران بچے کے مال میں سے والدہ کو خرچہ دے گا۔ (تفسیر جلالین، البقرہ:۲۳۳)

مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾

میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا (اور) حلیم ہے۔

آیات ۲۳۲ تا ۲۳۵۔تشریح الفاظ

فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ: عَضَلَ یَعْضُلُ سے فعل نہی، صیغہ جمع مذکر مخاطب۔ پس نہ روکو ان کو۔

یُرْضِعْنَ: اَرْضَعَ یُرْضِعُ سے فعل مضارع، جمع مؤنث غائب۔ دودھ پلائیں۔

فَاحْذَرُوْہُ: (فَ، اِحْذَرُوْا، ہُ) حَذِرَ یَحْذَرُ سے فعل امر، صیغہ جمع مذکر مخاطب۔ پس اللہ سے تم ڈرو۔

مطلب و مفہوم: رضاعت اور عدت کے احکام

طلاق کی صورت میں اگر بچہ چھوٹا ہو تو اس کے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔ عورت اور مرد کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

بیوہ ہونے کی صورت میں جو احکام ہیں ان کا بیان، پھر اس بیوہ کو نکاح ثانی کرنے کی اجازت اور اس سے متعلق دوسرے احکام کا بیان، مثلاً چار ماہ دس دن عدت گزارے، اگر بچہ پیدا ہونے والا ہے تو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکاح کرے[۱] تاکہ نسب مخلوط نہ ہو۔

عدت کے ایام میں خفیہ طور پر پیغام نکاح ناجائز ہے۔ جب عدت گزر جائے تو پھر جس کا دل چاہے وہ پیغام دے سکتا ہے۔ عورت کے لواحقین یا مرد کے لواحق حضرات عورت کو اپنی پسند کا رشتہ قبول کرنے کی اجازت دیں، اس پر کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ کریں۔

لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَھُنَّ فَرِیْضَۃً ۚۖ وَّمَتِّعُوْھُنَّ ۚ عَلَی الْمُوْسِعِ قَدَرُہٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُہٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں! ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک لوگوں پر یہ

[۱] ارشاد باری ہے: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ﴾ ''اور حمل والی خواتین کی عدت وضع حمل ہے۔'' (الطلاق:۶۵/۴)

ایک طرح کا حق ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا۔ ہاں! اگر عورتیں مہر بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں (اور پورا مہر دے دیں تو ان کو اختیار ہے) اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیز گاری کی بات ہے اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

(مسلمانو!) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن (ہو جائے) تو جس طریق سے اللہ نے تم کو سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے اللہ کو یاد کرو۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ښ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں! اگر وہ خود گھر سے چلی جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭحَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾	اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا چاہیے، پرہیزگاروں پر یہ بھی حق ہے۔
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾	اسی طرح اللہ اپنے احکام تمھارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

آیات ۲۳۶ تا ۲۴۲۔تشریح الفاظ

عَلَى الْمُوْسِعِ: اَوْسَعَ يُوْسِعُ سے اسم فاعل، واحد مذکر۔ اوپر وسعت والے کے۔

الْمُقْتِرِ: تنگی والا۔ عُقْدَةُ النِّكَاحِ: گانٹھ نکاح کی۔

الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى: درمیانی نماز (یعنی نماز عصر)۔ رِجَالًا: پیدل۔

رُكْبَانًا: سوار۔

مطلب ومفہوم: طلاق اور صلوٰۃ الخوف کے احکام

ان آیات میں مندرجہ ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اگر خلوت سے قبل عورت کو طلاق دے دی، مہر مقرر نہیں کیا گیا تو پھر ویسے ہی نیکی کے طور پر اس کو اپنی طاقت کے مطابق کچھ نہ کچھ دے دینا اور حسن سلوک کرنا چاہیے۔

۲۔ اگر حق مہر مقرر ہو چکا ہے اور عورت سے خلوت صحیحہ نہیں کی تو پھر طلاق کی صورت میں نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔ ہاں! اگر عورت یا عورت کا ولی معاف کر دے تو وہ الگ بات ہے اور تقویٰ معاف کر دینے میں ہی ہے۔[1]

۳۔ نماز کے اوقات کی پابندی اور خصوصاً نماز عصر کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ خوف کی صورت میں بھی نماز پڑھنی ضروری ہے خواہ سواری کی حالت میں، خواہ پیدل چلتا چلتا اشاروں سے پڑھتا جائے۔ البتہ حالت امن میں حسب دستور نمازیں ادا کی جائیں۔

۴۔ جو شخص فوت ہونے لگے وہ اپنی بیوی کے لیے ایک سال کے طعام وقیام کی وصیت کر جائے۔[2] ہاں! اگر وہ خود بخود چلی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ نکاح کر لے تو یہ نیکی کا کام ہے۔

[1] دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند مکمل حق مہر دے دے جیسا کہ متعلقہ آیات کے ترجمے میں گزرا۔

[2] یہ حکم آیاتِ وراثت کے نزول کے بعد منسوخ ہو گیا۔ (تفسیر جلالین، البقرہ: ۲۴۲)

اسی طرح مطلقہ عورتیں بھی دستور کے مطابق فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور دیکھو! اللہ تعالیٰ عقل مندوں کے لیے اپنی نشانیاں اسی طرح بیان فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو شمار میں ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو اللہ نے اُن کو حکم دیا کہ مر جاؤ، پھر ان کو زندہ بھی کر دیا؟ کچھ شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور (مسلمانو!) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کریں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا: اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ تم لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے، جبکہ ہم وطن سے (خارج اور) بال بچوں سے جدا کر دیے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾	اور ان کے پیغمبر نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہوسکتا ہے؟ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) منتخب فرمایا ہے، اس نے اسے علم بھی بہت بخشا ہے اور تن وتوش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾	اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تسلی بخشنے والی چیز ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) چھوڑ گئے تھے، اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمھارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ	غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا: اللہ ایک نہر سے تمھاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا) کہ وہ میرا نہیں اور جو نہ پیے گا وہ (سمجھا جائے گا) کہ میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر ہے۔ جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر

بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾	سے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ کے رُوبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بعض اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾	اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو اللہ سے دعا کی کہ اے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور لشکرِ کفار پر فتح یاب کر۔
فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾	تو طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داود (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا، لیکن اللہ اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾	یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں (اور اے محمد ﷺ!) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

آیات ۲۴۳ تا ۲۵۲۔ تشریح الفاظ

اُلُوْفٌ: (واحد، اَلْفٌ) کئی ہزار۔

يَبْصُطُ: بَصَطَ يَبْصُطُ سے فعل مضارع، واحد مذکر غائب۔ کشادہ کرتا ہے۔

بَسْطَةٌ: فراخی۔ سَكِيْنَةٌ: تسکین۔

مطلب و مفہوم: بنی اسرائیل کے قتال کا ایک واقعہ

اس جگہ بنی اسرائیل کے زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ وہ اپنے نبی شموئیل سے کہنے لگے: ہمیں ایک بادشاہ چاہیے، جس کے ساتھ مل کر ہم اس بادشاہ سے جہاد کریں جو سابقہ قوم سے جالوت نام کا ہے۔ جس نے ان کے بہت سے علاقے اپنے قبضے میں لے لیے ہیں اور ان کے چار سو چالیس نوجوان گرفتار اور تورات کا نسخہ بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔[1] آیت: ۲۴۳ سے ۲۵۳ تک یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس واقعہ میں مسلمانوں کے لیے بھی ایک سبق ہے کہ فوجوں کی کثرت پر حق کی فتح کا انحصار نہیں ہے، بلکہ اصل چیز اطاعت احکامِ الٰہی اور خلوص نیت ہے۔ جیسا کہ اس مختصر جماعت اہل حق نے ایک بہت بڑے لشکر کو بحکمِ الٰہی شکست فاش دی۔

فرمایا کہ مال وجۂ فضیلت نہیں ہے، البتہ علم کی قوت اور جسمانی طاقت، موزوں استعداد اور توفیقِ الٰہی باعث فضیلت ہے اور حکومت و اقتدار کے لیے ذہنی، فکری اور جسمانی صلاحیتوں کو پیدا کرنا ضروری ہے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ انبیاء بحیثیت منصب سب برابر ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ بعض اپنے پیغام کی نوعیت، کثرتِ امت، عرصۂ رسالت اور مراتبِ اخلاق کے باعث دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت دی ہے:

۱۔ مجھے جوامع کلمات دیے گئے ہیں۔
۲۔ رعب کے ساتھ میری نصرت فرمائی گئی۔
۳۔ میرے لیے مال غنیمت جائز کیے گئے۔
۴۔ ساری زمین میرے لیے پاکیزہ اور سجدہ گاہ بنائی گئی۔
۵۔ میں ساری کائنات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
۶۔ مجھ پر سلسلۂ نبوت اختتام پذیر ہوا۔[2]

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ	یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے گفتگو فرمائی اور بعض کے دوسرے

---

[1] ابن ابی حاتم و اسماعیل حقی، التفسیر، البقرہ: ۲۴۶
[2] صحیح البخاری: ۳۳۵ و صحیح مسلم: ۵۲۳

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

امور میں مرتبے بلند کیے اور عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں اور روح القدس سے ان کو مدد دی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ وقتال نہ کرتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کرلو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے۔ اور کفر کرنے والے لوگ ظالم ہیں۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ ہمیشہ رہنے والا۔ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے اسے سب معلوم ہے اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے، ہاں! جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے)۔ اس کی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے

اور اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں۔ وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت صاف طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں[1] سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ ہے کہ ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

آیات ۲۵۳ تا ۲۵۷۔ تشریح الفاظ

خُلَّةٌ: دوستی۔ سِنَةٌ: اونگھ۔

يَـئُوْدُهٗ: اَدَ يَـئُوْدُ سے فعل مضارع منفی، صیغہ واحد مذکر غائب۔ نہیں تھکاتی اس کو۔

اَلرُّشْدُ: ہدایت۔ اَلْغَيِّ: گمراہی۔

اَلْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى: حلقہ مضبوط۔ اَلطَّاغُوْتُ: شیطان۔

مطلب ومفہوم: آیۃ الکرسی قدرتِ الٰہی کا ایک نمونہ

ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ قبل از وفات پر توجہ دلائی گئی ہے کہ اس دن سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس دن کوئی دوست، کوئی سفارش اور خرید وفروخت کام نہ آئے گی۔

---

[1] اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کی جائے وہ طاغوت ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۲۵۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور اپنے رعب و جبروت کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی ہے کہ ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی حاجت روا، وہی مشکل کشا ہے، نہ اسے کبھی اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے۔ اس کے حکم کے سوا کوئی کسی قسم کی سفارش اس سے نہیں کر سکتا، خواہ نبی ہو یا ولی، یا نیک بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔ ہر چھپی اور ظاہر بات کا اسے علم ہے۔ لیکن اس کے علم کا احاطہ نہ آج تک کسی نے کیا ہے اور نہ آئندہ کر سکے گا۔ اس کا عرشِ حکومت زمین و آسمان کی وسعتوں کو حاوی ہے۔ ان سب چیزوں کی حفاظت سے وہ تھکتا بھی نہیں، کیونکہ وہ سب سے بلند و بالا ہے۔

پھر دین حق کو سوچ سمجھ کر قبول کرنے اور کفر کے ساتھ بغاوت کا بیان ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ صحیح طور پر ایمان لے آیا ہے اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا ہے۔ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جن لوگوں سے دوستی ہے وہ تو انھیں راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا رہے گا۔ لیکن جن لوگوں کا دوست شیطان ہے تو شیطان اندھیرے میں ہی بہکاتا رہے گا۔ ایسے لوگ دوزخ میں ہمیشہ عذاب چکھیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾	بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی، ابراہیم (علیہ السلام) سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میرا پروردگار تو وہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ بولا: جِلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، آپ اسے مغرب سے نکال دیجیے۔ یہ سن کر کافر حیران رہ گیا اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔
اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ	یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا گزر ہوا تو اس نے کہا: اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور سو برس

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

تک اس کو مردہ رکھا، پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا کہ تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق سڑی) بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے)۔ غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنائیں اور ہاں (گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیوں کر جوڑے دیتے اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھائے دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے (اللہ سے) کہا کہ اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینانِ کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار پرندے پکڑ کر اپنے پاس منگوا لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کرا دو) پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمھارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔

آیات ۲۵۸ تا ۲۶۰۔ تشریح الفاظ

حَاجَّ: حَاجَّ يُحَاجُّ سے فعل ماضی معروف، واحد مذکر غائب۔ جھگڑا کیا۔

فَبُهِتَ: (فَ، بُهِتَ) بَهِتَ يَبْهَتُ سے فعل ماضی مجہول، واحد مذکر غائب۔ حیران کر دیا گیا۔

عُرُوْشِهَا: (واحد عَرْشَةٌ) اپنی چھتوں پر۔ خَاوِيَةٌ: گر پڑی تھی۔

لَمْ يَتَسَنَّهْ: تَسَنَّهَ يَتَسَنَّهُ سے فعل مضارع، نفی جحد معلوم، واحد مذکر غائب۔ نہیں باسی ہوا۔

مطلب و مفہوم: سیدنا ابراہیم اور عُزیر علیہما السلام کے واقعات

ان آیات میں دو واقعے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہیں۔ ایک کافر بادشاہ نمرود نامی سے مناظرہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام غالب آئے اور دوسرا واقعہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک معجزے کا صدور کرایا گیا اور ایک واقعہ حضرت عُزیر علیہ السلام سے متعلق کہ آپ سو سال تک مرے رہے اور بعد میں زندہ کیے گئے تھے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾	جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے، وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾	جو لوگ اپنا مال اللہ کے راستے میں صَرف کرتے ہیں، پھر اس کے بعد نہ اس خرچ کا (کسی پر) احسان رکھتے ہیں اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں، ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس (تیار) ہے اور (قیامت کے روز) نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾	جس خیرات کو دینے کے بعد (لینے والے کو) ایذا دی جائے اس سے تو نرم بات کہہ دینی اور (اس کی بے ادبی سے) درگزر کرنا بہتر ہے اور اللہ بے پروا اور بُردبار ہے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ	مومنو! اپنے صدقات وخیرات احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا جو لوگوں کو

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ
فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا
كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾

دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس (کے مال) کی مثال اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برس کر اسے صاف کر ڈالے۔(اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۭبِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا
وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ
يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾

اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور خلوصِ نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔(جب) اس پر مینہ پڑے تو دگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ بھی پڑے تو خیر پھوار ہی سہی اور اللہ تمھارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ
نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ
الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚۖ فَاَصَابَهَآ
اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾

بھلا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھاپا آ پکڑے اور اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں تو (ناگہاں) اس باغ پر آگ کا بھرا ہوا بگولا چلے اور وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائے، اس طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو سمجھو۔

آیات ٢٦١ تا ٢٦٦۔تشریح الفاظ

سَنَابِلَ: (واحد، سُنْبُلَةٌ) بالیاں، (بٹے)۔

وَالْاَذٰى: ستانا۔

بِالْمَنِّ: احسان جتا کر۔

صَفْوَانٌ: صاف پتھر۔

وَابِلٌ: زور کا مینہ۔ صَلْدًا: بالکل صاف۔

بِرَبْوَةٍ: (بِ، رَبْوَةٍ) بلند زمین پر۔ فَطَلٌّ: (فَ، طَلٌّ) پھوار۔ اِعْصَارٌ: بگولا۔

مطلب ومفہوم: صدقہ وخیرات کرکے جتایا نہ جائے:

ان آیات میں مثالوں کے ذریعہ انفاق فی سبیل اللہ پر توجہ دلائی گئی ہے اور پھر کسی محتاج کے ساتھ تعاون کرنے کے بعد اس کو ستانے اور اس پر احسان جتانے سے روکا گیا ہے۔اور پھر اس ایک مثال سے ڈرایا گیا ہے جو اس طرح کرنے سے نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔تین طرز کی مثالیں دی گئی ہیں: ایک مثال ستوں کی، دوسری پتھر کی، تیسری ایک باغ کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمھارے لیے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ (اگر وہ چیزیں تمھیں دی جائیں تو) بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کر لو، ان کو کبھی نہ لو اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا (اور) قابل ستائش ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

(اور دیکھنا) شیطان (کا کہا نہ ماننا، وہ) تمھیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی۔اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ

اور تم (اللہ کی راہ میں) جس طرح کا خرچ کرو یا کوئی

تَّنْذُرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

نذر مانو اللہ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ بھی خوب تر ہے اور (اس طرح کا دینا) تمھارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا اور اللہ کو تمھارے سب کاموں کی خبر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

(اے محمد ﷺ!) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور (مومنو!) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمھی کو ہے اور تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے اور جو مال تم خرچ کرو گے تمھیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمھارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

(اور ہاں! تم جو خرچ کرو گے تو) ان حاجت مندوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں اور ملک میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں یہاں تک کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص ان کو غنی خیال کرتا ہے اور تم قیافے سے ان کو صاف پہچان لو کہ حاجت مند ہیں اور شرم کے سبب لوگوں سے منہ پھاڑ کر اور لپٹ کر نہیں مانگ سکتے اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ اس کو جانتا ہے۔

آیات ۲۶۷ تا ۲۷۳۔ تشریح الفاظ

وَلَا تَيَمَّمُوْا: تَيَمَّمَ يَتَيَمَّمُ سے۔ اور نہ قصد کرو۔ تُغْمِضُوْا: اَغْمَضَ يُغْمِضُ سے۔ چشم پوشی کرو تم۔

فَنِعِمَّا: (فَ، نِعِمَّا) اچھی بات۔

مطلب ومفہوم: صدقہ وسود کے احکام

اس رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ کے بقایا احکام بیان کیے گئے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سَودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سُود (لینا) حالانکہ سَودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سُود کو حرام تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سُود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اُس کا اور (قیامت میں) اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ سُود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہے ان کو ان کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾	مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾	اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمھارا نقصان۔
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾	اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اُسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت دو اور اگر (زرِقرض) بخش ہی دو تو تمھارے لیے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔
وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾	اور اُس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔

آیات ۲۷۴ تا ۲۸۱۔ تشریح الفاظ

يَتَخَبَّطُهُ: بدحواس کر دیتا ہے اس کو۔ يَمْحَقُ: مٹاتا ہے۔ الرِّبٰوا: سود۔
يُرْبِي: بڑھاتا ہے، سود سے بھی مال کی بڑھوتی مقصود ہوتی ہے، اس لیے اس کو ربوٰ کہا گیا۔

مطلب و مفہوم: سود کے احکام

ان آیات میں حرمت سود کا بیان ہے۔ مختلف قسم کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے۔ اس کی خرابیوں اور انجام سے خبردار کیا گیا اور پھر اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر آئندہ توبہ کر لو تو پچھلا گناہ معاف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۗ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ	مومنو! جب تم آپس میں کسی میعادِ معیّن کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ انصاف سے لکھے۔ نیز

كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

لکھنے والا جیسا اللہ نے اسے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز) کا مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے کہ اس کا مالک ہے خوف کرے اور زرِ قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو کافی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی اور جب گواہ (گواہی کے لیے) طلب کیے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس کی (دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا، یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرینِ انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے، اس سے تمھیں کسی قسم کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا۔ ہاں! اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جب خرید وفروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح کا بھی نقصان نہ کریں۔ اگر تم لوگ ایسا کرو تو یہ تمھارے لیے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو اور

دیکھو تمھیں (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے تو کوئی چیز رہن یا قبضہ رکھ کر (قرض لے لو) اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (یعنی رہن کے بغیر قرض دے دے) تو امانتدار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے۔ اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا، جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہوگا اور اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول اللہ (ﷺ) اس کتاب پر جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار! ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٭ وَاغْفِرْ لَنَا ٭ وَارْحَمْنَا ٭ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾	اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا، بُرے کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار! جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو اور اے پروردگار! ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تُو ہی ہمارا مالک ہے۔ اور ہم کو کافروں پر غالب فرما۔

آیات ۲۸۲ تا ۲۸۶۔ تشریح الفاظ

تَدَايَنْتُمْ: تَدَايَنَ يَتَدَايَنُ سے فعل ماضی معروف، جمع مذکر مخاطب۔ ایک دوسرے سے قرضہ لو تم۔

وَلَا تَسْئَمُوْٓا: سَئِمَ يَسْئَمُ سے نہی حاضر، جمع مذکر حاضر۔ نہ کاہلی کرو۔

فَرِهٰنٌ: (فَ، رِهٰنٌ) پس رہن (گروی) رکھنا ہے۔

مطلب ومفہوم: قرض اور لین دین کے آداب

ان آیات میں قرض لینے دینے اور آپس میں معاملات کی درستگی اور آخرت میں عذابِ الٰہی سے پناہ اور دنیا میں اچھے کاموں کی توفیق اور برُے کاموں سے بچنے کی توفیق مانگی گئی ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ تَعَالٰى

Family of 'Imran

(al-Qur'an)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

Section 1.

۱۔ الٓمّٓ ۝

Alif Lam Mim.

۲۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝

Allah ,(there is) no god but He, the Ever-Living, the Self-subsisting by whom all things subsist.

۳۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝

He sent down to thee (step by step) the Book with truth, confirming what was (revealed) before it, and He sent down the Torah and the Gospel.

۴۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

Before this , as a guide to mankind and He sent down the Criterion (of right and wrong). Verily, those who disbelieve the signs of Allah, will have a very severe penalty; and Allah is mighty, Lord of Retribution.

۵۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝

Verily, from Allah nothing in the earth or in the heaven is hidden.

۶۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

It is He Who shapes you in th wombs as He pleases. (There is) no god but He, the Mighty, the Wise.

۷۔ هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

He is Who sent down to thee the Book; in it are basic verses; they are the substance of the Book, and others are allegorical. But those in whose hearts (there is) perversity, follow the part thereof that is allegorical, seeking discord and searching for its hidden meanings, and none knows its hidden meanings except Allah. And those who are firmly grounded in knowledge, say: " We believe in it ; the whole of it is from our Lord." And none will heed save men of intelligence.

۸۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○

(These men say,) "Our Lord, do not cause our hearts to deviate, after you have guided us aright, and bestow upon us mercy from your own presence; verily you are the greatest Bestower."

۹۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○

O' our lord!, verily, you will gather mankind together on a day concerning which there is no doubt; verily, Allah never fails in His promise."

Section 2

۱۰۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ○

Surely those who disbelive, neither will their riches nor their

progeny aught avail them against Allah; it is they who will be fuel for the Fire.

۱۱۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

Their plight shall be like that of the people of Pharaoh, and those who preceded them. They rejected Our signs; so Allah seized them for their sins; and Allah is severe in punishmint.

۱۲۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

Say to those who disbelieve, soon all you be vanquished and gathered together to Hell; and an evil resting-place it is.

۱۳۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ
مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○

There has already been a sign for you in the two hosts which met (in combat); one was fighting in the cause of Allah, and the other disbelieving , they saw them as twice their number, clearly, with their own eyes; and Allah helps with His succour whomsoever He pleases; surely in that is a warming for those who have eyes (to see).

۱۴۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَ
الْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ○

Beautified is for mankind the love of the joys (derived) from women and offspring and heapedup hoards of gold and silver and horses branded (for blood and excellence) and cattle and well-tilled land. These are the possessions of the life of this world; and Allah, with Him is the best abode.

۱۵۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ

Say, "shall I inform you of (something) better than that?" For those who keep from evil, are with their Lord gardens underneath which flow rivers, wherein they will abide and pure companions and the good pleasure of Allah, and Allah is cognizant of His servants.

۱۶۔ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ

(Who say) "Our lord, surely we have believed, so forgive us our sins and guard us against the agony of the Fire."

۱۷۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ○

The patient and the truthful and the obedient, who spend money (in the way of Allah), and ask forgiveness in the early hours of the morning.

۱۸۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ؕ

Allah bears witness, standing firm on justice, that there is no god but He, and (so do) the angels and the men of learning. There is no god but He, the Mighty, the Wise.

۱۹۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

Surely the (true) religion with Allah is Islam, and those who were given the Book did not dissent therefrom except through envy of each other, disbelieves the signs of Allah, then surely Allah is swift in reckoning.

۲۰۔ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ
ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○

So if they dispute with you, say: "I have surrendered my entire self to Allah, and (so have) those who follow me" , and

say to those who are given the Book and to the un-lettered, " Do you (also) surrender?" so if they surrender, they are rightly-guided; and if they turn back, your duty is only to convey the message; and Allah is Cognizant of (His) servants.

Section 3

۲۱۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيٰتِ اللهِ وَ يَقْتُلُونَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَاْمُرُونَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

Surely those who disbelieve the signs of Allah and slay the prophets in defiance of right, and slay those of mankind who enjoin equity, announce to them painful penalty.

۲۲۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

They are those whose works will bear no furit in this world and the Hereafter nor will they have any helpers.

۲۳۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِينَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

Have you not seen those who were given a portion of the Book? They are invited to the book of Allah that it may judge between them; but a faction of them rurn away, being opposed (to it).

۲۴۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّ غَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ○

That was because they say, " The Fire shall not touch us except for a few numbered days"; and what they used to forge, has deceived them in regard to their own religion.

۲۵۔ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

But how (will they fare) when we gather them together on a day concerning which there is no doubt, and each soul will not be wronged?

۲۶۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ
تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

Say, "O Allah, Owner of Sovereignty! You give sovereignty to whom You please, and You strip off sovereignty from whom You please; and You exalt whom You please and You abase whom You please; in Your hand is all good; surely over all things You have power.

۲۷۔ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ
الْحَيِّ ۫ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

You cause the night to pass into the day, and You cause the day to pass into the night; and You bring forth the living from the dead, and You bring forth the dead from the living, and you give sustenance to whom you please, without measure.

۲۸۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ
فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

Let not the believers take for friends unbelievers rather than believers; and whoever does that, shall have no connection whatsoever with Allah, except that you guard yourselves against them, taking (as it were) security. And Allah bids you beware (only) of Himself, and to Allah is the ultimate course (of every human being).

۲۹۔ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ
وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

Say, Whether you hide what is in your hearts or reveal it, Allah knows it all; and He knows what is in the heavens and

what is in the earth; and Allah has power over all things.

۳۰۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

On the Day when every soul shall be confronted with what it has done of good, and what it has done of evil. It will long that there might be a long distance between it and that (day). And Allah bids you beware of Himself, and Allah is full of kindness to his servants.

section 4

۳۱۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

Say that if you do love Allah, follow me, Allah will love you and forgive your sins; and Allah is Oft-Forgiving, Most Merciful.

۳۲۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

Say, "Obey Allah and His Prophet: But if they turn back,Allah loves not those who are disbelievers.

۳۳۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

Surely Allah has chosen Adam and Noah and the family of Abraham and the Family of 'Imran above all creatures.

۳۴۔ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

Offspring one of the other, and Allah is Hearer, Knower.

۳۵۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

(Remember) when the wife of 'Imran said, "My Lord, I so vow to You what is in my womb as a consecrated (offering) so accept this of me; verily You, only You, are the Hearer, the Knower".

۳۶۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۖ وَلَيْسَ الذَّكَرُ
كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○

So when she was delivered of her, she said, My lord, I am delivered of a female(child)", and Allah knew best what she was delivered of, "and no-wise is the male like the female" and I have named her Mary, and I commend her and her progeny to Your protection from Satan, the outcast.

۳۷۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا
زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ
اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

So her Lord accepted her with a graceful acceptance, and made her grow a goodly growth, and made Zakariyya her guardian. When ever Zakariyya entered me sanctuary to (see) her, he found with her, sustenance. He said, " O Mary, whence does this (sustenance) come to you?" She said, " It is from Allah; for Allah provides sustenance to whom He pleases, without measure.

۳۸۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ○

There did Zakariyya pray to his Lord, saying, "O, My Lord, grant to me of your bounty, a pure progeny; surely you are the Hearer of Prayer."

۳۹۔ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ
اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ○

Then the angels called to him as he stood praying in the sanctuary, "Surely Allah gives you glad tidings of Yahya confirming a Word from Allah and lordly and chaste and a prophet from among the righteous."

۴۰۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا
يَشَآءُ ۝

He said, "O My Lord, how shall there be a son for me when old age has already overtaken me and my wife is barren?" He said, " Thus does Allah accomplish what He wills."

۴۱۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ
كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ۝

He said, "O My Lord, give me a sign." He said, "Your sign shall be that you shall not speak to mankind for three days except by signals. Remember your Lord much, and glorify Him in the evening and the morning."

Section 5

۴۲۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

And when the angels said, "O Mary, Allah has chosen you and purified you and chosen you above the women of the world."

۴۳۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

"O Mary, be obedient to your Lord and prostrate yourself and bow down (in prayer) with those who bow down".

۴۴۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

This is (part) of the tidings of things hidden which we reveal to you (by inspiration); and you were not (present) with them when they cast their pens (to know) which of them should be the guardian of Mary, nor were you (present) with them when they disputed (the point).

۴۵۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۙ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝

(Remember) when the angles said, "O Mary, Allah gives you glad tidings of a Word from Him, whose name is the Messiah, Jesus, son of Mary, held in honour in the world and the Hereafter, and (one) of those brought near to Allah.

۴۶۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"And he will speak to people in the cradle and in manhood, and will be of the righteous."

۴۷۔ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا
قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

She said, " My Lord, how shall there be a son (born) to me when no man has touched me?" He said, "Thus does Allah create what He wills when He has decreed a thing, He only says to it, "Be" , and it is.

۴۸۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ۚ

"And He will teach him the Book and wisdom and the Torah and the Gospel.

۴۹۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ
كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ۚ

" And (He will appoint him) an apostle to the tribe of Israel (with the message), I have come to you with a sign from your Lord: I fashion for you, out of clay, the likeness as it were, of a bird; then I breathe into it and it becomes a bird by Allah's leave. And I heal him that is born blind, and the lepers and quicken the dead by Allah's leave. And I declare to you what you eat and what you store up in your houses.

Surely therein is a sign for you, if you are(to be) believers.

۵۰۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ
بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

(I have come to you) Confirming what was (revealed) before me from me from the Torah, and to make lawful to you part of what was forbidden to you; and I have come to you with a sign from your Lord; so fear Allah and obey me.

۵۱۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

Surely Allah is my lord and your lord, so worship Him. This is straight path.

۵۲۔ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

And when Jesus perceived unbelief on their part, he said, "Who are my helpers in the cause of Allah"? The disciples said, "We are the helpers of Allah. We believe in Allah, (so) bear you witness that we are Muslims."

۵۳۔ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

"Our Lord, we believe in what you have revealed, and we follow the Apostle; so enrol us among those who bear witness.

۵۴۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

And (then the unbelievers) planned, and Allah planned (too), and Allah is the best of All planners.

Section 6

۵۵۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

(Remember) when Allah said,"O Jesus, I am taking you and making you ascend to Me, and cleansing you of those who disbelieve, and am setting those who follow you above those who disbelieve till the Day of Resurrection. Then to Me shall you (all) return, and I will judge between you regarding matters wherein you used to differ.

۵۶۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

As to those who disbelielve, I shall chastise them with a heavy chastisement in the world and the Hereafter, nor will they have any helpers.

۵۷۔ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

And as to those who believe and perform good deeds. He will pay them their wages in full. Allah does not love wrong-doers.

۵۸۔ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝

This is what we rehearse to you of the signs and the wise reminder.

۵۹۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

Surely the likeness of Jesus, with Allah, is as the likeness of Adam; He created him from dust, then said to him "be" and he was.

۶۰۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

(This is) the truth from your Lord, so be not of those who doubt.

۶۱۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

So whoever disputes with you concerning him, after the

knowledge which has come to you, say (to him), "Come, we will summon our sons and your sons, and our women and your women, and ourselves and yourselves; then we will pray humbly and invoke the curse of Allah on those who lie.

۶۲۔ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

This is the true account:there is no god except Allah. And Allah is indeed the exalted in Power, the Wise.

۶۳۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ○

But if they turn back, surely Allah is aware of those who do mischief.

Section 7

۶۴۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○

Say, "O people of the scripture, come to a common proposition as between us and you that we shall worship none but Allah, and that we shall not associate any partner with Him, and that none of us shall take others for lords besides Allah." But if they turn back, then say: "Bear witness that we (at least) are Muslims".

۶۵۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○

O people of the scripture, why do you dispute about Abraham when the Torah and the Gospel were not revealed till after him? Have you then no sense?

۶۶۔ هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○

Lo! you are those who disputed about that whereof you had

some knowledge. Why do you then dispute concerning that which you do not know? And Allah knows and you do not know.

۶۷۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

Abraham was not a Jew, nor yet a Christian; but he was an upright (man), a Muslim; and he was not of the polytheists.

۶۸۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

Without doubt, nearest of mankind to Abraham are those who followed him, and this Prophet and those who believe. And Allah is a Protecting Friend of the believers.

۶۹۔ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

A party of the people of the Scripture long that they may lead you astray; but they do not lead (any one) astray but themselves, and they do not perceive.

۷۰۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

O people of the Scripture, why do you disbelieve in the signs of Allah when you (yourselves) bear witness(to their truth)?

۷۱۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

O people of the Scripture, why do you confound truth with falsehood, and conceal truth when you have knowledge?

Section 8

۷۲۔ وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

A party of the people of the Scripture say, "Believe in what has been revealed to those who believe, at the opening of

the day and disbelieve at the end thereof; perchance they may turn back.

۷۳۔ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ
اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ

"And do not believe except in one who follows your religion," Say: The (true) guidance is Allah's guidance. ------" (And do not believe) that any one is given the like of that which is given to you or (that) they may dispute with you in the Presence of your Lord "Say, "The bounty is in Allah's hand and He bestows it on whom He wills: surely Allah is All-Embracing, All-knowing.

۷۴۔ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

He specially chooses for His mercy whom He wills, and is of Infinite Bounty.

۷۵۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ
لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ
وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

And among the people of the scripture there is he who, if you trust him with a hoard of gold, will return it to you; and among them is he who, if you trust him with a single piece of gold, will not return it to you unless you keep standing over him. That is because they say, "There is no call on us concerning the unlettered people." They speak a lie against Allah and they know (it).

۷۶۔ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

Ney- whoever fulfils his pledge and guards (against evil), then surely Allah loves the righteous.

۷۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

Surely those who purchase a small gain at the expence of Allah's covenant and their oaths, for them shall be no portion in the Hereafter. Allah will not speak to them nor will He look upon them on the Day of Resurrection, nor will He purify them, and for them there shall be a painful penalty.

۷۸۔ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

And among them is a party who distort the Scripture with their tongues so that you may think it is from the Scripture when it is not from the Scripture; and they say, "This is from Allah", when it is not from Allah, and they speak a lie against Allah and they know (It).

۷۹۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ۙ

It is not (possible) for a human being that Allah should give him the Scripture and the judgment and the prophethood, and he should, then, say to mankind, "Be my servants rather than Allah's". On the contrary (he would say), "Be faithful servants of the Lord in virtue of your teaching of the Scripture and of your constant study thereof."

۸۰۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

Nor would he instruct you to take angels and prophets for lords. What! Would he command you to unbelief after you are Muslims?

Section 9

۸۱ـ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا
اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○

And remember when Allah took the covenant of the Prophets (saying), "Certainly what I have given you of the Scripture and wisdom, then comes to you an apostle confirming what is with you, you shall believe in him and you shall render him help." (Allah) said, "Do you agree and take my covenant as binding on you?" They said, "We agree." (Allah) said, "Then bear witness and I am with you among the witnesses."

۸۲ـ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

Then whoever turns back after this, surely they are transgressors.

۸۳ـ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○

Then do they seek other than the religion of Allah when to Him submits whoever is in the heavens and the earth, willingly and unwillingly, and to Him will they all be returned.

۸۴ـ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ
وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

Say, "We believe in Allah and what has been revealed to us and what was revealed to Abraham and Ismael and Isaac and Jacob and the Tribes, and what was vouchsafed to Moses and Jesus and the prophets from their Lord. We make no distinction between any of them and to Him we surrender."

۸۵۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

And whoever desires a religion other than Islam, it shall never be accepted of him, and he will, in the Hereafter, be of the losers.

۸۶۔ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

How shall Allah guide a people who disbelieve after their (profession of) belief and (after) they bore signs had come to them? And Allah does not guide the unjust people.

۸۷۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ۙ

As for them, their guardian will be that on them will be the curse of Allah and Angels and men, all together.

۸۸۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ۙ

Abiding therein; their penalty will not be lightened, nor will they be reprieved.

۸۹۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

Except those who repent after that and make amends, surely Allah is Oft-Forgiving, Most Merciful.

۹۰۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الضَّآلُّوْنَ ۝

Surely those who disbelieve after their (profession of) belief, then grow violent in disbelief, never will their repentance be accepted, and such as those who have gone astry.

۹۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا
وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

Surely those who disbelieve and die in disbelief, from such a one never shall be accepted the (entire) earth full of gold if

he offered it as a ransom. For such people will be a grievous penalty, and they will have no helpers.

۹۲۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝

Never will you attain righteousness until you spend of that which you love; and whatsoever you spend, then surely Allah is aware of it.

۹۳۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ
التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

All food was lawful to the Children of Israel except that which Israel forbade himself before the Torah was revealed. Say, "Bring the Torah and read it, if you are truthul. "

۹۴۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

So after that whoever fabricates a lie against Allah, they indeed are the wrong-doers.

۹۵۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

Say, "Allah speaks the truth" so follow the religion of Abraham, the upright, and he was not of the polytheists."

۹۶۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

Verily, the first House that was appointed for mankind is that at Bakkah, a blessed one and guidance to all peoples.

۹۷۔ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ
اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

Therein are perspicuous signs, the station of Abraham; and whoso enters it is secure. And Pilgrimage to the House is a duty to Allah for mankind, for him who can afford the journey thereto. And whoever disbelieves, then surely Allah is independent of all peoples.

۹۸۔ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝

Say, "O people of the scripture, why do you disbelieve the signs of Allah when Allah is a witness to what you do?"

۹۹۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

Say, "O people of the Scripture, why do you divert him who believes from the way of Allah, seeking to make it crooked (*i. e* ,seeking to make the path crooked), when you are witness? And Allah is not unmindful of what you do."

۱۰۰۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
كٰفِرِيْنَ ۝

O you who believe, if you obey a faction from among those who have been given the Scripture they will make you turn disbelievers after your (profession of) belief.

۱۰۱۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

And how will you disbelieve when it is you to whom are recited the revelations of Allah and in your midst is His Apostle? And whoever holds firmly to Allah, has been guided to the straight path.

Section 11

۱۰۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

O you who believe, fear Allah as He ought to be feared; and you must not die except when you are Muslims.

۱۰۳۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ
بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ
مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

And hold fast, all of you together, to the rope of Allah and do not separate; and remember Allah's favour to you; since you were enemies and he united your hearts, and by His grace you became brethren, and you were upon the brink of an abyss of fire and He saved you there from, thus does Allah make clear to you His signs that Happily you may be guided.

۱۰۴۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

Let there be of your band of people, invitng to good and enjoining right and forbidding prosperous.

۱۰۵۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ○

And be not like those who split into sects and were at variance, after clear revelations had come to them; and for such will be a terrible punishment.

۱۰۶۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○

On the day when (some) faces will turn white and (some) faces will turn black. As for those whose faces turn black (it will be said to them), "Did you disbelieve after your (profession of) belief? Taste then the punishment for your disbelieving."

۱۰۷۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

And as to those whose faces turn white, (they will be) in the mercy of Allah wherein they will abide.

۱۰۸۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

These are the signs of Allah (which) We recite to you in truth and Allah does not mean any injustice to (His) creatures.

۱۰۹ـ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

And to Allah belongs whatsoever is in the heavens and whatsoever is in the earth, and to Him all affairs are to be returned.

Section 12

۱۱۰ـ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

You ar the best nation that has been raised up for mankind. You enjoin good and forbid wrong and you believe in Allah. And if the people of the Scripture had believed, it would have been better for them. Some of them are believers but most of them are evil-doers.

۱۱۱ـ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

They will never do you any harm barring a trifling hurt, and if they fight with you, they will show you their backs, then will they not be helped.

۱۱۲ـ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ
بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

Ignominy has been set upon them wheresoever they are found, except by a cord from Allah and a cord from mankind, and they have brought back wrath from Allah. That is because they used to disbelieve the signs of Allah and slew the prophets without justice. That is because they rebelled and used to transgress.

۱۱۳ـ لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝

They are not all alike. Among the people of the Scripture

there is a Party that stands (for the right); they read the revelations of Allah in the hours of night and they prostrate themselves.

۱۱۴۔ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

They believe in Allah and the Last Day and enjoin good and forbid wrong and vie with one another in good deeds; and they are of the righteous.

۱۱۵۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝

And whatever good they do, they will not be denied (the need thereof); and Allah is cognizant of those who fear.

۱۱۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝

Verily those who disbelieve, neither their possessions nor their progeny will avail them against Allah. They are people of the Fire. They will abide therein.

Section 13

۱۱۷۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

The likeness of what they spend in this present life is as the likeness of wind wherein is bitter cold, which smites the harvest of a people who have wronged themselves, and devastates it. Allah has not wronged them, but they wrong themselves.

۱۱۸۔ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

O you who believe, do not take for intimate friends those outside your ranks. They will spare no pains to ruin you. They love what distresses you. Rank hatred has already appeared from their mouths and what their breasts conceal is yet greater. We have made plain for you the revelations, if you will understand.

۱۱۹۔ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖ وَ
اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ○

Lo! you are those who love them and they do not love you while you believe in the Scripture, the whole of it. And when they meet you, they say, "We believe", and when they go apart, they bite their finger- tips at you out of rage. Say, "Perish in your rage; Allah is cognizant of what is in the breasts."

۱۲۰۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○

If aught that is good befalls you, it grieves them; but if a disaster overtakes you, they rejoice thereat. But if you preserve and guard against evil, their guile will not harm you at all. Verily Allah compasses round about what they do.

۱۲۱۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ۙ

And remember when you went forth at daybreak from your house-fold to assign to the believers their positions for the battle. And Allah is Hearer, Knower.

۱۲۲۔ اِذْ ھَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

When two parties of you intended that they would be cowardly and weak, and Allah was their Protecting Friend.

And upon Allah let the believers rely.

۱۲۳۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

And Allah did help you at Badr when you were (a) contemptible (little force) ; so fear Allah, so that you may be grateful.

۱۲۴۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مُنْزَلِيْنَ ۝ؕ

When you were saying to the believers, "Will it not suffice you that your Lord reinforce you with three thousand of the angels (specially) sent down?" [For your help]

۱۲۵۔ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝

Nay, if you preserve and guard against evil, and they come to you at this moment of theirs, your Lord will reinforce you with five thousand angels making a terrific onslaught.

۱۲۶۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ ۝ۙ

Allah did not decree it but as a message of good cheer for you, and that your hearts might thereby be at ease; and victory comes only from Allah, the Mighty, the Wise.

۱۲۷۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝

That He might cut off a part of those who disbelieved or expose them to infamy so that they should retire frustrated (of their purpose).

۱۲۸۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

It is no concern at all of you whether He turns in mercy to them or punishes them, for they are evil-doers.

۱۲۹۔ وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

And to Allah belongs whatsoever is in the heavens and whatsoever is in the earth. He forgives whom He pleases and punishes whom He pleases, and Allah is Oft-Forgiving, Most Mreciful.

Section 14

۱۳۰۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

O you who believe, do not devour usury, doubling and redoubling, and fear Allah that you may prosper.

۱۳۱۔ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝

And guard yourseleves against the Fire which has been prepared for the disbelievers.

۱۳۲۔ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

And obey Allah and the Apostle so that you may find mercy.

۱۳۳۔ وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

And hasten towards forgiveness from your Lord, and (towards) a Garden as extensive as the heavens and the earth, prepared for the righteous.

۱۳۴۔ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

Who spend money in weal and woe and suppress anger and are forgiving towards mankind. And Allah loves those who do good.

۱۳۵۔ وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

And those who, when they commit an abominable crime or wrong themselves, implore forgiveness for their sins and who forgives sins except Allah? and do not persist in what they have done while they know.

١٣٦۔ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝

For such the reward will be forgiveness from their Lord and gardens underneath which flow rivers, wherein they will abide. How excellent are the wages of those who toil!

١٣٧۔ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

There have passed away before you systems (of life); so travel in the earth and see how was the end of the rejecters.

١٣٨۔ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝

This is a plain statement for mankind, a guidance and an admonition for those who fear (Allah).

١٣٩۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

Do not faint, nor grieve, for you will be the uppermost if you are believers.

١٤٠۔ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝

If a wound has touched you, a wound like it has already touched the (disbelieving) people. And these days (of varying fortunes) we alternate among mankind; so that Allah may know those who believe and may take witnesses from among you. And Allah does not love the wrong-doers.

١٤١۔ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝

And that Allah may purge those who believe and blight the disbelievers.

۱۴۲۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

O do you think that you would enter Paradise while Allah has not yet known those of you who really strive, nor knows those who are steadfast.?

۱۴۳۔ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

And verily you used to wish for death before you met it, and now you have seen it, looking thereon.

Section 15

۱۴۴۔ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى
اَعْقَابِكُمْ ۭ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

And Muhammad is no more than an Apostle. The apostles have already passed away before him. So if he dies or is slain, will you then turn back on your heels? And whoso turns back on his heels, shall not harm Allah at all. And Allah will, in the near future, reward the grateful person.

۱۴۵۔ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ
مِنْهَا ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَ سَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝

No soul can ever die except by Allah's leave, the term being fixed as by writing. And whoso desires the recompence of the world. We give him thereof; and whoso desires the recompence of the Hereafter, we shall give him thereof. And we shall soon reward the grateful.

۱۴۶۔ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا
ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝

And with how many a Prophet have there been many godly men who fought (beside him). They did not faint for aught that befell them in the cause of Allah, nor did they weaken,

not did they humble themselves. And Allah loves the steadfast.

۱۴۷۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

And no words did they utter except that they said, "O' Our Lord, forgive us our sins, and our excess in our conduct, and establish our feet firmly, and help us against the disbelieving folk."

۱۴۸۔ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

So Allah gave them the reward of the world and the excellent reward of the Hereafter. And Allah loves those who do good.

Section 16

۱۴۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

O you who believe, if you obey those who disbelieve, they will send you back on your heels, and you will turn back (as) losers.

۱۵۰۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝

Nay, Allah is your protector, and He is the best of all helpers.

۱۵۱۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ
النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

Soon shall we cast terror into the hearts of those who disbelieve, because they associate with Allah, beings for which Allah has not revealed any authority. Their abode will be the Fire and evil is the home of the wrong-doers.

۱۵۲۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ
وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ ○

And Allah did indeed fulfil His promise to you when you were slaying them by His leave; until when you flagged, and fell to disputing about the order, and disobeyed (it) after He had shown you what you like. Among you were those who desired the world and among you were those who desired the Hereafter. Then He diverted you from them that He might try you; and He has surely forgiven you. And Allah is full of mercy for the believers.

۱۵۳ـ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ
لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

(Remember) when you fled far away and would not pay heed to any one, while the Apostle was calling you in your rear, so He recompensed you with distress for distress so that you might not grieve over what had missed you and what had befallen you. And Allah is well aware of what you do.

۱۵۴ـ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ
اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۗ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ
شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا
مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ
اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

Then, after the distress, He sent down on you security, slumber overcoming a party of you; and (there was) another party whose souls had stirred them to anxiety, they thought

wrongly of Allah, the thought of ignorance, saying: "Have we any hand in the affair?" Say, "Indeed the whole affair is Allah's". They conceal in their minds what they not divulge to you. They say, "If at all we had any hand in the affair, we would not have been slain here."

۱۵۵۔ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۙ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ○

Verily those of you who turned back on the day when the two hosts met, Satan alone it was who caused them to backslide because of some of what they had earned. Allah has forgiven them. Verily Allah is Oft-Forgiving, Most Forbearing.

Section 17

۱۵۶۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا
غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا ۚ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي
وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○

O you who believe, be not like those who disbelieve and say of their brthren, when they travel in the earth or engage in fighting. "If they had been with us, they would not have died or been slain" , that Allah may make it an intense regret in their hearts. And Allah gives life and causes death. And Allah is Watchful over what you do.

۱۵۷۔ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ○

And if you are slain in the way of Allah or die, surely forgiveness from Allah and mercy are better than what they amass.

۱۵۸۔ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ○

And if you die or are slain, surely to Allah shall you be gathered.

۱۵۹۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○

And it is due to mercy from Allah that you have been lenient with them. And if you had been harsh, hard-hearted, they would have dispersed from around you; so pardon them, and ask (Allah) forgiveness for them, and consult with them in the matter, then when you are resolved, put your trust in Allah. Surely Allah loves those who put their trust(in Him).

۱۶۰۔ إِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

If Allah helps you, then there is none to overcome you; and if He forsakes you, then who is there who will help you afer that (for after Him?) And in Allah, then, let the believers put their trust.

۱۶۱۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

It is not for the prophet to deceive. And whoever deceives, will bring his deceit with him on the Day of Resurrection. Then each will be paid what he has earned; and they will not be wronged.

۱۶۲۔ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

Is one who follows the pleasure of Allah as one who returns with wrath from Allah, and whose abode is Hell? and an evil journey's end it is!

۱۶۳۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○

They are (in varying) grades with Allah. And Allah is Cognizant of what they do.

۱۶۴۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

Verily, Allah conferred a grear favour on the believers when He sent among them an apostle from among themselves, who reads them His revelation and purifies them and teaches them the Scripture and the wisdom; and verily they were, before this, in manifest error.

۱۶۵۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

What, when a disaster befell you, double whereof you had inflicted, you said, "Whence is this?" Say, "It is from yourselves." Surely Allah has power over all things.

۱۶۶۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

And what befell you on the day when the two hosts met, was with the permission of Allah, and that He might know the believers.

۱۶۷۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝

And that He might know those who practised hypocrisy, to whom it was said, "Come, fight in the way of Allah or drive (the enemy from your city)." They said, "If we knew aught of fighting (or if we knew fighting) we should certainly have followed you." They were on that day nearer to unbelief than to faith, saying with their mouths what was not in their hearts. And Allah is best aware of what they hide.

۱۶۸۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

Those who, while they stayed at home, said of their brethren, "If they had obeyed us, they would not have been slain." Say, "Then avert death from your own selves, if you are truthful."

۱۶۹۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○

And do not think of those, who were slain in the path of Allah, as dead. Nay, (they are) living. With their Lord they are provided sustenance (or Nay, they are alive with their Lord. They are provided sustenance).

۱۷۰۔ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ
اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

Rejoicing in what Allah has given them of His bounty, and congratulating themselves concerning those who, (being left) behind them, have not yet joined them, that no fear (shall come) upon them, nor shall they grieve.

۱۷۱۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

They congratulate themselves because of the grace from Allah and (His) bounty, and that Allah does not waste the reward of the believers.

Section 18

۱۷۲۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

Those who answered the call of Allah and the Apostle after the wound had befallen them; for those of them who do good and guard against evil there is a great reward.

۱۷۳۔ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا
حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ○

Those people to whom men said, "People have gathered against you, so fear them." But it increased their faith and they said, "Allah is sufficient for us, and an excellent Protector is He."

۱۷۴۔ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ ۙ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ
عَظِيمٍ ○

So they returned with grace from Allah and bounty, no evil having touched them. and they followed the pleasure of Allah. And Allah is of infinite bounty.

۱۷۵۔ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

It is only the Satan who makes (you) fear his votaries,so do not fear them, and fear me if you are believers.

۱۷۶۔ وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا
يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○

Let not those grieve you, who rush headlong into disbelief. Verily they will never harm Allah in the least. Allah intends that He will not assign them any portion in the Hereafter; and for them will be a terrible punisment.

۱۷۷۔ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

Verily those who purchased disbelief at the price of faith will never harm Allah at all; and for them is a painful punishment.

۱۷۸۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ○

Let not those who disbelieve imagine that the rein We give them is better for themselves. We only give them rein they

may grow in sinfulness; and for them is a shameful punishment.

۱۷۹۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَ
اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

Allah is not one to leave the believers in the condition in which you are till He distinguishes the base from the good, nor is Allah one to let you know the Unseen, but Allah chooses of his apostles whom He pleases. So believe in Allah and His apostles. And if you believe and guard against evil, then for you will be a great reward.

۱۸۰۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ
سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ۝

And let not those who are niggardly in respect of what Allah has given them of His bounty, think that it is better for them. Nay, It is worse for them. Soon shall they have, on the Day of Resurrection, hung round their necks that in respect of which they have been niggardly. And Allah's is the heritage of the heavens and the earth. And Allah is aware of what you do.

Section 19

۱۸۱۔ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

Surely Allah has heard the saying of those who said, " Verilly Allah is poor and we are rich." We shall record what they said and their slaying of the prophets without justice, and we

shall say, "Taste the punishment of the scorching fire."

۱۸۲۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۚ

This is because of that which your (own) hands sent forward, and because Allah is not an oppressor of His servants.

۱۸۳۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ
قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

They (also) said, "verily Allah has covenanted with us that we do not believe in an apostle until he brings us an offering which fire will consume." Say, "Surely there came to you apostles before me with clear signs and with what you say. Why then did you slay them if you are truthful?"

۱۸۴۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

But, if they reject you, even so were rejected apostles before you who with clear signs and the psalms and the illuminating Book.

۱۸۵۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ
اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

Every soul will taste of death. And verily you will be paid in full your wages on the Day of Resurrection. So whoever is removed from the Fire and is admitted to the Garden has indeed attained the object. And the present life is nothing but a ware of illusion.

۱۸۶۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۣ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

Assuredly you will be tried in your possessions and (in) your personal selves; and assuredly you will hear from those who ever given the book before you and from those who associate (others with Allah) much grievous talk. And if you

persevere and guard against evil then verily that is of the things determined upon.

۱۸۷۔ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝

And when Allah took the covenant of those who were given the Book: you must expound it to mankind and you shall not hide it, but they cast it behind their backs and purchased therewith a little gain. So evil was what they purchased.

۱۸۸۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

Do not at all think that those who exult in what they have done and love that they should be praised for what they have not done, then do not at all think them in safety from punishment. And for them is a painful punishment.

۱۸۹۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

And for Allah is the sovereignty of the heavens and the earth, and Allah is powerful over all things.

Section 20

۱۹۰۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

Verily in the creation of the heavens and the earth and (in) the alternation of the night and day are indeed signs for men of intellect.

۱۹۱۔ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

Who remembers Allah standing, and sitting and (lying down) on their sides and ponder over creation of the heavens and the earth; "O our Lord! Thou hast not created this in vain.

Glory be to Thee. So save us from the punishment of the Fire."

۱۹۲۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○

O' our Lord! Whomsoever thou dost admit to the Fire, him Thou hast indeed covered with shame. And for wrong-doers are there no helpers.

۱۹۳۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ
كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○

O' our Lord! verily we have heard a herald summoning to the faith; "Believe in your Lord." So we have believed. O' our Lord! then forgive us our sins, and remit from us our evil deeds, and take us to Thyself in the company of the righteous.

۱۹۴۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○

Our Lord! and grant us what thou hast promised us by Thy Apostles and do not cover us with shame on the Day of Resurrection. Surely Thou dost not break the promise.

۱۹۵۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ
بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○

So their Lord! responded to them: "Surely I will not waste the work of any worker of you, male or female, one of you (being) from the other. So those who abandoned and were driven out of their homes and were persecuted in My way and fought and were slain, I shall certainly admit them into gardens underneath which flow rivers___a reward from Allah and with Allah is a fair reward.

۱۹۶۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝

Let not the moving about , in cities, of those who disbeleve, deceive you at all.

۱۹۷۔ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

(It is but) a little provision. Then their abode will be Hell and evil resting-place (it is).

۱۹۸۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ
اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝

But those who fear their Lord. For them are gardens underneath which flow rivers, wherein they will abide an entertainment from their Lord. And what is with Allah is better for the righteous.

۱۹۹۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ
لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۝

And verily for the people of the Scripture there are those who believe in Allah and (in) what has been sent down to them, bowing in humility to Allah. They do not purchase with the revelation of Allah a trifling gain. It is for whom is their reward with their Lord. Verily Allah is quick at reckoning.

۲۰۰۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

O you who believe! endure and vie in endurance and equip yourselves and fear Allah that you may prosper.

سُورَةُ النِّسَآء [1]

تعارف

نزول

سورۃ النساء مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آچکی تھی، جبکہ سورۃ النساء نازل ہوئی اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں ہجرت کے پہلے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بنیں۔ [2]

البتہ امام قُرطبی نے اپنی تفسیر ''الجامع لِأحکام القرآن'' میں صرف ایک آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا﴾ (آیت: ۵۸) کو مکی قرار دیا ہے کیونکہ یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جانب سے حکم ملا کہ بیت اللہ کی چابی عثمان بن ابی طلحہ الحجبی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی جائے۔ [3] کیونکہ یہ شرف انھی کے خاندان میں چلا آتا تھا۔بہر حال یہ آیت بھی اصطلاحاً مدنی کہلائے گی کیونکہ اصطلاح میں ہر وہ سورت جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی مدنی کہلاتی ہے۔خواہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہو یا کسی سفر میں۔ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی سورتوں کو مکی کہتے ہیں۔

سورۃ النساء میں ۲۴ رکوع، ۱۷۶ آیات، ۳۰۴۵ کلمات اور ۱۶۰۳۰ حروف ہیں۔اس کی ۲۳ آیات چوتھے پارے میں ہیں اور ۱۵۳ آیات پانچویں پارے میں۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے بانویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے لحاظ سے چوتھی۔سورۃ النساء پہلی منزل کی آخری سورت ہے۔اس کے بعد دوسری منزل شروع ہوتی ہے۔

وجہ تسمیہ

عربی زبان میں عورتوں کو نساء کہتے ہیں اور اس سورت کا نام ''النساء'' اس لیے رکھا کہ اس میں عورتوں سے متعلق امور و احکام بڑی تفصیل سے مذکور ہیں۔اس سورت میں عورتوں کے بارے میں بہت سے احکام

---

[1] اس سورت کی تفسیر بی۔اے کے طلبہ و طالبات کے لیے لکھی گئی۔
[2] صحیح البخاری: ۴۸۹۳
[3] القرطبی، التفسیر: ۱/۵

نازل فرمائے۔عورتوں کے حقوق مقرر کیے گئے اور معاشرے میں ان کے منصب اور ذمہ داریوں کا ذکر آیا۔ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت اور مراعات کا جو شرف اسلام اور قرآن مجید کو حاصل ہے دنیا کے کسی اور مذہب اور کتاب کو حاصل نہ ہو سکا۔

اگرچہ اس سورت میں اور بھی بہت سے مضامین اور احکام مذکور ہیں۔لیکن معاشرے کی تشکیل اور انسانیت کی تکمیل میں عورت کی اہمیت کے پیش نظر، نیز عورت کے حقوق کی تعیین اور نگہداشت کے لحاظ سے اس کا نام سورۃ النساء رکھا گیا۔

فضائل ومحاسن

احادیث میں ''سَبع طِوال'' (یعنی سات طویل سورتوں) کے فضائل کا ذکر آتا ہے۔ان سات لمبی سورتوں میں سورۃ النّساء تیسری سورت ہے۔پہلی سورۃ البقرہ ہے، دوسری آل عمران، النساء کے بعد المائدہ، الانعام، الاعراف، یونس۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تورات کی جگہ مجھے سَبْع طِوال عطا کی گئی ہیں۔'' [1]

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سَبْع طِوال کو بکثرت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سورۃ النّساء کے احکام پر بڑا عبور تھا۔

اس سورت کی ایک وجۂ فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں علم الفرائض یعنی احکامِ وراثت بڑی شرح و بسط سے بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن فہمی میں بلند درجہ رکھنے والے صحابی ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس سورت کی مندرجہ ذیل پانچ آیات دنیا جہان سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (آیت:۴۰)
(بلاشبہ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا)

۲۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ (آیت:۳۱)
(اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمھیں روکا جاتا ہے......)

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (آیت:۴۸)
(بے شک اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے)

---

[1] البیہقی، شعب الایمان: ۲۴۲۷

[2] عبدالرزاق، المصنف: ۲۸۴۳

۴۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (آیت: ۶۴)

(اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمھارے پاس آتے ......)

۵۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ (آیت: ۱۱۰)

(جو شخص برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے......)

چونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف، شرک کی برائی اور مذمت، اللہ کے رحم وکرم اور مغفرت وبخشش کا ذکر ہے، اس لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان آیات کو اپنے لیے اور امت کے لیے دنیا جہان سے بہتر سمجھتے ہیں۔[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن فہمی میں بڑے ماہر اور مشہور ہیں۔ آپ کو بھی اس سورت میں آٹھ آیات ایسی نظر آئیں جو امت اسلامیہ کے لیے تمام دنیا سے بہتر ہیں۔[2] آپ مذکورہ بالا پانچ آیات کے ساتھ آیات ذیل بھی شامل کرتے ہیں:

۱۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (آیت: ۲۶)

(اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیے (یہ معاملات) کھول کر بیان کرے اور تمھیں تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی راہ پر چلائے)

۲۔ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ (آیت: ۲۷)

(اور اللہ تمھاری توبہ قبول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔)

۳۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ (آیت: ۲۸)

(اللہ تمھارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے۔)

مندرجہ بالا پانچ آیات کی طرح ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں، عنایتوں اور کرم فرمائیوں کا ذکر ہے۔

ویسے تو قرآنِ مجید کی ہر ایک سورت ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ ہر ایک سورت کے الگ تقاضے اور مسائل ہیں، لیکن بعض ربط پسند طبائع ہر سورت کو دوسری سے مربوط دیکھنے کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ ایسے طبقے کے لیے مفسرینِ کرام نے اس سورت کو پہلی سورت یعنی آل عمران سے ربط دینے کی کوشش فرمائی ہے۔

---

[1] القرطبی وابن عطیہ وعبدالرزاق، التفسیر، النساء: ۳۱

[2] الرازی والقرطبی، التفسیر، النساء: ۲۸ والبیہقی، شعب الایمان: ۶۷۴۴

اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کو ختم کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾ (اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو) اسی تقویٰ اور خوفِ خدا کا سلسلہ قائم رکھتے ہوئے سورۃ النساء کے شروع میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو) اسی طرح سورۂ آل عمران میں جنگ اُحد کا قصہ مفصل درج کیا گیا تھا، سورۃ النّساء میں بھی اس کا کچھ ذکر آ گیا۔ غزوۂ اُحد میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ کئی عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ بچے یتیم رہ گئے۔ چنانچہ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے بارے میں سورۃ النساء میں احکام اور ہدایات نازل فرمائیں اور اسی ضمن میں یہودیوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں اور شرارتوں کا ذکر فرمادیا۔

اجمالی خاکہ

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں کئی اہم امور و احکام کی جانب توجہ دلائی ہے، جن کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ظاہر و باطن میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم۔
۲۔ تمام نسل انسانی آدم کی اولاد ہے اور ایک ہی جنس اور نوع ہے۔
۳۔ قرابت داری اور رشتے ناتے کے احکام۔
۴۔ احکامِ معاشرت۔
۵۔ احکامِ وراثت۔
۶۔ احکامِ قتال و جنگ۔
۷۔ منافقوں اور یہودیوں کا ذکر۔
۸۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر۔ عدل و انصاف، رحم و کرم اور مغفرت و بخشش۔
۹۔ نبوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حقانیت۔
۱۰۔ اہلِ کتاب کو دعوتِ توحید و اسلام۔

خلاصہ مضامین

سورۃ النساء کے مضامین کا رکوع وار خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ پہلے رکوع میں معاشرتی حقوق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مرد اور عورت کو ایک ہی جنس اور نوع سے پیدا کیا گیا ہے۔ دونوں آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ دونوں کا وجود معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے۔

ایک صالح اور نیک معاشرے کی بنیاد خوفِ خدا ہے۔ اچھا معاشرہ ہر فرد کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہے۔ چونکہ یتیم بچے اور عورتیں معاشرے کے کمزور افراد ہیں اس لیے ان کے حقوق اور معاشرتی مراعات کے احکام صادر فرمائے، حکم دیا کہ قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں سے حسن سلوک کیا کرو۔

۲۔ دوسرے رکوع میں اقتصادی اور مالی امور کے پیش نظر تقسیم دولت میں تناسب پیدا کرنے اور مختلف افراد کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے وراثت کے احکام بیان فرمائے اور اولاد، ماں باپ، بھائی بہن، میاں بیوی اور دیگر قرابت داروں کے حصے مقرر کر دیے۔ ان مقررہ حصوں کو اللہ کی حدود قرار دیا۔ فرمانبرداروں کے لیے جنت کا وعدہ اور نافرمانوں کے لیے دوزخ کی وعید بھی سنا دی۔

۳۔ تیسرے رکوع میں عورتوں سے حسن سلوک کی تلقین کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ ان کی جنسی بے راہ روی اور بدکرداری کی صورت میں ان سے کیا سلوک کیا جائے۔ نیز یہ بتایا کہ کن کن عورتوں سے بیاہ شادی ناجائز ہے۔

۴۔ چوتھے رکوع میں ان عورتوں کی فہرست درج کر دی جن سے نکاح حرام ہے۔ ان کے علاوہ باقی عورتوں سے نکاح کی اجازت کا اعلان فرما دیا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا ذکر اور چند نصیحتیں فرمانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے کا مال کھا جانے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ نیز فرمایا کہ جس طرح مرد کا اپنے مال پر حق ہے اسی طرح عورت کا بھی اپنے مال پر حق ہے۔

۶۔ گھریلو معاملات میں مرد کو سربراہی عطا کی۔ میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں میاں کو فراخ دلی سے کام لینے کی تلقین کی۔ اگر معاملہ اور نازک ہو جائے تو دو حکم مقرر کرنے کا حکم دیا۔ شرک سے روک دیا۔ والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں اور مسافروں سے حسن سلوک کا حکم دیا۔

۷۔ نماز سے متعلق ہدایات نازل فرمائیں اور یہودیوں کی بدباطنیوں اور شرارتوں کا ذکر فرما کر شرک کے نتائج بد سے ڈرایا اور مشرک کو مغفرت الٰہی سے محروم ٹھہرایا۔

۸۔ اہل کتاب کی بداعمالیوں کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ان برائیوں سے روک دیا۔ ایمان اور عمل صالح کے بدلے جنت کا وعدہ دیا۔ امانت داری اور عدل و انصاف کی تلقین کے ساتھ اللہ، اس کے رسول اور مسلمان حاکموں کی اطاعت کا حکم دیا۔

۹۔ منصب رسالت کی توضیح فرمائی اور بتایا کہ رسول کی اطاعت حکم الٰہی ہے اور پیغمبر ﷺ کے فیصلوں سے

سرتابی ایمان سے محرومی کی دلیل ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کے صلہ میں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی معیت ورفاقت نصیب ہوگی۔

۱۰۔ فرمایا کہ حفاظت اور بچاؤ کے لیے جنگ ضروری ہے۔ لیکن منافق اس معاملے میں سستی اور کاہلی کرتے ہیں اور اپنی جان بچاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین سے بڑے وعدے کر رکھے ہیں۔ کمزور و بے کس لوگوں کی چیخ و پکار سن کر مومن میدان جنگ میں نکل آتا ہے اور اللہ کے لیے لڑتا ہے، لیکن کافر کی لڑائی شیطان کے لیے ہوتی ہے۔

۱۱۔ منافق جنگ سے گھبراتا ہے۔ اس کا مقصد دنیا طلبی ہے۔ وہ موت سے بچنا چاہتا ہے لیکن جانتا نہیں کہ موت بہر حال آ کر رہے گی۔ آنحضرت ﷺ کی رسالت سارے جہان کے لوگوں کے لیے ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے۔ منافق لوگ پیغمبر ﷺ کے خلاف مشورے کرتے ہیں، حالانکہ وہ سچے نبی ہیں۔ قرآن برحق ہے اور خدا کا کلام ہے۔ نبی کو اللہ کی راہ میں لڑائی کا حکم دیا اور فرمایا کہ مسلمانوں کو بھی جنگ کی ترغیب دلاؤ۔ آخر اللہ لڑائی کو بند کر دے گا۔

۱۲۔ منافقوں کے بارے میں صحیح موقف کی تعیین فرمادی اور بتایا کہ ان سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ نیز ان سے ترکِ موالات کا حکم دیا۔

۱۳۔ مومنوں کو ایک دوسرے کے قتل سے روک دیا اور اگر کوئی غلطی سے قتل کر دے تو اس کی دیت اور خون بہا کے احکام بتا دیے۔ نیز فرمایا کہ ہر شخص کو دشمن نہ سمجھ لیا کرو۔ قومی ضرورتوں کے پیش نظر جہاد ضروری ہے اور مجاہد کو غیر مجاہد پر بڑی فضیلت حاصل ہے۔

۱۴۔ ہجرت کی برکات کا ذکر فرمایا اور معذور و کمزور لوگوں کو قابلِ معافی ٹھہرایا۔

۱۵۔ میدانِ جنگ میں نماز کی ادائیگی کا طریقہ بتا کر نماز کی اہمیت بتادی۔

۱۶۔ قرآن مجید کو ایسی برحق کتاب قرار دیا جس سے لوگوں کے جھگڑے چکائے جائیں اور ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا جائے۔ پھر منافقوں کی شرارتوں کی طرف اشارہ کیا۔

۱۷۔ منافقوں کے مشوروں اور سرگوشیوں کو بے برکت قرار دیا۔ فرمایا کہ وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اور اللہ کی سکھائی ہوئی سنت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت کرنے والوں کو دوزخ کی وعید سنائی۔

۱۸۔ شرک کو ناقابل معافی گناہ قرار دیتے ہوئے شرک کی مختلف صورتوں اور شکلوں کا بیان فرمایا۔

۱۹۔ عورتوں اور یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین فرمائی۔

۲۰۔ عدل وانصاف کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اپنا ہو یا غیر، سب کے ساتھ انصاف کرو۔ نیز ایمان کی تلقین کی اور کفر اور انکار کرنے والوں اور منافقوں کے لیے عذاب کی وعید سنائی۔

۲۱۔ منافقوں کے ذہن کی نشاندہی کی۔ کافروں کی دوستی سے منع کر دیا اور منافقوں کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ منافق دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ کافروں کے لیے بھی رسوا کرنے والے عذاب کی وعید سنائی اور ایمان والوں کے لیے اجر اور مغفرت کا اعلان فرمایا۔

۲۲۔ یہودیوں کی کج رَوِی اور حجت بازی، نیز ان کی بداعمالی اور گمراہی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے اللہ کے وعدوں کو توڑا۔ اللہ کی آیات کا انکار کیا اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کیا۔ مریم صدیقہ علیہا السلام پر بہتان باندھے اور قتل مسیح کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ حالانکہ مسیح کو نہ تو قتل کیا گیا، نہ سولی پر کھینچا گیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا۔ یہ بھی فرمایا کہ یہودی سود لیتے اور لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھا جاتے ہیں۔

۲۳۔ فرمایا کہ وحیِ محمدی بھی اسی طرح برحق اور خدا کی طرف سے ہے جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی برحق اور خدا کی جانب سے تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت بھی اسی طرح برحق ہے جس طرح گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کیا اور آپ پر ایمان لانے کی سب کو دعوت دی۔ عیسائیوں کو دین میں غلو کرنے سے روکا اور بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت کا کوئی پہلو بھی موجود نہیں ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق اور اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں۔ تثلیث کے عقیدے سے منع کر کے خدا کی توحید کا اعلان کر دیا۔

۲۴۔ بتایا کہ مسیح خدا کا بندہ ہے اور خدا کی بندگی سے ہرگز انکار نہیں کرسکتا۔ وحی محمدی کے ذریعے اس حقیقت کے اعلان کو برہان اور نور قرار دیا۔ آخر میں وراثت کے چند احکام بیان فرمائے۔

سُوْرَۃُ النِّسَآء
(معنی و مطالب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع ساتھ نام اللہ رحم کرنے والے مہربان کے۔
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①	اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اس سے جوڑا اس کا اور پھیلائے ان دونوں سے مرد بہت اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام سے تم آپس میں مانگتے ہو اور ڈرو قرابت سے۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

آیت: ا۔ تشریح الفاظ

بِسْمِ: بِ، اِسْمِ: اسم کا الف (اسے ہمزہ بھی کہتے ہیں) کثرتِ استعمال سے لکھنے میں حذف ہو گیا۔

اَللّٰه: اسم ذات ہے۔ ایسی ذات جس کی طرف بندے حاجت اور ضرورت کے وقت ہاتھ پھیلائیں۔

اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِيْم: دونوں ر ح م سے بنائے گئے ہیں۔ دونوں لفظوں کے مفہوم میں رحم و کرم اور بخشش و مہربانی بغایت درجہ پائی جاتی ہے۔ مراد ہے نہایت رحم والا، بڑا مہربان۔ اَلرَّحْمٰنِ اللہ تعالیٰ کے لیے اسم خاص ہے، کسی اور ذات کے لیے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اَلرَّحِيْم کا لفظ انسان کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

اَلنَّاسُ: لوگ، انسان۔ تمام نوع بشری اور جنسِ انسانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اِتَّقُوْا: امر جمع حاضر۔ وَقٰی يَقِيْ سے باب افتعال۔ تم ڈرو، تقویٰ اختیار کرو، اپنا بچاؤ کرو، یعنی اللہ کی مخالفت سے بچتے رہو۔

رَبٌّ: پالنے والا، پروردگار۔ مالک اور آقا کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

خَلَقَ: (يَخْلُقُ) اس نے پیدا کیا، بنایا۔ خالق، مخلوق اور خلقت اردو میں عام استعمال ہوتے ہیں۔

نَفْسٍ: جان، نوع اور جنس۔ یہاں مراد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

زَوْجَ: جوڑا۔ بَثَّ: پھیلائے، بکھیرے۔

رِجَالًا: (واحد، رَجُلٌ) مرد۔ نِسَآءً: (واحد، اِمْرَاَۃٌ) عورتیں۔

تَسَآءَلُوْنَ: (سَءَلَ سے باب تفاعل ہے) تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو۔

بِهٖ: اس کے نام سے، اس کا واسطہ دے کر۔

الْاَرْحَامَ: (واحد، رَحِمٌ) قرابت دار، رشتہ دار۔ یہ لفظ عام رشتے ناتے کے لیے بولا جاتا ہے۔

رَقِيْبًا: محافظ، نگران، نگہبان۔ صیغہ مبالغہ ہے، یعنی کڑی نگرانی کرنے والا اور ہر وقت خبر رکھنے والا۔

مفہوم ومطلب: تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں

سورۃ النساء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تمھارا خالق اور رب ہے۔ اسی نے تمھیں پیدا کیا اور تمھاری پرورش کا بندوبست بھی اسی نے کر دیا۔ ایسا مہربان پروردگار جس کے اتنے احسانات ہیں کہ انسان اپنی پیدائش اور پرورش کے سلسلے میں اللہ کے فضل وکرم اور احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ آدمی کو چاہیے کہ ایسے مہربان رب کی مخالفت سے بچتا رہے، اس کے احکام بجالائے اور اس کی نافرمانی سے ڈرے۔

اللہ کا یہ بھی احسان ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو ایک ہی ماں باپ اور ایک ہی نسل سے پیدا کیا۔ ساری نسل انسانی کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اور پھر آدم کی داہنی پسلی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آدم کی جنس سے اس کی بیوی کو بنایا۔ پھر آدم اور حوا کی نسل سے مرد اور عورتیں بکثرت پیدا ہوئے اور ساری دنیا میں پھیل گئے۔ مرد اور عورت میں نوعی طور پر کوئی فرق نہیں۔ دونوں ایک ہی جنس اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ بشریت اور آدمیت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی امتیاز نہیں۔

یہ سب باتیں اللہ کی کبریائی اور بڑائی کی نشاندہی کرتی ہیں۔ پھر اللہ کی عظمت اور بزرگی اس سے بھی ظاہر ہے کہ تم ایک دوسرے سے کچھ مانگتے ہو تو اللہ کا نام اور واسطہ دے کر۔ ایسے بزرگ خدا کا ہر حکم ماننا چاہیے اور اس کی نافرمانی اور مخالفت سے بچنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ سب لوگ ایک ہی نسل سے ہیں، اس لیے قرابت داری کا لحاظ بڑا ضروری ہے۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور حسن سلوک کرنا چاہیے اور اس معاملے میں بھی خدا کا خوف سامنے رہے۔ رشتہ داروں سے بدسلوکی اور قطع رحمی کرنے سے ڈرنا بھی

ضروری ٹھہرایا۔ احادیث میں بھی صلہ رحمی کے بڑے انعامات بتائے ہیں اور قطع رحمی کی بڑی سزا آئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ''قرابت اور رشتے ناتے کا حق ادا نہ کرنے والا جنت میں ہرگز نہ جائے گا''[۱] ایک حدیث میں تو یہاں تک فرما دیا کہ ''اگر کوئی رشتہ دار تم سے تعلق توڑتا ہے تو تم اس سے تعلقات استوار کرو۔''[۲] بہر حال رشتے ناتے کو قائم رکھنا اور حسن سلوک کرنا بڑا ضروری ہے۔

یہ سب نصیحتیں کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے اعمال کی نگرانی کرتا ہے۔ وہ کسی وقت بھی ہمارے حالات سے بے خبر نہیں ہوتا۔ ہمارا کوئی عمل اور کوئی نیت بھی اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے ہمیں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے حالات سے باخبر ہے اس لیے اس نے ہمیں جو حکم بھی دیا ہے وہ ہماری دین و دنیا کی بھلائی اور بہتری کے لیے ہے، لہٰذا اپنی بھلائی اور بہتری کا خیال رکھنا بڑا ضروری ہے۔

اس آیت میں تین اہم نکات ہیں:

۱۔ اللہ خالق اور رب ہے، اس کی نافرمانی سے بچنا ازبس ضروری ہے۔

۲۔ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ دنیا میں بسنے والے کروڑوں مرد اور عورتیں سب ایک ہی نوع سے ہیں۔ سب کی نسل اور اصل ایک ہے۔ قرآن نے رنگ و بو اور نسل و خاندان کے امتیازات کو ختم کر دیا۔ نسلی امتیاز کے ساتھ جنسی امتیاز بھی مٹا دیا۔ مرد بحیثیت مرد کے عورت سے افضل نہیں اور عورت محض اس لیے گھٹیا اور ادنیٰ نہیں کہ وہ عورت ہے۔ فضیلت کا معیار تقویٰ ٹھہرایا۔ حقوق انسانیت میں دونوں برابر ہیں۔[۳]

۳۔ چونکہ اللہ ہمارے اعمال کا نگران اور ہمارے حالات سے باخبر ہے، اس لیے جزا و سزا اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کے حکم میں ہماری بھلائی ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا اور دو تم یتیموں کو مال ان کے اور نہ بدلو تم گندی چیز کو

---

[۱] صحیح البخاری: ۵۹۸۴ و صحیح مسلم: ۲۵۵۶

[۲] أحمد بن حنبل، المسند: ۱۷۴۵۲ والبیہقی، شعب الایمان: ۷۷۲۳

[۳] حقوقِ انسانیت میں برابر ہیں یعنی دونوں کی جان، مال اور عزت کا برابر خیال رکھا جائے۔ اعمالِ خیر میں دونوں کا اجر و ثواب اور اعمالِ شر میں دونوں کا گناہ برابر ہے۔ تاہم گھریلو سربراہی میں مرد کو بیوی پر فضیلت حاصل ہے کہ وہ اللہ کا مقرر کردہ قوّام بھی ہے اور گھر پر خرچ بھی کرتا ہے۔

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

ساتھ ستھری کے اور نہ کھاؤ تم مال ان کے ملا کر اپنے مال سے۔ تحقیق یہ بڑا گناہ ہے۔

آیت:۲۔ تشریح الفاظ

اٰتُوْا: امر، جمع حاضر۔ تم دے دو۔

الْيَتٰمٰٓى: (واحد، يَتِيْم) وہ نابالغ بچہ جس کا باپ مرجائے، بالغ ہونے کے بعد یتیم نہیں کہلاتا۔

لَا تَتَبَدَّلُوا: تم تبدیل نہ کرو۔ مت بدلو۔

الْخَبِيْثَ: ردّی، ناپاک، حرام۔

الطَّيِّبِ: اچھی، صاف ستھری، پاک، حلال۔

حُوْبًا: گناہ۔

مفہوم ومطلب: حقوق یتامیٰ کی نگہداشت

پچھلی آیت میں تقویٰ اور خوفِ خدا کی تاکید فرمائی تھی۔ نیز انسانی شرافت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اب اس آیت میں معاشرے میں ایک کمزور اور بے بس طبقے کے حقوق کی نگہداشت کی جانب توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی مرجائے اور اپنے چھوٹے بچوں کو یتیم چھوڑ جائے اور ان کے پاس مال و دولت بھی ہو تو پھر معاشرے کا فرض ہے کہ ان یتیموں کے مال و دولت کی حفاظت اور نگہداشت کرے۔ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دیا جائے۔

اسی سلسلے میں چند باتوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔ یتیموں کے مال میں سے اچھی اچھی اور عمدہ عمدہ چیزیں نکال کر ردّی اور ناقص چیزیں رکھ دینے سے منع کر دیا۔ بعض اوقات ذہن اس جانب منتقل ہوتا ہے کہ صاف ستھرا اور عمدہ مال تو اپنے قبضے میں آجائے خواہ وہ غیروں کا ہی کیوں نہ ہو اور اپنا ردی، گندا اور ناقص مال دوسروں کے ذمے ڈال دیا جائے۔ فرمایا کہ اس قسم کی تبدیلی سے پرہیز کرو۔ گندا اور ردی مال دے کر عمدہ اور ستھرا مال مت نکال لو۔ ان کا مال پورا پورا دے دو۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ یتیموں کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے کسی قسم کا حرام مال اپنے پاکیزہ مال میں شامل مت کرو۔ چوری، خیانت اور بد دیانتی کے ارتکاب سے بالکل روک دیا۔

پھر فرمایا کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ شامل کر کے مال کھا جانے کا بہانہ مت بناؤ۔ یتیموں کا مال کھانے کو بڑا گناہ قرار دیا۔ دوسرے مقام پر قرآنِ مجید میں یتیموں کا مال کھانے کو پیٹ میں آگ ڈالنے سے

تعبیر کیا ہے۔[۱] قرآنِ مجید نے معاشرے کو یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے لیے بڑی تاکید کی ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③

اور اگر ڈرو تم کہ نہ انصاف کر سکو گے یتیموں کے بارے میں پس نکاح کر لو تم جو پسند ہوں تمھیں عورتوں سے، دو دو اور تین تین اور چار چار، پھر اگر ڈرو تم کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی، یا وہ جس کے مالک ہوں تمھارے داہنے ہاتھ، یہ زیادہ نزدیک ہے کہ نہ بے انصافی کرو تم۔

آیت: ۳۔ تشریح الفاظ

خِفْتُمْ: خوف۔ ڈرو تم۔ اَلَّا: اَنْ، لَا بمعنی کہ نہ۔

تُقْسِطُوْا: تم انصاف کرو۔ طَابَ: طیب۔ پسند آئیں، خوش آئیں، اچھی لگیں۔

اَيْمَان: (واحد يَمِيْن) دایاں ہاتھ۔ اَدْنٰى: دنو سے۔ زیادہ قریب، اقرب، زیادہ مناسب۔

تَعُوْلُوْا: ع، و، ل سے۔ تم بے انصافی کرو، جور کرو، جھک جاؤ۔

مفہوم ومطلب: تعدّد ازواج کی اجازت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاشرے کی بہبود اور گھریلو زندگی کی خوشگواری کے لیے چند سنہری اصول بیان فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کا شان نزول بیان فرمایا کہ بعض یتیم لڑکیاں لوگوں کے گھروں میں پرورش پاتی تھیں۔ وہ لوگ ان لڑکیوں کو مالدار اور خوبصورت دیکھ کر ان کے مال اور جمال پر گرویدہ ہو کر ان سے نکاح کر لیتے تھے۔ پھر ان کو گھر کی لڑکیاں سمجھ کر ان کے حقوق میں کوتاہی کرتے اور پرائے گھر کی لڑکیوں جیسا ان سے سلوک نہ کرتے۔[۲] اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس غلط روش سے منع فرما دیا اور کہا کہ بہتر یہ ہے کہ ان یتیم لڑکیوں کی بجائے تم دوسری عورتوں سے نکاح کر لو۔ تمھیں ایک سے لے کر چار تک بیویوں کی اجازت ہے۔ پرائے گھر کی شرم تمھیں ان کے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے گی۔

---

[۱] سورۃ النساء: ۴/ ۱۰

[۲] یعنی انھیں وہ مہر نہ دیتے جس کی وہ حق دار ہوتیں۔ (ابن کثیر، التفسیر، النساء: ۳)

اس آیت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کئی برائیوں کا سدِّ باب کر دیا۔ یتیم لڑکیوں کے حقوق پامال ہونے سے بچا لیے۔ ان کی قدر و منزلت اور معاشرتی اور منزلی حقوق کی وضاحت فرما دی کہ عورتیں حقوق میں سب برابر ہیں۔

مرد کو اجازت دی کہ وہ اپنے جسمانی، معاشی اور مالی حالات کے پیش نظر جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے چار تک بیویاں کر سکتا ہے۔ لیکن یہ کڑی شرط لگا دی کہ بیویاں خواہ دو ہوں یا تین یا چار، سب کے درمیان رہنے سہنے، کھانے پینے، پہننے اور جنسی تعلقات میں برابری اور عدل و انصاف قائم رکھا جائے۔ اگر مرد اس قسم کا عدل و انصاف نہ کر سکے تو پھر ایک بیوی پر قناعت کا حکم دیا اور یہ ایک بیوی کا حکم اس لیے ضروری تھا کہ مرد بے انصافی نہ کر سکے۔ اب ایک بیوی کی صورت میں محبت کے ترازو میں توازن یقینی ہے اور جور و ظلم، بے انصافی اور زیادتی کا کوئی خدشہ نہیں رہتا۔

تعددِ ازواج اور لونڈیوں کی حیثیت

اس آیت میں کئی مسائل زیر بحث آ گئے ہیں:

۱۔ یتیم لڑکیاں اگرچہ تمھارے گھر میں پل کر جوان ہوئی ہیں، ان کے حقوقِ زوجیت کی نگہداشت بھی از بس ضروری ہے۔

۲۔ مرد کو ضرورت کی بنا پر چار بیویوں تک کی اجازت ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ وہ ان سب میں نان و نفقہ، سکونت اور دیگر تعلقات میں برابری اور مساوات قائم رکھے۔ سب کے حقوق عدل و انصاف کے ساتھ پورے کرتا رہے۔ چار سے زائد کی اجازت نہیں ہے۔ عہد نبوی کی بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے بعض لوگوں کے گھروں میں آٹھ آٹھ دس دس بیویاں تھیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انھیں حکم ہوا کہ چار رکھ لیں، باقی چھوڑ دیں۔[1]

۳۔ ''مَا طَابَ لَكُمْ'' کا مطلب یہ ہے کہ جو تمھیں پسند ہوں۔ اپنی پسند کا مسئلہ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ مرد شادی نکاح سے پہلے عورت کو دیکھ سکتا ہے۔[2] اسی طرح عورت کی رضا مندی بھی نکاح کے لیے ضروری ہے۔[3] نیز یہ کہ (بیویوں کی) اتنی تعداد جس سے زندگی میں

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۳ والدارقطنی، السنن: ۳۶۸۳

[2] صحیح مسلم: ۱۴۲۴ وسنن النسائی: ۳۲۳۵

[3] سنن أبی داود: ۲۰۹۲

ناخوشگواری نہ آئے۔

۴۔ ''مِنَ النِّسَآءِ'' سے مراد یتیم لڑکیوں کے علاوہ دوسری عورتیں ہیں۔

۵۔ بہترین صورت یہ ہے کہ ایک مرد ایک ہی بیوی پر قناعت کرے تاکہ گھر میں عدل و انصاف کا راج ہو اور گھریلو زندگی کا امن و سکون میسر آسکے۔لیکن قومی، خاندانی اور ذاتی ضرورتوں کے پیش نظر چار تک کی اجازت ہے، بشرطیکہ قرآنی احکام کی خلاف ورزی نہ ہو۔

۶۔ اسلام میں نکاح کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لونڈی بھی بیوی کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے لیے مروّجہ ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں۔اس کا لونڈی ہونا ہی نکاح کے حکم میں ہے۔

اس صورت نکاح یعنی لونڈیوں کو بطور بیوی کے گھر میں رکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی کہ جنگ میں کفار کی عورتیں قید ہو کر مسلمان فوج کے ہاتھ آجاتیں۔اب ان عورتوں کی آبادکاری کا مسئلہ تھا۔ اسلام نے اس کا حل یہ پیش کیا کہ ان قیدی عورتوں کو مسلمان گھروں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کے کھانے پینے اور پہننے کے سلسلے میں حکم دیا کہ جو خود کھاؤ، ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی انھیں پہناؤ۔[1] یہاں بھی غلامی اور قید کے باوجود مساوات اور حسن سلوک کا حکم دیا۔آنحضرت ﷺ نے اپنی آخری وصیت میں بھی لونڈیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔[2] اگر اسلام اس شدید ضرورت کے وقت جنگی قیدی عورتوں کو اس طرح آباد نہ کرتا تو معاشرے میں بڑا بگاڑ اور فتنہ فساد پیدا ہو جاتا۔اب جبکہ وہ قیدی عورتیں مسلمان گھروں میں آباد ہوگئیں تو ان کے جنسی تقاضوں کی تکمیل کی صرف یہی باعزت صورت تھی کہ وہ جس کے گھر میں آباد ہوئی ہیں اس کی بیوی بن کر رہیں۔لونڈی کا گھر میں داخل ہونا اس بات کا اعلان ہے کہ وہ گھر والے کی بیوی بھی ہے۔[3]

عام نکاح میں بھی یہی اعلان ہوتا ہے کہ فلاں عورت فلاں مرد کی زوجیت میں داخل ہوگئی ہے۔اس

[1] صحیح مسلم:۱۶۶۱۔جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا اسلام سے پہلے کا دستور ہے۔اسلام نے اسے یکسر ختم تو نہ کیا البتہ اس میں بہت سی اصلاحات کیں اور غلاموں کے حقوق باور کرائے۔

[2] سنن أبي داود:۵۱۵۶ وسنن ابن ماجہ:۱۶۲۵

[3] جب لونڈی شرعی طریقہ کار کے مطابق کسی مالک کے اختیار میں آجائے تو وہ اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔لیکن پہلی صحبت سے پہلے ایک حیض کا آنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ حاملہ تو نہیں۔اس طرح اسلام نسب کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔(صحیح البخاری:۲۲۳۵)

اندازِ فکر اور طریقِ کار نے قیدی عورتوں کو آباد کر کے انھیں ایک طرف معاشی مشکلات سے نجات دلا دی اور دوسری طرف جنسی بے راہ روی اور بدکرداری کی زندگی کے خدشات سے محفوظ کر دیا۔

ویسے تو اسلام ایک ہی بیوی کے حق میں ہے، لیکن قومی اور انفرادی ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجازت دی گئی ہے کہ عدل وانصاف اور مساوات وبرابری قائم رکھتے ہوئے ایک مرد ایک سے لے کر چار تک بیویاں کرسکتا ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لیے قوموں اور افراد کے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بعض اوقات ایک شخص ایک بیوی سے بے اولاد رہتا ہے، اسے چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں سمجھتا، اولاد کی تمنا بھی ہے، اس کے لیے دوسری بیوی ناگزیر ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات ایک بیوی کسی بیماری یا حادثے کے باعث اپنے شوہر کی تسکین کا باعث نہیں رہتی۔ ایسا مرد بھی دوسری بیوی کا حق رکھتا ہے تاکہ اس کی جوانی پاکدامنی کے ساتھ گزر سکے۔

بعض آدمی طبعی طور پر جنسیت کا شکار ہوتے ہیں، ایک دو بیویوں سے ان کی تسکین نہیں ہو سکتی۔ عالم گیر مذہب ہونے کی حیثیت میں اسلام کے پیشِ نظر ایسے لوگ بھی ہیں جن پر جنسیت کا بھوت سوار ہوتا ہے۔

بعض دفعہ کسی جنگ کے بعد مردوں کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے اور عورتوں کی تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر ایک مرد کو ایک سے زائد بیوی کی اجازت نہ ہو تو معاشرے میں تباہ کن برائیاں پیدا ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ عورتوں کی کثرت، مردوں کی قلت، افلاس وتنگدستی، عورتوں کے معاشی ذرائع کا فقدان اور اس قسم کے دیگر حالات بدکاری اور زنا کا موجب بن جاتے ہیں۔ اسلام نے اس نازک موڑ پر بھی انسانیت کا ہاتھ پکڑا اور صحیح راہنمائی فرماتے ہوئے اجازت دے دی کہ ایک مرد چار تک بیویاں کرے اور ہر ایک کی سہولت کا خیال رکھے۔ عدل وانصاف اور برابری ومساوات کو ملحوظ رکھے۔

جن ملکوں میں تعدد ازواج کا رواج نہیں وہاں جنگ کے بعد جو ہولناک برائیاں معاشرے کو برباد کرتی ہیں اس پر انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔ بہر حال اسلام کے پیشِ نظر معاشرے اور فرد کی مصلحتیں ہیں۔ اسلام انسان کی ضرورتوں سے آنکھیں بند نہیں کرتا، بلکہ انسانی بیماریوں کا صحیح علاج تجویز کرتا ہے اور اخلاقی اقدار کو زندہ رکھنا چاہتا ہے۔

چار بیویوں کا مسئلہ تو ذرا مشکل لگتا ہے۔ بعض علماء اور فقہاء تو اس مرد کو ایک بیوی کی بھی اجازت دینا پسند نہیں کرتے جو بیوی کی کفالت نہ کر سکے اور اس کے حقوق زوجیت کو پورا نہ کر سکے۔

ایک نکتہ

اس آیت میں امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک لطیف نکتہ پیدا کیا ہے۔ انھوں نے ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ صرف ایک عورت سے شادی کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ تمھارے عیال یعنی بال بچے بہت نہ ہو جائیں۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ اولاد اور بہتات عیال سے بچنے کے لیے امام شافعی رحمہ اللہ ایک ہی بیوی کے حق میں تھے۔ نیز یہ کہ وہ زیادہ عیالداری پسند نہ فرماتے تھے۔[2]

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۴	اور دو تم عورتوں کو مہر اُن کے خوش دلی سے، پس اگر وہ خوشی سے دیں تمھیں کچھ حصہ اس کا اپنے آپ پس کھاؤ وہ رچتا پچتا۔

آیت: ۴۔ تشریح الفاظ

اَلنِّسَآءَ: سے مراد وہ عورتیں جو تمھاری بیویاں بننے والی ہیں۔

صَدُقَاتِ: (واحد، صَدُقَةٌ) مہر، عورت کا مہر، شادی کا تحفہ۔

نِحْلَةً: خوشدلی سے، اپنی رضا و رغبت سے۔ اس کا معنی ہبہ اور عطیہ بھی ہے۔ وہ شے جو بلا معاوضہ بطور تحفہ کے پیش کی جائے۔

طِبْنَ: طَابَ یَطِیْبُ سے ماضی معروف، جمع مونث غائب۔ بخوشی دیں۔ بطیبِ خاطر دیں۔ اپنی رضا سے دیں۔

فَكُلُوْهُ: (فَ، كُلُوْ، هُ) پس تم کھاؤ وہ۔ كُلُوْا، اَكَلَ یَاْكُلُ سے فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم کھاؤ۔

هَنِیْٓـًٔا: مزے سے۔ مَّرِیْٓـًٔا: زودِ ہضم، خوشگوار۔

مفہوم و مطلب: عورتوں کے مہر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نکاح کے وقت عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی اور طیبِ خاطر سے ادا کر دو اس کے بعد اگر عورت اپنے آپ بخوشی تمھیں کچھ دے دے تو وہ مزے سے کھاؤ پیو۔

---

[1] ابن عطیہ و ابن کثیر، التفسیر، النساء: ۳

[2] بعض صحیح احادیث میں زیادہ اولاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ (سنن أبی داود: ۲۰۵۲) نبی اکرم ﷺ نے اولاد سے بچنے کے لیے عزل اختیار کرنے کو ناپسند کیا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۳۸)

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں مرقوم ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں میں نکاح کے بارے میں کئی رواج تھے۔ ایک یہ رواج تھا کہ جب یتیم لڑکی مال و جمال سے عاری ہوتی تو اسے نہایت بے دلی سے کہیں بیاہ دیا جاتا اور مہر کے معاملے میں بڑی سرد مہری اور بے اعتنائی سے کام لیتے۔ یا تو سرے سے مہر نہ باندھا جاتا یا نہایت ہی قلیل رقم مقرر کر لیتے، کبھی مہر لے کر پرورش کرنے والے خود رکھ لیتے۔[۱]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تاکید فرمائی کہ عورت کوئی بھی ہو اور کیسی بھی ہو، اس کا مہر ادا کرنا چاہیے۔ مہر کے معاملے میں (نِحْلَةً) طیب خاطر اور خوشدلی کا لفظ استعمال فرمایا۔ مرد اپنی ہونے والی بیوی کو کچھ تحفہ اور ہدیہ پیش کرے۔ اس کے معاوضہ میں بدلے کی کوئی توقع نہ رکھے۔ یہ عطیہ بلا معاوضہ اور بلا بدل ہو۔ پھر فرمایا کہ مہر کا مال عورت کا حق ہے، نہ اسے والدین کھائیں، نہ پرورش کرنے والے کھائیں اور نہ خاوند کھا جائے۔ یہ مہر عورت کی ملکیت ہے، وہی اس کی مالک ہے۔ اس کے بعد اگر عورت اس میں سے کچھ حصہ اپنی رضا و رغبت اور خوشدلی سے خود بخود دے تو وہ مزے سے کھاؤ۔ اس کا کھانا حلال ہے۔ وہ مال پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ اس میں کوئی قباحت اور برائی نہیں۔

اس آیت سے ایک دو اہم مسائل سامنے آتے ہیں۔ ایک مسئلہ تو عورت کے مہر کا ہے۔ عورت کو مہر دینا چاہیے۔ یہ اس کا حق ہے اور پھر اسی کی ملکیت ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ نقد ادا کرے۔ عام طور پر ادھار والی رسم بڑی غیر مناسب بلکہ قبیح ہے۔ عورت سے مہر کی رقم کو چھین لینا بھی گناہ ہے۔ یہ حق نہ تو والدین کو ہے، نہ خاوند کو۔

شریعت نے مہر کی کوئی خاص مقدار یا رقم مقرر نہیں کی۔ ہر شخص کی اپنی حیثیت اور طاقت پر موقوف ہے۔ نقد ادا کرنا بہت بہتر ہے اور اصل میں شریعت کا منشا بھی یہی ہے اور اسے بھی میاں بیوی کے درمیان مودت و محبت کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ جو لوگ بڑی بڑی رقوم مقرر تو کر دیتے ہیں لیکن ادائیگی عمر بھر نہیں کرتے، وہ حقیقت میں مقروض مرتے ہیں۔ مہر کی رقم بیوی کا قرضہ ہوتا ہے۔ اسے ضرور ادا کرنا چاہیے۔

بعض لوگ صاحب حیثیت ہوتے ہوئے بھی بالکل معمولی مہر باندھنا چاہتے ہیں اور بہانہ شریعت کو بناتے ہیں۔ یہ طرز عمل بھی درست نہیں۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنی ہر ایک بیوی کو پانچ سو درہم مہر دیا۔[۲]

---

[۱] صحیح البخاری: ۲۴۹۴، وصحیح مسلم: ۳۰۱۸

[۲] صحیح مسلم: ۱۴۲۶ وسنن ابن ماجہ: ۱۸۸۶۔ پاک و ہند کے علماء کا اتفاق ہے کہ ۲۰۰ درہم ساڑھے باون تولے بنتے ہیں اور ۵۰۰ درہم تقریباً ۱۳۱ تولے بنتے ہیں۔ مارچ ۲۰۲۲ء میں ایک تولہ چاندی کی قیمت ۱۶۹۳ روپے تھی تو ۱۳۱.۲۵۰ تولے چاندی کی قیمت ۲ لاکھ ۲۲ ہزار روپے بنتی ہے۔ (دیکھیے: فاروق اصغر صارم، اسلامی اوزان، ص: ۱۷)

البتہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر اُن کی آزادی کو قرار دیا گیا [1] اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ نے چار سو دینار (سنہری اشرفیاں) بطور مہر دیے۔ [2]

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾	اور نہ دو تم بے عقلوں کو مال اپنے جو بنایا اللہ نے تمھارے لیے گزران اور کھلاؤ ان کو اس میں سے اور پہناؤ انھیں اور کہو ان سے بات اچھی۔
وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۶﴾	اور آزماتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ جب وہ پہنچیں نکاح کی عمر کو پس اگر پاؤ تم ان میں پختہ عقل تو حوالے کر دو ان کے مال ان کے اور نہ کھاؤ تم ان کو فضول خرچی سے اور جلدی سے، یہ کہ بڑے ہو جائیں وہ اور جو ہو غنی پس وہ بچتا رہے اور جو ہو محتاج تو وہ کھائے موافق دستور کے۔ پس جب تم حوالے کر دو ان کے مال ان کے تو گواہ کر لو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا۔

آیات: ۵ تا ۶۔ تشریح الفاظ

اَلسُّفَهَآءَ: (واحد، سَفِيْهٌ) بے سمجھ، بیوقوف، کم عقل۔

قِيٰمًا: (قِيَمًا) گزران، سہارا، معیشت کا ذریعہ۔

اَمْوَالَكُمْ: تمھارے مال۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ان یتیموں کا مال جو تمھارے پاس امانت ہے اور تم نے وہ مال کاروبار اور تجارت میں لگا رکھا ہے اور اس پر تمھاری معیشت اور گزران کا انحصار ہے۔ تمھیں یہ مال اتنا عزیز ہے گویا کہ تمھارا اپنا ہی مال ہے۔ قبضہ اور تصرف کے لحاظ سے تمھارا مال کہا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۷۰۹۴، صحیح مسلم: ۱۳۶۵۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۸/ ۴۲۲۔ ۴۲۴

[2] الطبرانی، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۲۴۵۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۸/ ۲۹۱

وَارْزُقُوهُمْ: (وَ، ارْزُقُوْ، هُمْ) رَزَقَ يَرْزُقُ سے فعل امر، جمع مذکر مخاطب۔ تم کھلاؤ۔ اور تم ان (یتیموں) کو کھلاؤ۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں: تم دو۔

فِيهَا: اس مال میں، یعنی اس مال کو تجارت وغیرہ میں لگا کر اس کے منافع سے ان کے کھانے پینے اور پہننے کے تمام اخراجات بھی پورے کرو۔

قَوْلًا مَّعْرُوفًا: سے مراد ہے کہ ان کی دلجوئی کرتے رہو اور ڈھارس بندھاتے رہو۔

وَابْتَلُوا: (ب ل ی) ابتلاء باب افتعال ہے۔ تم آزماتے رہو۔ امتحان لیتے رہو، سدھاتے رہو۔

بَلَغُوا: پہنچیں، پالیں۔ اَلنِّكَاحَ: نکاح کی عمر، یعنی بالغ ہو جائیں۔

اٰنَسْتُمْ: تم محسوس کرو، تم جان لو، تم پالو۔ رُشْدًا: ہوشیاری، لیاقت، قابلیت، پختہ عقل۔

فَلْيَسْتَعْفِفْ: (فَ، لِيَسْتَعْفِفْ) پس وہ بچے، پرہیز کرے، عفت اختیار کرے، یعنی اپنے دامن کو پاک رکھے۔ باب استفعال ہے۔ اردو میں عفت اور عفیف عام الفاظ ہیں۔

بِالْمَعْرُوفِ: (بِ، الْمَعْرُوفِ) اچھے طریقے سے، عدل وانصاف کے ساتھ، دستور کے موافق۔

كَفٰى: (مضارع، يَكْفِيْ) کافی ہے، کفایت کرتا ہے، بس کرتا ہے۔

حَسِيبًا: حساب لینے والا۔ نگران، محافظ، رقیب۔ بِدَارًا: جلدی سے۔

مفہوم ومطلب: یتیموں کے مال کے بارے میں حکم

گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ یتیموں کا مال ان کے سپرد کر دو، عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ اب زیرِ نظر آیتوں میں شرط عائد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یتیم بچے بے سمجھ اور کم عقل ہوں تو ان کا وہ مال جو تمھارے قبضے اور تصرف میں ہے اور جس پر تمھاری گزران ہے، ان کے حوالے مت کرو۔ البتہ بخل سے کام نہ لو۔ ان یتیموں کی ضروریات کا خیال رکھو۔ انھیں کھانے پینے اور پہننے کے لیے کچھ رقم درکار ہے، سو ان کی ایسی لازمی ضروریات کے لیے منافع کی رقم میں سے ان پر خرچ کرتے رہو اور اگر وہ مال کا تقاضا کریں تو ان کے حوالے مت کرو، بلکہ ان سے محبت اور سلوک سے پیش آتے ہوئے ان کو پیار سے سمجھاؤ اور ان کا دل بہلاتے رہو کہ بھائی! آخر مال تمھارا ہے۔ تمھارے کام آئے گا۔ تمھی نے لینا ہے۔ ہمارا تھوڑا ہی ہے۔ چند دن گزر جانے دو پھر تمھارے حوالے کر دیں گے۔ ایسی باتیں ان کے حق میں بھلی اور اچھی ہیں۔

پھر فرمایا کہ اس عرصے میں یتیموں کو آزماتے رہو کہ ان میں عقل و خرد کتنی آگئی ہے۔ ان کی دانش اور

سُوجھ بوجھ کا امتحان لیتے رہو۔ جب وہ بالغ ہو جائیں اور شادی بیاہ کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر تم یہ بھی محسوس کرو کہ رُشد و ہدایت کے مالک ہو گئے ہیں اور بُرے بھلے میں تمیز کر سکتے ہیں۔ عقل میں پختگی ظاہر ہو جائے تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

مزید ہدایات

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ولی اور سرپرست کو ہدایت کی کہ جب تک یتیموں کا مال تمھارے قبضہ واختیار میں رہے اس کی پوری پوری حفاظت اور صیانت کا بندوبست کرتے رہو۔ بے جا کاموں میں صرف نہ کرو، فضول خرچی سے بچو اور اس خیال سے کہ وہ جوان ہو کر اپنا روپیہ مانگیں گے اسراف کر کے اور جلدی سے محض روپے کو ختم کرنے کے لیے کھا نہ جاؤ۔ اس ضمن میں یہ ہدایت فرمائی کہ اگر ولی اور سرپرست مالدار آدمی ہے تو وہ یتیموں کے مال کو ہاتھ لگانے سے بچتا رہے۔ ان کے مال کو خرچ کر کے اپنے دامن کو گناہ سے آلودہ نہ کرے۔ البتہ اگر کوئی قرابت دار، سرپرست یا ولی فقیر اور محتاج ہو تو وہ بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے۔ لیکن اسے بھی فرمایا کہ دستور کے موافق کھائے پیے۔ محض روپے کو خورد برد کرنے کی خاطر بے جا مصارف میں خرچ نہ کر ڈالے۔

سلسلہ کلام کو ختم کرتے ہوئے ایک بڑی اہم اور نکتے کی بات کہہ دی کہ اگر تم نے دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈال بھی دی تو یاد رکھو کہ ایک ایسی ذات موجود ہے جو ہر عمل اور ہر نیت کو جانتی ہے۔ جس سے تمھارا کوئی کام پوشیدہ نہیں۔ اللہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے اور وہی حساب لینے کے لیے کافی ہے اور جزا سزا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسلام نے یتیم کے مال کی حفاظت اور صیانت کا بڑا اہتمام کیا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر بڑی وعید آئی ہے۔[1] مال حوالے کرتے وقت گواہوں کی شہادت کی بھی تاکید کی ہے، تاکہ بعد میں کسی قسم کے جھگڑے کا احتمال نہ رہے اور اگر جھگڑا پیدا ہو جائے تو گواہ شہادت دے سکیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ⑦	واسطے مردوں کے حصہ ہے اس سے جو چھوڑیں ماں باپ اور قرابت دار اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اس سے جو چھوڑیں والدین اور رشتہ دار، تھوڑا ہو یا بہت اس میں سے حصہ ہے مقرر کیا ہوا۔

---

[1] صحیح البخاری: ۲۷۶۶ و صحیح مسلم: ۸۹

آیت: ۷۔ تشریح الفاظ

لِلرِّجَالِ: (لِ، اَلرِّجَالِ) لِ بمعنی واسطے، لیے۔ رِجَالٌ (واحد، رَجُلٌ) مرد۔

نَصِيبٌ: حصہ۔ مِمَّا: (مِنْ، مَا) من: سے، مَا: جو کچھ، وہ جو۔

اَلْاَقْرَبُوْنَ: (واحد، اَقْرَب) قریبی رشتہ دار، ناتے والے، قرابتی۔

قَلَّ: تھوڑا ہو۔ كَثُرَ: بہت ہو۔

مَفْرُوْضًا: مقرر کیا ہوا۔

مفہوم ومطلب: ترکہ میں مرد اور عورت دونوں کا حصہ ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے مرنے کے بعد ان کے ترکہ میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔ جائیداد یا ترکہ جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی ماں باپ یا قریبی رشتہ دار چھوڑ مریں، اس میں سے مردوں کو بھی حصہ ملے گا اور عورتوں کو بھی۔ تھوڑا ہو یا بہت، حصہ بہر حال حصہ داروں کو ضرور ملے گا۔

تقسیم میراث کے وقت قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کا خیال رکھنے کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں (کم عمر لڑکوں) کو ورثہ نہ ملتا تھا۔ صرف اسی مرد کو حصہ ملتا تھا جو گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر جنگ کرتا تھا۔ ایک صحابی حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور ایک بیوی، دو بیٹیاں اور ایک چھوٹا لڑکا اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ ان کے دو ابن عم (چچازاد) سوید اور عرفطہ آئے اور انھوں نے اس کی میراث (ترکہ) پر قبضہ کر لیا۔ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی ایک قدیم رسم کو ختم کر دیا اور ورثہ میں مرد اور عورت، بڑے اور چھوٹے سب کو حصہ دار ٹھہرایا۔

وراثت میں رشتہ داروں کے حصوں کی تعیین

اس آیت میں عموم ہے، حصوں کی تعیین نہیں، بلکہ محض حصہ داروں کی تعیین ہے۔ مرد ہوں، چھوٹے یا

---

[1] السیوطی، التفسیر، النساء: ۷

بڑے، عورتیں ہوں خواہ چھوٹی یا بڑی، اپنی اولاد ہو یا قرابت دار، جائیداد اور ترکہ والدین کا ہو یا اقربا کا، اس میں سب چھوٹے بڑے، مرد اور عورت یکساں طور پر وارث ہیں۔[1] جبکہ حصوں کی تعیین دوسری آیت میں آتی ہے۔[2] یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کر دیے گئے ہیں۔ کسی وارث کو محروم نہیں کیا جا سکتا اور نہ کوئی ان کے حصے کو کم کر سکتا ہے۔ اس آیت نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ قرابت ہی علت میراث ہے۔

یتیموں کے سلسلے میں وراثت کے مسائل بیان کر دیے، اس لیے کہ درحقیقت یہ بھی یتیموں، بے کسوں اور بیوہ عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہی ہے اور وہ کمزور و ناتواں لوگ جنھیں معاشرے نے وراثت سے محروم کر رکھا تھا، قرآن مجید نے ان کے دوسرے حقوق کے ساتھ حقوق وراثت بھی محفوظ اور متعین کر دیے۔ انسانیت پر قرآن مجید کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧	اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین تو کچھ دو ان کو اس میں سے اور کہو ان کو بات اچھی۔
وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨	اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں پیچھے اپنے اولاد کمزور ڈرتے ہوں ان پر، پس چاہیے کہ ڈریں اللہ سے اور چاہیے کہ کہیں بات سیدھی۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩	بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں مال یتیموں کا ظلم سے، یہی ہے کہ وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور جلدی جائیں گے دہکتی آگ میں۔

آیات: ۸ تا ۱۰۔ تشریح الفاظ

اَلْقِسْمَةَ: بٹوارہ، تقسیم کے وقت، بانٹنے کے وقت یعنی تقسیم میراث کے وقت۔

---

[1] یعنی سب کا حصہ ہے، کوئی محروم نہ ہوگا۔ البتہ حصے وہ ملیں گے جو مقرر ہیں۔

[2] النساء: ۴/ ۱۱

اُولُوا: (واحد، ذُوْ) والے۔ فَارْزُقُوْهُمْ: انھیں دو، انھیں رزق دو، انھیں کھلاؤ۔

الْقُرْبٰى: قرابت، رشتہ، ناتا۔ اُولُوا الْقُرْبٰى: قرابت دار، رشتہ دار، ناتے والے، اقارب، اقربا۔

وَلْيَخْشَ: خَشِيَ يَخْشٰى سے، وَلْيَخْشَ اور چاہیے کہ ڈرے، خوف کھائے۔ فعل امر، واحد مذکر غائب۔

ذُرِّيَّةً: اولاد۔ ضِعٰفًا: ناتواں، کمزور (واحد، ضَعِيْف)

سَدِيْدًا: درست، سیدھی، محکم، پختہ، عدل وانصاف کی۔ بُطُوْن: (واحد، بَطْنٌ) پیٹ۔

سَيَصْلَوْنَ: سَ، يَصْلَوْنَ، مضارع معروف، جمع مذکر غائب، س بمعنی جلدی، عنقریب، يَصْلَوْنَ تاپیں گے، جائیں گے، داخل ہوں گے، جلیں گے۔ سَعِيْرًا: بھڑکتی ہوئی آگ، شعلہ زن آگ۔

مفہوم ومطلب: یتیموں کا مال ہڑپنے کی وعید

گزشتہ آیت میں ترکہ کے حصہ داروں کا اجمالی ذکر فرمانے کے بعد ان آیات میں اسی سلسلے میں چند اور نصیحتیں فرمائیں۔ ایک بات تو یہ فرمائی کہ تقسیم میراث کے وقت جب کچھ رشتہ دار، یتیم اور محتاج ومسکین لوگ حاضر ہو جائیں تو ازراہِ ہمدردی وتعاون انھیں بھی کچھ دے دلا دو۔ ان کے کھانے کے لیے کچھ سامان مہیا کر دو۔ بعض نے کہا کہ ان کو کھانا کھلا دو۔[1] یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ ایسے قرابت داروں اور ناتے والوں کا ذکر کیا ہے جو ترکہ میں وراثت کے حقدار نہیں ہیں۔ انھیں کچھ دینے دلانے کا مقصد ان کی دلجوئی ہے۔

پھر فرمایا کہ ان سے اچھی بات کہو۔ اچھی بات کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب انھیں کچھ دو تو ساتھ معذرت بھی کرو کہ رقم یا شے کم ہے، بہر حال اللہ تمھیں برکت دے گا۔ یا یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ وارث کم سن اور چھوٹی عمر کے ہیں تو نرمی سے معذرت کر دو کہ یہ مال ہمارا نہیں، ان چھوٹے یتیم بچوں کا ہے۔ وہ نابالغ ہیں۔ ابھی تو ان کے حوالے نہیں کیا جا رہا ہے۔ بہرکیف ان کی دل شکنی نہ ہونی چاہیے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کے ولی اور سرپرست بن جاتے ہیں انھیں ایک لمحے کے لیے سوچ لینا چاہیے کہ اگر وہ خود مر جائیں تو اپنے بچوں کو ناتواں اور کمزور حالت میں چھوڑ جائیں تو کیا وہ پسند کریں گے کہ ان کے بچوں کے سرپرست ان سے بدسلوکی یا برا معاملہ کریں؟ کیا انھیں یہ پسند ہے کہ ان کے بچوں کا مال ان کے سرپرست اور ولی ہضم کر جائیں اور بچوں کی ضروریاتِ زندگی بھی پوری نہ ہو سکیں؟ جو چیز وہ اپنے بچوں کے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے بچوں کے لیے بھی پسند نہ کرنی چاہیے۔

---

[1] الطبری، التفسیر، النساء:۸

''وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا'' کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مرنے والے بیمار سے کہیں کہ حقوق واجبہ کے علاوہ کچھ رقم قرابت داروں، محتاجوں اور یتیموں کے لیے نکال دیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرابت داروں سے کہا جائے کہ وہ چھوٹے چھوٹے یتیم وارثوں کے مال کو نقصان نہ پہنچائیں۔ پھر ایک اور مفہوم یہ بھی ہے کہ مرنے والے کو'' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین کی جائے۔ ایک مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ یتیم بچوں سے خیر خواہی اور نیکی کی بات کی جائے۔ انھیں اَدب سکھائیں اور حسن تربیت کے زیور سے آراستہ کریں۔

پھر فرمایا کہ یتیموں کے مال ناحق طور پر کھا جانے والے لوگ اپنے پیٹ میں آگ ہی تو بھر رہے ہیں اور انھیں اس بددیانتی کی سزا میں جہنم کی آگ جھونکنی پڑے گی۔ وہ دن دور نہیں جب ان کا ٹھکانا بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی اور انھیں شعلہ زن آتشِ جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند نہایت عمدہ باتوں کی تلقین کی ہے۔ اگر معاشرہ ان باتوں پر عمل پیرا ہو جائے تو جور و ظلم مٹ جاتا ہے اور ہمدردی، دیانت داری اور شرافت کے چرچے ہونے لگتے ہیں:

۱۔ پہلی بات یہ فرمائی کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حصہ داروں کے علاوہ دوسرے مستحق اقربا، یتیم و مسکین لوگوں کا بھی خیال رکھو اور انھیں بھی کچھ حصہ دو۔

۲۔ یتیموں سے معاملہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں موجود رہنا چاہیے۔ بات درست کہو اور اس بات کا خیال رکھو کہ اگر تم بھی اپنے بچے یتیم چھوڑ جاؤ اور تمھیں ان سے ناانصافی اور بدسلوکی کا ڈر لگتا ہو تو پھر تمھیں اپنے اعمال اور روش کا جائزہ لینا چاہیے۔

۳۔ یتیموں کا مال ناجائز اور ناحق نہ کھاؤ۔ جو ان کا ناحق مال کھاتے ہیں انھیں دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ	وصیت کرتا ہے تم کو اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں،
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً	واسطے مرد کے ہے برابر حصہ دو عورتوں کے، پس اگر
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ	ہوں عورتیں (دو یا) دو سے زیادہ تو واسطے ان کے ہے
وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ	دو تہائی اس چیز کا جو وہ چھوڑ مرا اور اگر ہو عورت اکیلی تو
وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ	اس کے لیے ہے آدھا ترکہ اور واسطے اس کے ماں
مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ	باپ کے ہر ایک کو ان دونوں میں سے چھٹا حصہ اس

يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

چیز کا جو چھوڑا اس نے اگر ہو اس کی اولاد، پس اگر نہ ہو اس کی اولاد اور وارث ہوں ماں باپ اس کے تو واسطے اس کی ماں کے ہے تیسرا حصہ[۱] اور اگر ہوں اس کے بھائی بہن (ایک سے زیادہ) تو واسطے اس کی ماں کے ہے چھٹا حصہ[۲] بعد وصیت کے جو اس نے کی ہو یا بعد قرض کے۔ باپ تمھارے اور بیٹے تمھارے نہیں جانتے تم کون ان میں سے تمھارے زیادہ قریب ہے؟ (واسطے تمھارے نفع میں) یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے اللہ کی طرف سے۔ بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اور واسطے تمھارے ہے آدھا مال جو چھوڑ مریں بیویاں تمھاری، اگر نہ ہو ان کی کوئی اولاد، پس اگر ہے ان کی اولاد تو تمھارے لیے ہے چوتھا حصہ اس کا جو چھوڑیں وہ بعد وصیت کے جو کر جائیں وہ یا بعد قرضے کے اور واسطے ان کے ہے چوتھا حصہ اس کا جو چھوڑو تم اگر نہ ہو تمھاری کوئی اولاد اور اگر ہو تمھاری اولاد تو واسطے ان کے ہے آٹھواں حصہ اس کا جو تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر جاؤ یا بعد قرضے کے۔ اور اگر ہو کوئی مرد ورثہ لیا جاتا ہے جس کا بغیر باپ اور بیٹے کے یا کوئی ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ہو ایک بھائی یا ایک بہن تو واسطے ہر ایک کے ان دونوں میں سے چھٹا حصہ اور اگر

[۱] اور باقی دو تہائی عصبہ کی حیثیت سے والد کا ہوگا۔
[۲] اگر ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ماں کا حصہ ثلث ہے اور اگر ایک سے زائد ہوں تو اُس کا حصہ سدس ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، النساء:۱۱)

يُوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾	وہ ہوں زیادہ اس سے تو وہ سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا بعد ادائیگی قرض کے بغیر ضرر پہنچانے کے کسی کو، یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہے خوب جاننے والا بڑا بُردبار۔

آیات: ۱۱ تا ۱۲۔ تشریح الفاظ

يُوْصِيْكُمْ: (يُوْصِيْ، كُمْ) وصیت کرتا ہے، حکم دیتا ہے تمھیں، فرض ٹھہراتا ہے۔

فِيْ: میں، بیچ، یہاں مراد ہے تمھاری اولاد کے حق میں۔

لِلذَّكَرِ: (لِ، الذَّكَرِ) لِ بمعنی واسطے، کے لیے۔ الذَّكَرِ: مرد، مذکر، نر۔

حَظِّ: حصہ۔ فَلَهُنَّ: (فَ، لَ، هُنَّ) هُنَّ سے مراد دو یا دو سے زائد بیٹیاں۔

ثُلُثَا: دو تہائی۔ (واحد، ثُلُث) دراصل یہ ثُلُثَانِ تھا، مضاف ہونے کی وجہ سے تثنیہ کا نون حذف ہو گیا۔

تَرَكَ: چھوڑا۔ تَرَكَ کے مفہوم میں ہے کہ مرنے کے بعد چھوڑ جائے۔

وَاحِدَةً: اکیلی، ایک، یعنی صرف ایک ہی لڑکی ہو۔

لِاَبَوَيْهِ: (لِ، اَبَوَيْ، هِ) اَبَوَيْ اصل میں اَبَوَانِ تھا۔ بمعنی ماں باپ، والدین۔ لِ کی وجہ سے اَبَوَيْنِ (جری حالت) بنا اور آخر میں هِ کے آنے سے مضاف ہوا اور مضاف بننے کی وجہ سے اَبَوَيْنِ کا نون گر کر اَبَوَيْ رہ گیا۔ السُّدُسُ: چھٹا حصہ۔ سَادِسٌ چھٹا اور چھ کو سِتٌّ کہتے ہیں۔

اِخْوَةٌ: (واحد، اَخٌ) بھائی۔ اٰبَآءُ: (واحد، اَبٌ) باپ۔

تَدْرُوْنَ: (دَرٰى يَدْرِيْ سے) مضارع، جمع مذکر مخاطب۔ تم جانتے ہو، سوجھ بوجھ رکھتے ہو۔

اَيُّهُمْ: (اَيُّ، هُمْ) اَيُّ بمعنی کون، هُمْ، ان میں سے۔

نَفْعًا: نفع کے لحاظ سے، نفع پہنچانے میں۔ اَبْنَآءُ: (واحد، اِبْنٌ) بیٹے۔

فَرِيْضَةً: فریضہ، فرض کیا ہوا۔ مقرر کیا ہوا۔ اَزْوَاجُكُمْ: (واحد، زَوْجٌ) بیویاں۔

الرُّبُعُ: چوتھائی، چوتھا حصہ، رَابِعٌ: چوتھا، اَرْبَعٌ: چار۔ الثُّمُنُ: آٹھواں حصہ، ثَامِنٌ آٹھواں۔

كَلٰلَةً: کلالہ کی حالت میں، بطور کلالہ۔ کلالہ وہ مرد یا عورت جس کا باپ بھی نہ ہو اور بیٹا بھی نہ ہو۔ بعض مفسرین کے نزدیک کلالہ خبر ہے اور بعض کے نزدیک حال۔

غَيْرَ مُضَآرٍّ: اس حالت میں کہ وارثوں پر ضرر ڈالنے والا نہیں، کسی وارث کو نقصان پہنچانے والی وصیت نہ ہو۔

مفہوم و مطلب: وراثت کے حصوں کی شرعی تقسیم

پچھلی آیتوں میں وراثت کے حصہ داروں کا اجمالی ذکر فرما کر چند ایک ضروری نصیحتیں فرما دیں، تا کہ بنیادی باتیں ذہن میں رہیں۔ اب ان آیات میں حصہ داروں کے حصے مقرر کر دیے، گویا کہ پچھلے اجمال کی ان آیات میں تفصیل آگئی۔

امام احمد، ابوداود، ترمذی اور حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! یہ دونوں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں ہیں، ان کا باپ غزوۂ اُحد میں آپ کی رفاقت میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ ان لڑکیوں کے چچا نے سارے مال پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب ان کے لیے کچھ مال نہیں بچا اور بغیر اس مال کے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی کو بلا کر حکم دیا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی لڑکیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور باقی مال تیرا ہے۔[1] عہدِ اسلام میں یہ پہلا ترکہ تھا جو کہ وارثوں میں قرآنی حکم سے تقسیم ہوا۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں عورتوں اور بچوں کے لیے ترکہ میں کوئی حصہ نہ تھا، صرف جوان اور جنگجو ہی مال کے وارث ٹھہرتے تھے یا جسے وہ لے کر پالتے اور بیٹا بنا لیتے تھے۔ یا عہدو حِلف کے سبب وراثت کا حقدار بن جاتا تھا۔

ابتدائے اسلام میں جبکہ احکام وراثت نازل نہیں ہوئے تھے ہجرت اور مؤاخات بھی وراثت کا سبب تھے۔ لیکن اسلام نے ان آیات کے نزول کے بعد تمام قدیم روایات اور جاہلی دستور کو یکسر مٹا دیا اور نئے اندازِ فکر کی طرح ڈالی اور تقسیم کے نئے آئین وضوابط پیش کیے۔[2]

اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ وارثوں کے چار درجات اور طبقات ہیں:

۱۔ وہ وارث جن کا حصہ فرض و مقرر ہے۔ مثلاً میاں بیوی، یہ طبقہ ذوی الفروض کہلاتا ہے۔

۲۔ جن کا حصہ مقرر نہیں ہے، بلکہ ذوی الفروض کا مقرر حصہ دینے کے بعد باقی سب لے لیتے ہیں، مثلاً بیٹا۔

---

[1] سنن أبي داود: ۲۸۹۱، ۲۸۹۲ وسنن الترمذي: ۲۰۹۲

[2] ابن حجر، فتح الباري: ۷/ ۲۷۰

ان کو عصبہ کہتے ہیں۔

۳۔ جن کا حصہ مقرر ہے لیکن پھر بھی وہ عصبہ ہو جاتے ہیں، جیسے باپ جبکہ ایک ہی بیٹی ہے تو وہ اپنا مقرر حصہ لے گا اور بیٹی کا مقرر حصہ ادا کرنے کے بعد باقی مال پھر بطورِ عصبہ کے باپ لے لے گا۔

۴۔ وہ لوگ جو ایک حیثیت میں ذوی الفروض میں سے ہیں اور ایک حیثیت میں عصبہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً میت کا باپ اور بیٹی ہو تو بیٹی کو نصف مقرر ملے گا اور اگر بیٹا اور بیٹی ہو تو بیٹا دو حصے اور بیٹی ایک حصہ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خیر خواہی اور معاشرے کی بھلائی کے پیشِ نظر اولاد کے بارے میں حکم دیا کہ اگر لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو میراث کی تقسیم کے وقت لڑکوں کو لڑکیوں سے دوگنا حصہ دیا جائے اور معیار مقرر فرما دیا کہ ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ملے۔ مثلاً صرف ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں تو نصف مال لڑکے کو اور نصف دونوں لڑکیوں کو ملے گا۔ میت کی نرینہ اولاد کوئی نہ ہو اور صرف ایک ہی لڑکی ہو تو نصف ترکہ اسے ملے گا۔ باقی نصف دور کے رشتہ داروں کے لیے اور اگر کئی لڑکیاں (دو یا دو سے زائد) ہوں تو دو تہائی مال سب میں برابر برابر تقسیم ہوگا اور باقی ایک تہائی دور کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگا۔ یہ تقسیم میراث اس صورت میں ہے جبکہ میت کے والدین یا بیوی نہ ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ اولاد کا مفہوم اپنے اندر وسعت رکھتا ہے، اگر میت کا بیٹا فوت ہو چکا ہو تو اس کے بیٹے کی اولاد بھی اس مفہوم میں شامل ہے۔[1]

اگر میت کی اولاد بھی ہے اور ماں باپ بھی تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ، اگر باپ نہ ہو تو دادا بمنزلہ باپ ہے۔ اگر میت کی اولاد نہیں تو ماں کو ایک تہائی حصہ دے کر باقی سب باپ کو مل جائے گا۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو، بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ۔

اگر میت نے کچھ وصیت کی ہو وارثوں کے لیے تو وصیت کی ضرورت ہی نہیں۔[2] البتہ میت کو ایک تہائی مال کی وصیت کا حق ہے۔ وہ مسکینوں، محتاجوں، یتیموں یا دور کے رشتہ داروں کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وصیت پر عمل کے بعد یا کوئی قرضہ ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد مندرجہ بالا حصے تقسیم ہوں گے۔[3]

---

[1] اگر دادا کی ساری اولاد فوت ہو جائے تو پوتوں پوتیوں کو حصہ ملتا ہے اور اگر کوئی بیٹا زندہ ہو تو شریعت کی رُو سے وہ پوتا دادا کی وراثت سے حصہ نہیں لے سکتا جس کا والد فوت ہو چکا ہو۔ البتہ دادا اس کے لیے ایک تہائی تک وصیت کر سکتا ہے۔

[2] شریعت نے خود ہی حصے مقرر کر دیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔'' (سنن أبی داود: ۲۸۷۲)

[3] اصولی ترتیب میں قرض پہلے اتارا جائے اور وصیت بعد میں پوری کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تقسیم فریضہ الٰہی ہے۔خدا کی طرف سے مقدر اور مقرر کردہ ہے۔ باپ کو بھی حصہ ملے گا اور بیٹوں کو بھی۔ تمھیں کیا معلوم کہ آخرت کے لیے تمھارے حق میں کون زیادہ مفید اور نافع ہو سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی یہ تقسیم حکمت اور علم پر مبنی ہے۔ وہ خوب واقف ہے۔تم ان امور کی کُنہ (حقیقت) کو نہیں پا سکتے۔

اگر تمھاری بیوی مرجائے اور اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو تو خاوند نصف ترکے کا مالک ہے اور اگر بیوی کی اولاد ہے تو پھر خاوند چوتھائی مال کا حصہ دار ہے۔اسی طرح اگر خاوند لا وَلد مرجائے تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور اگر شوہر کی اولاد ہو تو پھر بیوی کا آٹھواں حصہ ہے۔بیوی اگر ایک ہے تو حسب حالات کل چوتھائی یا پورے آٹھویں حصے کی مالک ہوگی اور اگر ایک سے زائد ہیں تو صورت حالات کے مطابق وہ چوتھا یا آٹھواں حصہ سب میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔یہ تقسیم بھی وصیت کے اجراء یا قرضے کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔

اب ایک صورت یہ ہے کہ کسی مرد یا عورت نے وفات پائی ہے، اس کا نہ باپ ہے نہ بیٹا، مگر اس کا ایک بھائی ہے اور ایک بہن تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔اگر ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہے تو وہ سب ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔یعنی مرد اور عورت کا حصہ برابر ہوگا۔مگر یہ تقسیم بھی وصیت کے اجرا اور قرض کی ادائیگی کے بعد عمل میں آئے گی۔ایک شرط یہ بھی ہے کہ وصیت میں کوئی چیز ایسی نہ ہو جو کسی حصہ دار اور وارث کے لیے مضر ہو۔اللہ کا یہی حکم ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بُرد بار ہے۔اس تقسیم کے فوائد اس کے علم میں ہیں اور وہی خوب جانتا ہے کہ مخلوق کے واسطے کیا کچھ مفید ہے اور ساتھ ہی حلیم ہے۔تحمل و بردباری سے کام لیتا ہے انسانوں کے گناہوں اور بداعمالیوں کے باوجود۔

بقول امام قُرطبی وارث کے لیے وصیت بالاجماع جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا کہ ایسی وصیت بھی باطل ہوگی جس سے محض ضرر پہنچانا مقصود ہو۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وصیت کے ذریعے وارثوں کو ضرر پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔[2] ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے وارث کی میراث قطع کی تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جنت سے قطع کر دے گا۔[3] ایک اور روایت کا مفہوم یہ ہے کہ وصیت بد آدمی کے لیے جنت کا باعث بن جاتی ہے اور

---

[1] القرطبی، التفسیر، البقرۃ:۱۸۰ والخطابی، معالم السنن: ۴/ ۸۵

[2] الطبری، التفسیر، النساء:۱۲ وعبدالرزاق، المصنف: ۱۶۴۵۶ وابن أبی شیبہ، المصنف: ۳۰۹۳۳

[3] سنن ابن ماجہ:۲۷۰۳۔اسنادہ ضعیف جداً

وصیت ہی نیک آدمی کو دوزخ میں جھونک دیتی ہے۔[۱]

ان سب باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ وصیت کے ذریعے کسی وارث کو نقصان اور ضرر نہیں پہنچانا چاہیے۔

آیات وراثت میں سب سے پہلے اولاد کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ اولاد کو قرآن نے فتنہ بھی قرار دیا ہے۔ ﴿اِنَّمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ﴾[۲] (بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولادیں فتنہ ہیں) تو یہ اس لیے کہ اگر اولاد کم سن اور نابالغ ہے تو یتیم ہونے کی وجہ سے اس کے حقوق کا تحفظ اوّلیت چاہتا ہے اور اگر جوان ہے تو پھر معاشرے کا انحصار جوانوں پر ہوتا ہے اور دنیا کے کاروبار اور معاشرے کی بقا کے لیے نوجوانوں کا مالی اور اقتصادی استحکام اوّلین انسانی اور معاشرتی ضرورت ہے۔

عصر حاضر کی ایک بڑی گرم بحث پوتے کی وراثت ہے۔ صحیح ترین مسلک یہی ہے کہ دادا کو اختیار ہے کہ ایک تہائی میں سے ان کے لیے وصیت کرے۔ سنت اور تعاملِ (امت) پوتوں کو جن کا باپ فوت ہو چکا ہے بیٹوں کی موجودگی میں وارث نہیں ٹھہراتا۔[۳]

اسلام میں اس بات کا کوئی تصور نہیں کہ جائیداد صرف ایک شخص کے ہاتھ میں رہے اور باقی تمام اولاد اس سے محروم رہے۔ وراثت کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ صرف اولاد ہے۔

۲۔ ماں باپ ہوں اولاد ہو یا نہ ہو۔

۳۔ خاوند یا بیوی ہو، اولاد ہو یا نہ ہو۔

۴۔ ماں باپ ہوں، اولاد نہ ہو اور بھائی ہوں۔

۵۔ نہ اولاد ہو، نہ ماں باپ، صرف بہن بھائی ہوں۔

ان سب صورتوں میں اگر شوہر یا بیوی ہو تو اس کا حصہ پہلے نکالو۔ پھر ماں باپ ہوں تو ان کا حصہ دو، پھر اولاد ہو، اگر اولاد نہ ہو، یا والدین اور اولاد دونوں نہ ہوں تو بھائی بہنوں کو دو۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ	یہ حدیں اللہ کی ہیں اور جو کوئی کہا مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا وہ داخل کرے گا اسے باغوں میں، بہتی

۱۔ سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۴

۲۔ الانفال: ۸/ ۲۸ والتغابن: ۶۴/ ۱۵

۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے حافظ احمد یار، یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ ایک علمی اور فقہی جائزہ۔ الفیصل لاہور۔ ۱۹۹۹ء

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑬	ہیں جن کے نیچے نہریں، رہیں گے ہمیشہ ان میں اور یہ ہے کامیابی بڑی۔
وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑭	اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آگے نکل جائے اس کی حدوں سے وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں، ہمیشہ رہے گا اس میں اور واسطے اس کے ہے عذاب ذلیل کرنے والا۔

آیات: ۱۳ تا ۱۴۔ تشریح الفاظ

تِلْكَ: یہ۔ (اسم اشارہ) گزشتہ آیات میں مذکورہ احکام متعلقہ نکاح، پرورش یتامیٰ و حصص وراثت کی طرف اشارہ ہے۔

حُدُوْدٌ: (واحد، حَدٌّ) حدیں۔ مراد اللہ کی شریعت، جس کی اللہ نے حد بندی کر دی ہے۔

يُطِعِ: (اَطَاعَ يُطِيْعُ) يُطِعْ۔ فرماں برداری اور اطاعت کرے۔

يُدْخِلْ: (اَدْخَلَ يُدْخِلُ) باب افعال، داخل کرے گا۔ الْاَنْهَار: (واحد، نَهْر) نہر، دریا۔

جَنّٰتٍ: (واحد، جَنَّة) باغات۔ تَجْرِي: جاری ہیں، چلتی ہیں، بہتی ہیں۔

خٰلِدِيْنَ: ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ الْفَوْزُ: مراد پانا، کامیابی۔

يَعْصِ: (عَصٰى يَعْصِيْ) نافرمانی کرے، بے حکمی کرے۔ عصیان اور معصیت عام استعمال ہوتے ہیں۔

يَتَعَدَّ: (ع د و سے) تجاوز کرے، پار کرے، گزر جائے، توڑے۔ خدائی حدود سے تجاوز کرنے کا مقصد ہے کہ احکامِ الٰہی و شرائع دین کی خلاف ورزی کرنا۔ مُهِيْنٌ: رُسوا کرنے والا، ذلیل کرنے والا۔

مفہوم و مطلب: فرمانبرداروں کے لیے جنت

ان دونوں آیتوں میں تاکید فرما دی کہ نکاح، یتیموں کے مال کی حفاظت اور وراثت کے احکام اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ تقسیم میراث اللہ نے مقرر فرما دی ہے۔ ترکہ اور مال کے یہ حصے خدا نے شرعاً لازم اور فرض ٹھہرائے ہیں۔ اگرچہ اس کا تعلق مال و دولت اور جائیداد سے ہے اور بظاہر دنیوی امور نظر آتے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد ضروری ہے۔ مثلاً فرمایا کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی اور باندھی ہوئی حدیں ہیں، جو شخص ان

حدود کے اندر رہے گا اور ان احکام کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا اور آخرت میں اسے باغ بہشت میں جگہ دے گا۔ جہاں نہریں چلتی ہیں اور بہشت کی زندگی میں انقطاع نہیں ہوگا، بلکہ یہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔

نافرمانوں کے لیے دوزخ

اس طرح جو شخص ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو گویا کہ اس نے اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا۔ اس نافرمانی کی سزا جہنم ہے اور ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

ہمارے معاشرے میں اب بھی بعض لوگ ان احکام کی صریح خلاف ورزی اور مخالفت کرتے ہیں اور تقسیم وراثت میں احکام الٰہی کا قطعاً خیال نہیں رکھتے۔ انھیں رسوا کرنے والے عذاب کی وعید ذہن میں رکھنی چاہیے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾	اور جو کوئی کریں بدکاری تمھاری عورتوں میں سے تو شاہد لاؤ ان پر چار مرد اپنے، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالے ان کو موت یا بنادے اللہ ان کے لیے کوئی راستہ۔
وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾	اور جو دو کریں یہ جرم تم میں سے تو ایذا دو ان کو، پس اگر وہ توبہ کریں اور نیک بن جائیں تو منہ پھیر لو ان سے، بے شک اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

آیات: ۱۵ تا ۱۶۔ تشریح الفاظ

اَلّٰتِیْ: وہ عورتیں (واحد، اَلّتِیْ) یَاْتِیْنَ، اَتٰی یَاْتِیْ سے مضارع، جمع مؤنث غائب۔ ارتکاب کریں۔

الْفَاحِشَةَ: بے حیائی، بدکاری، زنا۔

اِسْتَشْهِدُوْا: شَهِدَ سے باب اِسْتِفْعَال، فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم گواہ مانگو، گواہ لاؤ، شاہد طلب کرو۔

مِنْكُمْ: اپنے، اپنوں میں سے، یعنی مسلمان اور نیک عادل مسلمان ہوں۔

اَمۡسِكُوۡهُنَّ: (اَمۡسِكُوۡ، هُنَّ) ان عورتوں کو بند رکھو۔ اَمۡسَكَ يُمۡسِكُ اِمۡسَاكٌ روکنا، بند رکھنا۔

يَتَوَفّٰى: اٹھالے، قبض کرلے۔ اَلَّذٰنِ: (تثنیہ اَلَّذِیۡ کا) وہ دو شخص۔

اٰذُوۡا: اٰذٰی يُؤۡذِیۡ اِيۡذَاءً سے فعل امر۔ ایذا دو۔ سزا دو۔

اَصۡلَحَا: وہ دونوں اصلاح کرلیں، سنور جائیں، نیک ہو جائیں۔ تَابَا اور اَصۡلَحَا دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں۔

اَعۡرِضُوۡا: فعل امر، جمع مذکر۔ اَعۡرَضَ يُعۡرِضُ اِعۡرَاضًا۔ منہ پھیرلو، اعراض کرلو، جانے دو۔

تَوَّابًا: پھر آنے والا، توبہ قبول کرنے والا۔

مفہوم ومطلب: بدکاری سے متعلق ابتدائی احکام

گزشتہ آیات میں یتیموں، نکاح اور میراث کے احکام بیان فرمائے۔ اس سلسلے میں اب یہ بیان کیا کہ اگر معاشرے کے بعض افراد دولت کی کثرت اور جنسی خواہشات کے وفور کی وجہ سے بے راہ روی اختیار کرکے بدکاری پر اتر آئیں تو ان کی روک تھام ضروری ہے۔ یہ ابتدائی زمانہ ہے۔ اس ضمن میں ابھی تعزیرات کی آیات نازل نہیں ہوئیں، تو طریق کار یہ تجویز کیا کہ اگر مسلمان عورتیں بدکاری اور زنا جیسی برائی کا ارتکاب کربیٹھیں تو ضروری ہے کہ چار مسلمان عادل مردوں کی گواہی طلب کی جائے۔ اس مقدمہ میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ کیونکہ ایسے بُرے مواقع میں ان کی موجودگی غیر متوقع سمجھی گئی، پھر عورت کی نسوانیت کا تقاضا بھی ہے کہ ایسے گندے مقدمے میں ملوث نہ کیا جائے۔ جہاں کیچڑ اچھالا جاسکتا ہے اور جہاں الٹی سیدھی بلکہ بعض اوقات شرمناک قسم کی جرح ہوسکتی ہے۔ اگر چار عینی شاہد گواہی دے دیں تو پھر ایسی عورت کی سزا یہ ہے کہ اسے تازیست گھر کے اندر بند رکھو۔ اسے باہر مت نکلنے دو۔ یا تو وہ گھر کے اندر ہی وفات پا جائے گی یا پھر اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راہ نکالے، یعنی کوئی حد اور سزا کا حکم نازل فرمادے۔

یہ صورت (یعنی زندگی بھر گھر کے اندر قید رکھنا) ابتدائے عہد اسلام میں تھی۔[1] لیکن سورۂ نور میں آیاتِ رجم اسی سلسلے کی ارتقائی کڑی ہیں۔[2] سورۂ نور کے نزول کے بعد اس آیت پر عمل نہ رہا۔ سورۂ نور کے نزول کے بعد اسلامی شریعت میں کنوارے زانی اور زانیہ کے لیے سوسو کوڑے اور ایک سال کی

---

[1] یعنی مدنی دور کا آغاز کیونکہ مکی دور میں ابھی تفصیلی احکام کا نزول شروع نہ ہوا تھا۔

[2] النور: ۲۴/ ۲

جلاوطنی کی حد مقرر کی اور شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم (سنگساری) کا حکم نافذ فرمایا۔[1]

پھر فرمایا کہ دونوں (زانی اور زانیہ) جو زنا کا ارتکاب کریں ان کو ایذا دو، اور ایذا سے مراد ہے طعن وتشنیع، زجر وتوبیخ، برا بھلا کہنا، کوسنا اور مرد کو جوتے لگانا۔ اگر وہ توبہ کر کے اصلاح کرلیں تو پھر انھیں جانے دو اور زجر وتوبیخ وغیرہ بند کر دو۔ یہ سب طریق کار آیات رجم کے نزول سے پہلے کا تھا۔ یہاں یَاْتِیَانِهَا میں ھا کی ضمیر الفَاحِشَة کی طرف ہے اور جمہور کے نزدیک یہاں زنا مراد ہے۔

توبہ کے احکام وفضائل

آیت کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ صدقِ دل سے توبہ کر کے اصلاح احوال کرلیں اور اس قبیح فعل سے ہمیشہ کے لیے باز آجائیں تو پھر اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے، وہ توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اس کے حضور میں ندامت، توبہ اور احساس گناہ کے بعد معافی شرط ہے۔ پھر وہ ہر گناہ گار کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑰	توبہ قبول کرنی ہے اللہ کو انھی کی جو کرتے ہیں برائی نادانی سے، پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو ان کو معاف کر دیتا ہے اللہ اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا۔
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑱	اور نہیں توبہ ان کی جو کرتے جاتے ہیں برائیاں یہاں تک کہ جب آگئی ان میں سے کسی کی موت تو وہ بولا: میں نے توبہ کی اب۔ اور نہ ان لوگوں کی (توبہ ہے) جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ تیار کر دیا ہم نے ان کے لیے عذاب دردناک۔

آیات: ۱۷ تا ۱۸۔ تشریح الفاظ

اِنَّمَا: (حرف حصر) بمعنی صرف، محض، یعنی صرف انھی لوگوں کی۔

---

[1] صحیح البخاری: ۲۶۴۹، ۲۶۹۵ و صحیح مسلم: ۱۶۹۷

عَلَى اللّٰهِ: اللہ پر، یعنی اللہ کو ضرور ضرور قبول کرنا ہے۔توبہ قبول کرنا اللہ پر واجب ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنا اپنی ذات پر واجب ٹھہرا لیا ہے۔

السُّوْء: بدی، برائی۔ اَلْئٰنَ: (اَلْاٰن) اب، اس وقت، اس دم۔

بِجَهَالَةٍ: (بِ، جَهَالَةٍ) جہالت سے، نادانی سے، بے سمجھے۔

يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ: پھر آتا ہے اللہ ان پر، یعنی اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔انھیں معاف فرما دیتا ہے۔

اَعْتَدْنَا: (ع ت د) سے باب اِفعال، ماضی معروف، جمع متکلم۔ہم نے تیار کیا۔

مفہوم و مطلب: موت سے پہلے توبہ

گزشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ جو توبہ کر کے اصلاح کر لیں ان کو جانے دو۔اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اسی بات کے پیش نظر اب توبہ کی صراحت کر دی۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر واجب ٹھہرا لیا ہے کہ وہ توبہ قبول کرے۔دوسری جگہ قرآن میں فرمایا ہے کہ

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾[1]

”اللہ ہی تو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں سے معافی دیتا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾[2]

”کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے؟“

انسان گناہ کرتے وقت عاقبت اور سزا سے لاعلم اور ناواقف ہوتا ہے یا وقتی طور پر بھول جاتا ہے۔ عمداً گناہ کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو بلکہ نادانی اور بے سمجھی میں ہو گیا ہو، پھر جلد ہی توبہ بھی کر لی جائے۔گناہ کے بعد احساس گناہ پیدا ہو، پھر فوراً اللہ کی طرف رجوع ہو، معافی مانگی جائے۔اظہار ندامت کے بعد صدق دل سے اس کی رحمت اور بخشش طلب کی جائے اور ساتھ ہی پکا وعدہ ہو کہ یا اللہ! اب میں دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ایسے لوگوں کی توبہ اللہ ضرور قبول کر لیتا ہے۔کیونکہ اس نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے:

---

[1] الشوریٰ:۴۲/۲۵

[2] التوبۃ:۹/۱۰۴

﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ﴾ [1] ”جو توبہ کر لے میں اسے ضرور معاف کر دیتا ہوں۔“

فرمایا: وہ لوگ جو توبہ کر کے پھر گناہ میں ملوث رہتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں۔ گناہ کے بعد توبہ کر کے پھر گناہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ گناہ کو بار بار کرتے رہنا توبہ کی قبولیت میں مانع ہوتا ہے۔ اسی طرح عمر تو گزاری گناہوں میں اور مرتے وقت توبہ کا خیال آیا تو فرمایا: ”ایسے لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں۔“ [2]

اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی جو کفر کی حالت میں مریں اور قیامت کے ہولناک عذاب کو دیکھ کر توبہ کرنے لگیں۔ ان لوگوں کے لیے تو معافی کے بجائے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انسان گناہ کرے اور عام طور پر نادانی اور جہالت سے گناہ ہو جاتا ہے، پھر صدق دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اسلام کا فلسفہ تو یہ ہے کہ

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ)) [3] یعنی توبہ کے بعد آدمی کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کوئی گناہ اس کے نامہ اعمال میں نہیں رہتا۔

دوسرے مذاہب میں گناہ کی سزا ضرور بھگتنی پڑتی ہے۔ اس فلسفہ کی بدولت کسی کے ہاں کفارہ کا مسئلہ پیدا ہوا اور کسی کے ہاں آواگون کا چکر۔ [4] اسلام نے توبہ کا دروازہ کھول دیا۔ اب دیگر مذاہب کے اس قسم کے تمام نظریے بے کار اور باطل ہو گئے۔

اللہ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے توبہ کی قبولیت کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو توبہ بڑی پسند ہے۔ جب انسان گناہ کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس توبہ کرنے والے سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اللہ کی بے شمار رحمتوں میں سے ایک رحمت یہ ہے کہ وہ گناہگاروں کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

انسان سے ہر وقت کوئی نہ کوئی خطا اور لغزش ہوتی رہتی ہے۔ اس کا علاج پیغمبر رحمت ﷺ نے یہ بتایا کہ انسان ہر وقت اللہ کے حضور میں استغفار کرتا رہے۔ [5] ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ“ پکارنا اللہ کو بہت ہی پسند ہے۔

---

[1] طٰہٰ: ۲۰/ ۸۲

[2] یعنی جب جان ہنسلی تک پہنچ جائے تو توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (سنن الترمذی: ۳۵۳۷)

[3] سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰

[4] یہ ہندوؤں کا نظریہ ہے کہ مرنے والا دوبارہ کسی اور صورت میں جنم لے لیتا ہے۔

[5] سنن أبی داود: ۱۵۱۸؛ وسنن ابن ماجہ: ۳۸۱۹

استغفار کی بہت سی دعائیں حدیث میں مروی ہیں۔ ان میں ایک تو وہ استغفار ہے جو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سکھایا تھا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)) [۱]

"اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیے ہیں۔ ان گناہوں کو صرف تو ہی معاف کر سکتا ہے۔ مجھے معاف فرمادے۔ اپنی جناب سے مغفرت عطا کر اور مجھ پر رحم فرما۔ بے شک تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

ایک سیّد الاستغفار ہے۔ اس کی بڑی فضیلت آئی ہے: [۲]

ایک مختصر، جامع اور مقبول استغفار یہ بھی ہے:

((اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ)) [۳]

"میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ اور قائم دائم رہنے والا ہے۔ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

بہرحال استغفار گناہوں کی بخشش کے علاوہ بھی بڑی برکات کا موجب ہے۔ اس سے اللہ کی رحمت، کشائش رزق اور فراخی حاصل ہوتی ہے۔ استغفار سے تمام تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات ملتی ہے۔ [۴] اللہ کا عذاب اسی استغفار کی بدولت ٹل جاتا ہے۔

---

۱ صحیح البخاری: ۸۳۴ و صحیح مسلم: ۲۷۰۵

۲ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو سید الاستغفار کے کلمات کو دن میں یقین قلب سے کہے اور اُسی دن فوت ہو جائے تو وہ اہل جنت میں سے ہے۔" اسی طرح رات کو پڑھنے کی فضیلت ہے: ((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْلِيْ، فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ)) (صحیح البخاری: ۶۳۰۶) "اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ ہوں۔ میں اپنی طاقت کے مطابق تجھ سے کیے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں برے کاموں کے وبال سے جو میں نے کیے ہیں۔ میں اُن احسانوں کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کیے۔ میں اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں، پس میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشنے والا۔"

۳ سنن أبي داود: ۱۵۱۷ و سنن الترمذی: ۳۳۹۷

۴ سنن أبي داود: ۱۵۱۸ و سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۹

يَاۤيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ‌ؕ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ‌ۚ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًـا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۹﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہیں حلال واسطے تمھارے کہ تم وارث ہو جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ روک رکھو (گھروں میں) ان کو تاکہ تم لے لو کچھ وہ چیز جو تم نے (بطورِ حق مہر) دی ہے ان کو، مگر یہ کہ کریں وہ بے حیائی کھلی، اور گزران کرو ان کے ساتھ اچھی طرح سے، پھر اگر ناپسند کرو تم ان کو تو شاید کہ ناپسند کرو تم ایک چیز کو اور کر دے اللہ اس میں بھلائی بہت۔
وَاِنۡ اَرَدْتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡــئًا ‌ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۲۰﴾	اور اگر چاہو تم بدل لینا بیوی کا بجائے بیوی کے اور دے چکے ہو تم ان میں سے ایک کو خزانہ، پس مت لو اس میں سے کچھ۔ کیا لوگے تم اس کو بہتان سے اور گناہ صریح سے؟
وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾	اور کیونکر تم لوگے اسے جبکہ پہنچ چکے تم ایک دوسرے تک اور وہ عورتیں لے چکیں تم سے عہد پکا۔

آیات: ۱۹ تا ۲۱۔ تشریح الفاظ

لَا يَحِلُّ: نہیں حلال، نہیں جائز۔ تَرِثُوْا: (وَرِثَ يَرِثُ) تم وارث ہو جاؤ۔ تم میراث میں لے لو۔

كَرْهًا: زور سے، زبردستی۔

لَا تَعْضُلُوْهُنَّ: (لَا، تَعْضُلُوْهُنَّ) لَا بمعنی نہ، مت۔ عَضَلَ يَعْضُلُ، کسی عورت کو شادی نکاح سے روکنا۔[1]

هُنَّ: ان عورتوں کو، یعنی تم ان عورتوں کو شادی نکاح سے منع نہ کرو۔

لِتَذْهَبُوْا: لِ بمعنی تاکہ تَذْهَبُوْا، بِ بمعنی تم لے لو، پاؤ، حاصل کرو۔

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ: اٰتَيْتُمْ، تم نے دیا۔ هُنَّ: ان عورتوں کو، یعنی جو کچھ تم نے ان عورتوں کو مہر کی صورت میں ادا کیا تھا اس میں سے کچھ لے لو (وہ عورتیں تمھارے منع کرنے اور روکنے سے تنگ آ کر خلاصی پانے کے لیے

[1] یعنی تمھیں اپنی بیویوں میں کوئی رغبت نہ ہو اور تمھارا مقصد صرف اُن کو ستانا ہو تو انھیں زبردستی اپنے عقد میں نہ رکھو۔ وہ اگر تمھیں چھوڑ کر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہیں تو اُنھیں نہ روکو۔ (تفسیر جلالین، النساء: ۱۹)

تمھیں کچھ رقم دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔ایسی رقم لینے سے منع کر دیا)۔

مُّبَيِّنَة: کھلی، ظاہر۔ مُبِيْنًا: ظاہر، کھلا، صریح۔

فَاحِشَة: بے حیائی، مراد زنا ہے۔بعض نے اس سے مراد سرکشی اور نافرمانی لی ہے۔

عَاشِرُوْهُنَّ: تم برتاؤ کرو ان سے، گزران کرو ان سے، ان کے ساتھ بسر اوقات کرو۔

بِالْمَعْرُوْفِ: دستور کے مطابق، اچھا، معقول۔یعنی بول چال، نان ونفقہ اور دیگر معاملات اور برتاؤ میں اچھا سلوک کیا جائے۔معقول انداز اختیار کیا جائے۔خوش خلقی سے پیش آتے رہو۔

كَرِهْتُمُوْهُنَّ: (كَرِهْتُمُو ، هُنَّ) تم ناپسند کرو انھیں۔یعنی اگر تمھیں ان عورتوں سے نفرت ہو جائے تو بھی صبر کرو۔ اَرَدْتُّمُ: تم چاہو، تم ارادہ کرو۔اَرَادَ، یُرِیْدُ سے۔

اِسْتِبْدَالَ: (ب د ل سے باب اسْتِفْعَال) تبدیل کرنا۔ زَوْجٍ: بیوی۔

قِنْطَارًا: مال کثیر۔دولت کے انبار، سیم وزر کے ڈھیر، خزانہ، یعنی اگر تم مہر میں عورت کو سونے چاندی کے ڈھیر دے دو۔ بُهْتَانًا: بہتان باندھ کر، ظلم سے۔

اَفْضٰى: پہنچ گیا، مل گیا۔یعنی تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو۔

مِيْثَاقًا: عہد، وعدہ۔ غَلِيْظًا: پکا، سخت، شدید، محکم۔

مفہوم ومطلب: حقوق نسواں کی نگہداشت

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسوم وعاداتِ جاہلیت سے روکا۔یتیموں اور وراثت سے متعلق جاہلی رسم و رواج کو مٹا کر اسلامی اندازِ فکر کی بنیاد رکھی۔اسی انداز میں یہاں بھی ان آیات میں عورتوں سے متعلق ایک اور قبل از اسلام دستور کو منسوخ قرار دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں میں یہ دستور تھا کہ میّت کے وارث اس کی بیوہ کو غیر جگہ نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، بلکہ اس عورت کو مجبور کر کے خود ہی اس سے نکاح کر لیتے، یا کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دیتے اور مہر کی رقم ساری یا کچھ حصہ، خود لے لیتے۔ یا چاہتے تو کسی سے اس کا نکاح ہی نہ کرتے۔ بجائے عورت کے رشتہ داروں کے خود ولی اور مالک بن جاتے۔اس جاہلی دستور کو ختم کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

[1] صحیح البخاري:۴۵۷۹، وسنن أبي داود:۲۰۸۹

فرمایا کہ جاہلیت کا رسم ورواج ختم ہوگیا۔اب اسلامی اور قرآنی دستور کا نفاذ ہوگا۔ایمان والوں کے لیے یہ بات قطعاً جائز نہیں کہ وہ بیوہ عورتوں کے زبردستی وارث بن جائیں۔عورت کے بارے میں یہ ذہن غلط قرار دیا گیا کہ وہ بھی مال اور جائیداد کی طرح میراث میں لی جاسکتی ہے۔فرمایا کہ عورت انسانی حقوق سے محروم نہیں کی جاسکتی۔اسے اور اس کے گھر والوں کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے نکاح کر لے۔میت کے وارثوں کو اس معاملے میں کوئی حق نہیں پہنچتا۔

پھر فرمایا کہ بعض اپنی مطلقہ عورتوں کو دوسری جگہ نکاح سے اس لیے منع کرتے تھے کہ ان کے مہر کی رقم سے کچھ وصول کرلیں یا انھیں دوسری جگہ نکاح بالکل نہ کرنے دیتے تھے،تاکہ ان کی موت کے بعد ان کی جائیداد کے خود وارث ہوں۔فرمایا کہ یہ ذہن بھی غلط ہے۔مومنوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مطلقہ عورتوں کے نکاح ثانی میں رکاوٹ پیدا کریں اور اس رکاوٹ سے ان کا مقصد یہ ہو کہ عورت تنگ آ کر انھیں مہر کی رقم کا کچھ یا سارا حصہ دے دلا کر اپنی خلاصی کرائے۔اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ لالچ اور مال کی خاطر عورتوں کو خواہ مخواہ اتنا تنگ نہ کرو کہ مہر کی رقم یا کچھ پلے سے دے کر تمھاری رفاقت چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

البتہ اگر عورت سے کوئی صریح خلاف شرع بات ہو جائے یا بدکرداری کی مرتکب ہو،مثلاً خاوند کی نافرمانی کرے،بدخلقی اور بدزبانی سے پیش آئے یا اسی طرح کی کوئی اور ناشائستہ حرکت کر بیٹھے تو پھر مرد کو اختیار دیا کہ اگر عورت اسے کچھ رقم دے کر خلاصی چاہے تو وہ یہ رقم لے لے۔نافرمانی کی صورت میں مرد کو روکنے اور ڈانٹ ڈپٹ اور زجر وتوبیخ کا بھی اختیار دیا۔

مقصد یہ ہے کہ مرد ناجائز طور پر جور وظلم نہ کر پائے لیکن ساتھ ہی خاص حالات میں اجازت بھی دے دی تاکہ گھر میں مرد کی سربراہی قائم رہ سکے۔

ان باتوں کے ساتھ مرد کو حسن معاشرت اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا۔اسلام بہر حال یہ چاہتا ہے کہ مرد اپنی بیوی سے اچھا برتاؤ کرے۔گفتگو،بول چال،رہن سہن سب باتوں میں بڑا خوبصورت اور خوش کن انداز اختیار کیا جائے۔مرد کا سلوک حسنِ کردار اور حسنِ سیرت کا آئینہ دار ہو۔خود آنحضرت ﷺ کو یہ بات بڑی مرغوب تھی کہ عورت سے حسنِ سلوک کیا جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔'' اور فرمایا کہ ''میں تم سب کی نسبت اپنی گھر والیوں کے حق میں بہتر ہوں۔''[1]

---

[1] سنن الترمذی:۳۸۹۵ و سنن ابن ماجہ:۱۹۷۷

اچھے برتاؤ اور حسنِ سلوک کے بعد ہی فرمایا کہ اگر تمھاری طبیعت کوئی بات پسند نہیں کرتی یا تمھیں اپنی بیوی کی کوئی ادا ناپسند ہو یا تم اس کو نفرت وحقارت سے دیکھتے ہو تو عین ممکن ہے کہ تمھارا یہ نقطۂ نظر اور رجحان غلط ہو اور تمھاری دانست اور نظر کی کوتاہی کا سبب ہو کہ تم اسے پسند نہیں کرتے۔ اس لیے صبر اور استقامت سے کام لینا بڑا ضروری ہے، تاکہ جلدی میں بلکہ دھوکے میں کوئی غلط قدم نہ اٹھنے پائے۔ پھر فرمایا کہ عین ممکن ہے جسے تم بظاہر ناپسند کرتے ہو اسی میں تمھارا فائدہ اور بھلائی پوشیدہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت جو تمھاری نظر میں قابل نفرت ہے اس کے بطن سے اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی صالح اور خوش بخت اولاد عطا کر دے جو تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت کا موجب ہو۔ یا اس کی قسمت کا مال ودولت اور رزق تمھیں مل رہا ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ اگر تم ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی کرنا چاہو تو پہلی بیوی کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ مت لو۔ فرمایا کہ خواہ کتنی بڑی رقم اور کتنا زیادہ مال تم اپنی بیوی کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لینا حرام ہے۔ البتہ خُلع کی حالت میں جائز ٹھہرایا ہے۔

شریعت میں مہر کی رقم مقرر نہیں ہے۔ ہر شخص کے اقتصادی اور مالی حالات پر منحصر ہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رقم مقرر اور محدود کرنا چاہی تو ایک عورت نے اعتراض کرکے یہی آیت پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات مرد کے لیے قطعاً غیر مناسب اور ناواجب ہے کہ وہ جور وظلم اور افترا و بہتان سے یہ رقم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ عورت پر جھوٹا الزام لگا کر اور بہتان باندھ کر مال واپس لینا بڑے گناہ کی بات ہے۔ عربوں میں ایسا کرتے تھے کہ عورت کو چھوڑنا چاہتے تو پہلے الزام لگا کر اسے بدنام کرتے، پھر یہ توقع رکھتے کہ یہ خلاصی چاہنے کے لیے خود کچھ پلے سے دے جائے گی۔ ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ تم کو یہ مال لینا کسی صورت بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ تم نے آپس میں میاں بیوی کی زندگی بسر کی ہے۔ ایک دوسرے کے شریک مسرت رہ چکے ہو۔ باہمی رفاقت اور مصاحبت سے اپنی زندگی کو پُر لطف اور خوشگوار بنا چکے ہو۔ ایک دوسرے کی تسکین وراحت کا موجب بننے اور زندگی کے لطف اٹھانے کے بعد تو تمھیں قطعاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم مہر میں سے کچھ بھی واپس لو۔ مزید برآں تم نے عقد نکاح کے وقت پکا وعدہ کیا تھا کہ مہر ادا کرو گے اور بیوی کی ضروریات کے کفیل بنو گے۔ اس عہد میں اللہ کی

[1] عبدالرزاق، المصنف: ۱۰۴۲۰؛ البیہقی، السنن الکبریٰ: ۱۴۳۳۶/۶

ضمانت ہے۔ یہ نکاح اللہ کے حکم کے مطابق ہوا۔ اس عہد و میثاق کا بھی یہی تقاضا ہے کہ تم کوئی چیز بھی بیوی سے واپس نہ لو۔

اسلام کے احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے اجازت دی ہے کہ اگر زندگی میں کوئی ایسا نازک موڑ آ جائے کہ میاں بیوی کی جدائی اور علیحدگی ناگزیر ہو جائے تو فرمایا کہ ایسی المناک صورت میں بھی بہتان طرازی اور افترا پردازی سے بچنا بڑا ضروری ہے۔ بے شک جدا ہو جاؤ لیکن خوبصورتی کے ساتھ۔ بے شک طلاق دے دو لیکن بغیر الزام تراشنے کے، نہایت عمدگی اور شائستگی سے۔ دیے ہوئے مال میں سے کوئی چیز واپس مت لو، بلکہ ہو سکے تو ﴿تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَانٍ﴾[1] پر عمل کرو۔ طلاق کے وقت بھی مرد فیاضی اور فراخدلی سے کام لے۔ حسن سلوک کرے۔ جو کچھ بن پڑے اور دے۔

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾	اور مت نکاح کرو تم ان سے جن عورتوں سے نکاح کیا تمھارے باپوں نے مگر جو گزر چکا، بے شک یہ ہے بے حیائی اور غضب کا کام اور بُری ہے راہ۔

آیت: ۲۲۔ تشریح الفاظ

لَا تَنۡكِحُوۡا: نَكَحَ يَنۡكِحُ سے فعل نہی، جمع مذکر حاضر۔ نکاح مت کرو، نکاح میں نہ لاؤ۔

مَا: کا مفہوم ہے مَنۡ۔ سَلَفَ: گزر چکا، ہو چکا۔

فَاحِشَةً: بے حیائی کا کام، بہت بُری بات، قباحت کی بات۔

مَقۡتًا: اللہ کے غصے اور ناراضی کا کام، غضب کا موجب، قابل نفرت۔

سَآءَ: (مضارع، يَسُوۡءُ) بری ہے۔ سَبِيۡلًا: راہ، رستہ، طریقہ۔

مفہوم و مطلب: باپ کی بیوی سے نکاح کی ممانعت

عربوں میں یہ دستور تھا کہ باپ کی وفات کے بعد سوتیلا لڑکا ماں کا وارث ہوتا۔ اگر وہ چاہتا تو اس سے خود نکاح کر لیتا اور اس طرح سوتیلی ماں کو اپنی بیوی بنا لیتا اور اگر اسے ضرورت نہ ہوتی تو کہیں اور نکاح کر دیتا۔[2]

---

[1] البقرہ: ۲/ ۲۲۹

[2] القرطبی، التفسیر، النساء: ۲۲

جب انصاری صحابی ابوقیس بن اَسلت رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہا۔ اس عورت نے یہ بات پسند نہ کی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ! یہ میرے خاوند کا لڑکا ہے۔ میں اسے بیٹا شمار کرتی ہوں۔ اب یہ باپ کی وفات کے بعد مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی کہ پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا، اب باپ کی منکوحہ سے کوئی سوتیلا بیٹا نکاح نہیں کر سکتا۔[1] فرمایا کہ سوتیلی ماں سے نکاح کرنا بڑی بے حیائی کی بات ہے۔ آخر وہ تمھارے باپ کی بیوی ہے۔ اللہ کے نزدیک اس قسم کا نکاح بڑی ناراضی اور غضب کا موجب ہے۔ یہ طریقہ نہایت بُرا ہے۔ یہ دستور، یہ رسم ورواج قابل مذمت ونفرت ہے۔

باپ کی بیوی سے نکاح کرنا، عقلی، شرعی اور معاشرتی طور پر بُرا ہے۔ کوئی عقل، کوئی شریعت اور کوئی معاشرہ اس فعلِ قبیح اور دستور بد کو قبول نہیں کر سکتا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

حرام کی گئی ہیں تم پر مائیں تمھاری اور بیٹیاں تمھاری اور بہنیں تمھاری اور پھوپھیاں تمھاری اور خالائیں تمھاری اور بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی اور مائیں تمھاری جنھوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمھاری دودھ کی اور مائیں تمھاری عورتوں کی اور وہ لڑکیاں تمھاری جو پلی تمھاری گود میں، ان بیویوں تمھاری سے تم داخل ہوئے ساتھ جن کے، پس اگر نہیں ہوئے تم داخل ساتھ ان کے تو نہیں کوئی گناہ تم پر اور عورتیں تمھارے بیٹوں کی جو تمھاری پشت سے ہیں اور یہ کہ تم اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو کچھ کہ گزر چکا، بے شک اللہ ہے بخشنے والا رحم کرنے والا۔

---

[1] الطبرانی، المعجم الکبیر: ۲۲/ ۳۹۳ والبیہقی، السنن الکبری: ۱۳۹۱۷

آیت:۲۳۔تشریح الفاظ

حُرِّمَتْ: حرام ٹھہرائی گئیں۔حرام کر دی گئیں۔ اُمَّھَات: (واحد، اُمٌّ) مائیں۔

بَنَات: (واحد، بِنْتٌ) لڑکیاں، بیٹیاں۔ اَخَوَات: (واحد، اُخْتٌ) بہنیں۔

عَمَّات: (واحد، عَمَّۃٌ) پھوپھی، باپ کی بہن، نیز دادا کی بہن، نانا کی بہن۔

خَالَات: (واحد، خَالَۃٌ) خالہ۔ اَرْضَعْنَ: (رَضَعَ) باب افعال، دودھ پلانا۔

رَبَائِبُکُمْ: (رَبَائِبُ ، کُمْ) (واحد، رَبِیْبَۃٌ) تمھاری بیوی کی لڑکی جو کسی پہلے خاوند سے ہو۔

حُجُوْرِ: (واحد، حِجْر) گود، یعنی جسے تم نے پرورش کیا اور پالا ہے۔

دَخَلْتُمْ: تم داخل ہوئے۔تم نے صحبت کی۔تم علیحدگی میں ملے۔ جُنَاح: گناہ۔

حَلَائِل: (واحد، حَلِیْلَۃ) بیوی، زوجہ۔ اَصْلَاب: (واحد، صُلْب) پشت، پیٹھ۔

تَجْمَعُوْا: تم جمع کرو، مراد یہ ہے کہ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حرام ہے۔

مفہوم ومطلب: کن عورتوں سے نکاح حرام ہے؟

نکاح کے سلسلے میں گزشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ باپ کی منکوحہ سے سوتیلے بیٹے کو نکاح کرنا حرام ہے۔ اب اس آیت میں وہ تمام عورتیں اور رشتے ایک ایک کر کے گن دیے جن سے نکاح حرام ہے۔فرمایا کہ اسلامی شریعت میں ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ان کو محرمات نسبی کہتے ہیں۔اسی طرح دودھ کا رشتہ رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا نام لے کر حرام کر دیا۔صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''دودھ کے بھی وہ سب رشتے حرام ہیں جو پیدائش اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔''[1] آیت مذکور میں ساس اور سوتیلی بیٹی سے نکاح حرام ٹھہرایا گیا۔

ماں کے زمرے میں دادی اور نانی بھی ہیں۔ان سے بھی نکاح حرام ہے۔بیٹیوں کے زمرے میں پوتیاں اور نواسیاں بھی شامل ہیں۔بہنوں میں باپ کی بیٹی اور ماں کی بیٹی دونوں شامل ہیں۔پھوپھی میں اپنی پھوپھی اور باپ کی پھوپھی وغیرہ بھی شامل ہیں۔خالہ میں نانی کی بہن بھی شامل ہے۔بھائی کی بیٹی اور بہن کی بیٹی سب سے نکاح حرام ہے۔

ولادت کے رشتوں کے ساتھ رضاعت یعنی دودھ کے وہی سارے رشتے حرام قرار دیے گئے۔

---

[1] صحیح البخاری:۵۱۱۰؛ صحیح مسلم:۱۴۴۴

حدیث میں آتا ہے کہ ''رضاعت سے وہ سب عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب اور پیدائش سے ہیں۔''[1]

بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکی بھی مرد کے لیے حرام ہے۔ رَبِیْبَہ سے مراد ہے کہ وہ لڑکی جو تمھاری بیوی ساتھ لائی ہے اور تم نے اسے پرورش کیا ہے۔ اس کے مفہوم میں بیوی کی ساری اولاد (یعنی بیٹی چاہے) چھوٹی ہو، بڑی ہو، شامل ہے۔ صلبی بیٹوں کی بیویوں سے بھی نکاح شادی حرام کر دیا۔ متبنّیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح حرام نہیں ہے، کیونکہ منہ بولے بیٹے کو اسلام نے حقیقی بیٹے کا درجہ نہیں دیا۔

اسلام میں یہ بھی حرام ٹھہرایا کہ ایک مرد دو بہنوں کو اکٹھا نکاح میں رکھے۔ ایک صحابی کے نکاح میں دو بہنیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اسے حکم دیا کہ ''جو اِن سے ایک پسند ہو رکھ لو اور دوسری چھوڑ دو۔''[2] بہنیں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی، اس طرح بیوی کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنا بھی حرام ٹھہرایا۔[3] نکاح کی کوئی صورت بھی ہو خواہ ایک عقد میں دونوں سے یا ایک ساتھ دو عقد میں، یا الگ الگ سب صورتیں حرام ہیں۔ اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں نہیں آسکتیں، خواہ مکان اور رہائش الگ الگ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس میں بھی کوئی جھگڑا نہیں کہ خواہ دونوں بہنیں ایک ماں باپ سے، یا فقط باپ سے، یا فقط ماں سے سب صورتوں میں جمع کرنا حرام ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

آیت کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو حرمت و ممانعت سے پہلے گزر چکا سو گزر چکا، وہ سب اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا، وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا	اور حرام کر دی گئیں بیاہی ہوئی عورتیں مگر جس کے
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ	مالک ہوئے تمھارے دائیں ہاتھ، فرض ہے اللہ کا تم
وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا	پر اور حلال ہوئیں تم کو جو ان کے سوا ہیں، یہ کہ طلب
بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ	کرو تم اپنے مال سے نکاح میں لانے کے لیے نہ کہ
فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ	زنا کاری کے لیے، پس جن سے لطف اندوز ہوئے تم

---

[1] صحیح البخاری: ۵۲۳۹ و صحیح مسلم: ۱۴۴۵

[2] سنن الترمذی: ۱۱۲۹۔ کوئی بھی حرام رشتہ جو ہو چکا ہو معلوم ہونے پر اسے ختم کرایا جائے گا، جیسے ابھی اوپر حدیث گزری ہے۔

[3] صحیح البخاری: ۵۱۰۹ و صحیح مسلم: ۱۴۰۸

أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ان عورتوں میں سے پس دو ان کو ان کے مہر مقرر شدہ اور نہیں گناہ تم پر جو ٹھہرا لو تم آپس کی رضا سے مقرر کیے پیچھے۔[۱] بے شک اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

آیت: ۲۴۔ تشریح الفاظ

اَلْمُحْصَنَات: واحد، مُحْصَنَةٌ (حصن سے) شادی شدہ عورتیں، بیاہی ہوئی عورتیں۔ نکاح کے بعد عورت کی عفت وعصمت محفوظ ہو جاتی ہے۔ وہ عفیفہ اور پاک دامن رہتی ہے۔ اپنے شوہر کی حفاظت اور نگہداشت میں اس کی عفت ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ ہوتی ہے۔ اِحْصَان چار مشہور معنوں میں قرآن میں استعمال ہوا ہے: (۱) شادی نکاح، جیسا کہ یہاں آیا ہے۔ (۲) عفت،[۲] (۳) حریت و آزادی،[۳] (۴) اسلام میں داخل ہونا، مسلمان ہو جانا۔[۴] فرمایا کہ تمام منکوحہ، بیاہی ہوئی اور شوہروں والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: یہ اللہ کا حکم تم پر فرض ہے۔ یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اس نے اس کی اطاعت تم پر فرض کر دی ہے۔

مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: مذہبی اور دینی جہاد میں جو قیدی عورتیں تمھارے ہاتھ آئیں۔ خدا کی راہ میں جنگ کرتے وقت دشمن کی جو عورتیں اسیر ہو کر تمھارے قبضہ میں آ جائیں وہ تمھارے لیے حلال ہیں۔

مَاوَرَآءَ: (مَا، وَرَآءَ) مَا بمعنی جو، وَرَآءَ بمعنی سوا، علاوہ۔

تَبْتَغُوْا: (ب غ ی) باب، اِفتعال، اِبْتَغٰی یَبْتَغِیْ سے جمع مذکر حاضر۔ تم چاہو، تم طلب کرو۔

بِاَمْوَالِكُمْ: (بِ، اَمْوَالِ، كُمْ) اپنے مال سے، یعنی خرچ کر کے، مراد عورتوں کے مہر ادا کر کے۔

مُحْصِنِيْنَ: (ح ص ن) باب افعال، اَحْصَنَ يُحْصِنُ سے، شادی نکاح کی خاطر، پاکدامنی کی غرض سے۔ عفت کے لیے۔ غَيْرَ: نہ، بغیر۔

---

[۱] یعنی تم مہر مقرر کر لینے کے بعد باہمی رضامندی سے کچھ کمی بیشی کر لو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

[۲] جیسا کہ سورۂ نور کی آیت: ۴ میں ہے۔

[۳] جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت: ۲۵ میں ہے۔

[۴] جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت: ۵ میں ہے۔

مُسَافِحِيْنَ: (س، ف، ح) سِفَاح: بمعنی زنا، بدکاری۔ سافَحَ: بدکاری کرنا۔ مُسَافِح: زانی، بدکار۔ یعنی شادی بیاہ کا مقصد زنا اور بدکاری نہ ہو، بلکہ نکاح کرکے متاہل زندگی بسر کرتے ہوئے عفیف و پاکدامن رہنا مقصود ہو۔[1]

فَمَا: بمعنی فَمَنْ، وہ عورتیں۔

اِسْتَمْتَعْتُمْ: (م ت ع) اِسْتِمْتَاع، باب استفعال، متع سے، بمعنی تمتع حاصل کرنا، فائدہ اٹھانا کام میں لانا۔ لطف اندوز ہونا، حظ اٹھانا، محظوظ ہونا۔ یعنی جن عورتوں کو شادی نکاح کرکے تم نے بیوی بنالیا ہے۔

اُجُوْر: (واحد، اَجْر) مہر۔

فَرِيْضَة: مقررہ۔

جُنَاح: مضائقہ، حرج، تنگی، گناہ۔

تَرَاضَيْتُمْ: (ر ض ی) تم آپس میں راضی ہو جاؤ۔ ایک دوسرے کی رضا اور خوشی سے مقرر کرلو۔ یعنی مہر مقرر کرنے کے بعد میاں بیوی آپس میں رضامندی اور خوش دلی سے مہر میں کمی بیشی کر سکتے یا بالکل چھوڑ سکتے ہیں۔ ایسے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مفہوم و مطلب: شوہروں والی عورتوں سے نکاح کی حرمت

پچھلی آیت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا فہرستِ محرمات کے ساتھ یہ بھی حکم صادر فرمایا کہ وہ عورتیں بھی نکاح کے لیے حرام کر دی گئی ہیں جو شادی شدہ ہیں اور ان کے شوہر موجود ہیں۔ البتہ دشمن کی ایسی عورتیں مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں جو دینی لڑائی اور جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مسلمان مجاہدوں کے ہاتھ آئیں وہ لونڈیاں ہوں گی اور ان کے شوہر اگر زندہ بھی ہوں تو یہ اسیر اور قیدی عورتیں مسلمانوں کے لیے اپنی منکوحہ بیوی کی طرح حلال ہوں گی۔ اس حکم کی اہمیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم لکھ کر تمھارے لیے فرض کر دیا ہے۔ یہ آیت جنگِ اَوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[2]

نکاح کی شرط، مہر کی ادائیگی

پھر فرمایا کہ ان محرمات نسبی اور محرمات رضاعی اور شوہر والی عورتوں کے علاوہ تم جس سے چاہو مہر ادا کرکے نکاح کرلو۔ نکاح کا مقصد بھی بتایا کہ پاک دامنی اور عفت کے ساتھ متاہل زندگی بسر کی جائے۔ ایک خاندان اور گھر آباد ہو اور میاں بیوی ایک دوسرے کے غم اور خوشی کے شریک ہوں۔ ان کا مفاد ایک ہو۔

---

[1] مراد محض شہوت رانی نہ ہو جیسے زنا میں ہوتا ہے۔ بلکہ شادی کا مقصد عفت و عصمت کی حفاظت ہو۔

[2] صحیح مسلم: ۱۴۵۶ و سنن أبی داود: ۲۱۵۵

خوشگوار اور سکون وراحت کی زندگی کو مقصود نکاح قرار دیا۔ فرمایا کہ نکاح سے یہ مقصد ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ چند دن کے لیے جنسی جذبات کی تسکین کر لی جائے اور بس۔ قرآن نے اسی چند روزہ جنسی تسکین کو شہوت رانی اور زنا کاری سے تعبیر کیا ہے۔ نکاح کا اصلی مقصد سکون وراحت اور عفت وپاکدامنی قرار دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم نکاح کے بعد لطف اندوز ہوتے ہو ان کے مہر پورے پورے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر تمھاری آپس میں خوب بن آئے اور زندگی خوش گواری اور حسن سلوک سے بسر ہو تو میاں بیوی باہمی سمجھوتے اور رضا مندی سے مہر کی رقم میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ اگر بیوی از خود اپنی خوشدلی سے مہر کی ساری رقم بھی چھوڑ دے اور خاوند بھی اس احسان کو گوارا کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر بیوی مہر کی رقم ہبہ کر دے تو پھر رجوع نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ جتنے اصول وضع کیے ہیں ان میں انسانوں کی بہتری مضمر ہے۔ یہ سب حکم اس خدا کے نازل کیے ہوئے ہیں جو بڑا باخبر اور حکمت والا ہے۔

بعض نے اس آیت سے مسئلہ متعہ اخذ کیا ہے۔ جمہور علمائے اسلام، تمام اہل سنت فقہاء، صحابہ اور تابعین سب کے نزدیک متعہ حرام ہے۔[1]

بعض اسلامی ممالک میں استرقاق یعنی غلاموں کی خرید وفروخت کا رواج اب تک پایا جاتا ہے۔ یہ قطعاً درست نہیں ہے۔ قرآن کا نظریہ ملک یمین تو یہ ہے کہ دشمن کی وہ عورتیں جو مذہبی لڑائی میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں وہ لونڈیاں اور بیویاں بن سکتی ہیں۔ ان سے حسنِ سلوک کا حکم ہے۔ لیکن مسلمان عورتوں بلکہ بعض اوقات شریف اور آزاد مسلمان عورتوں کو اغوا کر کے مال تجارت سمجھ کر خرید وفروخت کرنا اسلامی اصول کے صریح خلاف ہے۔[2]

وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ ؕ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ	اور جو کوئی نہ رکھے تم میں سے مقدور یہ کہ نکاح کرے آزاد مومن عورتوں سے تو ان میں سے جو مالک ہوئے تمھارے دائیں ہاتھ یعنی لونڈیاں تمھاری ایمان والی اور اللہ خوب جانتا ہے تمھارے ایمان کو، تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو پس نکاح

---

[1] النووی، شرح مسلم: ۹/۱۷۹-۱۸۲

[2] کسی آزاد مرد یا عورت کو زبردستی غلام یا لونڈی بنانا گناہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۲۲۷)

اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾	کرو ان سے اذن سے ان کے مالکوں کے اور دو ان کو مہران کے حسبِ دستور پاک دامن ہوں نہ کہ زنا کار اور نہ ہوں پکڑنے والیاں یار، پس جب وہ نکاح میں آجائیں پس اگر وہ کریں زنا تو ان پر ہے آدھی سزا جو کہ ہے آزاد عورتوں پر، یہ ہے اس کے لیے جو ڈرے تکلیف سے تم میں سے اور یہ کہ تم صبر کرو بہتر ہے واسطے تمھارے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

آیت: ۲۵۔ تشریح الفاظ

لَمْ يَسْتَطِعْ: (ط و ع) باب اِستفعال ہے۔ اِسْتَطَاعَ يَسْتَطِيْعُ، طاقت رکھنا، کرسکنا۔ يَسْتَطِيْعُ سے پہلے لَمْ آنے سے يَسْتَطِعْ بن گیا۔ (بمعنی نفی جحد یعنی نہیں) کر نہ سکے، طاقت نہ ہو۔

طَوْلًا: تونگری، فراخی، وسعت، مقدور، مال، فضل وقدرت۔

فَتَيَات: (واحد، فَتَاة) مذکر (فَتٰی) لونڈی، باندی۔

اَخْدَانٍ: (واحد، خِدْنٌ) دوست، یار۔

اِذْن: اجازت، حکم۔

مُحْصَنَاتٍ: پاکدامن، عفیفہ۔

غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ: (مذکر، غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ) بدکاری نہ کرنے والی۔

اُحْصِنَّ: جب نکاح میں آجائیں۔ پاکدامن ہو جائیں۔ اسلام قبول کرلیں۔

خَشِيَ: ڈرنا۔

اَلْعَنَتَ: تکلیف، گناہ میں ملوث ہونا، مشقت، مراد زنا ہے۔

مفہوم ومطلب: لونڈیوں سے نکاح

نکاح کے سلسلے میں ایک حکم یہ نازل ہوا کہ جو مرد آزاد، معزز اور شریف گھرانے کی ایماندار عورت سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کو اجازت ہے کہ باندی یا لونڈی سے نکاح کرلے۔

پھر وضاحت فرمائی کہ لونڈیاں اور باندیاں وہ جو تمھارے کسی مومن بھائی کے قبضے اور ملک میں ہیں، کیونکہ اپنی مملوکہ باندی سے تو نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر قبضہ اور ملکیت ہی نکاح کے حکم میں ہے اور وہ پہلے ہی حلال ہے۔ اس باندی کو مومنہ کہہ کر کتابیہ باندی سے نکاح کی ممانعت

کر دی۔

غیر کی باندی سے نکاح کے لیے اس کے ولی اور مالک کی اجازت اور اذن بھی ضروری ہے۔ان کو مہر بھی دینا ہے اور ان کی تعداد چار سے زیادہ بھی نہیں ہو سکتی۔

اسلام کی یہ عین خواہش ہے کہ معاشرہ پورا اسلامی ہو۔اسی لیے فرمایا کہ مومنہ باندی سے نکاح کر لو۔ اسلام کا نظریہ یہی ہے کہ آئندہ نسلیں خالص اسلامی ماحول میں تربیت پا کر اسلام کو حقیقی معنوں میں سمجھیں اور قرآن وسنت پر صحیح طریق اور مخلص جذبے سے عمل کر سکیں۔جس گھر میں دو متضاد اور مخالف عقیدے براجمان ہوں اس گھر کے نوعمر افراد خالص اسلامی ذہن، خالص قرآنی توحید اور اسلامی عبادات وعقائد کے صحیح اور حقیقی تصور سے یقیناً محروم رہیں گے۔

ان مومنہ باندیوں کے ضمن میں مزید صراحت کی کہ چلن اور سیرت وکردار کی عمدگی ضروری ہے۔وہ باندیاں پاکدامن ہوں۔نکاح سے ان کا مقصد باعفت متاہل زندگی بسر کرنا ہے۔ان میں بدکاری کا جذبہ نہ ہو۔نہ تو کھلے بندوں زنا کرنے والی ہوں اور نہ چوری چھپے یار بنائیں۔بدکاری کے دونوں طریقے ممنوع قرار دیے۔کھلم کھلا زنا کاری اور آشناؤں سے چوری چھپے ملاقاتیں سب کا قلع قمع کر دیا۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ باندیاں نکاح میں آجانے کے بعد زنا اور بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا آزاد اور شریف عورتوں سے آدھی ہوگی۔سنگساری اور رجم کی بجائے منکوحہ لونڈیوں کے لیے ارتکاب زنا کی صورت میں پچاس کوڑوں کی سزا ہے اور چھ ماہ کے لیے شہر بدر کر دی جائیں گی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہر بدر کرنا حد میں نہیں ہے، بلکہ امام المسلمین یا قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔[1]

پھر آخر میں فرمایا کہ باندیوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے جو اپنے جنسی جذبات پر قابو نہ پا سکے اور اسے ڈر ہو کہ کہیں بدکاری اور زنا کا شکار نہ ہو جائے۔اگر صبر کر سکے اور جنسی جذبات کو قابو میں رکھ سکے، بدکاری سے بچا رہے تو یہ بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کے ذکر پر آیت کو ختم کیا۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ باندی سے تین شرائط پر نکاح کی اجازت دی گئی ہے:

۱۔ مُحْصَنہ مومنہ (آزاد مومن خاتون) سے نکاح کی استطاعت نہ ہو۔

۲۔ خوفِ عَنَت ہو۔یعنی تجرد کی زندگی باعث تکلیف ومشقت ہو اور جنسی جذبات کا شکار ہو جانے کا خدشہ ہو۔

---

[1] القرطبی، التفسیر، النساء:۲۵

۳۔ باندی مومنہ ہو اور اس کا مہر بھی ادا کیا جائے اور نکاح اس کے مالک کی اجازت سے ہو۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾	چاہتا ہے اللہ کہ کھول کر بیان کرے تمھارے لیے اور چلائے تم کو ان (نیک لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے تھے اور معاف کرے تم کو اور اللہ ہے جاننے والا حکمت والا۔
وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾	اور اللہ چاہتا ہے کہ متوجہ ہو تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی کہ تم جھک جاؤ جھکنا بہت۔
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾	چاہتا ہے اللہ کہ ہلکا کرے بوجھ تم سے اور پیدا کیا گیا انسان کمزور۔

آیات: ۲۶ تا ۲۸۔ تشریح الفاظ

يُرِيْدُ: اَرَادَ سے مضارع۔ ارادہ کرتا ہے، چاہتا ہے۔

لِيُبَيِّنَ: لِـ ، يُبَيِّنَ، ماضی بَيَّنَ، صاف بیان کرنا۔ کھول کر بیان کرنا۔ ل بمعنی تا کہ، مراد ہے کہ اللہ تمھارے دینی مصالح کو صاف بیان فرمادے اور حلت وحرمت کے احکام کی وضاحت کر دے۔

يَهْدِيَكُمْ: يَهْدِيَ كُمْ ، هَدٰى يَهْدِيْ، ہدایت کرنا، راستہ دکھانا، راہ پر چلانا۔

سُنَنَ: (واحد، سُنَّةٌ) طریقے، راہیں۔ یعنی تحریم وتحلیل کی راہیں، کیا کیا حرام ہیں اور کیا کیا حلال ہیں۔

مِنْ قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے، مراد ہے انبیاء ﷺ بھی، نیز اہل حق۔

يَتَّبِعُوْنَ: (اِتَّبَعَ يَتَّبِعُ اِتِّبَاع) باب افتعال، پیروی کرتے ہیں، پیچھے چلتے ہیں۔

الشَّهَوٰتِ: (واحد، شَهْوَةٌ) خواہشات، یعنی حرام خواہشیں۔ خواہشات کی پیروی کرنے والوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں اور بعض کے نزدیک زنا کار لوگ۔

تَمِيْلُوْا: مَالَ يَمِيْلُ مَيْلًا ، بمعنی جھکنا، راہ راست سے ہٹنا، راہ سے مڑ جانا۔ مطلب یہ ہے کہ تم بھی محرمات کا ارتکاب کرکے راہ راست سے بھٹک جاؤ اور انھی کی طرح گمراہ ہو کر خواہشات کے پیچھے لگ جاؤ۔

تا کہ دونوں برابر ہو جاؤ۔

یُخَفِّفَ: (خَفَّفَ) تخفیف کرنا، ہلکا کرنا، آسان کرنا۔یعنی شرع کے احکام آسان کر دے۔

ضَعِیْفًا: ناتواں، کمزور، ضعیف، یعنی آدمی خواہشوں اور عورتوں کے معاملے میں کمزور ہے۔صبر نہیں کر سکتا ہے اور یہ بے صبری اس کی فطرت اور خلقت میں ہے۔

مفہوم ومطلب: احکام الٰہی کا فلسفہ

گزشتہ آیات میں جو احکام بیان فرمائے تو اب ان کا فلسفہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام بے مقصد نازل نہیں فرما دیے۔ان کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ تمھاری زندگی کا صحیح لائحہ عمل تجویز کر دیا جائے۔دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس لائحہ عمل کے تمام گوشوں کو شرح وبسط سے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ان احکام کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ شرائع دین اور مصالح امور کی پوری پوری وضاحت ہو جائے۔تمھیں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ پہلی امتوں میں بھی کچھ پابندیاں تھیں اور ہر مرد ہر عورت سے شادی نکاح نہیں کر سکتا تھا۔ان احکام کی تفصیلات میں تمھاری راہنمائی مطلوب ہے۔تا کہ تم بھی گزشتہ نیک قوموں کی طرح فلاح وکامرانی حاصل کر سکو۔جب تم احکامِ الٰہی کی اطاعت کرو گے تو اللہ تم پر خوش ہو گا اور تمھاری لغزشوں اور خطاؤں سے درگزر فرما دے گا۔ یہاں اللہ نے دعوت دی کہ لوگ اس کے حضور میں استغفار کریں، تا کہ وہ ان کو معاف کر دے۔

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ بندے توبہ کریں اور وہ ان کی توبہ قبول فرما لے۔لوگ اللہ کو بلائیں اور اللہ ان کی طرف متوجہ ہو۔لیکن اس کے برعکس خواہشات کے بندے یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان راہِ راست سے دور ہٹ جائیں۔خواہشات کے بندوں میں یہود ونصاریٰ بھی شامل ہیں اور مجوسی وآتش پرست بھی۔اسی زمرے میں وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور فسق وفجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔حرص وآز کے بندے، زناکار، بدقماش سبھی خواہشات اور مزے کی زندگی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی جتایا کہ بوقت مجبوری لونڈی سے نکاح اس لیے جائز قرار دیا گیا تا کہ تمھاری مشقت وتکلیف کو دور کر دیا جائے۔اس کا مفہوم عام بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں آسانی رکھی ہے۔کسی شخص کو اس کی بساط سے زیادہ تکلیف نہیں دی: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [1] ''جتنا بوجھ کوئی اٹھا سکے اتنے ہی کا وہ مکلف ہے۔'' دین واضح ہے۔شریعت میں ہر

---

[1] البقرۃ: ۲/۲۸۶

شخص کی سہولت اور آسائش کا خیال رکھا گیا ہے۔اطاعت اور فرمانبرداری سے سب کام آسان ہوجاتے ہیں۔[1]

آخر میں فرمایا کہ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کی کمزوریوں کا احساس ہے۔وہ خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت کھاؤ تم مال اپنے آپس میں ناحق،مگر یہ کہ ہو تجارت رضا مندی سے آپس کی اور نہ قتل کرو اپنی جانوں کو، بے شک اللہ ہے تم پر مہربان۔
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾	اور جو کوئی کرے یہ کام زور سے اور ظلم سے تو عنقریب ڈالیں گے ہم اسے آگ میں اور ہے یہ اللہ پر آسان۔

آیات:۲۹ تا ۳۰۔تشریح الفاظ

لَا تَاْكُلُوْٓا: اَكَلَ يَاْكُلُ سے فعل نہی،جمع مذکر حاضر۔تم مت کھاؤ، نہ کھاؤ۔

بِالْبَاطِلِ:(بِ ، اَلْبَاطِلِ) ساتھ جھوٹ کے،باطل طریقے سے،ناحق۔

عُدْوَان: حد سے گزرنا،سرکشی،یعنی جور و ظلم سے۔

يَسِيْرًا: آسان،سہل۔

مفہوم ومطلب:حرام مال اور قتل جان کی ممانعت

وراثت کے مال کی تقسیم،حصے داروں کے حصوں کی ادائیگی،امانت کی واپسی،یتیموں کے مال کی نگہداشت، بوقت تقسیم قرابت داروں سے حسن سلوک،عورتوں کے مہر وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق اور حرام طریقے سے نہ کھاؤ۔ مال کھانے سے مراد ہے: مال حاصل کرنا اور لینا۔فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے کا مال ناجائز طریق سے چوری، غصب اور غبن کرکے دھوکا اور فریب دے کر، یا سود وغیرہ کے ذریعے نہ لے لے۔ ان تمام اقسام

---

[1] شرعی احکام انسانوں کی بساط کو ملحوظ رکھ کر ہی مقرر کیے گئے ہیں۔اسی لیے بساط اور مقدور کا تعین اور عذر اور عدم استطاعت کا فیصلہ بھی شریعت کی روشنی میں ہوگا۔ ہر شخص خود سے یہ فیصلہ نہیں کرسکتا۔

حرام خوری سے مومنوں کو روک دیا گیا۔ ''بَیْنَکُمْ'' آپس میں، یعنی مسلمان ناحق کسی کا مال نہ کھا جائے۔ اس میں خطاب تو مومنوں سے ہے لیکن غیر مسلموں کا مال بھی ناحق کھانا جائز نہیں ہے۔ البتہ تجارت سے فائدہ اٹھا کر کھاؤ پیو۔ تجارت میں بھی باہمی رضا مندی کو ضروری قرار دیا۔ جبر واکراہ جائز نہیں۔

تجارت کو اسلام نے بڑا بلند مقام دیا ہے۔ حدیث میں فرمایا کہ ''امانت دار تاجر کو قیامت کے دن انبیاء، صلحاء اور شہداء کی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا۔''[1]

اسلام نے کاروبار میں بددیانتی، دھوکا، فریب، جھوٹ اور دوسرے شیطانی حربے استعمال کرنے سے روک دیا۔ نیز فرمایا: ''تجارت تمھیں نماز سے غافل نہ کر دے۔''[2] تجارت اور کاروبار کے ذریعے روزی حاصل کرنا اسلام میں بڑا قابلِ قدر ہے۔

پھر فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ ایک مسلمان کا خون، مال اور عزت اللہ کے نزدیک بہت قابلِ احترام ہیں۔[3] آنحضرت ﷺ نے خونریزی سے منع فرمایا ہے۔[4] قتلِ نفس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اپنی جانوں کو گناہوں اور خدا کی نافرمانی سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ایک اور مفہوم یہ ہے کہ خودکشی سے روکا گیا ہے۔ حدیث میں بھی خودکشی کی بڑی سزا آئی ہے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے تمھارے مال وجان کی حفاظت کے لیے احکام نازل فرمائے ہیں۔ ساری کائنات میں فتنہ وفساد کا بیشتر باعث مال وجان کے بارے میں غلط روش ہوتی ہے۔ امن وامان اور صلح وسلامتی کی زندگی کے لیے قرآنِ مجید کا یہ سنہری اصول ہے کہ پرایا مال ناحق نہ کھاؤ۔ تجارت میں آپس کی رضا مندی ہو تو جھوٹ، فریب اور دھوکے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور قتلِ نفس یا خونریزی کی ہر شکل وصورت معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا کرتی ہے۔

پھر فرمایا کہ جو شخص سینہ زوری اور جور وظلم سے کسی کا مال ناحق کھا جائے یا قتل وخونریزی کرے تو اس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے آتشِ دوزخ میں پھینک دے گا اور یہ کام اللہ کے لیے بالکل آسان ہے، کوئی روکنے والا اللہ کو روک نہیں سکتا۔

---

[1] سنن الترمذی: ۱۲۰۹ وسنن ابن ماجہ: ۲۱۳۹

[2] النور: ۲۴/ ۳۷

[3] صحیح البخاری: ۶۷

[4] صحیح البخاری: ۶۷ وصحیح مسلم: ۱۲۱۸

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ	اگر تم بچتے رہو گے بڑے گناہوں سے جن سے تم منع
نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ	کیے جاتے ہو تو ہم دور کر دیں گے تم سے برائیاں
مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا﴿۳۱﴾	تمھاری اور ہم داخل کریں گے تم کو مقامِ عزت میں۔

آیت: ۳۱۔ تشریح الفاظ

تَجۡتَنِبُوۡا: جنب، باب افتعال۔ تم اجتناب کرو۔

كَبَآئِرَ: (واحد، كَبِيۡرَة) کبیرہ گناہ، بڑے بڑے گناہ، مثلاً قتل، زنا، چوری وغیرہ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ہلاک کرنے والے (کبیرہ گناہ) سات ہیں: شرک، قتل ناحق، جادو کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے بھاگنا، پارسا عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔[1]

تُنۡهَوۡنَ: (نَهۡی) مضارع مجہول، جمع مذکر حاضر۔ تم روکے جاتے ہو، منع کیے جاتے ہو۔

نُكَفِّرۡ: (كَفَّرَ يُكَفِّرُ تَكۡفِيۡرًا) باب تفعیل۔ ہم اتار دیں گے، دور کر دیں گے۔

سَيِّاٰت: برائیاں، تقصیریں، قصور۔ نُدۡخِلۡ: باب اِفۡعَال۔ ہم داخل کریں گے۔

مُّدۡخَلًا: داخل ہونے کی جگہ، مقام۔ كَرِيۡمًا: باعزت۔

مفہوم ومطلب: کبیرہ گناہوں سے اجتناب کا صلہ جنت ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا اظہار فرماتے ہوئے یہ خوشخبری سنائی کہ اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے جن سے تم کو روکا جاتا ہے تو اس کے انعام میں اللہ تعالیٰ تمھاری تقصیروں کو معاف فرما دے گا اور تمھیں باعزت جگہ میں داخل کرے گا۔

کبائر کی فہرست صرف قتل، زنا اور چوری تک ہی محدود نہیں بلکہ اوپر صحیح بخاری کی روایت نقل کی گئی ہے، جس میں سات ایسے کبیرہ گناہوں کو شمار کیا گیا ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ اکبر الکبائر یعنی بہت کبیرہ گناہ یہ ہیں: شرک، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی۔[2] ایک حدیث میں فرمایا کہ اکبر الکبائر یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالیاں دے اور وہ اس طرح کہ کسی کے ماں باپ کو گالیاں

[1] صحیح البخاری: ۲۷۶۶ و صحیح مسلم: ۸۹

[2] صحیح البخاری: ۵۹۷۶ و صحیح مسلم: ۸۷

دے اور وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالیاں دے۔[۱]

صغیرہ اور کبیرہ دونوں سے بچنا چاہیے۔ کبیرہ گناہ کے بعد استغفار لازمی ہے اور یہاں اس آیت میں فرمایا کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کی تقصیریں اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنے سے صغیرہ گناہ خود بخود بفضل خدا دور ہو جائیں گے۔[۲]

قرآن میں بھی یہی ہے: ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾[۳] یعنی نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

اس کا اجر یہ بتایا کہ قیامت کے دن ایسے مومن کو جنت میں بڑا باعزت مقام ملے گا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾	اور نہ تمنا کرو تم اس چیز کی فضیلت دی اللہ نے جس میں تم کو ایک دوسرے پر، مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور مانگو تم اللہ سے فضل اس کا، بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

آیت: ۳۲۔ تشریح الفاظ

لَا تَتَمَنَّوْا: (م ن ی) تَمَنّی باب تفعل سے فعل نہی، جمع مذکر مخاطب۔ تم ہوس مت کرو، تمنا مت کرو، آرزو نہ کرو۔

فَضَّلَ: مضارع يُفَضِّلُ (مصدر تَفْضِيْل) باب تفعیل۔ فضیلت دی، بڑائی دی۔

اِكْتَسَبُوْا: (کسب) اِکتساب، باب افتعال۔ اِكْتَسَبَ: اس ایک مرد نے کمایا۔ اِكْتَسَبُوْا: ان مردوں نے کمایا۔ اِكْتَسَبْنَ: ان عورتوں نے کمایا۔

وَسْـَٔلُوْا: (وَ، اِسْئَلُوْا) وَ بمعنی اور، اِسْئَلُوْا فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم مانگو، سوال کرو، طلب کرو۔

فَضْل: مہربانی، انعام، احسان، نعمت۔ فرمایا کہ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ بعض نے کہا کہ فضل سے مراد عبادت ہے۔ بعض نے کہا کہ نیک عمل کی توفیق، اللہ کی خوشنودی کے کام۔ دولت کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ الگ الگ اور مجموعی طور پر سب فضل میں شامل ہیں۔

---

۱ صحیح البخاری: ۵۹۷۳ و سنن أبی داود: ۵۱۴۱

۲ صحیح مسلم: ۲۳۳

۳ ھود: ۱۱/ ۱۱۴

مفہوم ومطلب: مرد اور عورت کا دائرہ عمل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تلقین فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کی بڑائی اور فضیلت دیکھ کر حسد نہ کیا کریں۔ ہر شے اللہ نے دی ہے۔ مردوں کے لیے ان کی قسمت اور نصیب ہے اور عورتوں کے لیے ان کا نصیب۔ بہر حال اللہ سے لَو لگاؤ اور ہر وقت اس کی مہربانی اور اس کے انعام واحسان کے طالب رہو۔ وہ ہر چیز کا دانا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کس کو کیا کچھ اور کتنا کچھ دینا ہے۔ یہ حسد اور خالی تمنا تو اللہ کی جناب میں بدگمانی ہے۔ اس سے بدظنی اور خیالی پلاؤ پکانے کی راہ کھلتی ہے، اس لیے اس قسم کی تمنا سے روک دیا۔ اس لیے بھی کہ یہ تمنا جور وظلم اور تعدی پر اکسا سکتی ہے۔

امام ترمذی نے حدیث بیان کی ہے کہ بعض عورتیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مرد جہاد میں جاتے ہیں، مال غنیمت بھی حاصل کرتے ہیں اور ثواب جہاد سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں، پھر ان کو دوسری فضیلت یہ حاصل ہے کہ میراث میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔[1] جس میں فرمایا کہ یہ حسد وبغض جائز نہیں، ہر ایک کا دائرہ عمل الگ ہے اور اسی کے متعلق اس کی تگ ودو ہوتی ہے، یہ اپنے اپنے نصیب اور حصے ہیں، جن سے ہر مرد اور ہر عورت بہرہ ور ہوتی ہے۔ مرد اور عورت کو اپنی اپنی قسمت اور حصے پر قانع رہنا چاہیے۔ دوسرے کی دولت یا دیگر خوبیوں پر حسد کی نگاہ ڈالنا جائز نہیں۔ اس سے سینے میں کئی روگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ انسان نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ البتہ دو شخصوں پر رشک جائز قرار دیا۔ ایک وہ دولت مند جو اپنی دولت کو راہ خدا میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ عالم جو اپنے علم سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔[2] فرمایا: کسی کو دیکھ کر جلنے اور خیالی تمنا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اللہ جو سب کو دیتا ہے، جو سب کا رازق ہے، اس سے اس کا فضل مانگتے رہا کرو۔ اللہ کو سوال بہت پسند ہے۔ یہ فرما کر طبقاتی جنگ کے ذہن کو ختم کر دیا۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ	اور ہر ایک کے لیے بنائے ہم نے وارث اس مال میں
وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ	جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے
فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي	اقرار باندھا تمھارے دائیں ہاتھ نے، پس دو ان کو

---

[1] سنن الترمذی: ۳۰۲۲

[2] صحیح البخاری: ۷۳ وصحیح مسلم: ۸۱۶

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ حصہ ان کا، بے شک اللہ ہے ہر چیز پر گواہ۔

آیت: ۳۳۔ تشریح الفاظ

مَوَالِيَ: (واحد، مَوْلٰی) اس کے بہت سے معانی ہیں، مثلاً آقا، آزاد کردہ غلام، ناصر و مددگار، ابن عم (تایا و چچا زاد)، پڑوسی وغیرہ۔ یہاں مراد ہے وارثین (عَصَبَہ)۔

عَقَدَتْ: باندھا، یعنی اقرار کیا، عہد کیا، گرہ باندھی۔

شَهِيْدًا: شاہد، گواہ، حاضر۔

مفہوم ومطلب: ترکہ کے وارثوں کا ذکر

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا مال ناحق کھانے سے روکا تھا، پھر فرمایا تھا کہ دوسروں کا مال ومتاع اور خوبیاں دیکھ کر حسد سے تمنا اور ہوس کا شکار نہ ہو جاؤ۔ اب اس آیت میں فرمایا کہ مال و دولت وراثت کے ذریعے بھی حاصل ہوتا ہے۔ مرد ہو یا عورت ہر ایک کو ہم نے وارث بنا دیا ہے۔ جب ماں، باپ یا کوئی ناتے والا اور قرابت دار مر جائے تو ہمارے ٹھہرائے ہوئے وارثین اس کی جائیداد اور مال متروکہ کو لیں گے۔

اس آیت میں حکم دیا کہ جن لوگوں سے تم نے قسم اور حلف کھا کر عہد و پیمان کیا اور اس کی تصدیق کی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر، ان کو حصہ دے دو۔ اسلام سے پہلے اور ابتدا کا یہ دستور کہ حلیف اور معاہد بھی وارث ہوتے تھے، منسوخ قرار دیا گیا۔

''عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ'' سے ایک وہ لوگ مراد ہیں جن سے زمانہ جاہلیت میں تم نے بذریعہ حلف اقرار کیا تھا کہ وہ تمھارے وارث ہوں گے۔ ایسے حلیفوں کو چھٹا حصہ دیا جاتا تھا۔ اسلام نے یہ وراثت ختم کر دی۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد مہاجرین ہیں جو ہجرت اور مؤاخات کے بعد انصاری بھائیوں کے وارث ٹھہرے تھے، لیکن بعد میں یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

میاں بیوی بھی ''عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ'' کے مفہوم میں آتے ہیں، کیونکہ وہ بھی عقد واقرار کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ وہ تمھارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس لیے کسی وارث کا حصہ نہ تو کم وبیش کرو اور نہ کسی وارث کو محروم کر دو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمھارا یہ ظلم اللہ سے چھپ نہیں سکتا، کیونکہ ہر شے اس کے رُوبرو ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾	مرد کفیل ونگران ہیں عورتوں کے، اس لیے کہ فضیلت دی اللہ نے ان کو ایک دوسرے پر اور اس لیے کہ وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال پس نیک عورتیں فرمانبردار ہیں محافظ ہیں غیر حاضری میں اس کی جو کہ محفوظ کیا اللہ نے اور وہ عورتیں کہ ڈرتے ہو تم ان کی بدخوئی سے پس سمجھاؤ ان کو اور چھوڑ دو ان کو تنہا بستروں میں اور مارو ان کو، پس اگر کہا مانیں تمھارا تو نہ تلاش کرو ان پر راہ (پٹنے کی)۔ بے شک اللہ ہے بلند اور بڑا۔
وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾	اور اگر ڈر ہو تم کو پھوٹ کا ان دونوں میں تو مقرر کرو ایک منصف مرد والوں سے اور ایک منصف عورت والوں سے، اگر دونوں چاہیں گے صلح کرانا تو توفیق دے گا اللہ دونوں کو،[1] بے شک اللہ ہے جاننے والا خبر رکھنے والا۔

آیات: ۳۴ تا ۳۵۔ تشریح الفاظ

قَوّٰمُوْنَ عَلٰی: (ق و م) واحد، قَوّام (مبالغہ) کفیل ونگران، متکفل ومحافظ، روزی اور حفاظت کا ذمہ دار، خوب قائم رہنے والے، حاکم، غالب ومسلط۔ یہاں مراد ہے کہ مرد عورتوں کے سر براہ اور ان کے نان ونفقہ اور حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اَنْفَقُوْا: اَنْفَقَ يُنْفِقُ اِنْفَاقًا، باب افعال، ماضی، جمع مذکر غائب۔ خرچ کیا، یعنی جو کچھ کہ مرد عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔

حَافِظَاتٌ: (واحد، حَافِظَةٌ) حفاظت کرنے والیاں۔

قَانِتَات: (قَنَتَ) اسم فاعل مذکر، قَانِتٌ، فرمانبردار، مؤنث واحد قَانِتَةٌ فرماں بردار عورت، حکم بردار عورت، یعنی اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں۔

---

[1] یعنی اللہ موافقت پیدا کردے گا۔

لِلْغَيْبِ: (لِ ، اَلْغَيْب) غیر حاضری میں، غائب ہونے کی حالت میں۔

بِمَا حَفِظَ اللهُ: اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ کیا، یعنی ان کے شوہروں کے ذریعے ان کی حفاظت کی ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس چیز کی حفاظت کرتی ہیں جس کو اللہ نے محفوظ کیا ہے۔ یعنی جب ان کے شوہر گھر سے باہر ہوتے ہیں تو وہ شوہروں کی اطاعت شعار اور فرمانبردار عورتیں اپنی عزت و ناموس اور خاوند کے مال و دولت کی نگہداشت اور حفاظت کرتی ہیں۔

تَخَافُوْنَ: تم خوف کرو، خوف بمعنی علم اور یقین استعمال ہوا ہے۔

نُشُوْز: عصیان، نافرمانی، سرکشی۔ نُشُوْز کے مفہوم میں سرکشی و نا فرمانی، تکبر و نخوت، زبان درازی اور کڑک کر بولنا، شوہر کو بنظرِ حقارت و نفرت دیکھنا سب شامل ہے۔

فَعِظُوْهُنَّ: (فَ ، عِظُوْ ، هُنَّ) پس تم نصیحت کرو ان کو، انھیں سمجھاؤ۔ عِظُوْا: (وَعَظَ يَعِظُ عِظَةً سے فعل امر، جمع مذکر حاضر) تم وعظ کرو، سمجھاؤ، ان کو اللہ کا خوف دلاؤ۔

وَاضْرِبُوْهُنَّ: اور انھیں مارو۔ یہاں مراد ہے ایسی ہلکی سی مار جو تکلیف دہ اور المناک نہ ہو۔

اَطَعْنَ: (ط و ع) اَطَاعَ يُطِيْعُ اِطَاعَةً جمع مؤنث غائب۔ اطاعت کریں۔

فَلَا تَبْغُوْا: (بغی) فَ ، لَا ، تَبْغُوْا ۔ پس نہ چاہو تم۔

سَبِيْلًا: طریق، راہ، کوئی راہ، ظلم سے مارنے کی ممانعت کر دی۔

خِفْتُمْ: (خوف) تم خوف کرو، ڈرو، تمھیں ڈر ہو، خدشہ ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک مخاطب حکام ہیں۔ بعض نے کہا کہ مخاطب ولی اور سرپرست ہیں۔

شِقَاقَ: خلاف، ضد، پھوٹ۔

بَيْنِهِمَا: دونوں کے درمیان، یعنی میاں بیوی کے درمیان۔

فَابْعَثُوْا: پس مقرر کرو۔ بَعَثَ سے فعل امر۔

حَكَمًا: ایک منصف۔

اِصْلَاحًا: صلح، دوستی، صلح کرانا۔

يُرِيْدَا: (اَرَادَ سے صیغہ مضارع، تثنیہ مذکر غائب) وہ دونوں چاہیں، یعنی میاں بیوی یا دونوں منصف۔

يُوَفِّقِ: (وفق) باب تفعیل۔ توفیق دے گا۔ موافقت اور سلوک پیدا کر دے گا۔

مفہوم و مطلب : سیاستِ منزل میں میاں بیوی کا مقام اور احکام معاشرت

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کی صلاحیت و استعداد وجہ سے عورت پر فضیلت دی ہے۔ وہ دولت و ثروت حاصل کرتا ہے۔ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے

عام طور پر عورتوں کی روزی اور نان ونفقہ کی کفالت مرد کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ صنف نازک کی حفاظت، دیکھ بھال اور نگرانی مرد ہی کرتا ہے۔ مرد ہی کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ میدان جہاد میں دین وملت اور وطنِ عزیز کے لیے لڑتا ہے۔ کاشتکاری، تجارت، صنعت و حرفت، سیاست اور جنگ وقتال کی سب ذمہ داریاں مرد پر عائد ہوتی ہیں۔ اس لیے اسے عورتوں کا کفیل ونگران اور سربراہ کہا گیا ہے۔

اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ عورت کسی فضیلت کی مالک نہیں ہے۔ اس کا اپنا منصب ومقام ہے۔ اس کی یہی فضیلت کچھ کم نہیں کہ وہ اپنی گود میں صنف نازک کے کفیل ومحافظ کو پرورش کرتی ہے اور اسے اچھی تربیت دے کر دین اور وطن کی خدمت کے لیے پروان چڑھاتی ہے۔

فرمایا کہ نیک بخت عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہیں۔ پھر دوسری خوبی ان میں یہ ہے کہ وہ خاوندوں کی غیر حاضری میں بھی اپنی عزت وناموس اور شوہروں کے مال و دولت کی حفاظت و نگہداشت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی حفاظت کا ذریعہ مردوں کو بنایا اور جب مرد گھر سے باہر ہو تو یہ فریضہ عورت کو سونپ دیا۔ عورت کی نیک بختی کی یہ علامت بتائی کہ وہ عزت وناموس کے معاملے میں بڑی غیرت منداور بہادر ہوتی ہے۔

گھر کی پُرامن زندگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ اسی جذبہ حکم برداری میں پورے معاشرے کی فلاح اور سعادت مضمر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہی فلسفہ معاشرت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''بہترین وہ عورت ہے جسے خاوند دیکھ کر خوش ہو۔ جب اسے حکم کرے تو وہ فرمانبرداری کرے اور جب خاوند گھر سے کہیں باہر جائے تو عورت اپنی ذات یعنی اپنی عزت وناموس کی اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔''[1] ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جب عورت پانچوں فرض نمازیں پڑھے، ماہ رمضان کے روزے رکھے، اپنی ناموس کی حفاظت کرے اور شوہر کی اطاعت کرے تو جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔''[2]

مرد کو سیاست منزل سمجھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم کو یقین ہو جائے کہ عورت بدخوئی اور نافرمانی کا اظہار کر رہی ہے تو پھر اسے وعظ ونصیحت سے سمجھاؤ اور خاوند کے حقوق بتاؤ اور اللہ کا خوف دلاؤ، اگر سمجھانے سے عورت سمجھ جائے تو بہتر اور اگر وہ بدستور بدزبانی کرے، کہا نہ مانے، تکبر ونخوت سے پیش آئے،

[1] سنن أبی داود: ۱۶۶۴۔ اسنادہٗ ضعیف
[2] ابن حبان، الصحیح: ۴۱۶۳ والطبرانی، المعجم الاوسط: ۴۵۹۸

یا نفرت سے منہ بسورے تو پھر اس کے لیے ایک نفسیاتی اور جذباتی قسم کی سزا تجویز کی اور مرد سے کہا کہ ذرا اس سے الگ تھلگ رہو۔ تھوڑی دیر کے لیے تم بھی جنسی طور پر منہ بسور لو۔ اپنے جذبات کو قابو میں رکھو اور جنسی میل جول موقوف کر دو۔

نفسیاتی لحاظ سے یہ بڑا کارگر حربہ ہے اور ایک حساس اور معزز و شریف عورت کے لیے کافی تنبیہ ہے اور اگر عورت بڑی ضدی اور ہٹ دھرم ہے اور اپنے شوہر کے بگڑنے کو بھی گوارا کر لے تو فرمایا کہ پھر اسے سزا کے طور پر معمولی سی مار پیٹ کر لو۔

سیاست منزل میں یہ بڑا نازک موڑ ہے۔ قرآن مجید نے یہ اجازت تو دے دی لیکن سنت رسول اللہ ﷺ اور حدیث پیغمبر علیہ السلام نے اس پر بڑی روک اور قدغن لگا دی۔ نبی کریم ﷺ کی گھریلو زندگی میں بھی ایسے نازک موڑ آئے، لیکن آپ نے زندگی بھر یہ طرز عمل اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ مرد کو نرمی، رحم دلی، فیاضی وفراخ دلی اور خوش دلی کی تلقین فرمائی۔ اس معاملے میں ہم سنت کے بہت زیادہ محتاج ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ سنت کا بلند مقام اور اس کی دینی اور معاشرتی اہمیت ایسے ہی مسائل سے واضح ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے تو فرمادیا کہ ﴿وَاضۡرِبُوۡهُنَّ﴾ کہ بستر کی علیحدگی اور ترک موالات سے بھی عورت درست نہ ہو تو پھر اسے مارو پیٹو۔ سنت سے ناواقف لوگ اس مہذب اور تعلیمی دور میں بھی عورتوں کو مال ڈھور کی طرح مارتے پیٹتے ہیں۔ لیکن حدیث دان اور سنت شناس لوگ جانتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے عورت سے حسن سلوک کے بارے میں کتنی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن کے اس واضح حکم کے باوجود ملاحظہ کیجیے کہ پیغمبر رحمت علیہ الصلاۃ والسلام کیا فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! تم اللہ کی لونڈیوں (یعنی عورتوں) کو مت مارو۔''[1] ایک حدیث میں فرمایا کہ ''بہترین آدمی وہ ہے جس کا گھر والی سے بڑا اچھا سلوک ہو۔''[2] اور وہ اسے اچھا کہے۔

ایک دفعہ جب کچھ عورتوں نے اپنے شوہروں کی مار پیٹ کے خلاف شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ لوگ اچھے مرد نہیں ہیں۔''[3] اسی طرح آپ نے آخری حج کے یادگار خطبہ میں عورتوں سے حسنِ سلوک کرنے اور ان کی آسائش وسہولت کا خیال رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی۔ آپ ﷺ نے اللہ کا خوف یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ عورتیں اسی طرح تمھارے رحم وکرم پر ہیں جس طرح قیدی اور محکوم ہوتے ہیں۔ ان کا ہر طرح

---

[1] سنن أبي داود: ۲۱۴۶ وسنن ابن ماجہ: ۱۹۸۵

[2] سنن الترمذي: ۳۸۹۵ وسنن ابن ماجہ: ۱۹۷۷

[3] سنن أبي داود: ۲۱۴۶

خیال رکھو۔ عورتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی اور مرد کی عزت کی حفاظت کریں اور مرد پر فرض ہے کہ وہ ان کے حقوق کا خیال رکھے اور دستور کے موافق طعام ولباس مہیا کرتا رہے۔ اور اگر کوئی عورت برائی کی ٹھان کر خاوند کی عزت کو خاک میں ملانا چاہے تو فرمایا کہ اسے ایسی ہلکی اور خفیف سی مار پیٹ کرلو کہ اس کے جسم پر نشان نہ پڑے۔''[1]

عورت کی عزت نفس کے پیش نظر اس مار پیٹ پر ایک اور بندش اور رکاوٹ لگاتے ہوئے عورت کے منہ پر مارنے سے ممانعت کر دی۔[2] اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ایک اور حدیث میں مار پیٹ کو روکنے کے لیے مرد کو غیرت اور شرم دلائی۔ فرمایا کہ ''مرد اپنی رفیقہ حیات کو غلام کی طرح مارتا پیٹتا ہے اور پھر اس کی رفاقت ومصاحبت سے لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔''[3] یعنی یہ دو چیزیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟!

بہر حال قرآن کا مقصد یہ نہیں کہ مرد ضرور بیوی کو پیٹے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ مرد کی سربراہی اور قیادت کو تسلیم کیا جائے اور اطاعت اور باہمی الفت ومحبت سے زندگی بسر کی جائے اور اگر کوئی نازک مرحلہ پیش آجائے تو بڑی احتیاط سے درجہ بدرجہ قدم اٹھایا جائے۔ اور آخری حد تک پہنچنے سے حتی الامکان بچا جائے۔ اس معاملے میں سنت رسول ﷺ ہمارے لیے چراغِ راہ ہے۔

پھر فرمایا کہ سیاست منزل کا یہ فلسفہ بھی سمجھ لو کہ اگر عورتیں اپنے شوہروں کی بات مان لیں اور اطاعت شعاری اختیار کرلیں، پھر ان پر جَور وظلم کی راہ اختیار نہ کرو۔ تمھیں ان پر زیادتی کا کوئی حق نہیں۔ جب نصیحت قبول کرلیں تو پھر مرد کو قطع تعلق یا مارنے کی اجازت نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر میاں بیوی میں جھگڑا طول پکڑ جائے، ضد اور مخالفت ومخاصمت حد سے بڑھ جائے تو پھر ان کے رشتہ دار ولی یا حاکمِ شہر دو منصف مقرر کر دے، ایک مرد کے گھر والوں سے اور ایک عورت کے گھر والوں سے، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کو صلح کی توفیق عطا کر دے گا۔ بعض کے نزدیک یہ مفہوم ہے کہ اگر شوہر اور بیوی صلح کی خواہش رکھتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ منصفوں کو صلح کرانے کی توفیق ارزانی کر دے گا۔ بہر حال اگر صلح کا جذبہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ حالات ضرور سازگار کر دے گا۔ مقصد یہی ہے کہ اصلاح احوال کی نیت ہو تو کام بن جائے گا۔

---

[1] صحیح مسلم: ۱۲۱۸ وسنن أبي داود: ۱۹۰۵

[2] سنن أبي داود: ۲۱۴۲

[3] سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۳

آیت ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات کو جانتا ہے اور ہمارے احوال وافعال سے اچھی طرح خبردار ہے۔ جو کوئی ظلم کرے گا اُس کا ظلم اللہ سے چھپ نہیں سکتا اور جو فراخدلی، فیاضی، کرم وعفو اور وسعت قلبی سے کام لیتے ہوئے درگزر کرے گا اس کا حال بھی اللہ کو خوب معلوم ہے۔ جزاوسزا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں اور جور وظلم کی راہ اختیار نہ کریں۔

اس ضمن میں ایک اہم بات قابل ذکر ہے کہ گھر کی خوشی ومسرت اور سعادت ولطف کا انحصار میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے اور قرآن مجید کا یہی مقصد ہے کہ یہ خوش گوار ماحول پیدا کیا جائے اور اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ مرد کی سربراہی اور حاکمیت وقیادت تسلیم کی جائے۔ اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ ہو۔ باہمی اعتماد اور اعتبار ہو۔ معمولی معمولی باتوں سے درگزر کیا جائے۔ ظن، وہم، گمان وغیرہ بدظنی پیدا کرتے ہیں، اس سے بچنا چاہیے۔ شکوک وشبہات کو راہ نہ دی جائے۔ بغض ونفرت کی جگہ محبت وخلوص پیدا کیا جائے۔ محبت میں اخلاص اور وعدوں میں صداقت سے خوشگواری میں اضافہ ہوتا ہے۔ گھر کا ہر کام باہمی مشورہ اور افہام وتفہیم سے طے پائے تو گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ بہترین اصول یہ ہے کہ دوسرے کے جذبات کا پورا احساس ہو اور درگزر کر کے بھول جاؤ۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ﴿۳۶﴾	اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو ساتھ اس کے کسی کو اور ماں باپ سے نیکی کرو اور قرابت والوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ قریبی سے اور ہمسایہ اجنبی سے اور ساتھی پاس والے سے اور مسافر سے اور جن کے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ، بے شک اللہ نہیں پسند کرتا اسے جو ہے تکبر کرنے والا اترانے والا۔
اۨلَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ وَيَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَيَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا	وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو دیا ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور تیار کیا ہے ہم نے کافروں کے لیے

مُّهِينًا﴿٣٧﴾ عذاب ذلیل کرنے والا۔

آیات:۳۶ تا ۳۷۔تشریح الفاظ

اُعْبُدُوْا: عَبَدَ يَعْبُدُ سے فعل امر، جمع مذکر حاضر۔تم عبادت کرو، بندگی کرو۔عبودیت کا عربی زبان میں مفہوم ہے: اختیار اور حکومت کے مالک کے سامنے خضوع واخلاص، تذلل وافتقار کا اظہار کرنا۔قلب و جوارح کے ساتھ اللہ کی بڑائی اور بزرگی کا اعتراف واحساس، توحید کا اقرار۔

لَاتُشْرِكُوْا: تم اس کا شریک نہ بناؤ۔ساجھی نہ ٹھہراؤ، مت شریک کرو۔

شَيْئًا: کسی کو، یعنی تمام چیزوں میں سے کسی چیز کو بھی اس کے برابر کا درجہ نہ دو۔خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی، زندہ ہو، یا مردہ۔یہ بھی مفہوم ہے کہ کسی قسم کا شرک خفی ہو یا جلی، نہ کریں۔

اِحْسَانًا: یعنی والدین سے حسن سلوک کرو۔خدمت گزاری، نرمی اور احترام سب احسان کے مفہوم میں شامل ہے۔

بِذِي الْقُرْبٰى: (بِـ ، ذِي ، الْقُرْبٰى) بِ بمعنی سے، ساتھ۔ذی اصل میں ذُوْ کی جری حالت ہے، بوجہ بِ کے۔القُرْبٰی بمعنی قرابت، یعنی قرابت والوں سے۔

الْجَار: پڑوسی، ہمسایہ، جمع کے لیے جِيْرَان۔الجارِ ذي القُرْبٰى: پڑوسی قرابت والا یا قریبی پڑوسی۔

الْجَارِ الْجُنُبِ: اجنبی پڑوسی، جو قرابت دار نہیں ہے۔

الصَّاحِبِ: رفیق، ساتھی۔ مُخْتَالًا: متکبر، غرور کرنے والا۔

بِالْجَنْبِ: پہلو کا، ساتھ والا، پاس والا، قریب کا۔الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ سے مراد رفیق سفر ہے۔بعض کے نزدیک اس سے مراد بیوی ہے اور بعض نے کہا کہ ہر وہ شخص جو کسی نفع کی امید پر ہر وقت تیرے ساتھ رہے۔

فَخُوْرًا: فخر کرنے والا، اترانے والا، اپنی خوبیوں کو بوجہ فخر جتانے اور شمار کرنے والا۔

يَبْخَلُوْنَ: (بَخِلَ يَبْخَلُ) وہ بخل کرتے ہیں۔بخل کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں خرچ نہیں کرتے۔

مفہوم ومطلب: دعوتِ توحید وعبودیت

گزشتہ متفرق احکام کے ذکر کے بعد یہاں فرمایا کہ جس اللہ نے تمھاری رہنمائی اور ہدایت کے لیے یہ

سب احکام اور ہدایات نازل کی ہیں اس کی الوہیت اور وحدانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی ذات واحد کی عبادت اور بندگی کرو۔ اسی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ اس کے حضور میں عاجزی اور افتقار کا اظہار ہو۔ توحید و اخلاص کا اقرار کرو۔ اسے معبود حقیقی تسلیم کرو۔ وہی مالک، خالق، رازق، انعام دینے والا اور احسان کرنے والا ہے۔ وہی دعا اور پکار سننے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ کوئی چیز اس کی شریک نہیں بن سکتی۔ اس کی بارگاہ میں ذرا سا شرک بھی روا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سب گناہ برداشت کر لیتا ہے لیکن شرک قطعاً گوارا نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں شرک کی بڑی تردید کی گئی ہے۔ فرمایا کہ مشرک کے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔[1] مشرک کو خدا معاف نہیں کرتا۔[2] شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔[3]

مشرکینِ عرب بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ انھیں اولیاء، شُفعاء اور وسائل قرار دیتے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے اَحبار، رُہبان اور مسیح ابن مریم کو ''اَرۡبَابٌ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ'' بنا لیا۔ اس قسم کا شرک ہو یا کسی اور نوع کا قرآن نے اس کی پُر زور مذمت کی اور کہا کہ دین اسلام میں شرک کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

والدین اور دوسرے لوگوں سے حسنِ سلوک کا حکم

دعوتِ توحید وعبودیت کے بعد والدین سے حسن سلوک کا حکم فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ خالق منان اور اللہ ذوالجلال کے شکر کے بعد ہمارے شکر اور احسان، نیکی اور حسن سلوک کے سب سے زیادہ مستحق ہمارے والدین ہیں۔ انھوں نے ہمیں پالا پوسا، تربیت دی، تعلیم دلائی، ہماری صحت وعافیت کا خیال رکھا۔ ہماری ضرورتوں کی کفالت کی۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم بھی ان سے حسن سلوک کریں۔ ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا:
﴿اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیۡکَ﴾[4] ''میرا شکر گزار بن اور اپنے ماں باپ کا شکر گزار بن۔''

حضرت نبی کریم ﷺ نے حدیث میں فرمایا کہ ''اللہ کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں ہے اور

---

[1] الانعام: ۶/ ۸۸

[2] النساء: ۴/ ۴۸

[3] لقمان: ۳۱/ ۱۳

[4] لقمان: ۳۱/ ۱۴

اللہ کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے۔"[1] قرآن مجید نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ "والدین کے سامنے اُف نہ کرو۔ انھیں جھڑکو نہیں۔ ان سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کرو۔ رحمت وشفقت کا اظہار کرنے کے لیے ان کے سامنے جھک جاؤ۔"[2] ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے۔"[3] دوسری جگہ فرمایا کہ "جنت تیری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔"[4]

ان سب باتوں کا ایک واضح مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں یہ بڑا گہرا رشتہ ہے۔ والدین تو اولاد کی شفقت پدری اور مہر مادری کی وجہ سے پرورش کرتے ہیں، لیکن اولاد جوان ہوکر والدین سے بے اعتنائی برتنے لگتی ہے۔ معاشرے کے باعزت قیام کے لیے ضروری تھا کہ ماں باپ کے بارے میں ہدایات جاری کی جائیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ معاشرے کے اور افراد و اشخاص بھی تمھارے حسن سلوک کا حق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ تمھارے قریبی رشتہ دار ہیں۔ یتیم اور مسکین و محتاج لوگ ہیں۔ قرابت دار ہمسائے یا قریبی پڑوسی اور اجنبی پڑوسی ہیں۔ تمھارا رفیق سفر اور راہ گیر مسافر تمھارے غلام اور لونڈیاں، تمھارے نوکر چاکر، ملازم، دوست احباب ان سب سے اچھا برتاؤ کرو۔ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ان سے نرمی برتو۔ یہ سب لوگ معاشرے میں تمھارے زیادہ قریب رہنے والے ہیں۔ ساتھ ہی فرمادیا کہ ان خوبیوں کے ساتھ تکبر، غرور اور نخوت کو پاس نہ آنے دو۔ اللہ تعالیٰ کو خدمت خلق تو پسند ہے لیکن تکبر اور غرور پسند نہیں ہے۔ اخلاق، دین، شریعت اور شہریت کا تقاضا تھا کہ قرآن مجید لوگوں کو یہ عمدہ ہدایات دے۔ یہ قرآنی تعلیم ہی کا خاصا ہے کہ اس نے اتنا بلند فلسفۂ حیات اور ایسے اچھے معاشرتی اخلاق پیش کیے ہیں۔

قرآنی فلسفۂ معاشرت میں تعاون، ہمدردی اور غمگساری کو بڑی اہمیت ہے۔ معاشرے کے ہر قابلِ اعانت طبقہ کا ذکر فرمایا کہ رشتہ داروں کے میل ملاقات سے عمر بڑھتی ہے اور رزق میں فراخی اور کشائش ہوتی ہے۔[5] اسی طرح پڑوسیوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ہمسایوں کے حقوق اور

---

[1] سنن الترمذی:۱۸۹۹

[2] بنی اسرائیل:۱۷/ ۲۳، ۲۴

[3] سنن ابن ماجہ:۲۲۹۱

[4] الالبانی، صحیح الجامع:۱۲۴۹

[5] صحیح البخاری:۲۰۶۷

ان سے حسن سلوک پر بڑا زور دیا ہے۔ مختلف حدیثوں میں فرمایا:

۱۔ جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی سے حسن سلوک کرے۔[۱]

۲۔ پڑوسی کو ایذا دینے سے بچتے رہو۔[۲]

۳۔ بخدا وہ شخص ایمان دار کہلانے کا حق دار نہیں جس کا پڑوسی اس کے ظلم و غضب اور شر سے محفوظ نہیں ہے۔[۳]

۴۔ پڑوسی کو اپنی دیوار پر شہتیر یا کڑی ڈالنے سے مت روکو۔[۴]

۵۔ جبریل علیہ السلام آ کر پڑوسی کے بارے میں اتنی تاکید کرتے ہیں کہ ڈر ہے کہ کہیں ہمسایہ جائیداد کا وارث قرار نہ دے دیا جائے۔[۵]

۶۔ ہمسائے کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تُو اسے قرض دے۔ اگر تجھ سے اعانت طلب کرے تو اس کی اعانت کر۔ اگر اسے کوئی ضرورت اور احتیاج ہو تو وہ پوری کر۔ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔ اس کی خوشی اور مسرت میں اسے مبارک دے اور غم میں تعزیت کر۔''[۶]

لونڈیوں اور غلاموں کے سلسلے میں پہلے بھی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں بڑی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''جو خود کھاؤ وہی انھیں کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی انھیں پہناؤ۔ اگر وہ راس نہیں آتے تو پھر انھیں دوسروں کے حوالے کر دو۔ اللہ کی مخلوق کو بے جا طور پر تکلیف مت دو۔''[۷] اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ ''ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔'' نیز فرمایا کہ ''اگر کام مشکل اور طاقت سے باہر ہو تو پھر ان کی اعانت کرو۔''[۸] ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ''غلاموں سے بُری طرح پیش آنے والا جنت میں

---

[۱] صحیح مسلم:۴۸

[۲] صحیح البخاری:۵۱۸۵ و صحیح مسلم:۴۷

[۳] صحیح البخاری:۶۰۱۶

[۴] صحیح البخاری:۲۴۶۳ و صحیح مسلم:۱۶۰۹

[۵] صحیح البخاری:۶۰۱۵ و صحیح مسلم:۲۶۲۴

[۶] الطبرانی، المعجم الکبیر:۱۹/ ۴۱۹ والالبانی، السلسلۃ الضعیفۃ:۲۵۸۷

[۷] أحمد بن حنبل، المسند:۱۶۴۹۰، والالبانی، السلسلۃ الصحیحۃ:۷۴۰

[۸] صحیح مسلم:۱۶۶۱

داخل نہ ہو سکے گا۔“[1] غرضیکہ غلاموں اور لونڈیوں سے حسن سلوک کی بڑی تلقین کی گئی ہے۔

تکبر اور بخل کی مذمت

پھر فرمایا کہ جو لوگ تکبر وغرور اور نخوت کا شکار ہو جاتے ہیں، ان میں بخل بھی آجاتا ہے۔ ایسے متکبر اور مغرور لوگ اللہ کی راہ میں یا اللہ کے حکموں کے مطابق خرچ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ خود بھی خرچ کرنے کی جگہ پر خرچ نہیں کرتے اور پھر اپنے عمل اور قول سے دوسروں کو بھی خرچ کرنے سے روکتے ہیں۔ مال و دولت اور علم وحکمت کے بارے میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں۔ ایسے فخر ومباہات کرنے والا اور علم ومال کو چھپانے والا آدمی خدا کی نعمتوں کا کفران اور ناشکری کرتا ہے اور انھی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾	اور وہ لوگ جو لوگوں کے دکھانے کو اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ یوم آخرت پر اور جو کوئی ہوا شیطان اس کا ساتھی، پس بہت برا ہے ساتھی۔
وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾	اور کیا ہے نقصان انھیں اگر وہ ایمان لائیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور خرچ کریں اللہ کے دیے میں سے اور اللہ ہے ان کو جاننے والا۔

آیات: ۳۸ تا ۳۹۔ تشریح الفاظ

رِئَآءَ: ریاکاری، دکھلاوا، دکھانا۔ قَرِيْنًا: ہم نشین، ساتھی۔

مَاذَا عَلَيْهِمْ: انھیں کیا نقصان پہنچتا ہے۔ انھیں کیا تکلیف ہے۔

مفہوم ومطلب: ریاکاری اور کفر

گزشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ فخر وغرور نے لوگوں کو اطاعت الٰہی سے روکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی بخیل بن گئے اور دوسروں کو بھی بخل کی دعوت دی۔ اس گروہ میں بخل کی بیماری تھی۔ زیر نظر آیت میں فرمایا کہ

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۱۔ إسنادہ ضعیف

ایک دوسرا گروہ ہے، وہ خرچ تو کرتا ہے لیکن خدا کی خوشنودی کے لیے نہیں، بلکہ ریا کاری اور نمائش کے لیے۔ اس گروہ کا ایمان نہ تو اللہ پر ہے اور نہ یوم آخرت پر۔ اگر یہ خدا پر ایمان رکھتے اور آخرت کو بھی مانتے تو پھر ان میں ریا کاری اور دکھلاوا نہ ہوتا، بلکہ اس کی جگہ اخلاص ہوتا اور خدا کی خوشنودی مدنظر ہوتی۔

ایمان اور اخلاص

فرمایا کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اخلاص پیدا کرتا ہے اور جب ایمان کا فقدان ہوتو پھر ریا اور نمائش آجاتے ہیں۔ مگر یہ تو شیطان کے پھندے میں گرفتار ہیں۔ وہی ان کا ساتھی اور ہم نشین ہے۔ شیطان انھیں گمراہ کرتا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ ایسا ساتھی یقیناً بہت برا ہے۔ شیطان کے پھندے سے نکلنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ لوگ دولتِ ایمان سے صحیح طور پر بہرہ مند ہوتے، اللہ کی توحید کو مان کر اخلاص سے اپنے سینے کو معمور کر لیتے، آخرت پر بھی ایمان رکھتے اور جزا و سزا کے قائل ہوتے، اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے تو کون سی آفت آجاتی۔ ان کو کیا نقصان پہنچ جاتا۔ ایمان لانے کے بعد اخلاص آتا۔ اخلاص سے اعمال کی قدر و قیمت بڑھ جاتی۔ (حدیث مبارکہ ہے:)

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) [1]

"اعمال کا دارومدار تو نیت پر ہے۔"

قرآن مجید نے بڑے اچھے انداز میں سرزنش بھی کی ہے کہ یہ لوگ عقلمند نہیں۔ عقلمند ہوتے تو اپنے فائدے کی بات سوچتے۔ ریا کاری اور کفر نقصان ہے۔ ایمان اور اخلاص میں منفعت ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾	بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا برابر ذرہ کے اور اگر ہوگی کوئی نیکی تو وہ دُوگنا کرے گا اسے اور دے گا اپنے پاس سے ثواب بڑا۔
فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾	پس کیا حال ہوگا جب ہم لائیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور لائیں گے ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہ؟

---

[1] صحیح البخاری: ۱، وصحیح مسلم: ۱۹۰۷

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾	اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے اور نافرمانی کی رسول کی، کاش! برابر کی جائے ان کے ساتھ زمین اور نہ چھپائیں گے اللہ سے کوئی بات۔

آیات: ۴۰ تا ۴۲۔ تشریح الفاظ

لَا يَظْلِمُ: نہیں ظلم کرتا، حق نہیں رکھتا، ناانصافی نہیں کرتا۔

مِثْقَالَ: (ث ق ل) وزن، برابر تول، بوجھ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کسی کی ذرہ بھر حق تلفی نہیں کرتا۔

يُضَاعِفْهَا: (ض ع ف) ضَاعَفَ يُضَاعِفُ، باب مفاعلۃ۔ دو چند کرنا، دوگنا کرنا۔

فَكَيْفَ: (فَ ، كَيْفَ) پس کیونکر ہوگا، کیا حال ہوگا، پھر کیسی کیفیت ہوگی۔

يَوْمَئِذٍ: اس دن۔

يَوَدُّ: (وَدَّ) آرزو کریں گے، چاہیں گے، خواہش کریں گے۔

عَصَوُا: (ع، ص، ی) عَصٰی يَعْصِيْ سے ماضی معروف جمع مذکر غائب، انھوں نے نافرمانی کی۔ واؤ پر پیش آگے ملانے کے لیے آیا۔

لَوْ: اگر، کاش۔

تُسَوّٰى: (س و ی) سَوّٰى سے مضارع مجہول، باب تفعیل۔ برابر کر دی جائے۔

يَكْتُمُوْنَ: (كَتَمَ ، يَكْتُمُ) چھپانا، مضارع، جمع مذکر غائب۔ لَا يَكْتُمُوْنَ: وہ چھپا نہ سکیں گے۔

مفہوم ومطلب: نیکی اور بدی کا بدلہ

ان آیات میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی کی ساری مخلوق ہے۔ جو کرے گا وہ بھرے گا۔ اس کے ہاں ذرہ بھر ناانصافی نہیں۔ کسی کا ذرا سا حق بھی مارا نہیں جائے گا۔ برائی کا بدلہ برابر ملے گا۔ سزا میں زیادتی اور ظلم قطعاً نہ ہوگا۔ البتہ جو لوگ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے کام کرتے ہیں ان کو اللہ جزا کے علاوہ اپنے پاس سے بطور انعام وتحسین دوگنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر دے گا۔ دس گنا سے لے کر سات سو گنا سے بھی زیادہ تک کا وعدہ ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا کہ جب قیامت کے دن حساب کتاب ہوگا تو ہر امت کا پیغمبر بطور گواہ پیش ہوگا، جو اپنے ماننے والوں کے حق میں اور مخالفوں کے خلاف گواہی دے گا۔ اس وقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی بطورِ گواہ پیش ہوں گے اور آپ ﷺ اپنے تمام مخالفین کی مخالفتوں اور دشمنیوں کی شہادت دیں گے۔[1]

[1] نیز یہ گواہی بھی دیں گے کہ انبیاء نے اپنی قوموں کو ٹھیک ٹھیک دین کی دعوت دے دی۔ (تفسیر بیضاوی، النساء: ۴۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت ان دشمنانِ اسلام کی کیا حالت ہوگی۔ عدالت ایسی کہ ناانصافی اور ظلم کسی پر نہ ہوگا۔ اللہ کی عادل اور منصف ذات فیصلہ کرنے والی، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایسے صادق، امین، اولوالعزم اور سیّد الانبیاء رسول شہادت دینے والے۔ ایسی نازک صورت میں ان کافروں، منافقوں اور مشرکوں کی کیا حالت ہوگی؟ قرآن مجید نے ان کی یہ حالت خود ہی بیان فرمادی کہ اس دن بڑی خوفناک اور ہولناک حالت ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کے نافرمان اور کافر یہ حالت دیکھ کر پکاریں گے کہ کاش! ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتے، زمین ہمیں نگل جاتی اور ہم زمین کی مانند خاک ہو جاتے تاکہ ہم سے باز پرس نہ ہوتی۔ دوسری جگہ کافروں کی یہی تمنا یوں بیان فرمائی:

﴿وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا﴾[1]

''قیامت کے دن کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہوتا۔''

قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر بڑے بڑے ظالم اور سرکش اپنی بے بسی اور لاچاری کی وجہ سے خاک ہونے کی تمنا کریں گے، لیکن اس وقت کچھ نہ بن پڑے گا اور چھپائے بھی کوئی بات چھپا نہ سکیں گے اور چھپائیں گے بھی کیسے؟! نامہ اعمال سامنے ہوگا، بلکہ ہاتھ میں۔ ہر بات اور ہر عمل تو فرشتے لکھتے رہے۔ خدائی ٹیپ ریکارڈ میں سب کچھ محفوظ کر دیا گیا۔ پھر اپنے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے اور عدالت ایسی ذات کی جو علیم وخبیر ہے۔ اب کون چھپائے اور کیسے چھپائے!

اس خفت وندامت اور عذاب اور دکھ سے بچنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم زندگی میں رسول خدا ﷺ کی اطاعت کریں۔ آپ کی نافرمانی سے بچیں، اپنے دل میں ایمان کی جوت جگائیں اور نورِ ایمان سے اپنی اور اپنے آس پاس کی دنیا کو روشن اور تابندہ کر دیں۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت نزدیک جاؤ نماز کے
وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	جب ہو تم مست یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہتے ہو
وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى	اور نہ بحالتِ جنابت مگر گزرنے والے راہ کے یہاں
تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى	تک کہ تم غسل کرلو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر میں یا آئے
سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ	کوئی تم میں سے جائے ضرور سے یا چھوا تم نے عورتوں

[1] النبا:۷۸/ ۴۰

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو پاک مٹی کا،[1] پھر مسح کرو اپنے منہ کا اور ہاتھوں کا، بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا۔

آیت: ۴۳۔ تشریح الفاظ

لَا تَقْرَبُوْا: (ق ر ب) جمع مذکر مخاطب، نہی معلوم۔ قریب نہ جاؤ، نزدیک نہ جاؤ۔

الصَّلٰوۃَ: نماز۔ علاوہ ازیں قرآنِ مجید میں صلاۃ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً بمعنی دعا، رحمت، ترحم، استغفار، قراءتِ دین، عبادت کی جگہ، مسجد وغیرہ۔[2]

سُکٰرٰی: (واحد، سَکْرَان) شرابی، نشہ کی حالت میں، مست۔

جُنُبًا: جنابت کی حالت میں، جنابت سے ہوتے ہوئے۔

عَابِرِیْ سَبِیْلٍ: عَبَرَ سے اسم فاعل، عَابِرِی اصل میں عَابِرِیْنَ تھا، مضاف ہونے کی وجہ سے نَ حذف ہوا۔ یعنی گزرتے ہوئے راہ پر، راستہ گزرتے ہوئے۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ اگر مسجد کے سوا گھر کا اور کوئی راستہ نہیں تو پھر اجازت ہے۔ حالت جنابت میں مسجد میں داخل نہ ہو مگر جبکہ راستہ مسجد سے گزرتا ہو۔ گھر آتے جاتے مسجد سے گزرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔ ایک مفہوم راستہ گزرنے والوں سے مسافر بھی ہے۔

تَغْتَسِلُوْا: غَسَلَ سے باب افتعال۔ نہانا، یعنی تم نہالو، غسل کرلو۔

مَرْضٰی: (واحد، مریض) بیمار۔

الْغَآئِطِ: نشیبی زمین، نچلی زمین۔ مراد ہے قضائے حاجت کی جگہ، یعنی جب کوئی قضائے حاجت کر کے آئے۔ حدیث بھی بطور کنایہ اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

لٰمَسْتُمُ: (لَمَسَ سے باب مفاعلة) چھونا، تم نے چھوا، ہاتھ لگایا۔ اس میں بدن کا بدن سے چھونا، بوسہ لینا اور خلوت میں بیوی سے ملنا سب شامل ہے۔ یہاں بطور کنایہ خلوت میں جنسی تعلقات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

الصَّعِیْدُ: مٹی، سطح زمین۔

فَتَيَمَّمُوْا: (ی م م) پس ارادہ کرو، قصد کرو۔ باب تفعّل جمع مذکر مخاطب، فعل امر۔ تیمم کرنا مراد ہے۔

---

[1] تیمم کے لفظی معنی قصد کرنا ہیں، یعنی وضو کے بجائے پاک مٹی سے تیمم کرنا یا طہارت کا قصد کرنا۔

[2] ملاحظہ ہو: مفرداتِ راغب اور غریب القرآن از سجستانی

وُجُوْہ: (واحد، وَجہٌ) چہرے۔ عَفُوّ: بہت معاف کرنے والا۔

مفہوم ومطلب: نماز اور طہارت کے احکام

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حالت نشہ میں نماز قطعاً ادا نہ کرو، کیونکہ مدہوشی کے عالم میں تمھیں معلوم نہیں کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ یہ حکم شراب کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امام ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے حرمت شراب سے پہلے دعوت میں شراب پلائی۔ بعد میں مدہوشی کے عالم میں صحابہ نے نماز پڑھ لی اور کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ چنانچہ یہ حکم نازل ہوا کہ شراب وغیرہ پی کر نماز مت پڑھو۔[1] بعض صحابہ نے اسی وقت شراب سے اجتناب شروع کر دیا۔ بعد میں شراب کو حرام قرار دے دیا گیا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو سوچ سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ اسی طرح اُونگھ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب نماز میں اونگھنے لگو تو پھر جا کر سو رہو۔ نیند سے اٹھے تو پھر نماز پڑھے تا کہ اسے معلوم ہو کہ کیا پڑھ رہا ہے۔“[2]

پھر فرمایا کہ جنبی بھی جنابت کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔ غسل جنا. ے بعد نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہونے اور گزرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ فقہاء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ حالت جنابت میں مسجد میں مت جاؤ۔
۲۔ اگر ضرورت ہو اور مسجد کے سوا کہیں اور پانی نہیں تو تیمم کر کے جاؤ۔
۳۔ مسجد میں جنبی کو صرف گزرنے کی اجازت ہے ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔
۴۔ بعض صحابہ کے مکان کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا اور اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ اس آیت میں ان کو گزرنے کی اجازت دی۔
۵۔ بعض نے کہا کہ مسافر ہو اور جنابت کی حالت ہو جائے اور پانی نہ ملے تو تیمم سے نماز پڑھا کرے، یہاں تک کہ پانی مل جائے۔[3]

---

[1] سنن أبي داود: ۳۶۷۱ وسنن الترمذي: ۳۰۲۶
[2] صحیح البخاري: ۲۱۲۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ تم میں سے کوئی ایک اونگھنے کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ شاید وہ اپنے لیے بخشش طلب کرتے ہوئے اپنے آپ کو گالی نکال بیٹھے۔
[3] القرطبي، التفسير، النساء: ۴۳ والشوكاني، نيل الأوطار: ۱/ ۲۸۷

پھر فرمایا کہ بیمار ہو اور پانی سے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہے، یا بوجہ ضعف پانی تک نہ پہنچ سکے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ سفر میں وضو کی ضرورت ہے یا بحالتِ جنابت نہانے کی ضرورت ہے یا قضائے حاجت کے بعد یا حدث وغیرہ کے بعد وضو کرنا ہے اور پانی نہیں ملتا تو پاک مٹی سے تیمم کر لے۔

مریض کے لیے تیمم جائز ہے جبکہ پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو۔ پانی ملنا اور نہ ملنا برابر ہے۔ پانی کے ہوتے ہوئے بھی اس کو تیمم کی اجازت ہے۔ البتہ مسافر حدث والے، قضائے حاجت والے اور بیوی سے خلوت میں ملنے والے کے لیے تیمم صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ اسے پانی نہ ملے۔ تیمم کے سلسلے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں:

۱۔ تیمم کے لیے پاک مٹی اور پاک زمین ہو۔

۲۔ دیوار پر بھی تیمم ہو سکتا ہے۔[۱]

۳۔ محدثین کے نزدیک تو ایک ہی مرتبہ ہاتھ مار کر منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔[۲]

۴۔ امام ابوحنیفہ، شافعی اور اوزاعی ﷭ کے نزدیک دو مرتبہ زمین یا مٹی پر ہاتھ ماریں۔ ایک مرتبہ منہ کے لیے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لیے۔[۳]

۵۔ ہاتھوں کی حدود میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ کلائی تک، بعض نے کہا: کہنیوں تک، ہاتھ پھیرتے وقت کہنیوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ بعض کے نزدیک کندھوں تک۔

بہرحال اسلام نے انسانوں کی سہولت مدنظر رکھی ہے۔ گزشتہ آیات میں ذکر تھا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ پھر برسبیل تذکرہ کئی چیزوں کا ذکر آ گیا اور والدین، رشتہ داروں، ہمسایوں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں سے حسن سلوک کو بھی عبادت کا حصہ قرار دیا۔ اب عبادت میں نماز بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا حکم دیا کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ بعد میں شراب کو قطعاً حرام قرار دے دیا گیا اور نماز کے سلسلے میں چند مانعات یعنی رکاوٹ پیدا کرنے والی چیزوں کا ذکر کر کے ان کے احکام بتا دیے۔

---

[۱] صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دیوار سے تیمم کیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۳۷) پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ دیوار یا جس بھی چیز سے تیمم کیا جائے اس پر غبار کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ چٹان سے بھی تیمم کے قائل ہیں، البتہ فقہ حنفی کے امام ابویوسف ﷫ اس کے قائل نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک غبار کا لگا ہونا شرط ہے۔
(الموسوعۃ الکویتیہ: ۳۱/ ۱۳۳، ۱۳۴)

[۲] صحیح البخاری: ۳۳۸، وصحیح مسلم: ۳۶۸

[۳] القرطبی، التفسیر، النساء: ۴۳ والنووی، شرح مسلم: ۴/ ۵۶

اسلامی شریعت میں تیمم کا مسئلہ بھی اللہ کی بڑی نعمت اور احسان ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ’’ہمیں دوسری امتوں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ ہمارے لیے مٹی کو ’’طَهُوْرٌ‘‘ پاک کرنے والی قرار دیا ہے۔‘‘[1] یعنی جب پانی نہ ملے تو ہم مٹی سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کر سکتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ اگر کوئی لغزش یا کوتاہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ وہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ یہ بھی اس کی کرم نوازی ہے کہ وہ ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾	کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو دیے گئے ایک حصہ کتاب کا، خریدتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھٹک جاؤ راہ سے۔
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾	اور اللہ خوب جانتا ہے تمھارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ حمایتی اور کافی ہے اللہ مددگار۔
مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾	بعض وہ لوگ جو یہودی ہیں بدل ڈالتے ہیں باتوں کو اپنی جگہ سے اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نہ مانا اور تو سن بغیر سنے جانے کے اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبانوں کو[2] اور طعن کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ کہتے: ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا اور تو سن اور ہم پر نظر کر[3] تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور زیادہ درست، لیکن پھٹکار دیا ان کو اللہ نے بسبب ان کے کفر کے، پس نہیں وہ ایمان لاتے مگر کم۔

---

[1] صحیح البخاری: ۳۳۵ و صحیح مسلم: ۵۲۱

[2] اپنی زبانوں کو مروڑ کر ’’رَاعِنَا‘‘ کو ’’رَاعِيْنَا‘‘ (ہمارے چرواہے) کہتے تھے۔ نعوذ باللہ!

[3] ’’اُنْظُرْنَا‘‘ (ہماری طرف دیکھیے)

آیات: ۴۴ تا ۴۶۔ تشریح الفاظ

اَلَمْ تَرَ: اَ بمعنی کیا، لَمْ بمعنی نہیں، نہ۔ تَرَ بمعنی دیکھا۔ تَرَ اصل میں تَرٰی تھا، رَاٰی یَرٰی سے مضارع واحد مذکر حاضر، لَمْ نے ی کو حذف کر دیا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا؟ کیا تو نے غور نہیں کیا؟

یَشْتَرُوْنَ: شَرٰی یَشْرِیْ سے باب افتعال۔ وہ مول لیتے ہیں، وہ خرید کرتے ہیں۔

الضَّلَالَۃَ: گمراہی۔ تَضِلُّوْا: ضَلَّ یَضِلُّ گمراہ ہونا۔ تم گمراہ ہو جاؤ۔ بہک جاؤ، بھٹک جاؤ۔

وَلِیًّا: (جمع، اَوْلِیَاء) دوست، حمایتی، ولی، سرپرست۔

نَصِیْراً: نَصَرَ یَنْصُرُ سے صفت مشبہ۔ مددگار۔ هَادُوْا: جو یہودی ہوئے۔

یُحَرِّفُوْنَ: حَرَّفَ باب تفعیل۔ تحریف کرتے ہیں، بدل ڈالتے ہیں، تبدیل کر دیتے ہیں۔

الْکَلِمَ: (واحد، کَلِمَۃٌ) کلمات۔ یعنی تورات میں آنحضرت ﷺ کی نعت و توصیف میں جو کلمات نازل ہوئے ہیں ان کو تبدیل کرتے ہیں۔ مَوَاضِعِ: وَضَعَ، واحد مَوْضِع۔ جگہ، مقامات۔

یَقُوْلُوْنَ: قَالَ یَقُوْلُ قَوْلًا۔ وہ کہتے ہیں۔ سَمِعْنَا: ماضی معروف، جمع متکلم۔ ہم نے سنا۔

عَصَیْنَا: جمع متکلم۔ ہم نے نافرمانی کی، حکم نہ مانا۔ اِسْمَعْ: تو سن۔ صیغہ امر، واحد مذکر حاضر۔

غَیْرَ مُسْمَعٍ: بغیر سنے جانے کے۔ بظاہر تو یہ کہتے کہ تو کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز نہ سنے۔ لیکن درحقیقت ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ تو سن درحالیکہ تو سنے نہیں۔ خبیث اور بد باطن لوگ بد دعا دیتے کہ تو بہرا ہو جائے۔ امام ابن جریر نے فرمایا کہ یہود اس لفظ کو "اسمع" کے ساتھ بغرض بد دعا از راہِ عداوت و استہزا کہتے تھے۔[1]

رَاعِنَا: بظاہر اس کے معنی ہیں: دیکھیں، ہماری طرف توجہ کریں۔ لیکن یہود یہ لفظ رَاعِنَا بولتے وقت زبان کو پیچ دیتے اور موڑ کر کہتے۔ عبرانی زبان میں رَاعِیْنَا بطور گالی استعمال کرتے تھے۔[2] قرآن نے اس لفظ سے روک دیا اور کہا کہ اس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہو۔

لَیًّا: موڑ کر، مروڑ کر، پیچ دے کر۔ پھیر کر۔

بِاَلْسِنَتِهِمْ: (بِ، اَلْسِنَۃِ، هِمْ) اپنی زبانوں کو (واحد، لِسَان)۔

---

[1] ابن جریر، التفسیر، النساء: ۴۶

[2] تفسیر جلالین میں "فی لغۃ الیہود" کے لفظ ہیں۔ (تفسیر جلالین، النساء: ۴۶)

طَعْنًا: عیب لگاتے ہوئے، طعن کرتے ہوئے۔ الدِّیْنِ: سے مراد اسلام ہے۔

اُنْظُرْنَا: ہماری طرف نظر فرمایئے۔

قَلِیْلًا: کم، تھوڑا۔ بعض نے کہا کہ تھوڑے لوگ ایمان لاتے ہیں اور بعض نے کہا کہ تھوڑا ایمان لاتے ہیں بعض نے کہا: کم ایمان سے مراد ہے کہ مطلقاً ایمان نہیں لاتے۔[1]

مفہوم ومطلب: اہل کتاب کی گمراہیوں کا ذکر

گزشتہ آیت میں نماز کے ضروری احکام وشرائط، طہارت جسمانی کے مسائل اور تیمم کی اجازت کا ذکر کیا۔ اب زیرِ نظر آیات میں فرمایا کہ اہل کتاب میں چند ایسی برائیاں اور عیوب پیدا ہوگئے تھے جن کی وجہ سے وہ اخلاقی، دینی اور شرعی طور پر برباد وہلاک ہوگئے۔ قرآن مجید نے اس لیے توجہ دلائی کہ مسلمان ان برائیوں کا شکار نہ ہوں اور ہدایت وحق پر قائم رہ کر دنیا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ فرمایا کہ شریعت، نبوت اور کتاب الٰہی کا مقصد انسان کی ہدایت ہے، لیکن اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو دیکھو کہ ان کا ذہن کتنا بگڑ چکا ہے۔

کتاب الٰہی (تورات اور انجیل) کا اصل مقصد رُشد وہدایت تھا، مگر اہل کتاب گمراہی کے دلدادہ ہیں۔ ہدایت کو چھوڑ کر غلط راہ پر گامزن ہیں اور لطف یہ ہے کہ خود گمراہ ہوکر اب دوسروں کی گمراہی کے درپے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی ان کی طرح راہ راست کو چھوڑ دیں اور گمراہ ہو جائیں۔ فرمایا کہ مسلمانو! یہ لوگ تمھارے دشمن ہیں۔ شاید تمھیں اس بات کا اتنی شدت سے احساس نہ ہو، لیکن اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ تمھارے دوست نہیں، دشمن ہیں۔ چونکہ اللہ تمھارا سرپرست، دوست اور حمایتی ہے، اس لیے وہ ان کے مقابلے پر تمھاری ہر طرح اعانت کرے گا اور تمھیں ان کے ارادوں سے خبردار کرتا رہے گا۔

یہود کی طرف سے گستاخی کے الفاظ

پھر فرمایا: یہودی بڑے بدباطن اور خبیث ہیں۔ اپنی کتاب تورات کو بھی پورے طور پر نہیں مانتے۔ اس میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے رہتے ہیں۔ جان بوجھ کر غلط تاویل اور غلط مفہوم بیان کرتے ہیں۔ حضرت نبی کریم محمد ﷺ کی جو تعریف وتوصیف تورات میں درج ہے اسے چھپاتے ہیں۔ تاویل میں فریب

[1] تفسیر ابن کثیر، البقرہ: ۸۸

اور دَجل سے کام لیتے ہیں۔ لفظوں کو آگے پیچھے کر دیتے ہیں۔

یہود کا دوسرا عیب یہ بتایا کہ وہ نہایت کمینے، رذیل اور خبیث النفس ہیں۔ جب پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو گفتگو کرتے وقت اور مسائل دریافت کرتے ہوئے بظاہر اچھے الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن نیت اور ارادہ برا ہوتا ہے۔ ذو معنی الفاظ بول کر برے مفہوم کی نیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے فرمایا کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی باتیں سن کر چپکے سے کہہ دیتے ہیں: ہم نے سنا اور نہ مانا۔ پھر کہتے ہیں: آپ سنیے اور ساتھ ہی ''غَيْرَ مُسْمَعٍ'' کہہ دیتے ہیں۔ بظاہر مفہوم یہ ہے کہ آپ کوئی ناخوشگوار بات نہ سنیں، لیکن دل میں ان کا ارادہ یہ ہوتا کہ آپ بہرے ہو جائیں اور ہماری بات نہ سن سکیں۔ یہ الفاظ عداوت و استہزا کے طور پر کہتے ہیں۔

اسی پر بس نہیں، ان کی بد باطنی کا یہ حال تھا کہ پھر رَاعِنَا کا غیر مہذب لفظ بولتے اور یہ لفظ بولتے ہوئے اپنی زبانوں کو موڑتے اور دل میں یہ ارادہ کرتے کہ اس کو رَاعِينَا بنالیں۔ یہ لفظ عبرانی زبان میں تحقیر اور گالی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس نازیبا حرکت کو بہت ناپسند فرمایا۔

اہل کتاب کو دعوت ایمان

قرآنِ مجید نے فرمایا کہ اگر بد باطن یہود ان ذو معنی الفاظ کو چھوڑ کر سیدھے سیدھے الفاظ استعمال کرتے، بات سن کر مان لیتے، اطاعت کا اقرار کرتے اور صرف وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا کہتے تو ان کے لیے دین و دنیا میں بہتر ہوتا اور یہی بات عدل و انصاف اور حق و ہدایت کی تھی۔ لیکن چونکہ انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ کفر و عناد اور سرکشی و انکار سے کام لیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ یہ اللہ کی رحمت سے محرومی تھی کہ یہود نے اپنی کتاب پر بھی پورا ایمان نہ رکھا اور یہ بھی لعنت کی نشانی تھی کہ ان میں سے کم لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے چند ایک نیک فطرت لوگ اللہ کی رحمت کے حقدار ہوئے اور دولتِ اسلام و ایمان سے بہرہ مند ہو سکے۔ یہ بھی رحمت الٰہی سے محرومی کی علامت ہے کہ یہود کو اپنی کتاب پر بھی بہت کم ایمان ہے۔ تورات میں لکھی ہوئی باتوں کو نہیں مانتے۔ تحریف خواہ لفظی ہو یا معنوی، تھوڑی ہو یا بہت، متن میں ہو یا مفہوم میں، بہر حال یہ اللہ کی رحمت سے محرومی کی دلیل ہے۔ [1]

---

[1] صحیح البخاری: ۳۳۲۹

ان آیات میں چند باتوں کا خصوصی ذکر کیا ہے:

۱۔ یہود جان بوجھ کر گمراہی اور کج روی اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۔ تورات میں تحریف کرتے ہیں۔

تحریف کے بارے میں علماء کی آراء اور خیالات حسب ذیل ہیں:

الف۔ ساری کتاب یا اس کا اکثر و بیشتر حصہ محرّف و مبدل ہے۔

ب۔ تحریف وتبدیل صرف تاویل میں واقع ہوئی تھی تنزیل میں نہیں۔

ج۔ صرف چند خفیف چیزوں میں کمی بیشی اور ردّ و بدل ہوا۔

۴۔ یہود بد باطن اور خبیث ہیں۔ ظاہر کچھ کرتے ہیں اور مراد کچھ اور لیتے ہیں۔

۵۔ اپنے کفر وعناد کے سبب یہود لعنتی قرار پائے اور اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔

ان باتوں کی طرف توجہ دلانے سے قرآنِ مجید کا مقصد یہ ہے کہ

۱۔ مسلمان ان برائیوں سے بچتے رہیں۔ راہِ راست اور جادۂ مستقیم کو نہ چھوڑیں، بلکہ دوسروں کو تبلیغ کے ذریعے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔

۲۔ قرآنِ مجید میں لفظی ومعنوی تحریف نہ کریں۔ قرآنی احکام پر چلیں۔ سارے قرآن پر ایمان رکھیں۔ قرآن کا ہر حکم مانیں، غلط مفہوم اور غلط تاویل سے اجتناب کریں۔

۳۔ ایسا کرنے سے اللہ کی رحمت کے مستحق ٹھہریں گے اور دولت ایمان و اسلام سے پورے طور پر بہرہ اندوز ہوں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

اے لوگو جو دیے گئے ہو کتاب! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا، تصدیق کرنے والا ہے اس چیز کی جو تمھارے پاس ہے، پہلے اس سے کہ ہم مٹا دیں چہروں کو پھر ہم پھیر دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ہم لعنت کریں ان کو جیسے لعنت کی ہم نے ہفتہ والوں کو اور اللہ کا حکم ہو کر رہا۔

آیت: ۴۷۔ تشریح الفاظ

اُوْتُوا الْکِتٰبَ: کتاب دیے گئے۔ کتاب والے، یعنی اہل کتاب، مراد یہود اور کتاب سے مراد تورات ہے۔
بِمَا نَزَّلْنَا: ساتھ اس کے جو نازل کیا ہم نے۔ یعنی قرآن مجید۔
مُصَدِّقًا: (ص د ق) صَدَّقَ یُصَدِّقُ تَصْدِیْق، باب تفعیل۔ تصدیق کرنے والا۔ سچا بتانے والا۔
لِمَا مَعَکُمْ: (لِ، مَا، مَعَ، کُمْ) واسطے اس چیز کے جو پاس ہے تمھارے۔ یعنی تورات وانجیل۔
مِنْ قَبْلِ: اس سے پہلے، یعنی بہت جلدی، فوراً۔
نَطْمِسَ: (طَمَسَ ماضی) مضارع، جمع متکلم۔ ہم مٹادیں، ہم محو کردیں۔ یعنی چہرے میں سے آنکھ ناک وغیرہ کو محو کردیں۔
فَنَرُدَّهَا: (ر د د)، (فَ، نَرُدَّ هَا) ہم پھیر دیں، لوٹا دیں۔ هَا بمعنی ان کو، یعنی چہروں کو۔
اَدْبَارِ: (واحد، دُبُر) پشت، پیٹھ، یعنی چہروں کو الٹا دیں۔ الٹ کر پیٹھ کی طرف کردیں۔
نَلْعَنَ: ہم لعنت کریں، پھٹکار کریں۔ لَعَنَّا: ہم نے لعنت کی۔
اَصْحٰبَ السَّبْتِ: ہفتے والے، سنیچر والے۔ اس سے مراد یہود ہیں۔ یہ یہودی مدین اور طور کے درمیان ایک ایلہ نامی بستی میں رہتے تھے۔ یہ بستی دریا کے کنارے واقع تھی۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اللہ نے ان کو آزمایا۔ مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے اوپر بکثرت آجاتیں اور باقی دنوں میں غائب رہتیں۔ یہ لوگ گڑھے کھود کر ہفتہ کو پانی اور مچھلیاں ان میں جمع کر لیتے اور پھر اتوار کو شکار کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرکشی اور نافرمانی کی سزا دی اور ان لوگوں کو بندر بنا دیا۔ یہ لوگ نافرمانی کی وجہ سے عذاب الٰہی کی ایک مثال بن گئے۔ سورۃ البقرہ آیت: ۶۵، ۶۶ اور سورۃ الاعراف، آیت: ۱۶۲-۱۶۶ میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔
مَفْعُوْلًا: (فَعَلَ) وہ جو ہو چکا۔ یعنی اللہ کا حکم اور قضائے الٰہی ایسی قطعی بات ہے کہ گویا واقع ہوگئی ہے۔

مفہوم ومطلب: یہود کی نافرمانی کا انجام

اہل کتاب بالخصوص یہودیوں کی گمراہی اور کج روی کا ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو دعوت دی کہ وہ قرآن مجید اور وحی محمدی پر ایمان لائیں۔ یہ دعوت توحید واخلاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآنِ مجید کی سب سے بڑی صداقت یہ ہے کہ وہ تورات کی پیش کردہ دعوت توحید، ایمان باللہ اور

ایمان بالآخرت کی تصدیق کرتا ہے۔ جملہ انبیاء اور تمام کتب سماوی کا مرکزی پیغام دعوتِ توحید تھی، سب نے یہی سکھایا اور بتایا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ وہی قادر اور مختار ہے۔ تمام اعمال کا مدار توحید الٰہی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآنِ مجید توحید و ایمان کے بارے میں تورات کی تصدیق کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہود کو چاہیے کہ جلد ایمان لے آئیں۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو پھر انھیں سزا بھگتنی پڑے گی۔ سزا کے ضمن میں اصحاب السبت کو مثال قرار دیا کہ ان لوگوں نے اللہ کا کہا نہ مانا تو اللہ نے انھیں انسانی شکل وصورت سے محروم کر دیا۔ ان کے چہرے مسخ کر دیے اور انھیں بندر بنا دیا۔

فرمایا کہ پیشتر اس کے کہ اس قسم کا عذاب ان پر نازل ہو، یہود کو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید پر ایمان لے آنا چاہیے۔ قرآن نے یہاں چہروں کے مسخ کرنے کے سلسلے میں فرمایا کہ پیشتر اس کے کہ ان کے چہرے مسخ کر دیے جائیں، ان کی شکلیں بگاڑ دی جائیں اور ان کے ناک، کان اور آنکھیں سب مٹا دیے جائیں اور ان کے مسخ شدہ چہرے پچھلی جانب پھیر دیے جائیں، ان لوگوں کا فرض ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ اصحاب السبت کی مثال تمھارے سامنے ہے۔ وہ لوگ دریا کے کنارے ایلہ کی بستی میں آباد تھے۔ انھیں حکم ہوا کہ ہفتہ کے روز مچھلی نہ پکڑیں۔ یہ عبادت کا دن ہے، اس دن شکار حرام ہے، لیکن یہودیوں نے ایک ایسی راہ نکالی کہ بظاہر ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار بھی نہ کھیلیں اور مچھلی بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ یہ حکم الٰہی کی صریح خلاف ورزی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں سزا دی اور بندر بنا دیا۔

فرمایا کہ اللہ کے حکم بجالاؤ۔ اگر نافرمانی کرو گے تو تم بھی اس سزا سے قطعاً نہیں بچ سکتے جس طرح کہ یہود نہ بچ سکے۔ لٰہذا ضروری ہے کہ صحیح اندازِ فکر پیدا کرو۔ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ پیدا کرو تاکہ عبرتناک سزا سے محفوظ رہ سکو۔ اگر اللہ نے کوئی حکم جاری کر دیا تو اس کی بات آخری، قطعی اور حتمی ہوتی ہے۔ کوئی اس کے حکم کو روک نہیں سکتا اور کوئی اس کے عذاب کو ٹال نہیں سکتا۔

تفاسیر میں مذکور ہے کہ اس آیت کو سن کر کعب اَحبار اور عبداللہ بن سلام ایسے عالم یہودیوں نے اسلام قبول کرلیا۔[1]

---

[1] البغوی، التفسیر، النساء: ۴۷

بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جلد ایمان لے آؤ ورنہ ہم تمھاری ترقی کو روک کر تمھیں پسماندہ اقوام میں شامل کر دیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مفہوم جلاوطنی اور جزیرۃ العرب سے اخراج ہے۔[1]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ	یقیناً اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شرک کیا جائے ساتھ اس کے اور
مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ	بخشتا ہے سوائے اس کے جس کے لیے چاہے۔ اور جس
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾	نے شریک کیا اللہ کا تحقیق باندھا اس نے طوفان بڑا۔

آیت: ۴۸۔ تشریح الفاظ

يُشْرَكَ: (ش ر ك) اَشْرَكَ يُشْرِكُ اِشْرَاك، باب افعال۔ شریک ٹھہرانا، شریک بنانا، شریک کرنا۔
يُشْرَكَ: مضارع مجہول، واحد مذکر غائب۔ شریک ٹھہرایا جائے۔ شرک کیا جائے۔ يُشْرِكْ: مضارع معلوم، واحد مذکر غائب، شرک کرے۔

مَادُوْنَ ذٰلِكَ: جو سوائے شرک کے ہے، یعنی شرک کے سوا باقی گناہ۔

اِفْتَرٰى: (ف ر ى) باب افتعال اِفْتَرٰى يَفْتَرِيْ اِفْتِرَاء، ماضی معروف، واحد مذکر غائب۔ جھوٹ باندھا، بہتان باندھا۔ اِثْمًا: گناہ۔

مفہوم و مطلب: شرک کی مذمت اور باقی گناہوں کی مغفرت

اس آیت میں واضح اور صاف طور پر فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کے سوا ہر جرم اور ہر گناہ کے بخشنے کا وعدہ کیا ہے۔ البتہ شرک اللہ کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

جمہور سلف اور عام اہل السنت کا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو تو اس کے کبیرہ گناہ بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف فرما دے گا، اگرچہ اسے توبہ کا موقع نہ مل سکا ہو۔ اس کی مغفرت اللہ کے اختیار میں ہے۔[2]

---

[1] ابن عطیہ، التفسیر، النساء: ۴۷

[2] أحمد الدویش، فتاوی اللجنہ: ۲/ ۲۷

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شرک اور ہر کبیرہ گناہ کی توبہ مقبول ہے۔توبہ کے بعد شرک بھی اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔آیت زیر بحث میں ایسا مشرک پیش نظر ہے جو بلا توبہ مرجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک مسلمان کا قتلِ عمد یعنی جان بوجھ کر اور ارادتاً کسی مسلمان کو قتل کر دیا جائے تو اس جرم کی توبہ قبول نہیں ہوتی،سورۂ بقرہ آیت: ۱۷۸ میں مذکور ہوا: جب تک کہ مقتول کا قصاص نہ لیا جائے، یا صاحب حق کی طرف سے معافی نہ ہو قاتل کی توبہ قبول نہ ہو گی، کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے اور حقوق العباد میں فقط توبہ سے مجرم کی سبکدوشی نہیں ہوسکتی۔[1]

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔'' فرمایا کہ ''کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود جنت میں جائے گا۔''[2]

مشرک اللہ کو اس لیے گوارا نہیں کہ ہر چیز کو پیدا تو وہ کرے اور معمولی ضرورتوں کے لیے انسان غیروں کو پکارے اور حاجت روائی کے لیے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کے سامنے ذلیل وخوار ہو۔

فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے: یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز شریک نہیں ہے۔ نہ فرشتہ، نہ آدمی، نہ جن، نہ جاندار اور نہ بے جان۔ نہ تو کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک ہے اور نہ صفات وافعال میں۔[3]

قرآن شریف نے ہر طریق سے شرک کی تردید کی ہے اور فرمایا کہ زمین وآسمان کی پیدائش، کائنات کے انتظام وقیام، موت وحیات، صحت وتندرستی، رزق کی فراخی اور تنگی، غرضیکہ نظام سماوی وارضی میں کسی کا کوئی دخل اور واسطہ نہیں ہے۔

اس لیے یہ از بس ضروری ہے کہ مسلمان شرک سے بچے۔شرک خواہ الوہیت میں ہو یا ربوبیت میں، جلی ہو یا خفی، اس سے اجتناب اور کنارہ کشی کرنے میں نجات ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات وذات یا اپنے قول وفعل میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں ان سب کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔شرک ظلم عظیم ہے۔مشرک کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔مشرک کا ٹھکانا دوزخ ہے،

---

[1] الطبری، التفسیر، النساء: ۹۳

[2] صحیح البخاری: ۷۱۲۳ وصحیح مسلم: ۹۴

[3] الفقہ الأکبر، منسوب إلی الامام أبی حنیفہ، ص: ۱۴

اس لیے شرک سے بچنا چاہیے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾	کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو پاک کہتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ اللہ ہی پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور نہ ظلم ہوگا ان پر دھاگے جتنا۔
اُنۡظُرۡ کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ کَفٰی بِہٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۰﴾	دیکھو! کیوں کر باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ کھلا۔

آیات:۴۹ تا ۵۰۔تشریح الفاظ

یُزَکُّوۡنَ: (ز ک و) زَکَا یَزْکُوْ سے تَزْکِیَۃٌ، باب تفعیل۔ پاکیزہ کرنا، پاک بننا، یعنی وہ اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔

فَتِیۡلًا: (ف ت ل) وہ باریک دھاگا جو کھجور کی گٹھلی کے جوڑ یا چیر میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک وہ ذرا سا میل جو انگلیوں کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔[1] مراد ہے کہ ذرہ بھر ناانصافی نہ ہوگی۔

مُبِیۡنًا: (ب ی ن) اَبَانَ یُبِیْنُ باب اِفعال سے اسم فاعل۔ صریح، کھلا۔

مفہوم ومطلب: اہل کتاب کے غلط عقائد وکردار کی نشاندہی

شرک کو ناقابل معافی گناہ قرار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ! ان یہود و نصاریٰ کو دیکھو کہ کتنے دیدہ دلیر اور بے باک ہیں کہ دن رات خدا کی نافرمانی کرتے ہیں۔ تورات میں لکھے ہوئے احکام اور امور کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن اس کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم پاک ہیں اور گناہوں سے معصوم ہیں۔ ہم جنت کے ٹھیکیدار ہیں، ہمارے سوا کوئی اور جنت میں نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس غلط ذہن اور عقیدے کی تردید کی اور فرمایا کہ ان کا یہ دعویٰ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ جب یہ اپنی پاکیزگی کا اعلان کرتے ہیں تو یہ اللہ پر جھوٹ اور طوفان باندھتے ہیں، یہی جھوٹ ان کے لیے بطور صریح گناہ کافی ہے۔ انھوں نے جھوٹ بول کر اپنے دعویٰ معصومیت و پاکیزگی کی خود تردید کر دی ہے۔

[1] الطبری، التفسیر، النساء:۴۹

فرمایا: پاکیزگی اور نیکی و معصومیت کا علم صرف اللہ کو ہے۔ آدمی اپنے بارے میں نیک و معصوم اور پاک ہونے کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے۔ قرآن مجید یہود کے غلط ذہن اور بے بنیاد دعویٰ پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ یہ زبردستی اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم ثابت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ کس آدمی کا انجام کیا ہوگا۔ کون جنتی ہے اور کون دوزخی۔

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خودستائی، فریبِ نفس اور خوشامد پسندی سے روک دیا۔ اپنے اعمال پر فخر و غرور سے منع کر دیا۔ احادیث میں بھی نبی کریم ﷺ نے مدح اور خودستائی سے ممانعت کر دی ہے۔ ایک روایت ہے کہ کچھ یہود ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بچے ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا یہ بچے گنہگار ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں!'' پھر یہود نے دعویٰ کیا کہ ہم بھی بچوں کی طرح معصوم اور بے گناہ ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1] اور ان کے زعمِ باطل کی تردید کر دی گئی کہ گناہ صریح کا ارتکاب کرنے کے باوجود تم معصومیت اور پاکیزگی کا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہو؟ ہر آدمی کو اس کے عمل کی جزا و سزا ملے گی۔ البتہ یہ بات پکی ہے کہ اللہ کے ہاں ناانصافی اور ظلم قطعاً نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾	کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو دیے گئے ایک حصہ کتاب کا، وہ مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کے بارے میں کہ یہ لوگ اہل ایمان سے زیادہ ہدایت پر ہیں۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾	یہی ہیں وہ لوگ جن کو لعنت کی اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ تو ہرگز نہ پائیں گے آپ اس کا کوئی مددگار۔

آیات: ۵۱ تا ۵۲۔ تشریح الفاظ

يُؤْمِنُوْنَ: (ا م ن) اٰمَنَ يُؤْمِنُ اِيْمَانًا، باب افعال۔ مضارع معلوم، جمع مذکر غائب۔ وہ ایمان لاتے ہیں، مانتے ہیں۔

---

[1] ابن عطیہ، التفسیر، النساء: ۴۹

اَلْجِبْتِ: بُت، صَنم، سحر، ساحر، کاہن۔

اَلطَّاغُوْتِ: شیطان۔ اَلْجِبْتِ اور اَلطَّاغُوْت کے مفہوم میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔ یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی پیروی کی جائے۔[1]

اَهْدٰى سَبِيْلًا: زیادہ راہ راست پر ہیں۔ بہت سیدھی راہ پر ہیں۔

مفہوم ومطلب: یہود کا دوغلا پن

آیات کے شان نزول کے بارے میں روایت ہے کہ جب یہود مدینہ جنگ خندق (احزاب) کے سلسلہ میں قریش مکہ کے پاس گئے تو ان کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے قریش کے مطالبہ پر ان کے بتوں کو سجدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ قریش مکہ مسلمانوں کی نسبت زیادہ راہ راست پر ہیں۔[2] یعنی مسلمانوں سے زیادہ راستی وہدایت پر ہیں۔

قرآن مجید نے یہود کی ذہنیت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا حسد وبغض اور عداوت وشرارت اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اپنے عقیدے کے خلاف بتوں کو مانتے ہیں۔ شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ خدا کی صریح نافرمانی کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں اور مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ اور راستی پر سمجھتے ہیں۔ برملا کہتے ہیں کہ یہ بت پرست قریشِ مکہ ان مسلمانوں کی نسبت زیادہ راہِ راست پر ہیں۔ قرآن مجید نے یہود کے کرتوتوں کے پیش نظر فتویٰ دیا کہ خدا نے ان کو پھٹکار دیا ہے۔ یہ لعنتی قوم قرار پائی ہے اور جو اللہ کے ہاں سے پھٹکار دیا جائے تو پھر اس کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا اور کوئی اس کو اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾	کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے بادشاہت سے؟ پھر تو نہ دیں گے وہ لوگوں کو تِل بھر۔
اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ	بلکہ وہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ان کو

---

[1] طاغوت طغیان سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جن نیک لوگوں کو اللہ کے سوا پوجا جاتا ہے وہ طاغوت نہیں کیونکہ وہ طاغی (سرکش) نہیں ہوتے۔

[2] الطبری، التفسیر، النساء:۵۱

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا﴿۵۴﴾	اللہ نے اپنے فضل سے، پس تحقیق دی ہم نے اولادِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور دی ہم نے ان کو سلطنت بڑی۔
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا﴿۵۵﴾	پھر ان میں سے کوئی اس پر ایمان لایا اور کوئی ان میں سے باز رہا اس سے اور کافی ہے دوزخ جلانے کو۔

آیات: ۵۳ تا ۵۵۔ تشریح الفاظ

اَمْ: پہلے اَم کے معنی ہیں: کیا۔ اور دوسرے کے معنی: بلکہ۔

فَاِذًا: (فَ، اِذًا) جب ایسا ہو تو، یعنی اگر ان کے پاس بادشاہی کا کوئی حصہ ہوتا تو یہ لوگوں کو ذرہ بھر چیز نہ دیتے۔

لَا یُؤْتُوْنَ: وہ نہ دیتے۔ اَلْمُلْكِ: سلطنت، بادشاہی، ملک۔

نَقِیْرًا: کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ذرا سی گودی، مراد حقیر و قلیل، چیز جو بالکل کار آمد نہ ہو۔ بے کار شے۔ یعنی ذرا سی، تل بھر، ذرہ برابر۔

یَحْسُدُوْنَ: حَسَدَ یَحْسُدُ۔ وہ حسد کرتے ہیں۔ زوالِ نعمت کی تمنا کرتے ہیں۔

النَّاسَ: لوگوں پر، مراد نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

فَضْلِهٖ: (فَضْلِ، ہٖ) فضل سے مراد نبوت و رسالت اور دین و دنیا کی سربلندی و عزت۔

اٰلَ اِبْرَاھِیْمَ: سے مراد حضرت داود علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

صَدَّ: (ص د د) یَصُدُّ مضارع۔ رک گیا، ہٹ گیا، باز رہا، اعراض کیا، منہ موڑ لیا۔

سَعِیْرًا: جلتی ہوئی، جلانے والی، جلانے کے لیے۔ عذاب کے لیے، یعنی عذاب کے لیے جہنم کافی ہے۔

مفہوم و مطلب: اہل کتاب کے بخل و حسد کی مذمت

ان آیات میں یہود کی فطرت و سرشت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اتنے بخیل اور کنجوس ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی سلطنت اور بادشاہت بھی ہوتی تو کسی شخص کو ذرہ بھر شے نہ دیتے۔ حقیر سے حقیر اور قلیل سے قلیل چیز بھی دینے کا ان میں حوصلہ اور دل گردہ نہیں ہے اور یہ وجہ ہے کہ ان میں سلطنت کے لیے لیاقت و قابلیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے کم حوصلہ بخیلوں اور تھوڑے دل والے لوگوں کو بادشاہت کا مستحق بھی

نہیں سمجھتا۔ یہ بخل ان کی جبلت میں ہے۔

یہود کے بخل کی مذمت کرنے کے بعد ان کا ایک اور عیب شمار کیا۔ فرمایا کہ ان میں بخل سے بدتر عیب حسد ہے اور حسد کی حقیقت یہ ہے کہ حاسد تمنا کرتا ہے کہ مستحق اور صاحب نعمت سے نعمت چھن جائے۔ اس تمنا کے ساتھ حاسد زوالِ نعمت کے لیے کوشش بھی کرتا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے یہ جذبہ بخل سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ بخل میں تو اپنے ہاتھ کی چیز روکنا ہے، لیکن حسد میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انعام ورحمت کو روکنا ہے۔ یہود یہ چاہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس غلط تمنا کا رد کر دیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو کوئی انوکھی چیز نہیں دی گئی کہ یہود حسد کرنے لگے ہیں۔ اللہ کی کتاب اور حکمت آل ابراہیم میں چلی آرہی ہے۔ پھر کتاب وحکمت کے ساتھ عظیم الشان سلطنت بھی دی۔

آل ابراہیم کی ایک شاخ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہے اور یہ بنی اسرائیل کہلائے۔ ان میں کتاب و حکمت کے ساتھ بادشاہی بھی رہی، یہی چیز اب پھر آل ابراہیم یعنی آل اسمٰعیل میں منتقل کر دی اور حضرت محمد ﷺ کو کتاب وحکمت کے ساتھ دنیا کی سربراہی اور حاکمیت بھی عطا کر دی گئی۔ چنانچہ سمجھ دار یہود آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے اور بے عقل اور بے وقوف یہودیوں نے حسد کی وجہ سے اعراض کیا۔ اسلام سے منہ موڑ لیا اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی دنیا اور عاقبت دونوں کو خراب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوزخ ان کے جلانے کے لیے اور عذاب دینے کے لیے کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾	بے شک جو لوگ منکر ہوئے ہماری آیتوں کے عنقریب ہم داخل کریں گے ان کو آگ میں، جب پک جائیں گے چمڑے ان کے بدل دیں گے ہم ان کو چمڑے دوسرے، تاکہ چکھیں وہ عذاب، بے شک اللہ ہے غالب حکمت والا۔

آیت: ۵۶۔ تشریح الفاظ

كَفَرُوْا: انکار کیا، کفر کیا، منکر ہوئے۔ — كُلَّمَا: جب جب، ہر بار جب۔

نُصْلِيْهِمْ نَارًا: (ص ل ی) اَصْلٰی يُصْلِيْ، باب افعال، مضارع متکلم۔ ہم ان کو آگ میں ڈال دیں گے،

جلنے اور بھننے کے لیے آگ میں پھینک دیں گے۔

نَضِجَتْ: یَنْضَجُ، مضارع۔ پکنا، گلنا، مراد ہے جل جائے۔ جُلُوْدًا: (واحد، جِلْد) کھال، چمڑے۔

لِيَذُوْقُوْا: (لِ، يَذُوْقُوْا) ذَاقَ يَذُوْقُ ذوق۔ تاکہ وہ چکھتے رہیں۔

عَزِيْزًا: غالب، زبردست، جسے کوئی چیز عاجز نہ کر سکے۔

مفہوم ومطلب: کفر کی سزا دوزخ ہے

اس آیت میں فرمایا کہ اللہ کی آیات اور نشانیوں کا انکار کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ انکار بہت بڑا جرم ہے اور ایسے منکرین کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ پھر یہ سزا ہلکی اور مختصر قسم کی نہیں ہے بلکہ بڑی دیر پا اور ابدی سزا ہے۔ جب جب بھی ان کی موٹی موٹی اور دبیز کھالیں آگ میں جل کر ختم ہو جائیں گی تو ان کی جگہ اللہ تعالیٰ اور چمڑے اور کھالیں ان کو دے دے گا، تاکہ وہ عذاب کی شدت کو برداشت کریں اور اپنی ہٹ دھرمی اور اپنے کفر وانکار کا مزا چکھتے رہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے۔ کوئی کام اور کوئی بات اس کے احاطۂ اختیار سے باہر نہیں ہے۔ کوئی چیز اس کے ارادے میں حائل نہیں ہوسکتی اور اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾	اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کیے اچھے عنقریب ہم داخل کریں گے ان کو باغوں میں چلتی ہیں نیچے جن کے نہریں رہنے والے ان میں ہمیشہ، ان کے لیے وہاں ہیں عورتیں پاک اور ہم داخل کریں گے ان کو سائے گھنے میں۔

آیت: ۵۷۔ تشریح الفاظ

سَنُدْخِلُهُمْ: (سَ، نُدْخِلُ، هُمْ) سَ بمعنی عنقریب، جلد۔ نُدْخِلُ: بمعنی ہم داخل کریں گے۔ هُمْ: بمعنی ان کو۔

اَزْوَاج: (واحد، زَوْج) جوڑا، مراد بیویاں۔

مُطَهَّرَةٌ: (ط ہ ر) پاک، پاکیزہ، نجاست اور گندگی نیز دیگر نسوانی عوارض سے پاک اور مبرا۔

ظِلًّا: سایہ، چھاؤں۔

ظَلِيْلًا: گھنا، پھیلا ہوا، دائمی۔ دائمی اور گھنے سایہ سے مراد سایہ جنت بھی ہے اور سایہ عرش بھی۔[1] مفسرین کہتے ہیں کہ وہ ایسا سایہ ہے جس میں نہ تو سورج کی دھوپ ہوگی اور نہ کوئی گرمی اور سردی۔[2]

مفہوم ومطلب: ایمان اور عمل صالح کی جزا جنت ہے

اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہشت کے باغات میں داخل کرے گا۔ ان باغات کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ لوگ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ تو انھیں وہاں سے نکالا جائے گا اور نہ خود نکلنے کی کبھی تمنا اور آرزو کریں گے۔ جنت میں مومنوں اور نیکوکاروں کے لیے پاک اور صاف ستھری بیویاں ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اور انعام یہ ہوگا کہ یہ مومن اور نیکوکار گھنے سائے میں داخل کیے جائیں گے۔ وہ سایہ خواہ جنت کا ہو یا عرش الٰہی کا۔ بہر حال اس سائے تک سورج کی دھوپ اور گرمی وسردی کو قطعاً رسائی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح کے بدلے میں ابدی راحت وسعادت اور ہمیشہ رہنے والی مسرت وخوشی اور امن وسکون کی زندگی عطا کی جائے گی اور زندگی کی تمام خواہشات کی وہاں تکمیل ہوگی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾	تحقیق اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ ادا کرو امانتیں مالکوں کو اور جب حکم کرو تم درمیان لوگوں کے یہ کہ کرو تم عدل سے، بے شک اللہ بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا۔

آیت:۵۸۔ تشریح الفاظ

يَاْمُرُ: اَمَرَ سے مضارع، واحد مذکر غائب۔ حکم دیتا ہے، فرماتا ہے۔

تُؤَدُّوا: (ادی) اَدّٰى يُؤَدِّي۔ ادا کردو، حوالے کردو، پہنچا دو، دے دو۔

الْاَمَانَاتِ: (واحد، اَمَانَة) امانتیں۔ اس سے مراد وہ حقوق ہیں جن کے تم امین بنائے گئے ہو۔ نیز جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ حفیظ و امین ہوتا ہے۔ اور جو امانت کی نہ تو حفاظت کرے اور

[1] ابن أبي حاتم، التفسير، النساء:۵۷

[2] القرطبی، التفسیر، النساء:۵۷۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا اظہار فرمایا ہے: ﴿لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ ''وہ نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ شدید سردی۔'' (الدھر:۷۶/ ۱۳)

نہ ادا کرے، خائن ہوتا ہے۔

اَھْلِهَا: امانتوں والوں (کو)، اس کے حقداروں، اس کے مالکوں (کو)۔

اِذَا حَكَمْتُمْ: جب تم حکم کرو، فیصلہ کرو، جھگڑا چکاؤ۔ حَكَمَ: ماضی۔ يَحْكُمُ: مضارع۔

تَحْكُمُوْا: فعل مضارع، جمع مذکر مخاطب۔ تم فیصلہ کرو، تم حکم کرو۔

بِالْعَدْلِ: عدل وانصاف کے ساتھ۔

نِعِمَّا: (نِعْمَ، مَا) ''نِعْمَ'' کا لفظ مَا میں ادغام ہوا ہے۔ یہ لفظ تعریف اور خوبی بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی کتنی اچھی چیز ہے۔ بہت خوب شے ہے، بہت عمدہ بات ہے۔

يَعِظُكُمْ: (يَعِظُ، كُمْ، و ع ظ) وَعَظَ اس نے نصیحت کی، يَعِظُ وہ نصیحت کرتا ہے۔ عِظَة نصیحت، وعظ یعنی وہ بات بہت اچھی ہے جس کی اللہ نصیحت فرماتا ہے۔

مفہوم ومطلب: امانت داری اور عدل وانصاف کا حکم

پچھلی آیتوں میں ایمان اور عمل صالح کے اجر عظیم کا ذکر فرمایا۔ اب اس آیت میں امانت کی ادائیگی اور عدل وانصاف کا ذکر کیا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں اہم ہیں اور عمل صالح میں امانت اور انصاف کا مقام بہت بلند ہے۔

روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ کے کنجی بردار حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے کعبہ کی چابی مانگی۔ آپ نے کعبہ کا دروازہ کھولا، پھر آپ نے باہر نکل کر طواف کیا۔ بعض لوگوں نے اس چابی کو حاصل کرنے کی تمنا کی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا حکم ہے جس کی امانت ہے اس کے حوالے کر دو۔[۱] اور یہ بھی حکم ہے کہ جب لوگوں کے درمیان حکم دو یا کوئی فیصلہ کرو یا ان کے جھگڑے چکاؤ تو عدل وانصاف کو ملحوظ رکھو، کسی کی جنبہ داری مت کرو۔ قریبی ہو یا اجنبی، کبھی کسی سے ناانصافی نہ کرو۔ ہمیشہ فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔[۲]

اگرچہ یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کا حکم عام ہے اور امانت نقدی، جنس یا حقوق کی صورت میں ہو سب کے بارے میں حکم نازل فرمایا کہ امانت

۱۔ البغوی، التفسیر النساء: ۵۸۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۹/ ۱۳۰

۲۔ تفسیر جلالین، النساء: ۵۸

حقدار کو ادا کی جائے۔ اس میں فرائض بھی شامل ہیں اور حقوق بھی۔ حقوق میں حقوق اللہ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، کفارہ، نذر وغیرہ اور حقوق العباد مثلاً ودیعت، امانت، مستعار، قرض سب شامل ہیں۔

امانت میں حفظ عہد اور ایفائے وعدہ بھی شامل ہے۔ امانت کی ادائیگی میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ آدمی اپنے جوارح اور اعضاء کو قرب الٰہی کے حاصل کرنے کے لیے استعمال کرے۔ گناہ اور نافرمانی کے کام خیانت میں شامل ہیں۔ یہ بھی امانت ہے کہ آدمی کسی کو دھوکا نہ دے، راز فاش نہ کرے۔ فریب کاری اور افشائے راز خیانت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے امانت میں خیانت کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔[۱]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حُکم اور فیصلے کی صورت میں بھی عدل وانصاف سے کام لینا چاہیے۔ قرآنِ مجید میں دیگر مقامات پر فرمایا:

۱۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔[۲]

۲۔ عدل وانصاف کو ہمیشہ برقرار رکھو۔[۳]

نبی کریم ﷺ نے خود عمر بھر عدل وانصاف کیا، کبھی ناانصافی نہیں کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''انصاف کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی دائیں جانب نور کے منبر پر بیٹھیں گے۔''[۴]

دوسری حدیث میں فرمایا کہ ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب اور قریب بیٹھنے والا حاکم عادل ہے اور ظالم حاکم کو سخت عذاب ہوگا۔ وہ اللہ کی نظروں میں بڑا قابل نفرت ہے۔''[۵]

حاکم اور جج کے اوصاف

حاکم اور جج کے لیے ضروری ہے کہ وہ چند اوصاف سے بہرہ مند ہو، مثلاً:

۱۔ کتاب اللہ سے خوب واقف ہو۔

۲۔ سنت رسول اللہ ﷺ سے باخبر ہو۔

۳۔ اجماعِ امت کا پورا علم رکھتا ہو۔

---

۱ صحیح البخاری: ۳۳ و صحیح مسلم: ۵۹

۲ المائدۃ: ۵/ ۸

۳ النساء: ۴/ ۱۳۵

۴ صحیح مسلم: ۱۸۲۷

۵ الالبانی، ضعیف الترغیب والترہیب: ۱۳۲۰، ضعیف جداً

۴۔ قیاس واجتہاد کی (ملزوم شرائط) استعداد واہلیت ہو۔

۵۔ مدعی کے دعویٰ اور مدعا علیہ کے جواب کو اچھی طرح سمجھنے کی قابلیت ہو۔

۶۔ غیر جانبدار ہو، نہ کسی فریق میں دلچسپی ہو اور نہ کسی کی طرف میلان رکھتا ہو۔

۷۔ فریقین سے ہر معاملے میں برابر کا سلوک ہو۔

۸۔ حکم اور فیصلے سے مقصد صرف یہ ہو کہ حقدار کو حق دلایا جائے، مظلوم کی دادرسی ہو اور ظالم کو سزا دی جائے۔

پھر فرمایا کہ وہ بہت اچھی بات ہے جس کی اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے اور وہ بات یہ ہے کہ حقدار کو امانت دے دو اور حکم وفیصلہ یعنی اقوال اور اخلاق میں عدل ومساوات قائم رکھو۔ درحقیقت انھی دو باتوں پر ایک صالح معاشرے کا قیام و بقا منحصر ہے۔ آیت کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری ہر بات کو سنتا ہے اور ہر کام کو دیکھتا ہے، اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے، اس لیے خیانت اور ناانصافی سے بچتے رہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو اختیار والے ہیں تم میں سے، پس اگر جھگڑو تم کسی چیز میں تو پھیرو اس کو طرف اللہ اور رسول کے اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ پر اور روزِ آخرت پر، یہ بہتر ہے اور اچھا ہے انجام کے لحاظ سے۔

آیت: ۵۹۔ تشریح الفاظ

اَطِيْعُوْا: تم فرماں برداری کرو، کہا مانو، حکم مانو۔

اُولِي الْاَمْرِ: صاحب امر، صاحب اختیار۔ اس میں سلطان وبادشاہ، امیرِ قوم، صدرِ مملکت، حکام، علماء وغیرہ سب شامل ہیں۔ بشرطیکہ ان کے حکم میں کوئی چیز کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف نہ ہو۔ (اُولِی کا واحد ذِی/ ذُو)۔

تَنَازَعْتُمْ: (نزع) تَنَازَعَ باب تفاعل، جمع مذکر حاضر۔ تم باہم اختلاف کرو، جھگڑا کرو۔

فَرُدُّوْهُ: (فَ، رُدُّوْا، هُ) پس پھیر دو اس کو۔ رَدَّ یَرُدُّ سے فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ اس جھگڑے اور اختلاف کو لوٹا دو۔

اِلَی اللہِ: اللہ کی طرف، یعنی کتاب اللہ کی طرف، جب تک رسول خدا ﷺ دنیا میں تشریف فرما رہے آپ کی ذات مراد تھی، وفات کے بعد حدیث وسنت مراد ہے۔

تَاوِیْلًا: مآل وانجام کے اعتبار سے۔ عاقبت کے لحاظ سے۔ مآل کار۔

مفہوم ومطلب: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم

گزشتہ آیات میں امانت داری اور عدل ومساوات کی تلقین فرمائی تھی۔ اس آیت میں جمہور مسلمانوں کو مخاطب فرمایا کہ قرآن وسنت اصل دین ہیں۔ اسلام کے بنیادی اصول اور فروعی مسائل واحکام کے لیے کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کو قابلِ اعتبار اور لائقِ انحصار قرار دیا۔ مومنوں کو حکم دیا کہ اللہ کا حکم مانو، اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ نیز ان لوگوں کا کہا مانو جن کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار ہے۔ یہ صاحب اختیار لوگ سلاطین وحکمران اور ائمہ دین ہیں۔ دین وشریعت کے معاملات میں قرآن و حدیث حرفِ آخر ہیں۔ کتاب وسنت کے سامنے کسی کی بات چل نہیں سکتی۔ آپس کے اختلافات ہوں، عوام اور حاکم کے جھگڑے ہوں یا علماء کے تنازعات ہوں، سب معاملات میں قرآن وسنت کا فیصلہ ہی قابلِ قبول اور آخری حکم ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فہم قرآن اور فقہ حدیث میں اول درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ پھر تابعین کا اور پھر تبع تابعین کا۔ ان کے بعد ائمہ سلف صالحین کا۔ اسی جذبے کے تحت ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ جب ہمارا قول کتاب وسنت کے موافق نہ پاؤ تو اسے چھوڑ دو اور کتاب وسنت پر عمل کرو۔[1] اگر ہم میں یہ جذبہ کمزور ہے تو اللہ اور آخرت پر ایمان بھی اسی درجہ کمزور ہے۔ قرآن مجید نے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی شرط لگا کر ایک مسلمان کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت واجب ٹھہرا دی۔ پھر فرمایا کہ ذاتی، ملی، ملکی اور قومی جھگڑوں اور اختلافات کی صورت میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع لازمی ہے اور ایسا کرنا انجام ومآل کے اعتبار سے بہتر ہے اور بہت خوب ہے۔ اگر کوئی حکم یا فتویٰ قرآن اور حدیث صحیح کے مخالف ہو تو اس کی اطاعت لازم نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام قرطبی نے نقل کی ہے کہ اگر حاکم اور بادشاہ عدل وانصاف

[1] الشاطبی، الاعتصام: ۳/ ۳۱۷

قائم کرے اور امانت یعنی فرائض وحقوق پورے کرے تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔[1]

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ گزشتہ آیت کا مخاطب حکمران طبقہ تھا اور آیت زیرِ بحث کے مخاطب جمہور وعوام مومنین ہیں۔[2]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾	کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اتارا گیا تیری طرف اور جو اتارا گیا تجھ سے پہلے، وہ چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا کہ وہ انکار کریں اس کا اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو گمراہ کرے گمراہ کرنا دور کا۔
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾	اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ طرف اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اور آؤ رسول کی طرف تو دیکھتے ہیں آپ منافقوں کو وہ اعراض کرتے ہیں آپ سے اعراض کرنا۔
فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾	پس کیونکر ہوگا جب پہنچے گی ان کو مصیبت بسبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے، پھر آئیں آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ نہ چاہا ہم نے مگر سلوک اور ملاپ۔
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾	یہ وہ لوگ ہیں کہ جانتا ہے اللہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، پس اعراض کریں ان سے اور نصیحت کریں ان کو اور کہہ دیجیے ان سے ان کے حق میں بات مؤثر۔

---

[1] القرطبی، التفسیر، النساء:۵۹

[2] ابن عطیہ، التفسیر، النساء:۵۹

آیات: ٦٠ تا ٦٣۔ تشریح الفاظ

يَزْعُمُوْنَ: (زعم) وہ گمان کرتے ہیں، خیال کرتے ہیں، دعویٰ کرتے ہیں۔ اکثر کے لیے بولا جاتا ہے۔

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ: جو تیری طرف نازل کیا گیا، یعنی قرآن مجید۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ: اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، یعنی تورات وانجیل۔

يَتَحَاكَمُوْٓا: (حکم) باب تفاعُل۔ وہ مقدمہ لے جائیں۔ اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے جائیں۔

اَلطَّاغُوْتِ: شیطان، بہت سرکش۔ مراد ابو بردہ اسلمی (کاہن) یا کعب بن اشرف۔ [1]

يُضِلَّهُمْ: (ض ل ل) گمراہ کرے ان کو۔ ضَلٰلًا بَعِيْدًا: یعنی بہکا کر اور گمراہ کر کے راہِ راست سے دور پھینک دے۔

بِمَا: بوجہ اس کے کہ، بسبب اس کے کہ۔

تَعَالَوْا: (ع ل و) جمع کے لیے۔ تم سب آؤ۔ ایک کے لیے تَعَالَ۔

اَصَابَتْهُمْ: (ص و ب) اَصَابَ يُصِيْبُ۔ پہنچنا۔

مُصِيْبَةٌ: لفظی معنی پہنچنے والی، یعنی تکلیف، مصیبت۔ یہاں مراد ہے: عقوبت، سزائے جرم۔

قَدَّمَتْ: قَدَّمَ يُقَدِّمُ تَقْدِيْمًا، باب تفعیل۔ تَوْفِيْق: موافقت، ملاپ۔

اَيْدِيْهِمْ: (اَيْدِیْ، هِمْ واحد يَدٌ) ان کے ہاتھوں۔ یعنی جو کچھ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ مراد ہے کہ جب اپنے کیے کی سزا پائیں گے تو پھر ان کا کیا حال ہوگا۔

يَحْلِفُوْنَ: وہ حلف اٹھاتے ہیں۔ قسمیں کھاتے ہیں۔ اِنْ: نفی کے لیے بمعنی نہ۔

مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ: جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، یعنی ان کے دلوں میں جو نفاق اور جھوٹ موجود ہے اللہ کو سب کا علم ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ: تو ان سے اعراض کر لے، منہ موڑ لے، یعنی ازراہِ عفو وکرم ان کے جرائم سے درگزر کرتے ہوئے آپ اپنا منہ پھیر لیں۔ بَلِيْغًا: مؤثر، کام کی بات۔

عِظْهُمْ: (عِظْ، هُمْ) تم ان کو سمجھاؤ، خدا کا خوف دلاؤ۔

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ: ان کی جانوں کے حق میں، ان کے حق میں، ان کے بارے میں۔

---

[1] ابن أبي حاتم، التفسير، النساء: ٦٠

مفہوم ومطلب: منافقوں کے ذہن کی نشاندہی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو بُردہ اَسلمی ایک کاہن تھا جو یہود کے جھگڑوں میں فیصلہ کیا کرتا تھا۔ پھر چند مسلمانوں نے بھی اس کے پاس جا کر فیصلہ کی خواہش کی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔[1]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان جھگڑا ہوا۔ منافق نے کہا: کعب بن اشرف کے پاس چل کر فیصلہ کرائیں۔ یہودی کو آنحضرت ﷺ کی دیانت وامانت اور عدل و انصاف پر اعتماد تھا، اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے پاس چلیں۔ آنحضرت ﷺ نے فریقین کی گفتگو سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ منافق کو اطمینان نہ ہوا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں سے مایوس ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ یہودی نے سارا ماجرا سنایا اور آنحضرت ﷺ کے فیصلے کی بھی خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے بھی تصدیق کرائی۔ پھر تلوار لائے اور منافق کا سر قلم کر دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا ذہن بھی عجیب ہے۔ ایک طرف تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن وتورات کو مانتے ہیں اور دوسری طرف کتبِ الٰہی کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ شیطان کے منکر ہونے کی بجائے اسے جج اور حَکم بناتے ہیں۔ شیطان کا تو مقصد حیات ہی یہ ہے کہ انسانوں کو راہِ راست سے بہکا کر دور گمراہی میں ڈال دے تاکہ وہ سیدھی راہ پا نہ سکیں۔

جب ان گمراہوں کو قرآن کی طرف بلایا جاتا ہے کہ آؤ قرآنی احکام مانو اور جب انھیں رسول ﷺ کی طرف دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ اللہ کا رسول تمھارے درمیان فیصلہ کرے تو یہ منافق آپ سے منہ موڑتے ہیں اور دوسروں کی طرف جھکتے ہیں۔

اب تو ان کی یہ حالت ہے کہ اعراض کرتے ہیں، مگر جب ان کے کرتوتوں اور بدکرداریوں کی سزا ملے گی تو اس وقت عقوبت سے کیسے بچ سکیں گے۔ پھر لطف یہ ہے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قسمیں کھاتے ہیں، حلف اٹھاتے ہیں کہ اعراض سے ہمارا مقصد تو بھلائی، سلوک اور ملاپ تھا۔ آپ کی نافرمانی مقصود نہ تھی۔ فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت ندامت کا اظہار کریں گے جب ندامت کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

---

[1] الطبرانی، المعجم الکبیر: ۱۲۰۴۵

[2] البغوی، التفسیر، النساء: ۶۰۔ یہ واقعہ سنداً ثابت نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کتنا کفر بھرا ہے۔ ان کے سینوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض وعداوت اور دجل وفریب کے کتنے انبار لگے ہیں۔

باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول رحمۃ للعالمین ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ازراہِ عفو وکرم ان سے منہ پھیر لیں، ان کے گناہوں اور قصوروں کو نظر انداز کر دیں اور جہاں تک ہو سکے ان کو وعظ ونصیحت کرتے رہیں اور ایسے بلیغ اور مؤثر انداز میں باتیں سمجھائیں کہ کانوں کی راہ سے ان کے دلوں میں اُتر جائیں۔ نبی کریم ﷺ کا یہ خاصا تھا کہ آپ کے کلام میں بڑی تاثیر تھی اور اسی تاثیر واثر کی بنا پر اہل مکہ آپ ﷺ کو ساحر اور شاعر وغیرہ کہتے تھے۔

ان آیات سے تین باتیں بڑی واضح طور پر سمجھ میں آتی ہیں:

۱۔ اسلام یعنی احکام کتاب وسنت کو چھوڑ کر کسی اور کی جانب نہ جھکیں۔ اصول فقہ کی بحث میں کتاب اور سنت کے بعد اجماع وقیاس کا مرتبہ ہے۔

۲۔ اللہ کے حکم سے اعراض اور اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلے سے سرتابی کرنا منافقوں کی علامت ہے۔

۳۔ باوجود عداوت وشرارت کے مؤثر انداز میں تبلیغ کو جاری رکھنا چاہیے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِـيْمًا ﴿٦٤﴾	اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے اپنی جانوں پر آتے آپ کے پاس اور بخشش مانگتے اللہ سے اور بخشش مانگتے ان کے لیے رسول (ﷺ) تو وہ پاتے اللہ کو معاف کرنے والا مہربان۔

آیت: ۶۴۔ تشریح الفاظ

اَرْسَلْنَا: (ر س ل) ہم نے بھیجا۔ باب اِفعال۔

لِيُطَاعَ: (لِ، يُطَاعَ) مضارع مجہول۔ اس کی فرمانبرداری کی جائے، اس کا حکم مانا جائے۔

اِسْتَغْفَرَ: (غ ف ر) باب اِستفعال۔ مغفرت طلب کی ہے۔ ماضی، واحد مذکر غائب۔ اِسْتَغْفَرُوْا: جمع مذکر غائب۔ انھوں نے بخشش مانگی۔

لَوَجَدُوْا: (لَ، وَجَدُوْا) لَ، جواب شرط بمعنی تو، تب۔ وَجَدُوْا: وہ پاتے، انھوں نے پایا۔ مضارع یَجِدُوْنَ۔

تَوَّابًا: توبہ قبول کرنے والا، معاف کرنے والا۔

مفہوم ومطلب: اطاعت رسول ﷺ کا حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے فرمایا کہ رسول بھیجنے کا مقصد وحید یہ ہے کہ ان کی تابعداری کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت سے جتنی باتوں کا وہ حکم دیں ان کی اطاعت کی جائے۔ رسول اس لیے تو نہیں آتے کہ ان کی مخالفت اور نافرمانی کی جائے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ بھی اللہ کے برحق رسول اور نبی ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ ان کی اطاعت اور فرماں برداری کی جائے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت سے روک دیا گیا مگر یہ اطاعت اللہ کی توفیق کے ساتھ ہے۔

پھر فرمایا کہ جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، جھگڑا اور قضیہ کے فیصلے کے لیے رسول ﷺ کو چھوڑ کر شیطان کی طرف گئے تو پھر ان کے لیے ضروری تھا کہ توبہ کرتے اور گناہوں کی معافی مانگتے اور اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کے لیے بخشش مانگتے تو اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا۔

اس آیت میں رسولِ خدا ﷺ کی نافرمانی کو ظلم سے تعبیر کیا ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ رسول کی اطاعت ترک کرنے سے ایک مسلمان ظالم ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی سہارا دیا جاتا ہے کہ اس کا علاج سچی اور پکی توبہ ہے۔ توبہ کے بعد اطاعت سنتِ رسول ﷺ کو لازم گردانا جائے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾	پس قسم ہے آپ کے رب کی! نہیں مومن ہوں گے یہاں تک کہ منصف جانیں آپ کو آپس کے جھگڑے میں، پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی اس حکم سے جو تم نے دیا اور مان لیں خوشی سے۔

آیت: ۶۵۔ تشریح الفاظ

فَلَا: (فَ، لَا) فَ بمعنی پس، سو۔ لَا زائدہ اور فالتو ہے[1] اور تاکید قسم کی غرض سے آتا ہے۔

وَرَبِّكَ: وَ قسم کے لیے، رَبِّ، كَ۔ تیرا پروردگار، یعنی تیرے پروردگار کی مؤکد قسم ہے۔

---

[1] المبارکفوری، تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۵۰۰

يُحَكِّمُوْكَ: (حکم) حَكَّمَ يُحَكِّمُ تَحْكِيْمًا۔ حکم یا منصف تسلیم کرنا۔

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ: فِيْمَا (فِيْ، مَا) اس چیز میں جو۔ شَجَرَ يَشْجُرُ شُجُوْرًا۔ جھگڑا واقع ہو، تنازع ہو۔ آپس کے جھگڑوں میں، آپس کے تنازعات میں۔ آپس کے اختلاف میں۔

لَا يَجِدُوْا: (وَجَدَ) نہ پائیں وہ۔ حَرَجًا: تنگی، شک وشبہ۔

يُسَلِّمُوْا: (سلم) سَلَّمَ، باب تفعیل۔ تسلیم کرلیں، مان لیں، قبول کرلیں، سرتسلیم خم کردیں۔

تَسْلِيْمًا: مان لینا، یعنی خوشی سے یا خوش دلی سے مان لیں اور بالکل معارضہ نہ کریں۔ پوری پوری اطاعت کریں۔

مفہوم ومطلب: رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کرنا ایمان کی علامت ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی مؤکد قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی شخص مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے جھگڑوں اور تنازعات میں آنحضرت ﷺ اور آپ کی سنت کو حکم اور منصف تسلیم نہ کرے۔ نیز آپ کے فیصلوں اور حکموں کے سامنے سرتسلیم خم کردیں۔ کسی فیصلہ نبوی کے خلاف دل میں تنگی اور شک وشبہ موجود نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کے حکم اور فیصلہ کو خوش دلی سے مانا جائے خواہ خواہشِ نفس کو قربان ہی کرنا پڑے۔ اس آیت کے ذریعے خدا نے مومنوں پر واجب کردیا کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کو بخوشی تسلیم کریں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس میرے لائے ہوئے امر کے تابع نہ ہوجائے۔''[1]

حدیث میں مروی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی میں کھیت کو پانی دینے پر تنازع ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کردیا۔ انصاری صحابی اس پر ناراض ہوگیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2] اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین وشریعت میں سنت رسول ﷺ کو ایک جج یا قاضی کی حیثیت حاصل ہے اور سنت کا فیصلہ دین میں حرفِ آخر کا حکم رکھتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا	اور اگر ہم لکھ دیتے ان پر کہ قتل کرو اپنی جانوں کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے، نہ کرتے اس کو مگر تھوڑے

---

[1] ابن أبي عاصم، السنة: ۱۵۔ اس کی سند ضعیف ہے۔
[2] صحیح البخاری: ۲۳۵۹ و صحیح مسلم: ۲۳۵۷

فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾	ان میں سے اور اگر وہ کرتے وہی جس کی نصیحت کی جاتی ہے تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور زیادہ مضبوط ازراہِ ثابت قدمی کے۔
وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾	اور تب ہم دیتے ان کو اپنے پاس سے ثواب بڑا۔
وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾	اور دکھاتے ہم ان کو راہ سیدھی۔

آیات: ۶۶ تا ۶۸۔ تشریح الفاظ

كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ: ہم ان پر فرض کر دیتے، ہم ان کو حکم دیتے۔

اُقْتُلُوْا: قَتَلَ يَقْتُلُ سے فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم مار ڈالو، ہلاک کرو۔

اُخْرُجُوْا: خَرَجَ يَخْرُجُ سے فعل امر۔ تم نکلو۔ دِيَار: (واحد، دَارٌ) گھر۔

مَا فَعَلُوْهُ: مَا بمعنی نہ، فَعَلُوْا وہ کرتے، ہُ اس کو، یعنی اس فرض اور حکم کو بجا نہ لاتے۔

مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ: جس چیز کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے۔ یعنی رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری۔

اَشَدَّ: زیادہ شدید، مضبوط ترین۔

تَثْبِيْتًا: اَز راہِ ثابت قدمی، یعنی ان کے ایمان کے ثابت اور محقق ہونے کے لیے یہ بات بہت مضبوط تھی۔ اگر ایسا کرتے تو دین میں زیادہ راسخ اور ایمان میں زیادہ مضبوط ثابت ہوتے۔

وَاِذًا: اور اس وقت، تب۔

لَاٰتَيْنَاهُمْ: (لَ، اٰتَيْنَا، هُمْ) لَ جواب شرط، اٰتَيْنَا ہم دیتے، هُمْ ان کو۔

لَهَدَيْنٰهُمْ: (لَ، هَدَيْنَا، هُمْ) لَ جواب شرط بمعنی تو، هَدَيْنَا ہم ہدایت دیتے، چلاتے، دکھاتے۔

مفہوم و مطلب: یہود کی آزمائش کا ذکر

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ان منافقوں پر فرض کر دیتے کہ تم اپنی جانوں کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس حکم کو بہت تھوڑے لوگ بجالاتے۔ اکثریت اس فرض کی تعمیل سے انکار کر دیتی۔ اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کو آزما چکا تھا۔ انھوں نے گائے کے بچھڑے کی پوجا کی تو انھیں یہی حکم ملا کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل جاؤ، مگر انھوں نے نافرمانی کی۔ یہ سن کر ایک صحابی نے کہا کہ اگر اللہ ہمیں

قتلِ نفس یا ہجرتِ وطن کا حکم دیتا تو ہم ضرور عمل کرتے۔ جب رسول خدا ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ ''میری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان منافقوں سے کوئی بہت بڑا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ نہ وطن چھوڑنے کو کہا گیا اور نہ قتل نفس کا حکم دیا گیا کیونکہ ایسے سخت حکم کو بجالانے والے بہت کم ہیں۔ ان کو تو صرف رسول کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے۔

اور یہ چنداں دشوار اور مشکل کام نہیں ہے۔ اگر یہ منافقین نصیحت کے مطابق رسولِ خدا ﷺ کی فرمانبرداری اور اطاعت کرتے تو ان کے لیے دین و دنیا میں بہتر ہوتا اور اس سے ان کے ایمان کی مضبوطی اور دین میں رسوخ کا پتہ چلتا اور آخرت میں اللہ کے ہاں جنت میں گھر ملتا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت بھی نصیب ہوتی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾	اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ کی اور رسول کی، پس یہ لوگ ہوں گے ساتھ ان کے جن پر انعام کیا اللہ نے یعنی[2] نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوکاروں کے اور اچھے ہیں یہ لوگ ساتھی۔
ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾	یہ ہے فضل اللہ کا اور کافی ہے اللہ جاننے والا۔

آیات: ۶۹ تا ۷۰۔ تشریح الفاظ

اَنْعَمَ: نَعَم سے باب افعال۔ نعمت دی، انعام کیا۔ النَّبِيّٖنَ: اللہ کے نبی، پیغمبر۔

الصِّدِّيْقِيْنَ: (واحد، صِدِّیق) وہ لوگ جن میں صدق اور تصدیق غالب پائی جاتی ہے۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھیوں میں سب سے افضل و بزرگ ہوتے ہیں۔ ظاہر و باطن میں سچے اور احکام الٰہی اور کلام نبوت سے تصدیق کرنے میں بہت کامل اور بلند مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

الشُّهَدَآءِ: (واحد، شَهِيْد) وہ لوگ جو راہ خدا میں قتل ہوئے اور انھوں نے اپنے قول و عمل سے دین کی

---

[1] ابن ابی حاتم، التفسیر، النساء: ۶۶

[2] ''مِنْ'' بیانیہ ہے اور ''یعنی'' اس کا ترجمہ ہے۔

حقانیت کی شہادت دی۔

الصّٰلِحِیْن: (واحد، صالح) وہ مردِ مومن جس کا نفس بھی درست ہو اور عمل بھی درست ہو اور اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب آجائیں۔ یہ نیکو کاروں کا گروہ ہے۔ خدا کے بندے اپنی اصلاح کے ساتھ معاشرے کی اصلاح کے درپے بھی رہتے ہیں۔

مفہوم ومطلب: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کا مقام

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اجر بتایا کہ جو لوگ قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے رفاقت ومصاحبت کے انعامات تیار کر رکھے ہیں۔ اللہ اور رسول کے فرمانبرداروں کو اللہ کے انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوگا۔ آخرت میں یہ فرماں بردار جماعت نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی رفاقت سے لطف اندوز ہوگی۔ ان لوگوں کی رفاقت بھی کیا خوب ہوگی!

نیز فرمایا کہ یہ شرف رفاقت کچھ اعمال پر منحصر نہیں بلکہ اللہ کا خاص فضل وکرم اور مہربانی وعنایت ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کے فضل اور شرف رفاقت کا کون مستحق ہے۔

حدیث ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ جب میں اپنی اور آپ کی وفات یاد کرتا ہوں تو خدشہ سا محسوس ہوتا ہے کہ جنت میں ہم آپ کی رفاقت کیسے حاصل کرسکیں گے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہاں بھی فرمانبرداروں کو یہ رفاقت نصیب ہوگی۔ [1]

انبیاء علیہم السلام، صدیقوں اور شہیدوں کی رفاقت جنت میں بڑی فضیلت اور شرف وکرامت کی نشانی ہے۔

اس کے حصول کے لیے اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ چند اور ذرائع بھی حدیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے جنت میں رفاقت کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''کثرت سے سجدے کیا کرو۔'' [2]

۲۔ ایک صحابی نے حاضر ہو کر نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے صدق دل سے گواہی دی کہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' اور پانچوں وقت کی نماز پڑھی، اپنے مال کی زکوٰۃ دی، ماہِ رمضان کے روزے رکھے تو آنحضرت ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ ''جو ایسے حال میں مر اوہ

---

[1] الطبرانی، المعجم الاوسط: ۴۷۷

[2] صحیح مسلم: ۴۸۹۔ ان کا نام ربیعہ بن کعب اسلمی (رضی اللہ عنہ) تھا۔ یہ آپ ﷺ کے خادم تھے۔

اس طرح نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔ بشرطیکہ اس نے والدین کی نافرمانی نہ کی ہو۔''[1]

۳۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ ''سچ بولنے والا اور امین تاجر بھی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی معیت و رفاقت کا شرف حاصل کرے گا۔''[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کرلو اپنا بچاؤ، پس نکلو متفرق ہوکر یا نکلو اکٹھے۔
وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾	اور بے شک تم میں البتہ کوئی ایسا ہے جو دیر لگا دے گا، پس اگر پہنچے تم کو تکلیف تو کہے کہ مہربانی کی اللہ نے مجھ پر جبکہ نہ تھا میں ان کے ساتھ حاضر۔
وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾	اور اگر پہنچا تم کو فضل اللہ کی طرف سے تو کہتا ہے اس طرح گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کوئی دوستی، کاش کہ میں ہوتا ساتھ ان کے تو حاصل کرتا کامیابی بڑی۔

آیات: ۷۱ تا ۷۳۔ تشریح الفاظ

خُذُوْا: اَخَذَ يَاْخُذُ سے فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم پکڑو، لے لو، کرلو۔

حِذْرَكُمْ: (حِذْرَ، كُمْ) حِذْر اور حَذَر دونوں ایک ہی معنوں میں بولے جاتے ہیں۔ بچاؤ، حفاظت، احتیاط، خبرداری، یعنی بیدار و ہوشیار رہو اور دشمن کے خلاف حفاظتی تدابیر اختیار کرلو، دشمن سے بچاؤ کے لیے ضروری احتیاط کرلو، ہتھیار لے لو۔

فَانْفِرُوْا: (فَ، انْفِرُوْا) نَفَرَ يَنْفِرُ سے فعل امر۔ پھر دشمن سے لڑنے کے لیے نکلو، لڑائی کے لیے چل دو، کوچ کرو۔

ثُبَاتٍ: (واحد، ثُبَةٌ) ثَبِيَ يَثْبِيْ ثَبْيًا (ث ب ی) گروہ، جماعت، متفرق، جتھا، لشکر۔

---

[1] الہیثمی، مجمع الزوائد: ۲۹۴۳۱ و ابن کثیر، جامع المسانید: ۸۴۴۴

[2] سنن الترمذی: ۱۲۰۹ و سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۹

جَمِيْعًا: اکٹھے۔ لَمَنْ: البتہ وہ جو، (لَ، مَنْ) لَ تاکید کے لیے یا ابتدا کے لیے۔

لَيُبَطِّئَنَّ: (ب ط ء) لَ قسم محذوف کا جواب ہے اور نَّ تاکید کے لیے۔ ضرور دیر لگا دے گا۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ جہاد سے پیچھے رہ جائے گا، البتہ ضرور بچھڑے گا۔

شَهِيْدًا: موجود، حاضر۔ لَيَقُوْلَنَّ: تو وہ ندامت سے کہتا ہے۔

كَاَنْ: گویا کہ۔ مَوَدَّةٌ: دوستی، جان پہچان۔

فَاَفُوْزَ فَوْزًا: تو میں کامیابی حاصل کرتا۔ یہاں بڑی کامیابی حاصل کرنے سے مراد مالِ غنیمت کا حصہ وافر پانا ہے۔

مفہوم ومطلب: مومنوں کو جہاد کا حکم

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دشمن کے مقابلے پر اپنا پورا بچاؤ کر کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر لڑائی کے لیے متفرق جماعتوں اور ٹولیوں میں نکلو یا سب کے سب اکٹھے میدان جہاد پر نکل آؤ۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے بعض منافق ہیں اور وہ میدان جہاد میں جانے سے ڈرتے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر دیر لگا دیں گے۔ اگر لڑائی میں تمھیں کچھ تکلیف پہنچی تو سمجھیں گے کہ یہ اللہ کا فضل وکرم تھا کہ وہ جنگ میں موجود نہ تھے اور مصیبت سے بچ گئے اور اگر تمھیں فتح ہوئی اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو اس وقت سے بڑے معصومانہ انداز میں کہیں گے کہ کاش! ہم بھی مسلمانوں کے ساتھ ہو کر لڑائی میں جاتے تو مالِ غنیمت کا وافر حصہ ہمارے ہاتھ آتا۔

اس آیت میں مسلمانوں کو جنگ کی تیاری اور دشمنوں سے لڑائی کا حکم ملا ہے اور ساتھ ہی منافقوں کے ذہن کی خبر دی ہے۔ اس آیت کی رُو سے ہتھیاروں کی فراہمی، اسلحہ کی تیاری اور سامانِ جنگ کا پورا پورا بندوبست کرنا امت مسلمہ یا اسلامی حکومت پر فرض کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی منافقوں سے بھی خبردار کر دیا۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ	سو چاہیے کہ لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں
يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ	دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے
يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ	راہِ خدا میں پھر شہید ہوا یا غالب ہوا تو عنقریب ہم
يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾	دیں گے اس کو ثواب بڑا۔

آیت: ۷۴۔ تشریح الفاظ

فَلْيُقَاتِلْ: (قتل سے باب مفاعلہ) پس چاہیے کہ لڑیں، جنگ کریں، لڑائی کریں۔

یَشْرُوْنَ: (شری) فروخت کرتے ہیں۔ شِراء خرید نے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔
فَیُقْتَلْ: پھر وہ مارا جائے (مضارع مجہول) یعنی شہید ہو جائے۔
یَغْلِبْ: غالب آئے، یعنی فتح پائے۔ بِالْاٰخِرَۃِ: آخرت کے عوض۔

مفہوم ومطلب: جہاد اور شہادت کی فضیلت

اس آیت میں راہِ خدا میں دعوت جہاد ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ دنیا فانی اور چند روزہ زندگی کو آخرت، ابدی اور ہمیشہ کی زندگی کے عوض فروخت کرتے ہیں، یعنی مومن صادق اور مجاہد مخلص تو انھیں دعوت ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکل آئیں اور دین کی سربلندی اور عزت کے لیے کافروں سے لڑ جائیں، اگر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تو ان کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہیں اور اگر فتح یاب ہوئے تو بھی حکومت وسلطنت ان کے قدم چومے گی۔ مجاہد کے لیے اللہ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر راہ خدا میں جہاد کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور مجاہد وشہید کے لیے اجر عظیم کی خوشخبری سنائی ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾	اور کیا ہے تم کو کہ نہ لڑو تم راہ خدا میں اور واسطے کمزور مردوں کے اور عورتوں کے اور بچوں کے جو کہتے ہیں: اے رب ہمارے! نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں لوگ اس کے اور بنا ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور بنا ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار۔

آیت: ۷۵۔ تشریح الفاظ

وَمَالَكُمْ: اور تمھیں کیا ہے، یعنی کوئی چیز مانع نہیں، اس مَا (استفہام) میں سرزنش اور توبیخ ہے۔
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ: اور کمزور و ناتواں لوگ، یعنی کمزور وناتواں مردوں، عورتوں اور بچوں کو رہائی اور مخلصی و نجات دلانے کے لیے ضرور جہاد کرو۔

مفہوم ومطلب: جہاد کی دعوت وترغیب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مجاہدوں کو دعوت دی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں۔ فرمایا کہ تمھیں کون سی چیز مانع ہے؟ مطلب یہ کہ دیکھو! دین کی سربلندی کے لیے لڑو اور اس لیے بھی جنگ کرو کہ کمزور و ناتواں مرد، عورتیں اور بچے جنھیں کفار نے قید ومحبوس کر رکھا ہے انھیں نجات دلا سکو۔ یہ کمزور لوگ، جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں اور بچے بھی، یہ اللہ کے حضور میں دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! اس شہر کے ظالم لوگوں سے ہمیں نجات دلا۔ اپنی بارگاہ سے ہمارے لیے کوئی حمایتی اور مددگار بنا کر بھیج جو ہمیں ان ظالموں کے پنجے سے رہائی دلائے۔

فرمایا کہ جب صورت حال یہ ہو تو پھر مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کے مظلوم مسلمان فتح مکہ سے قبل کفار کے پنجے میں گرفتار تھے، اللہ نے ان کی دعا سنی۔ کچھ ہجرت کر گئے اور باقی کو فتح مکہ کے دن اللہ کی نصرت حاصل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ ان کے ولی اور ناصر و مددگار ثابت ہوئے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ	وہ لوگ جو ایمان لائے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور وہ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	جو کافر ہیں لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں، پس تم لڑو
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ	شیطان کے دوستوں سے، بے شک فریب شیطان کا
اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾	ہے کمزور۔

آیت: ۷۶۔ تشریح الفاظ

يُقَاتِلُوْنَ: (قتل سے باب مفاعلہ) جنگ کرتے ہیں، لڑتے ہیں۔

الطَّاغُوْتِ: شیطان، بُت۔ اَوْلِيَآءَ: (واحد، وَلِيّ) دوست، مددگار، حمایتی۔

كَيْدَ: مکر، فریب، داؤ۔ ضَعِيْفًا: کمزور، بودا۔

مفہوم ومطلب: مومن اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور کافر شیطان کی راہ میں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن خدا کی خوشنودی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑتا ہے۔ اس کا مقصد ہے دین کی سربلندی۔ مومن خدا کا بول بالا کرنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔ اس کے پیش نظر ذاتی حرص اور بغض وعناد نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ایک کافر کی لڑائی شیطان کو خوش کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ کافر کے

سامنے دنیا کا مفاد، ذاتی بغض وعناد اور اسلام دشمنی ہوتی ہے۔

مقصد کے اس تفاوت اور فرق نے مومن کو بہادر، دلیر اور طاقتور بنا دیا۔ اس کے بازو میں قوت پیدا کر دی۔ کافر بزدل اور کمزور ہوتا ہے۔ مومن کے ساتھ اللہ کی نصرت و اعانت ہوتی ہے۔ کافر اللہ کی نصرت سے محروم ہوتا ہے اور جس شیطان کے لیے کافر لڑتا ہے وہ لڑائی میں اس کا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ اس کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی نصرت کے لیے آسمان سے فرشتے نازل کرتا ہے اور مومنوں کو فتح و کامرانی عطا کرتا ہے۔

مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ شیطان کے حمایتیوں سے لڑو اور بہادری سے ان کا مقابلہ کرو۔ یہ سب بزدل ہیں۔ ان کا داؤ بودا ہے اور ان کے سارے حیلے اور مکر و فریب کمزور اور بے بنیاد ہیں۔ یہ تمھارے سامنے ڈٹ کر لڑائی نہیں کر سکتے۔ ایک طرف تو اس آیت میں حقیقت بیان کی اور دوسری طرف نفسیاتی لحاظ سے مسلمانوں کے حوصلے بلند کیے اور ہمت بڑھائی۔

جب سے مسلمانوں نے دین کی سر بلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑنا چھوڑ دیا ذلت و نکبت نے انھیں گھیر لیا۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم آج متفرق ہیں، ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ فرقہ بندی، ملکی عصبیت اور جذبۂ وطنیت کے ہم شکار ہیں۔ دشمن متحد ہے۔ بڑی ضرورت ہے کہ ہم پھر فلسفۂ قرآن پر غور کریں اور اسلامی تعلیم کو اپنائیں، تاکہ حقیقی عزت و سربلندی کو پا سکیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿۷۷﴾	کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن سے کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز اور دو زکوۃ، پس جب فرض کی گئی ان پر لڑائی تو ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگا لوگوں سے جیسے ڈر ہے اللہ کا یا اس سے زیادہ ڈر اور کہا انھوں نے: اے رب ہمارے! کیوں فرض کیا تو نے ہم پر جہاد، کیوں نہ مہلت دی ہمیں مدت تھوڑی؟ تو کہہ دیجیے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لیے جو پرہیزگار ہے۔ اور نہ ظلم کیا جائے گا تم پر دھاگے برابر۔

آیت: ۷۷۔ تشریح الفاظ

قِيْلَ: کہا گیا، قَالَ يَقُوْلُ قَوْلاً سے فعل ماضی مجہول، مادہ (ق و ل)۔

كُفُّوْا: (ك،ف،ف) كَفَّ يَكُفُّ سے فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم روکو، تم بند رکھو۔

اَقِيْمُوْا: (ق و م) باب افعال، فعل امر۔ تم قائم کرو، یعنی خشوع و خضوع اور پابندی وقت اور حضور قلب سے نماز ادا کرتے رہا کرو۔ يَخْشَوْنَ: (خشی) ڈرتے ہیں، خوف کھاتے ہیں۔

اِذَا: تب، اس وقت، ناگہاں، اچانک، دفعتاً، یعنی جب جہاد وقتال فرض ہوا تو اچانک خوف زدہ ہو گئے۔

كَخَشْيَةِ: (ك) بمعنی مانند، جیسے، خَشْيَة، بمعنی ڈر، خوف۔

اَشَدَّ: (ش د د) شَدِيْد سے اسم تفضیل۔ زیادہ سخت، اور زیادہ۔

اَخَّرْتَنَا: (ا خ ر) تَاْخِيْر باب تفعیل۔ اَخَّرْتَ: تو نے مہلت دی، چھوڑ دیا۔ ڈھیل دی، نَا ہمیں، یعنی تو نے ہمیں کیوں نہ مہلت دی۔ اِتَّقٰى: پرہیز گار ہوا، ڈر گیا، گناہوں سے بچتا رہا۔

اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ: اجل قریب تک، تھوڑی مدت تک، یعنی اس حکم جہاد کی تاخیر کسی دوسری مدت تک کیوں نہ ہوئی۔

مَتَاعُ الدُّنْيَا: دنیا کی منفعت اور دنیوی لذتوں سے لطف اندوزی۔

مفہوم ومطلب: حکم جہاد کے بعد منافقوں کا تذبذب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے ان لوگوں کو دیکھ لیا جنھیں حکم دیا گیا تھا کہ سرِ دست لڑائی سے ہاتھ روکے رہو اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو۔ جب جہاد فرض کر دیا گیا تو اچانک ایک گروہ یعنی منافق خوف محسوس کرنے لگے اور لوگوں سے ایسے ڈرنے لگے جیسے عذابِ الٰہی سے ڈر ہوتا ہے بلکہ اللہ کے عذاب سے بڑھ کر لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ جب خوف نے انھیں ناگہانی طور پر آلیا تو گھبرا کر موت کے خوف کے مارے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فریضہ جہاد کو اور تھوڑی مدت کے لیے کیوں نہ ملتوی کر دیا۔ ہمیں کچھ اور عرصہ مہلت مل جاتی تو ہم امن وسکون کی زندگی کے مزے لوٹتے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ زندگی ناپائیدار اور فانی ہے اور اس کے مزے اور فائدے بھی چند روزہ ہیں لیکن آخرت کی زندگی ابدی ہے اور وہاں کے مزے اور لطف بھی پائیدار اور دائمی ہیں۔ گناہوں سے بچنے والوں اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے۔ وہاں کسی کی ذرہ بھر حق تلفی نہیں ہوگی۔

واقعات یوں ہیں کہ جب مسلمان کمزور تھے تو انھیں حکم تھا کہ صبر وتحمل اور ضبط و برداشت سے کام لو۔ اپنے ہاتھوں کو لڑائی سے روکے رہو۔ ابھی تم کو قتال و جہاد کی اجازت نہیں۔ البتہ نمازیں پڑھتے رہو پابندی اور

خشوع وخضوع کے ساتھ۔ صدقات وزکوۃ بھی ادا کرتے رہو۔

لیکن جب ان کی خواہش وآرزو کے مطابق جہاد اور قتال کی اجازت مل گئی، کفار سے جنگ کا حکم آگیا تو منافقوں کے گروہ نے (جو مسلمانوں کا ایک فریق کہلاتا تھا) تنگ دلی کا اظہار کیا اور حکم مل جانے کے بعد کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکمِ جہاد کو تھوڑے عرصے کے لیے ملتوی کیوں نہ کر دیا، تاکہ ہم چند روز اور مزے کی زندگی گزار لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ مزا کوئی مزا نہیں۔ یہاں بہرحال مرنا ہے۔ آج نہیں تو کل، موت سے مفر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیک اور پرہیزگار بندوں کے لیے آخرت میں بڑی نعمتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ وہاں بڑے مزے ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''آخرت کے مقابلے پر دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر میں انگلی ڈبونے سے پانی ساتھ آجاتا ہے۔''[1] دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص درخت کے سائے میں قیلولہ (دوپہر کا آرام) کرے اور پھر اٹھ کر چل دے۔''[2] کوئی شخص بھی اپنے حق سے محروم نہ کیا جائے گا۔ کسی پر ذرہ بھر ظلم ونا انصافی نہ ہوگی، نہ کسی کی حق تلفی کا کوئی امکان ہے۔

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ۝۷۸	جہاں کہیں تم ہو گے آلے گی تم کو موت خواہ ہو تم مضبوط برجوں میں اور اگر پہنچے ان کو کچھ بھلائی تو کہتے ہیں: یہ ہے اللہ کی طرف سے اور اگر پہنچے ان کو کچھ برائی تو کہتے ہیں: یہ ہے تیری طرف سے تو کہہ دو کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پس کیا ہے ان لوگوں کو نہیں قریب کہ سمجھیں بات۔

آیت: ۷۸۔ تشریح الفاظ

اَیْنَ مَا: جہاں کہیں، جس جگہ بھی۔ مَا کو بعض علما نے زائدہ کہا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم: ۲۸۵۸ وسنن الترمذی: ۲۳۲۳۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انگلی کے ساتھ لگا پانی دنیا کی زندگی اور باقی سارا پانی آخرت کی زندگی ہے۔

[2] سنن الترمذی: ۲۳۷۷ واحمد بن حنبل، المسند: ۳۷۴۴

یُدْرِکْکُّمْ: (درك سے بابِ افعال) اَدْرَكَ یُدْرِكُ، پالینا، آلینا، پکڑ لینا اور گرفت میں لے لینا۔

بُرُوْجٍ: (واحد، بُرْج) قلعے۔

مُشَیَّدَۃٍ: مضبوط و بلند، ناقابلِ تسخیر۔ لفظی معنی چونے وغیرہ سے گچ کیا ہوا۔ مراد محفوظ اور بلند قلعہ۔

لَایَکَادُوْنَ: لَا بمعنی نہیں۔ کَادَ یَکَادُ کَوْدًا (ك و د) انعال مقاربہ میں سے ایک فعل۔ قریب ہوتے، نزدیک ہوتے، پاس پہنچتے۔ یَفْقَھُوْنَ: (ف ق ہ) سے فعل مضارع، جمع مذکر غائب۔ سمجھنا۔

حَدِیْثًا: بات۔ لَایَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا: یعنی بات سمجھنے کے پاس نہیں پھٹکتے، بات کو سمجھنے کے قریب نہیں ہوتے۔ ان کی انتہائی ناسمجھی اور نافہمی ہے کہ سمجھنا تو درکنار سمجھنے کے پاس بھی نہیں پہنچتے۔

مفہوم و مطلب: موت اٹل ہے

فرمایا کہ موت کے ڈر سے جنگ میں شرکت نہیں کرتے اور جہاد کے حکم سے منہ بسورتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، جب وہ وقت آجائے تو ٹل نہیں سکتا۔ میدان جنگ ہو یا ایسے بڑے مضبوط اور بلند و بالا قلعے ہوں کہ جہاں کسی کی رسائی تک نہ ہو سکے اور تم ان قلعوں میں پناہ لے لو تو موت تمھیں وہاں بھی آلے گی۔

پھر منافقوں کی ذہنی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب انھیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے، پیداوار خوب ہو، پھل، غلہ اور اولاد ایسی نعمتوں کی فراوانی ہو تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا ہے۔ لیکن جب انھیں کوئی تکلیف پہنچے، غلہ، پھل وغیرہ میں نقصان اور کمی ہو جائے یا قحط و بلا کا سامنا ہو تو پھر اس مصیبت کو نحوست سمجھتے ہیں اور پیغمبر ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ دُکھ سُکھ، مصیبت اور آسائش، صحت و بیماری، قحط اور رزق کی فراوانی سب اللہ کی طرف سے ہے۔ افسوس ہے کہ جو لوگ بات سمجھنے کا سلیقہ نہیں رکھتے، بات سمجھیں تو کیونکر؟ ان میں تو کوئی آمادگی ہی نظر نہیں آتی کہ یہ بات کو سمجھ پائیں۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾	جو کچھ پہنچا آپ کو بھلائی سے سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ پہنچا آپ کو برائی سے تو وہ آپ کی اپنی طرف سے ہے اور بھیجا ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول اور کافی ہے اللہ گواہ۔

آیت:۷۹۔تشریح الفاظ

اَصَابَكَ: آپ کو پہنچے۔ اَرْسَلْنٰكَ: اَرْسَلَ بھیجا، نَا ہم نے۔ كَ آپ کو۔
حَسَنَةٍ: فائدہ، اچھائی، بھلائی۔ سَيِّئَةٍ: نقصان، برائی، تکلیف۔

مفہوم و مطلب: بھلائی اور برائی کس کی طرف سے ہے؟

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے بنی نوع انسان کو پیغام دیا کہ اے انسان! تجھے جتنا فائدہ پہنچتا ہے اور جتنی بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے اور جس قدر نقصان اور تکلیف پہنچے تو اس میں قصور تیرا اپنا ہے۔ تو نے ایسی غلط راہ اختیار کی جس کا طبعی نتیجہ یہ نقصان تھا۔ تیرے گناہوں کے سبب تجھے تکلیف پہنچی۔

فرمایا کہ نیکیوں سے اللہ خوش ہوتا ہے اور نیک لوگوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ اللہ کو گناہ پسند نہیں۔ گناہ سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور پھر اس کی کچھ سزا لوگوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ یہ سزا اور تکلیف اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ملتی ہے۔ اس میں ہمارے نبی کا کیا قصور۔ فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ! ہم نے آپ کو ساری مخلوق کے لیے اور تمام جہان کے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کا کام تو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور بس۔ یہ لوگ آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ لیکن اللہ کی گواہی بڑی کافی ہے کہ آپ رسولِ برحق ہیں۔ ان کے ایمان یا انکار سے آپ کی رسالت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ آپ کی صداقت کے لیے اللہ سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے!

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ	جس نے حکم مانا رسول کا پس اس نے حکم مانا اللہ کا۔ اور
مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾	جو الٹا پھرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان۔

آیت:۸۰۔تشریح الفاظ

تَوَلّٰى: (وَلی) باب: تفعُّل۔ الٹا پھرنا، منہ موڑنا، اعراض کرنا۔

حَفِيْظًا: نگہبان، نگران، محافظ۔

مفہوم و مطلب: اللہ کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی بزرگی اور شرف کا ذکر فرمایا کہ جس شخص نے

آنحضرت ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی، اس نے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی۔ یہ اس لیے کہ پیغمبر علیہ السلام دین وشریعت کے معاملے میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بلکہ اللہ کی طرف سے جو احکام بذریعہ وحی والہام آتے ہیں آپ وہی لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○﴾ [1] کا یہی مطلب ہے۔ اس لیے رسول کا فرمان حقیقت میں اللہ کا فرمان ہے۔ پیغمبر کا حکم دراصل اللہ کا حکم ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جس شخص نے آپ ﷺ کا کہا مانا اس نے درحقیقت اللہ کا کہا مانا۔

اسے حدیث میں رسول خدا ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔'' [2]

دوسری حدیث میں فرمایا کہ ''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے راہ ہدایت پالی اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس نے اپنا ہی کچھ کھویا اور خود نقصان اٹھایا۔'' [3]

بہر حال پیغمبر خدا ﷺ کا ہر حکم وحی ہے، وہ وحی جلی ہو یا خفی یعنی قرآن کی آیت ہو یا حدیث رسول ﷺ ہو، اس کی اطاعت ضروری ہے۔ یہ حکم عام ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی فضیلت اور شان کا اعلان ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی بد بخت اسلام سے منہ موڑ لے اور پیغمبر خدا کی بات پر کان نہ دھرے تو آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ غم نہ کھائیں اور فکر نہ کریں۔ آپ کا کام پہنچا دینا تھا۔ سو آپ نے اللہ کا حکم پہنچا دیا۔ آپ ان کے اعمال و افعال کے نگہبان اور ذمہ دار نہیں ہیں۔ ان کا معاملہ اللہ سے ہے۔ وہ خود ان سے نپٹ لے گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾	اور وہ کہتے ہیں: ہم فرمانبردار ہیں، پھر جب باہر نکلتے ہیں تیرے پاس سے مشورے کرتا ہے رات کو ایک گروہ ان میں سے خلاف اس کے جو تو کہتا ہے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورے کرتے ہیں، پس تو منہ موڑ لے ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور کافی ہے اللہ کارساز۔

[1] النجم:۵۳/ ۳، ۴۔ ''آپ (ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔''

[2] صحیح البخاری:۲۹۵۷ وصحیح مسلم:۱۸۳۵

[3] صحیح مسلم:۸۷۰ وسنن ابی داود:۱۰۹۷

آیت:۸۱۔تشریح الفاظ

يَقُوْلُوْنَ: (ق و ل) وہ، یعنی منافق لوگ کہتے ہیں۔

طَاعَةٌ: فرمانبرداری، اطاعت، یعنی ہمارا کام فرمانبرداری ہے۔ہم ہمیشہ آپ کے فرمانبردار ہیں۔آپ کا حکم سرآنکھوں پر ہے۔

بَرَزُوْا: (ب ر ز) مضارع يَبْرُزُ۔ باہر نکلتے ہیں، باہر جاتے ہیں۔

بَيَّتَ: (ب ی ت) بَاتَ يَبِيْتُ سے باب تفعیل۔ رات بسر کرنا، رات کو کسی کام میں مصروف ہونا، رات کو مشورے کرنا۔ باتیں گھڑنا، تبدیل کرنا۔

طَائِفَةٌ: ایک گروہ، ایک جماعت، یعنی منافق لوگ۔

تَقُوْلُ: تو کہتا ہے۔ نیز اس کا فاعل، طَائِفَةٌ بھی ہو سکتا ہے، یعنی اس گروہ نے آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دعویٰ کیا اور رات کے وقت اپنے اس قول کے خلاف مشورے کرتے رہے۔

يَكْتُبُ: (كَتَبَ ماضی) لکھتا ہے، یعنی فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتا ہے۔

يُبَيِّتُوْنَ: بَيَّتَ سے مضارع، جمع مذکر غائب۔ وہ رات کو مشورے اور تدبیریں کرتے ہیں۔

تَوَكَّلْ: (و ك ل) باب تفعل۔ تو بھروسہ کر، توکل کر، اعتماد رکھ، اعتبار کر۔

وَكِيْلًا: کارساز، کام بنانے والا، وہ جس کے سپرد اپنا کام کر دیا جائے۔

مفہوم ومطلب: منافقوں کی بدکرداری

اس آیت میں فرمایا کہ منافق لوگوں کا ذہن دیکھو کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ کے فرمان کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتے ہیں۔ فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کا اقرار و اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ ہم تو ہمیشہ سے آپ کے تابعدار چلے آتے ہیں۔ لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں تو پھر رات کے وقت چھپ چھپ کر آپ کے خلاف مشورے کرتے ہیں، یا اپنے وعدے اور اقرار و اعلان کے برخلاف سازشیں اور تدبیریں کرتے ہیں۔

منافقوں کے اس رویے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دی کہ آپ فکر نہ کریں، اللہ کے ہاں ان کا ایک ایک عمل لکھا جا رہا ہے۔ سر دست آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، وہی کارساز اور کام بنانے والا ہے۔ وہ ان کو بداعمالیوں کی سزا ضرور دے گا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾	کیا پس نہیں غور کرتے قرآن میں اور اگر ہوتا وہ اللہ کے سوا دوسرے کے پاس سے تو وہ پاتے اس میں اختلاف بہت۔

آیت: ۸۲۔ تشریح الفاظ

اَفَلَا: (اَ فَ لَا) کیا، پس، نہیں، یعنی پھر کیوں نہیں۔

يَتَدَبَّرُوْنَ: (د ب ر) باب تفعل۔ انجام و عاقبت کو سوچنا، وہ کیوں نہیں غور کرتے، وہ کیوں نہیں سوچتے۔

لَوَجَدُوْا: (لَ، وَجَدُوْا) لَ، جواب شرط بمعنی تو، سو۔ وَجَدُوْا: پاتے، دیکھتے۔

مفہوم و مطلب: قرآنِ مجید وحی الٰہی ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو قرآن مجید میں دعوتِ فکر دی ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ کتنے بے وقوف اور جاہل ہیں کہ قرآن ان کے سامنے ہے، کیوں اس پر غور و فکر نہیں کرتے؟ ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے، یہ وحی الٰہی ہے، کسی نے اپنے پاس سے نہیں بنائی۔ اگر یہ قرآن کتاب اللہ نہ ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف نظر آتا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس قرآن میں غور کریں تو خود بخود یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہوسکتا۔ یہ خدا کی طرف سے برحق کتاب ہے۔

قرآنِ مجید کا گہرا مطالعہ پتہ دیتا ہے کہ نہ تو اس کے معانی میں تناقض ہے اور نہ اس کے نظم کلام میں۔ اول سے آخر تک سارا قرآن مجید فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا۔ کہیں بھی رکیک کلام نہیں۔ سارا کلام اعلیٰ درجہ کی فصاحت کا بہترین نمونہ ہے۔ نہ کہیں نظر و فکر میں اختلاف ہے اور نہ وصف و بیان میں۔

کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ اخبار و حقائق کو اس صحت اور تفصیل سے بیان کرے جیسا قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ قرآن مجید نے ماضی کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ حالانکہ پیغمبر علیہ السلام نے ان واقعات کو بچشم خود نہیں دیکھا۔ پھر قرآن مجید نے پیش آنے والے حالات و اخبار کی اطلاع دی اور وہ ہوبہو ویسے ہی پیش آئے۔

کوئی انسان قرآن مجید کے انداز و اسلوب میں اصول عقائد، قواعد شریعت اور سیاست ملل و اقوام بیان نہیں کرسکتا۔ پھر لطف یہ کہ کہیں تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔

اجتماعی مسائل، عمرانی نظریات، ملل و اقوام کے طبائع اور نفسیات سے قرآنی طریق پر بحث ونظر کی استطاعت کس بشر میں ہے؟ ان چیزوں پر قرآن نے جو کچھ کہا وہ حرف آخر ہے۔ مختصر یہ کہ اگر یہ لوگ قرآن پر غور وفکر کرتے تو راہِ راست پر آ جاتے۔ رُشد وہدایت سے بہرہ مند ہو کر دین و دنیا کی سعادت کے حق دار بن جاتے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوْا بِهٖ ۚ وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾	اور جب پہنچتی ہے ان کو کوئی خبر امن کی یا ڈر کی مشہور کرتے ہیں اسے اور اگر پھیرتے اس کو رسول کی طرف یا صاحب امر کی طرف ان میں سے تو جان لیتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی تو پیروی کرتے تم شیطان کی مگر تھوڑے۔

آیت: ۸۳۔ تشریح الفاظ

جَآءَهُمْ: ان کو پہنچتی، یعنی منافقوں کو۔ أَمْرٌ: بات، خبر۔

أَذَاعُوْا: (ذ ی ع) ذَاعَ يَذِيْعُ سے باب افعال۔ خبر کا پھیلنا۔ إِذَاعَةٌ: مشہور کرنا، شہرت دینا۔ اسی لفظ سے ریڈیو کے لیے ''مِذْيَاعٌ'' استعمال ہوتا ہے اور نشر کرنے کے لیے إِذَاعَة۔

رَدُّوْهُ: لوٹاتے اسے، پھیرتے اسے۔ الرَّسُوْل: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

أُولِي الْأَمْرِ: صاحب اختیار، صاحب علم، صاحب حکم (لوگوں کی طرف)۔

مِنْهُمْ: ان کے، یعنی اپنے صاحب اختیار اور سمجھ بوجھ والے اور علم والے لوگ۔

لَعَلِمَهُ: تو جان لیتے اسے، یعنی اس خوف یا امن کی خبر کی تحقیق کر لیتے۔

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ: (ن ب ط) استنباط باب استفعال، نبط کنواں کھودنے میں پہلے پہل نکلنے والا پانی۔ استنباط کے معنی اِستخراج، عقل و دانش اور دلائل سے مسائل کا اخذ کرنا، تدبیر سوچنا، تحقیق کرنا۔

لَاتَّبَعْتُمْ: (لَ، اِتَّبَعْتُمْ) لَ جواب شرط بمعنی تو۔ اِتَّبَعَ: (ت ب ع) باب افتعال۔ تم پیچھے جاتے، اتباع کرتے، پیروی کرتے۔

مفہوم ومطلب: منافقوں کا غلط ذہن اور اس کا علاج

اس آیت میں فرمایا کہ یہ منافق لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی مفاد کو نقصان پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا ذہن اور عمل ملاحظہ ہو کہ جب بھی کسی قسم کی کوئی خبر یا فتح وشکست کی بابت کچھ سنتے ہیں تو بلا سوچے سمجھے اور بلا تحقیق اس کو نشر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جنگ کے معاملات میں بڑی رازداری اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ غلط خبر نشر کرنے سے قوم اور عوام کی نفسیات پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

فرمایا کہ ان کا فرض تھا کہ خبر ملنے پر اس کی تحقیق کرتے۔ سب سے پہلے امام المسلمین اور قائد المومنین حضرت محمد ﷺ سے بات کی حقیقت دریافت کر لیتے۔ اگر آپ ﷺ پسند فرماتے تو بیان کر دیتے اور حقیقت حال سے آگاہ فرماتے یا ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ ذمہ دار صاحب اقتدار و اختیار لوگوں کی طرف رجوع کرتے اور اکابر صحابہ اس بارے میں صحیح خبر دیتے تو یہ خبریں اڑانے اور افواہیں پھیلانے والے لوگ جو سارے ملک میں نشر کر دیتے ہیں انھیں صحیح علم حاصل ہو سکتا۔

"اَلَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ" سے بعض نے منافق مراد لیے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بات سے بات نکالتے ہیں اور بعض نے اہل عقل و دانش اور صاحب رائے لوگ مراد لیے ہیں۔ یعنی سمجھ دار صحابہ جو مسائل و اخبار کی تحقیق کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔[1]

بہر حال قرآن مجید کا مقصد یہ ہے کہ خبروں کے نشر کرنے اور افواہیں پھیلانے میں قومی مصالح اور ملّی تقاضے ملحوظ رکھنے چاہئیں اور بے پر کی خبریں اڑانے سے روک دیا۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ کی رحمت اور فضل بصورت قرآن و پیغمبر نہ ہوتا تو اکثر لوگ شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے اور بہت کم لوگ بچ سکتے۔ مگر قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی راہ نمائی اور ہدایت کے باعث لوگ شیطانی مکر وفریب سے بچ گئے۔

حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ مجھے خبر پہنچی کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو میں گھر سے نکل کر مسجد نبوی میں پہنچا اور دیکھا کہ لوگ بھی یہی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟

[1] الرازی، التفسیر، النساء: ۸۳

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں!'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ افواہ غلط ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ	پس آپ لڑیں راہِ خدا میں، نہیں تکلیف دی جاتی آپ
اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	کو مگر آپ کی جان کی اور رغبت دلائیں مومنوں کو
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ	،قریب ہے کہ اللہ بند کرے لڑائی ان لوگوں کی جو کافر
كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ	ہیں اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور سخت ہے
تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾	عذاب دینے میں۔

آیت: ۸۴۔ تشریح الفاظ

لَا تُكَلَّفُ: تو تکلیف نہیں دیا جاتا، تو مکلف نہیں ہے، ﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ﴾ یعنی آپ پر صرف اپنی جان کا ذمہ ہے اور دوسروں کا کچھ ذمہ نہیں۔

حَرِّضْ: (ح ر ض) تَحْرِيْض باب تفعیل سے فعل امر، واحد مذکر مخاطب۔ تو رغبت دلا، آمادہ کر، اُکسا۔

عَسٰى: قریب ہے۔ فَقَاتِلْ: پس تو لڑ۔

يَكُفَّ: روک دے، بند کر دے۔ بَاْس: جنگ، لڑائی، قوت، سختی۔

تَنْكِيْلًا: (ن ك ل) باب تفعیل۔ سزا دینے میں، عذاب دینے کے لحاظ سے، ایسی سزا جو دوسروں کے لیے عبرتناک ہو۔

مفہوم و مطلب: رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا حکم

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اللہ کی راہ میں کافروں سے لڑ جائیے۔ آپ اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں۔ خدا نے آپ کو مکلف کیا ہے، آپ کو دوسروں کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ البتہ آپ ایمان والوں کو جنگ کی دعوت دیں، لڑائی کی ترغیب دلائیں۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کی نوبت نہ آنے دے۔ کافروں کو لڑائی سے روک دے، ان کی ہمت توڑ دے اور ان کا زور کم کر دے۔ مسلمانوں کا دبدبہ اور رعب ان پر چھا جائے اور وہ لڑائی سے دست کش ہو جائیں۔ مسلمانوں کی بہادری، ولولہ اور ایمانی

[1] صحیح مسلم: ۱۴۷۹ و ابن حبان، الصحیح: ۴۱۸۸

جوش وخروش کو دیکھ کر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیں۔ فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ جنگ کے امکانات ختم کر دے۔ اللہ کے لیے یہ بات کوئی مشکل نہیں ہے۔ اللہ بڑی طاقت اور قوت کا مالک ہے اور وہ قادر ہے کہ جسے چاہے اور جب چاہے عبرت ناک سزا دے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو تنہا لڑائی کا حکم دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں یکہ وتنہا میدان جنگ میں نکلوں گا۔'' پھر غزوۂ بدر صغریٰ میں آپ ستر سواروں کو ساتھ لے کر نکلے۔ لیکن کفار مرعوب ہو گئے اور ابوسفیان باہر نہ نکلا۔ اس طرح جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اللہ نے کفار کی ہمت توڑ ڈالی اور وہ مسلمانوں سے ڈر گئے۔ مسلمان کامران اور فتح یاب واپس لوٹے۔ مسلمانوں نے موسمی منڈی سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ ان کے وفورِ مال کو دیکھ کر کافر آتشِ حسد میں جلنے لگے۔ [1]

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ	جو کوئی سفارش کرے سفارش نیک، ہوگا اس کے لیے
نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً	حصہ اس میں سے اور جو کوئی سفارش کرے سفارش
سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ	بری، ہوگا اس کے لیے حصہ اس میں سے اور ہے اللہ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾	ہر چیز پر نگہبان۔

آیت: ۸۵۔ تشریح الفاظ

يَشْفَعْ: (ش ف ع) سفارش کرتا ہے۔ شفاعت کرتا ہے۔ نیک سفارش کا مطلب ہے کہ شرع کے موافق ہو، یعنی اصلاح و بھلائی کرے اور بری سفارش جو کہ مخالف شرع ہو، جیسے لگائی بجھائی سے فساد اور فتنہ پھیلانا۔

نَصِيْبٌ: حصہ، یعنی شفیع اور سفارش کرنے والے کے لیے اس کا ثواب ہے۔

مِنْهَا: اس شفاعت کے سبب۔ **كِفْلٌ:** حصہ، یعنی عذاب اور سزا۔

مُقِيْتًا: (ق و ت) قَاتَ يَقُوْتُ قَوْتًا سے باب افعال (کھلانا، پلانا) أَقَاتَ يُقِيْتُ إِقَاتَةً سے مُقِيْت، نگہبان، محافظ، حافظ وشاہد، حاضر وناظر، مقتدر، اقتدار رکھنے والا، یعنی جزا وسزا پر قدرت اور طاقت رکھنے والا، قدیر، رزاق، یعنی ہر انسان کو رزق دینے والا۔

---

[1] ابن سید الناس، عیون الاثر: ۲/۷۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/۲۳۹-۲۴۷

مفہوم و مطلب: نیکی اور برائی کا بدلہ

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ لڑیں خواہ تنہا ہی لڑنا پڑے۔ دوسروں کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔ البتہ مومنوں کو جہاد کے لیے رغبت دلائیں۔

اب اس آیت میں فرمایا کہ جو شخص نیک کام اور اچھی بات کی سفارش کرتا ہے اس سفارش کے سبب اس کو بھی اجر اور ثواب ملے گا۔ مثلاً نیکی کی تلقین کرنا، لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا، بھلائی پھیلانا، یہ سب شفاعتِ حسنہ میں داخل ہے۔ نیک اور بھلائی پر عمل کرنے والوں کو تو ثواب ملے گا ہی، لیکن اس سفارش کرنے والے کو بھی اس اجر کا کچھ حصہ ضرور ملے گا۔

اس طرح سفارش بد کرنے والے کو بھی گناہ کی سزا کا کچھ حصہ بھگتنا پڑے گا۔ جو لوگ لگائی بجھائی کرتے اور فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں انھیں عذابِ الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن اس فتنہ و فساد کی راہ دکھانے والوں کو بھی عذاب کا حصہ ضرور ملے گا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نیکی کی تلقین کی، جہاد کی رغبت دلائی۔ جب تک دنیا میں نیکی کرنے والے نیکی کرتے رہیں گے اس کے اجر و ثواب کا ایک حصہ آنحضرت ﷺ کے نام بھی درج ہوتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال و افعال کا نگران و شاہد ہے۔ اس میں قدرت و طاقت ہے کہ ہر آدمی کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے۔ وہ نگہبان و محافظ ہے اور رزاق و قدیر بھی ہے۔ ہمارے گناہوں کے باوجود ہمیں رزق دیتا ہے اور قدرت و طاقت کے باوجود درگزر کر کے ہمیں مہلت دیتا ہے۔

''مُقِیت'' بڑا جامع لفظ ہے۔ اس میں وہ سب معانی آجاتے ہیں جو اوپر الگ الگ لکھے گئے ہیں۔

وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾	اور جب تم کو کوئی دعا دی جائے تو تم بھی دعا دو بہتر اس سے یا لوٹا دو وہی، بے شک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔

آیت: ۸۶۔ تشریح الفاظ

حُيِّيْتُمْ: (حی) حَيّٰا يُحَيِّيْ تَحِيَّةً، باب تفعیل، لفظی معنی زندگانی کی دعا کرنا، پھر یہ عام دعا کے لیے استعمال ہوا۔ یہاں مجہول آیا ہے، یعنی تم کو دعا دی جائے۔

بِتَحِيَّةٍ: ساتھ کسی دعا کے، یعنی جب تمھیں کوئی دعا دی جائے۔ یہاں اس دعا کا مقصد السلام علیکم کہنا ہے، یعنی اللہ تمھیں آفات و مصائب سے محفوظ رکھے۔ تمھیں شر اور دکھ تکلیف سے بچائے۔

فَحَيُّوا: (فَ ، حَيُّوا) فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم دعا دو۔

بِأَحْسَنَ مِنْهَا: اس دعا و تحیت سے بہتر کے ساتھ، یعنی اس سلام و دعا سے بہتر الفاظ استعمال کرو۔ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو۔

رُدُّوهَا: لوٹا دو، واپس پھیر دو۔

مفہوم ومطلب: سلام کرنے کے احکام وآداب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مجلسی آداب اور اسلامی ثقافت سکھاتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی شخص تمھیں دعا دے اور السلام علیکم کہے تو تم اس کے جواب میں بہتر دعا دو، یعنی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ السلام علیکم کہنے والے کو دس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے والے کو بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔[1]

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''سلام نشر کرو اور پھیلاؤ۔ اس سے ن وسلامتی کے حقدار ٹھہرو گے۔''[2]

نیز فرمایا کہ ''بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور واقف اور اجنبی سب کو سلام کہو۔''[3]

یہ بھی فرمایا کہ ''سوار پیدل کو سلام کرے۔ چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے بہتوں کو۔''[4]

سلام میں پہل کرنا افضل ہے۔[5] سلام کا جواب واجب ہے۔[6] سلام کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ گھر میں آئے تو سلام کرے۔[7]

---

[1] سنن أبي داود: ۵۱۹۵ وسنن الترمذي: ۲۶۸۹

[2] أحمد بن حنبل، المسند: ۱۸۵۳۰

[3] صحيح البخاري: ۱۲ وصحيح مسلم: ۳۹

[4] صحيح البخاري: ۶۲۳۱ وصحيح مسلم: ۲۱۶۰۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ کم عمر شخص عمر میں بڑے شخص کو سلام کہے۔

[5] صحيح البخاري: ۶۰۷۷ وصحيح مسلم: ۲۵۶۰

[6] صحيح البخاري: ۱۲۴۰

[7] النور: ۲۴/ ۶۱

نماز پڑھنے والے، غسل خانے میں نہانے والے اور بیت الخلا میں قضائے حاجت کرنے والے کو سلام نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔[۱]

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا سلام پہنچائے تو جواب میں تم یہ کہو: ''وَعَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ''[۲] یعنی تجھ پر بھی اور اس پر بھی سلامتی ہو۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حساب کرنے والا ہے، وہ تمھیں سلام پھیلانے اور مواصلات باہمی کا اجر دے گا۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، البتہ وہ ضرور جمع کرے گا تم کو قیامت کے دن، نہیں کوئی شک اس میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات کا۔

آیت: ۸۷۔ تشریح الفاظ

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: اللہ کے سوا کوئی بھی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ: لَ برائے قسم، تاکید، نَّ برائے تاکید، یعنی وہ ضرور تمھیں اکٹھا کرے گا۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن، مراد جس دن لوگ قبروں سے نکال کر کھڑے کر دیے جائیں گے، یا اللہ کے حضور میں لا کھڑے کیے جائیں گے۔

اَصْدَقُ: زیادہ سچا۔ یعنی اللہ سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔ اللہ کی بات سب سے زیادہ سچی اور پکی ہے۔

مفہوم و مطلب: توحید اور قیامت کا ذکر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا اعلان فرمایا کہ عبادت اور بندگی کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں (یعنی سب لوگوں کو) ضرور جمع کرے گا۔ اس دن میں کوئی شک نہیں۔ اس آیت میں توحید اور ایمان بالبعث کا ذکر یکجا کیا۔ دراصل یہی توحید اور قیامت کے دن جی اٹھنا ہی اصل عقیدہ اور صحیح مسئلہ ہے۔ اگر توحید سمجھ میں آجائے تو پھر شرک سے بچ سکتے ہیں۔

---

[۱] اگر کوئی سلام کر دے تو قضائے حاجت سے فراغت کے بعد جواب دیا جا سکتا ہے جیسے نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو بعد میں تیمم کر کے جواب دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۳۷) اسی طرح دورانِ نماز بھی ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا ثابت ہے۔ (سنن أبي داود: ۹۲۵-۹۲۷)

[۲] أحمد بن حنبل، المسند: ۲۴۸۵۷

ایمان بالبعث بھی بڑا ضروری عقیدہ ہے۔ کافروں کو یہ وہم تھا کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ قرآن نے بڑی بلند اور زوردار آواز میں کہا: ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ﴾[1] ''منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کہہ دیجیے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔'' پھر ایک جگہ تو فرمایا کہ تم سے ضرور ضرور باز پُرس ہوگی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تمھیں تمھارے کرتوتوں سے اس دن آگاہ اور خبردار کر دیا جائے گا۔

فرمایا کہ اللہ کی بات بہت سچی ہے۔ اس سے بڑھ کر سچ کہنے والا کوئی نہیں ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

پس کیا ہوا تم کو کہ منافقوں کے متعلق دو گروہ ہو حالانکہ اللہ نے الٹ دیا ان کو بسبب ان کے کرتوتوں کے، کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ اس کو جسے گمراہ چھوڑا اللہ نے؟ اور جس کو گمراہ چھوڑے اللہ تو ہرگز نہ پائیں آپ اس کے لیے کوئی راہ۔

آیت: ۸۸۔ تشریح الفاظ

فَمَا لَكُمْ: پس تمھارا کیا حال ہے کہ ہو گئے تم، کیا وجہ ہے کہ تم ہو گئے، تم کیوں ہو گئے۔

فِئَتَيْنِ: دو گروہ (یعنی منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ کیوں بن گئے، تمھیں ان کے بارے میں تو کوئی اختلاف کرنا نہیں چاہیے۔)

اَرْكَسَهُمْ: (ر ك س) باب افعال، الٹا کر دیا ان کو، اوندھا کر دیا ان کو، مردود کر دیا ان کو، یعنی کفر میں لوٹا دیا۔

بِمَا كَسَبُوْا: بسبب اس چیز کے جو انھوں نے کمایا، یعنی ان کے اعمال کے سبب، ان کے کرتوتوں کی وجہ سے۔

مفہوم و مطلب: منافقوں کے بارے میں اختلاف رائے سے روک دیا

آنحضرت ﷺ جنگ اُحد کے لیے ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ لیکن منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول نے تین سو آدمیوں کو بہکا پھسلا کر راستے سے واپس کر لیا۔[2] آنحضرت ﷺ سات سو

---

[1] التغابن: ۶۴/ ۷

[2] عبداللہ بن اُبی نے تجویز دی کہ جنگ مدینہ میں لڑی جائے۔ جب آپ ﷺ ایک ہزار کا لشکر لے کر جنگ کے لیے نکلے تو یہ اپنی تجویز نہ مانے جانے کا بہانہ بنا کر اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس پلٹ گیا۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/ ۹)

جاں نثاروں کو لے کر اُحد کے میدان میں پہنچے۔

اب مسلمانوں میں اختلاف رائے ہو گیا، ایک گروہ کہنے لگا کہ یہ غدار اور منافق ہیں۔ انھوں نے ملت اور دین سے دھوکا کیا ہے۔ انھیں ہم قتل کر دیں گے۔ دوسرا گروہ کہنے لگا کہ آخر مسلمان ہیں، انھیں کیسے قتل کر سکتے ہیں۔ اب پریشان خاطر تھے کہ کیا کریں، کیا نہ کریں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کیوں اختلاف کرتے ہو اور کیوں پریشان ہوتے ہو؟ اللہ نے تو انھیں اوندھا کر دیا اور وہ دوبارہ کفر میں لوٹ گئے۔ وہ اسلام سے خارج ہو گئے اور پھر کافر بن گئے۔ یہ سزا اس لیے ملی کہ انھوں نے اسلام کی جگہ کفر پسند کیا اور پیغمبر علیہ السلام کی اطاعت کی بجائے نافرمانی اختیار کی۔ اب تم اختلاف مت کرو۔ ان کو منافق و مردود جانو۔ یہ راہِ راست اور صراط مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ ایسے گمراہوں کو سیدھی راہ پر لانا تمھارے بس میں نہیں۔ اللہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے کہ ان کو گمراہی میں چھوڑ دے، کیونکہ یہ منافق گمراہی پسند کرتے ہیں اور گمراہی میں رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ بھلا ایسے لوگ سیدھی راہ کیسے پا سکتے ہیں؟!

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾	وہ تمنا کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے، پس ہو جاؤ تم (ان کے) برابر، پس مت بناؤ تم ان میں سے دوست یہاں تک کہ وہ چھوڑیں وطن اللہ کی راہ میں، پھر اگر وہ منہ موڑیں پس پکڑو ان کو اور قتل کر دو ان کو جہاں کہیں تم پاؤ ان کو اور مت بناؤ ان میں سے کوئی دوست اور نہ مددگار۔
اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ	مگر وہ لوگ کہ جا ملے ایسی قوم سے کہ تمھارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا آئے تمھارے پاس کہ تنگ ہوئے سینے ان کے کہ وہ لڑیں تم سے یا لڑیں وہ اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا ان کو تم پر،

[1] صحیح البخاری: ۴۰۵۰۔ ان واقعات کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۶/ ۴۵۰-۴۴۹

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ	پس وہ لڑتے تم سے پس اگر وہ کنارہ پکڑیں تم سے اور
يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا	نہ لڑیں تم سے اور ڈالیں تمھاری طرف صلح تو نہیں دی
جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾	اللہ نے تم کو ان پر راہ۔

آیات:۸۹ تا ۹۰۔تشریح الفاظ

وَدُّوْا: (ودد) وَدَّيَوَدُّ، وہ تمنا کرتے ہیں، چاہتے ہیں، دوست رکھتے ہیں، پسند کرتے ہیں، آرزو کرتے ہیں۔

يُهَاجِرُوْا: (هجر) وطن چھوڑیں، یعنی گھر بار چھوڑ کر راہِ خدا میں جہاد کے لیے نکلیں اور اپنے ایمان و اسلام کا امتحان دیں۔

تَوَلَّوْا: منہ موڑیں، پھر جائیں، گھر بار چھوڑ کر جہاد کے لیے نہ نکلیں۔

فَخُذُوْهُمْ: (فَ، خُذُوْ، هُمْ) پھر ان کو پکڑو، قیدی بنالو، قید کرلو۔ اَخَذَ یَاْخُذُ سے فعل امر۔

يَصِلُوْنَ: (وَصَلَ يَصِلُ) پہنچتے ہیں، ملتے ہیں، یعنی پناہ لیتے ہیں۔

مِيْثَاقٌ: (وثق) عہد، معاہدہ۔

حَصِرَتْ: رک گئے، تنگ ہوئے، یعنی خفا ہو گئے۔

صُدُوْرُهُمْ: ان کے سینے، ان کے دل، یعنی ان کا سینہ بجھا ہوا ہے، ان کا دل خفا ہے۔

لَسَلَّطَهُمْ: ان کو مسلط کر دیتا، ان کو تم پر زور دیتا، یعنی ان کے دلوں کو اتنا مضبوط اور قوی کر دیتا کہ وہ تم پر چھا جاتے۔

اِعْتَزَلُوْكُمْ: (عَزَلَ) باب افتعال، اعتزال۔ کنارہ کشی کرنا، ایک طرف ہو جانا، یکسوئی اختیار کرنا، علیحدہ ہو جانا، کنارہ پکڑنا۔

اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ: (ل ق ی) بابِ افعال، اِلقا ڈالیں تمھاری طرف سلامتی کو، یعنی تمھاری طرف صلح لائیں، تم سے صلح کی درخواست کریں، امن و سلامتی کا پیغام بھیجیں۔

مفہوم و مطلب: منافقوں سے متعلق مزید احکام و ہدایات

فرمایا کہ یہ منافق لوگ تمنا کرتے ہیں کہ تم بھی انھی کی طرح ہو جاتے۔ پھر تم اور وہ سب کفر و گمراہی میں برابر اور یکساں ہوتے۔ یہ اس لیے چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ عناد اور بغض کی وجہ سے یہ اَنہونی بات کی تمنا کرتے ہیں۔ قرآن نے فرمایا کہ یہ لوگ تمھاری دوستی کے قطعاً لائق نہیں۔ انھیں دوست

مت بنائیے۔ وہ تمھارے دشمن اور بدخواہ ہیں البتہ وہ وطن سے نکل کر میدان جہاد میں پہنچیں تو ان کے ایمان کا امتحان ہو۔ اگر یہ لوگ اب بھی ہجرت سے گھبرائیں اور باز رہیں تو پھر ان کا علاج یہی ہے کہ جہاں ملیں قید کرلو اور جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ ان میں سے کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائیں۔ البتہ وہ لوگ جو ایسی قوم سے جاملیں یا پناہ لے لیں کہ تمھارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہو چکا ہے تو ایسے پناہ لینے والوں کو پکڑنا اور قتل کرنا روا نہیں۔

اب تیسرے گروہ کا ذکر فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ کشمکش کی حالت میں ہیں۔ نہ تو انھیں یہ بات پسند ہے کہ وہ تمھارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں اور نہ یہ گوارا ہے کہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں۔ یہ لوگ مجبور ہیں۔ لڑائی سے ان کے دل بجھے ہوئے ہیں۔ فریقین میں سے کسی کے مقابلے پر لڑ نہیں سکتے۔ ان کے لیے بھی حکم دیا کہ نہ انھیں قید کرو اور نہ قتل کرو۔ صرف ان لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جو مقابلے پر تم سے لڑیں۔

پھر فرمایا کہ یہ اللہ کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے ان دونوں گروہوں کو جنگ سے باز رکھا۔ وہ مرعوب ہیں اور مسلمانوں کی دھاک مانتے ہیں۔ البتہ اگر اللہ چاہتا تو ان کے دل مضبوط کر کے انھیں تم پر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے لڑنے کے لیے میدان میں نکل آتے۔

فرمایا کہ اگر ایسے لوگ کنارہ کش رہ کر تم سے لڑائی نہ کریں، بلکہ صلح کی درخواست کریں اور دنیاوی معاملات میں تمھاری حاکمیت بھی تسلیم کرلیں تو پھر تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ان کو قید کرو یا قتل کرو۔ مسلمانوں کی معاہد قوم کی پناہ لینے والے بھی امن و سلامتی میں ہیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾	اب تم پاؤ گے کچھ اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے اور امن میں رہیں اپنی قوم سے، جب بلائے جاتے ہیں فساد کی طرف اوندھے منہ گر پڑتے ہیں اس میں، پس اگر نہ کنارہ کش ہوں تم سے اور نہ درخواست کریں تم سے صلح کی اور نہ روکیں اپنے ہاتھ تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں تم پاؤ ان کو اور یہ لوگ ہیں کہ دی ہم نے تم کو ان پر دلیل روشن۔

آیت: ۹۱۔ تشریح الفاظ

سَتَجِدُوْنَ: عنقریب تم پاؤ گے، اب تم ملو گے۔ اٰخَرِيْنَ: دوسری قوم، اور لوگ۔

يَّاْمَنُوْكُمْ: تم سے امن کرلیں، امن پالیں، یعنی تمھارے پاس اظہار ایمان کر کے محفوظ و مامون ہو جائیں۔

يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ: اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں، یعنی ان کے پاس جا کر اعلان کفر کرتے ہیں، تاکہ امن میں رہیں۔

كُلَّمَا: جب جب، ہر بار۔

رُدُّوْا: پھیرے جاتے ہیں، لوٹائے جاتے ہیں، یعنی بلائے جاتے ہیں۔

اِلَى الْفِتْنَةِ: فتنہ و فساد کی طرف۔ بعض نے کہا: فتنہ سے مراد شرک ہے [۱] اور بعض کے نزدیک مسلمانوں سے لڑائی ہے (جو کہ خود ایک فساد ہے)۔ [۲]

اُرْكِسُوْا فِيْهَا: تو اس فتنہ میں اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔

ثَقِفْتُمُوْهُمْ: تم ان کو پاؤ، یعنی جہاں دیکھو قتل کر ڈالو۔ سُلْطَانًا: سند، حجت، دلیل برہان، غلبہ۔

مُبِيْنًا: روشن، صریح، کھلی۔

مفہوم و مطلب: شرارت پسند عناصر کو قتل کرنے کا حکم

فرمایا کہ گزشتہ آیات میں جن گروہوں کا ذکر آیا ہے ان کے علاوہ ایک اور گروہ بھی ہے۔ یہ ایمان اور دل کے بڑے بودے اور کمزور لوگ ہیں۔ مسلمانوں کے پاس آکر اسلام کا اظہار کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی طرف سے بے کھٹک ہو جائیں اور جب کافروں کے پاس جاتے ہیں تو کفر کا اقرار کرتے ہیں، تاکہ اپنی قوم میں بے خطر زندگی بسر کر سکیں، لیکن ہیں ناقابل اعتماد۔ جب شرک کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں گر پڑتے ہیں اور نہایت گندے اور بدترین مشرک ثابت ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ جب مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے بلائے جاتے ہیں تو پھر بری طرح مسلمانوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور یہ ان کا وتیرہ بن گیا ہے۔ [۳]

---

۱ ابن ابی حاتم، التفسیر، النساء: ۹۱

۲ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا بھی فتنہ ہے۔ ابن کثیر، التفسیر، البقرہ: ۱۹۳

۳ امام بیضاوی لکھتے ہیں: یہ اسد اور غطفان کے لوگ تھے اور ایک قول بنو عبدالدار کا بھی ملتا ہے۔ یہ لوگ مدینہ آئے۔ اسلام کا اظہار کیا تاکہ مسلمانوں کی طرف سے محفوظ رہیں۔ لیکن جب واپس گئے تو دوبارہ کافر بن گئے۔ انھیں جب کافر بننے اور مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی دعوت دی گئی تو وہ اس میں اوندھے منہ داخل ہوئے۔ (بیضاوی، التفسیر، النساء: ۹۱)

اب اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور گوشہ گیر نہ ہو جائیں، اگر صلح کا پیغام نہ دیں اور امن وسلامتی کی درخواست نہ کریں اور اپنے ہاتھوں کو لڑائی اور شرارت سے نہ روکیں تو پھر ان کا یہی علاج ہے کہ جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔ فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں کو ایسے بدطینت لوگوں کے لیے کھلی چھٹی دے دی ہے۔ ان کے قتل کے لیے یہ واضح حجت اور روشن دلیل ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہے کہ اگر وہ فتنہ انگیزی سے باز آجائیں، شرارت اور فساد سے کنارہ کش ہو جائیں، مسلمانوں سے تعرض نہ کریں، صلح کی درخواست کریں اور اپنے ہاتھوں کو لڑائی سے روک لیں تو پھر انھیں قتل نہ کیا جائے۔

اسلام نے فتنہ وفساد کو تو روکا ہے لیکن ظلم وزیادتی کی اجازت نہیں دی۔ صاف فرمایا ہے کہ "وَلَا تَعْتَدُوْا" زیادتی نہ کرو۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾	اور نہیں ہے لائق کسی مومن کے کہ وہ قتل کرے مومن کو مگر بھول چوک سے اور جو مار ڈالے مومن کو بھول کر تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مومن کا اور خون بہا پہنچانا ہے اس کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ خیرات کر دیں، پس اگر ہو وہ (مقتول) تمھاری دشمن قوم سے اور وہ آپ مومن تھا پس آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا اور اگر ہو وہ ایسی قوم سے کہ تمھارے اور ان کے درمیان عہد ہے تو خون بہا پہنچانا ہے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا، پس جو کوئی نہ پائے تو روزے رکھنے ہیں دو مہینے کے لگاتار بطور توبہ اللہ کی طرف سے، اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا۔
وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾	اور جو کوئی مار ڈالے مومن کو جان بوجھ کر پس سزا ہے اس کی دوزخ، ہمیشہ رہے گا اس میں اور غصے ہوا اللہ اس پر اور لعنت کی اس پر اور تیار کیا اس کے لیے عذاب بڑا

آیات: ۹۲ تا ۹۳۔ تشریح الفاظ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ : اور نہیں سزاوار کسی مومن کو، نہیں لائق کسی مسلمان کے، کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی، اس کے شایانِ شان نہیں۔

خَطَأً: غلطی سے، چوک سے، بھول کر، مراد ہے بغیر قصد کے، غیر ارادی طور پر۔

رَقَبَةٍ: گردن۔ مراد ہے گردن چھڑانا، یعنی بردہ آزاد کرنا، غلام آزاد کرنا۔

تَحْرِيْرُ: آزاد کرنا۔ دِيَةٌ: خون بہا، دیت، خون کی قیمت۔

مُسَلَّمَةٌ: ادا کی ہوئی، سپرد کی ہوئی، سونپی گئی۔ مراد ہے پہنچایا جانا۔

اَهْلِهٖ: اس کے اہل، یعنی مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے۔

يَصَّدَّقُوْا: (ص د ق) اصل میں يَتَصَدَّقُوْا تھا، ت کو ص میں مدغم کر دیا۔ صدقہ خیرات کر دیں، یعنی معاف کر دیں۔ مُتَتَابِعَيْنِ: پے در پے، مسلسل، اوپر تلے، لگا تار۔

لَمْ يَجِدْ: نہ پائے، یعنی غلام نہ پائے، خریدنے کی استطاعت نہ ہو، یا غلاموں کا رواج ہی ناپید ہو۔

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ: تو دو ماہ کے روزے اس پر فرض ہیں۔

تَوْبَةً مِّنَ اللهِ: یعنی اللہ نے اس قاتل کی توبہ قبول کی، توبہ قبول کرنے کے لیے یہ خون بہا اور غلام آزاد کرنا مقرر کیا، غلام آزاد کرنے کی بجائے روزے قبول فرما لیے۔

مفہوم و مطلب: قتل مومن کے احکام

گزشتہ آیات میں منافقین کو قتل کرنے کی عام اجازت دی تھی۔ ان زیر نظر آیتوں میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے قتل سے روک دیا۔ فرمایا کہ کسی مسلم کو جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو مار ڈالے اور اگر کوئی غیر ارادی طور پر بدون قصد قتل کر دے، مثلاً کسی جانور پر گولی چلائی اور جا لگی کسی مسلمان کو، یہ قتل بلا قصد ہے۔ اسے بھول چوک اور لغزش و خطا سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا کہ ایسا قاتل ایک تو غلام مومن آزاد کرے، دوسرے مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے۔

اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں اور خون بہا نہ لیں تو یہ بھی درست ہے، لیکن غلام آزاد کرنا واجب ہے۔ اس میں معافی نہیں۔ قتل بلا قصد کی سزا میں ایک حق اللہ کا ہے کہ قاتل نے اللہ کا ایک مومن بندہ مار ڈالا۔ اس کے لیے ایک گردن چھڑانا واجب کر دیا۔ دوسرا حق بندوں کا، وہ یہ کہ مقتول کے وارثوں کو

خون بہا ادا کرے۔ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو خون بہا لے لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور صدقہ کا ثواب حاصل کریں۔

گردن چھڑانے میں غلام اور باندی دونوں جائز ہیں۔ غلام ملے تو اسے آزاد کرے، یا باندی ہو تو اسے آزاد کرے۔ دیت یا خون بہا کے لیے سنت رسول کریم ﷺ نے سو اُونٹ مقرر کیے ہیں۔ اونٹ نہ مل سکیں تو دینار اور درہم ادا کرے۔ سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم۔[1]

عورت کی دیت مرد سے آدھی ہوتی ہے۔ مجوسی کی دیت پانچواں حصہ ہے۔[2]

دیت قاتل کے مال پر نہیں ہوتی، بلکہ قاتل کے عاقلہ یعنی مددگار برادری پر ہوتی ہے۔ اگر برادری بھی نہ دے سکے تو پھر بیت المال سے دی جائے۔[3]

اگر امام، حاکم یا اس کے نائب سے قتل خطا یا قتل غیر ارادی واقع ہو تو دیت بیت المال سے ادا ہوگی۔

اگر یہ مقتول مومن ہے، لیکن ایسی قوم کا فرد ہے جو مسلمانوں کی دشمن ہے اور مسلمانوں سے برسر پیکار رہتی ہے تو قاتل کو صرف ایک مومن غلام کو آزاد کرنا پڑے گا۔ دیت اور خون بہا مقتول کے وارثوں کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ تو دشمن ہیں اور مسلمانوں سے لڑتے رہتے ہیں۔

اگر مقتول معاہد قوم سے ہے، تمھارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہو چکا ہے تو دیت اور خون بہا ادا کیا جائے گا۔ یہودی یا عیسائی مقتول ہو تو مومن کے خون بہا کا تہائی حصہ اور غلام مومن کی آزادی۔ اگر غلام یا باندی نہیں مل سکے یا ان کے حصول کے لیے رقم معاوضہ پاس نہیں تو پھر دو مہینے کے مسلسل روزے واجب ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک اگر روزے رکھنے سے قاصر و عاجز ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا اور توبہ کا ذریعہ بنا دیا۔ اس کی باتیں حکمت و علم سے خالی نہیں۔ اس نے بہرحال سہولت اور آسائش کا خیال رکھا ہے۔

یہ حکم بذات خود بڑا اہم اور ضروری تھا۔ اب قتلِ عمد کی بات سنیے، فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر عمداً کسی

---

[1] سنن أبي داود: ۴۵۴۲،۴۵۴۴

[2] ایک قول کے مطابق کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور بعض کے نزدیک ثلث یعنی ایک تہائی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، النساء: ۹۲)

[3] اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قتل خطا کی دیت عاقلہ پر ہے۔ البتہ قتل عمد کی دیت عاقلہ پر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک قتل عمد کی دیت عاقلہ پر نہیں۔ (ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۲/ ۴۱۲)

مومن کو مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے۔ جہاں قاتل ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ قاتل کی سزا دنیا میں بھی مقرر کر دی۔ فرمایا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾[1] یعنی مقتولوں کا قصاص اور بدلہ تم پر فرض کر دیا گیا۔ "جان کے بدلے جان" یہ اسلام کا اصول ہے، لہٰذا قاتل کو حکومت قتل کرے گی۔

قرآن نے قتل کی دو قسمیں بیان کیں: ایک قتل خطا اور دوسری قتل عمد۔ بعض فقہاء نے تیسری قسم شبہ عمد بیان کی ہے۔ قتل خطا کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ قتل عمد کی سزا میں قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ لیکن اگر مقتول کے وارث معاف کر دیں تو پھر اسے وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہوگا، یعنی سو اونٹ۔ شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے صرف دیت ہے۔

مومن کا قتل عمد بہت بڑا گناہ ہے۔ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کے علاوہ اللہ کے نزدیک بڑا قابل نفرت جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں مسلمان کی جان کی حرمت وعزت پر بڑا زور دیا تھا۔[2] دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مومن کا قتل اللہ کے نزدیک زوالِ دنیا سے بھی زیادہ سخت ہے۔"[3] پھر ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے نماز کا حساب لے گا۔"[4] اور دوسری حدیث میں ہے: "سب سے پہلے قتل کا فیصلہ کرے گا۔"[5]

بہر حال اسلام کی منشا یہ ہے کہ مومن کا خون نہ بہایا جائے اور مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بچے رہیں۔ اسلام قتل وخونریزی کو سختی سے روکنا چاہتا ہے تاکہ دنیا میں امن وسلامتی کا راج ہو۔ قاتل پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی رحمتوں سے یکسر محروم کر دیا جاتا ہے۔ غضب اور پھٹکار کے ساتھ اس کے لیے آگ کا بہت بڑا عذاب ہے۔

علماء میں اختلاف ہے کہ قتل عمد کرنے والے کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ (اقوال درج ذیل ہیں:)

۱۔ جمہور سلف وخلف اور آئمہ وعلماء ومجتہدین کے نزدیک اگرچہ یہ بڑا سخت گناہ کبیرہ ہے، لیکن قاتل کی مغفرت ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک جب شرک وکفر وارتداد کی توبہ قبول ہے تو اس کی بھی توبہ قبول

---

[1] البقرۃ:۲/۱۷۸

[2] صحیح البخاری: ۶۷، ۴۴۰۶ وصحیح مسلم: ۱۶۷۹

[3] سنن الترمذی: ۱۳۹۵ وسنن النسائی: ۳۹۸۷

[4] سنن أبي داود: ۸۶۴

[5] صحیح البخاری: ۶۸۶۴ وصحیح مسلم: ۱۶۷۸

ہو سکتی ہے۔

۲۔ مومن کا قتلِ عمد کبیرہ گناہ ہے۔ عمداً قتل کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور قتل عمد سے کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس کے واسطے اللہ کا غضب، پھٹکار اور جہنم میں ہمیشہ کے لیے ٹھکانا ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض محدثین کا یہی مذہب ہے۔

۳۔ خلود سے مراد عرصہ دراز ہے، یعنی بہت مدت تک دوزخ میں رہے گا اور پھر اسے نکال لیا جائے گا۔

۴۔ بعض کے نزدیک یہ قرآن کی بتائی ہوئی سزا اس قاتل عمد کے لیے ہے جو مسلمان کے قتل کو جائز سمجھے۔[1]

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب چلو تم راہ خدا میں تو تحقیق کرلو اور مت کہو اس کو جو کرے تم کو سلام کہ نہیں تو مومن۔ چاہتے ہو تم مال دنیا کی زندگانی کا، پس اللہ کے ہاں ہیں غنیمتیں بہت، اسی طرح تھے تم پہلے پھر احسان کیا اللہ نے تم پر، پس تحقیق کرلو، بے شک اللہ ہے تمھارے کاموں سے خبردار۔

آیت: ۹۴۔ تشریح الفاظ

ضَرَبْتُمْ: تم چلو، نکلو، سفر کرو۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: راہ خدا میں، جہاد کے لیے۔

فَتَبَيَّنُوْا: (بین) باب تفعّل۔ تَبَيَّنَ، خوب چھان پھٹک کر معلوم کرلو، خوب کھول کر دریافت کرلو۔ اچھی طرح تحقیق کرلو۔

اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ: ڈالے طرف تمھاری، یعنی کہے، کرے۔

السَّلٰمَ: سلام، یعنی جو تمھیں السلام علیکم کہے، سلام کرے۔

عَرَضَ: (جمع، عُرُوض) سامان، مال و متاع، اسباب، یعنی دنیوی زندگی کا متاع و سامان۔

مَغَانِمُ: (واحد، مَغْنَم) غنیمتیں، مال غنیمت۔

فَمَنَّ: (فَ، مَنَّ) يَمُنُّ مضارع، فَ بمعنی پھر، مَنَّ بمعنی احسان کیا۔ انعام کیا، فضل کیا۔

---

[1] القرطبی و ابن کثیر، التفسیر، النساء: ۹۳-۹۴ و ابن حجر، فتح الباری: ۸/ ۴۹۴

مفہوم ومطلب: مجاہد مومنوں کو ہدایات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ جب تم راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلو تو خوب تحقیق کرلو اور چھان پھٹک کر معلوم کرلو کہ جس فریق پر تم حملہ کر رہے ہو کہیں وہ مسلمان تو نہیں ہیں۔ اگر مسلمان ہوں تو پھر اپنے ہاتھ روک لو۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمھیں ''السلام علیکم'' کہے تو یہ سمجھو کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ اسلام کی نشانی ہے۔ پھر خواہ مخواہ اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ اور اسے یہ مت کہو کہ تو ایماندار نہیں۔

دنیوی زندگی کے متاع و مال کی خاطر اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ کے ہاں مال ومتاع کی بڑی کثرت ہے۔ مال غنیمت کا وفور ہے۔ اس دنیا کے مال کی نسبت آخرت کا سامان بہتر اور افضل ہے۔ محض مال حاصل کرنے کے لیے کسی کو قتل مت کرو۔

پھر فرمایا کہ تمھاری اپنی حالت بھی تو اسی طرح تھی۔ جب تم نے کلمہ شہادت پڑھا اور اسلامی سلام سے ایک دوسرے کو دعا دی تو تمھاری جان اور مال محفوظ ہوگئے۔ تمھاری بابت تو کسی نے شک نہ کیا کہ دل سے ایمان لا رہے ہو یا خالی حفاظت اور بچاؤ کی خاطر۔ اب تم دوسروں کی بابت مختلف زاویہ نظر سے کیوں دیکھتے ہو؟ جس طرح اللہ نے تم پر احسان وانعام فرمایا، تم نے کلمہ شہادت پڑھا، اسی طرح ان لوگوں پر بھی اللہ کا انعام ہے۔ یہ مسلمان ہیں۔ جب جنگ کے لیے نکلو تو خوب تحقیق کرلو۔ دوبارہ فرمایا کہ پھر خوب تحقیق کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی مومن کو قتل کر ڈالو بلکہ اس سے وہی سلوک کرو جو تم سے کیا گیا تھا۔ اللہ تمھارے ہر عمل سے خبردار ہے۔

اس آیت کے سببِ نزول کے سلسلے میں کئی روایتیں آئی ہیں۔ ایک تو امام بخاری، ترمذی اور امام حاکم کی روایت ہے کہ بنو سُلیم کا ایک آدمی بکریاں چراتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے چند صحابہ کے پاس سے گزرا اور ''السلام علیکم'' کہا۔ صحابہ میں سے ایک بولا کہ یہ آدمی بچاؤ کے لیے سلام کہتا ہے۔ پھر اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی بھیڑ بکریاں لے لیں۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔[1] آپ ﷺ نے وہ بکریاں اس کے بال بچوں کے سپرد کر دیں۔

نزول آیت کے سلسلے میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک

---

[1] سنن الترمذی: ۳۰۳۰

موقع پر ایک ایسے شخص کو مار ڈالا جس نے موقع پر کلمہ شہادت پڑھا تھا۔ صحابہ نے واپسی پر آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ مقداد رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے حضرت مقداد کو ڈانٹا اور فرمایا کہ "قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دو گے؟"[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے یہ سب واقعات پیش آئے اور ان سب کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾	نہیں برابر ہوتے بیٹھ رہنے والے مسلمانوں سے بغیر ضرر کے اور لڑنے والے راہِ خدا میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے،[2] فضیلت دی اللہ نے لڑنے والوں کو اپنے مال سے اور اپنی جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں اور ہر ایک کو وعدہ دیا اللہ نے اچھا اور فضیلت دی اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے لحاظ سے۔
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾	درجے ہیں اس کی طرف سے اور بخشش اور رحمت اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

آیات: ۹۵ تا ۹۶۔ تشریح الفاظ

يَسْتَوِيْ: (س و ی) اِسْتَوٰی، باب افتعال۔ برابر ہونا، مساوی ہونا۔

اَلْقَاعِدُوْنَ: (ق ع د) (واحد، القاعِد) گھر میں بیٹھ رہنے والے، جہاد میں شرکت نہ کرنے والے۔

غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ: بے ضرر، بغیر تکلیف کے، بغیر کسی دکھ کے۔ لفظی معنی بغیر صاحب ضرر کے، یعنی تندرست، وہ جس کو کچھ ضرر نہ ہو۔ وہ لنگڑا یا اندھا نہ ہو۔

وَالْمُجَاهِدُوْنَ: جہاد کرنے والے (واحد، اَلْمُجَاهِدُ) اللہ کی راہ میں لڑنے والا۔ (جَهَدَ) جَاهَدَ يُجَاهِدُ سے

---

[1] ابن أبي شيبہ، المصنف: ۲۸۹۴۰، والطبرانی، المعجم الکبیر: ۱۲۳۷۹

[2] بامحاورہ ترجمہ اس طرح ہے: عذر کے بغیر پیچھے بیٹھ رہنے والے مومن اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سمیت جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

اسم فاعل مجاھد۔ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ: اپنے مال وجان سے۔

فَضَّلَ: باب تفعیل۔فضیلت دی، بڑائی دی۔ دَرَجَةً: درجے میں، مرتبے میں۔

كُلًّا: ہر ایک کو، یعنی جہاد میں شریک نہ ہونے والا اور شریک ہونے والا۔

اَلْحُسْنٰى: (ح س ن) اچھا، بہتر، یعنی جنت کا۔ اَحْسَن کی مؤنث ہے جس طرح اَصْغَر کی مؤنث صُغْرٰی ہے۔

مفہوم ومطلب: مجاہدوں کی فضیلت

جہاد کے سلسلے میں فرمایا تھا کہ جب لڑائی کے لیے نکلو تو حملہ کرنے سے پہلے خوب چھان پھٹک کر لیا کرو۔ بغیر تحقیق کے محض مال و متاع حاصل کرنے کی خاطر کسی کو مار ڈالنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اب یہاں فرمایا کہ وہ لوگ جو جہاد میں شرکت نہیں کرتے بلکہ گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں، حالانکہ وہ ایماندار اور مسلمان تندرست بھی ہیں، انھیں کوئی بدنی ضرر اور جسمانی تکلیف بھی نہیں ہے یعنی لنگڑے، اپاہج اور اندھے بھی نہیں ہیں تو ایسے لوگ اور وہ لوگ جو اپنے مال و جان کو اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہیں، میدانِ جہاد میں نکل کر راہِ خدا میں لڑتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے مومن درجے اور مرتبے میں برابر نہیں ہیں۔ گھر پر بیٹھ رہنے والوں سے مجاہدین کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ ان کا عمل زیادہ ہے۔ انھوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا، جان کو خطرے میں ڈالا، اس لیے وہ درجے اور فضیلت میں دوسروں سے بڑھ گئے۔ لیکن ہیں دونوں جنتی۔ دونوں قسم کے مومن بہشت میں جائیں گے۔ البتہ مجاہدین کو بڑے اونچے درجے ملیں گے۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں بلندترین مراتب اور بخشش ورحمت کی بڑی فراوانی ہوگی۔

حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''راہ خدا میں لڑنے والے کے لیے جنت میں اللہ تعالیٰ نے سو درجے بنائے ہیں اور ہر درجے میں اتنا فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں ہے۔''[1] (صَدَقَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ)

یہاں اللہ تعالیٰ نے چند ایک مسائل کا ذکر فرمایا:

۱۔ جہاد کی ترغیب دلائی کہ مجاہد کا درجہ اور مرتبہ بہت بلند ہے۔

۲۔ جہاد فرض عین نہیں ہے کہ ہر آدمی کو ضرور شریک ہونا پڑے، بلکہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ مجاہدوں کا شرکت کرنا ہی کافی ہے۔

۳۔ جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کو جنت سے مایوس نہیں کیا، بلکہ ان کے لیے بھی جنت (اَلْحُسْنٰى) کا

---

[1] صحیح البخاری: ۲۷۹۰

وعدہ فرمایا۔ البتہ مجاہدوں کو ان پر فضیلت اور برتری دی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جو لوگ کسی عذر سے جہاد میں نہیں جاتے ان پر تو مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت ہے اور جو بغیر کسی عذر کے شریک نہیں ہوتے ان پر بہت سے درجوں کی برتری ہے۔[1] بہرحال جنتی سب ہیں۔

"غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ سوائے ضرر اور تکلیف والوں کے، یعنی ان کے نزدیک گھر پر بیٹھ رہنے والوں کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو بلا عذر ٹھہرے رہے اور دوسرے وہ جن کو عذر تھا، یعنی اندھے یا بیمار تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

بے شک وہ لوگ جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر، کہا: تم کس حال میں تھے؟ بولے کہ ہم تھے عاجز و کمزور زمین میں، کہا فرشتوں نے: کیا نہ تھی زمین خدا کی فراخ کہ تم ہجرت کرتے اس میں؟ سو ان لوگوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور بری ہے جگہ لوٹنے کی۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

مگر کمزور و ناتواں مردوں سے اور عورتوں اور بچوں سے کہ نہیں کر سکتے کوئی چارہ اور نہ پاتے ہیں کوئی راہ۔

فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

پس یہ لوگ امید ہے کہ اللہ درگزر فرمائے گا ان سے اور ہے اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا۔

وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ

اور جو کوئی وطن چھوڑے راہ خدا میں وہ پائے گا زمین میں جگہ بہت اور کشادگی اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے طرف اللہ کی اور اس کے رسول کی

---

[1] القرطبی، التفسیر، النساء: ۹۵، ۹۶

وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ پھر آلے اس کو موت پس واجب ہو گیا اجر اس کا اللہ
اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ پر اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

آیات: ۹۷ تا ۱۰۰۔ تشریح الفاظ

تَوَفّٰهُمْ: (و ف ی) تَوَفّٰی، هُمْ، باب تفعّل، مفسرین کے نزدیک صیغہ ماضی مذکر ہے، یا مضارع جو اصل میں تَتَوَفّٰاهُمْ تھا، تائے تانیث کو حذف کر دیا۔ روح قبض کرتے ہیں، جان قبض کرتے ہیں۔

اَلْمَلٰٓئِكَةُ: (واحد، مَلَكٌ) فرشتے، مراد ملک الموت ہے، یا ملک الموت اور اس کے مددگار فرشتے۔

ظَالِمِيْ: اصل میں ظَالِمِيْنَ تھا۔ اَنْفُسِهِمْ کا مضاف ہونے کی وجہ سے نون گر گیا۔ یعنی فرشتے اس حالت میں ان کی جان قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں بوجہ شرک و کفر کے۔

قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ: فرشتے ڈانٹ کر پوچھتے ہیں کہ تمھاری دینی حالت کیا تھی۔ تم کس عقیدے پر کار بند تھے۔ فِيْمَ اصل میں فِي، مَا یعنی فِيْمَا تھا۔ سوال کے لیے الف حذف کر کے فِيْمَ لکھتے اور بولتے ہیں۔

قَالُوْا كُنَّا: وہ کافر اور مشرک عذر کرتے ہوئے جواب دیں گے کہ ہم تھے۔

مُسْتَضْعَفِيْنَ: (ض ع ف) باب استفعال۔ عاجز و کمزور، ناتواں۔

فِي الْاَرْضِ: زمین میں، یعنی سرزمین مکہ میں۔ وَاسِعَةً: فراخ، کھلی، کشادہ، وسیع۔

فَتُهَاجِرُوْا: پس تم ہجرت کرتے، وطن چھوڑ جاتے۔ مَاْوٰى: (ا و ی) پناہ، ٹھکانا۔

مَصِيْرًا: بلحاظ لوٹنے کی جگہ کے، پھر آنے کی جگہ کے لحاظ سے۔ یعنی جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔

حِيْلَةً: حیلہ، بہانا، ذریعہ، چارہ۔

عَسٰى: قریب ہے، نزدیک ہے، امید ہے۔ يَجِدْ: (وَجَدَ) وہ پائے گا۔

مُرَاغَمًا: ٹھہرنے کی جگہ، رہائش کی جگہ، قیام گاہ۔ مراد ہے رہنے کی جگہ اسے مل جائے گی۔[1]

سَعَةً: (و س ع) کشادگی، فراخی، وسعت۔ مراد ہے زمین اور رزق کی فراخی و کشادگی۔

[1] ابوبکر الجزائری نے ایسر التفاسیر میں مُرَاغَمًا کو اسم ظرف بنایا ہے۔ (ایسر التفاسیر، النساء: ۱۰۰)

وَقَعَ: واجب ہو گیا، ثابت ہو گیا، پڑ گیا، واقع ہو گیا۔ یعنی اللہ کے ذمے ہو گیا۔ مراد ہے کہ اللہ اس کو ثواب عطا کرے گا۔

مفہوم و مطلب: ترغیبِ ہجرت

پچھلی آیات میں فرمایا تھا کہ مجاہدین اور قاعدین کا درجہ برابر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر فضیلت دی ہے۔ خدا کی راہ میں مال و جان خرچ کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑے درجے ہیں۔ مغفرت و رحمت ہے۔ البتہ دونوں گروہ جنتی ہیں۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ زیر نظر آیات ایسی جماعت کے حق میں نازل ہوئیں جو اسلام لا کر ہجرت نہ کر سکی۔ پھر وہ لوگ جنگ بدر میں کافروں کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑے اور قتل ہو گئے۔[1] یہ لوگ اسلام لا کر بھی کافروں کے ساتھ رہے تھے، اس لیے بمطابق حدیث کہ جو شخص کسی مشرک کے ساتھ اکٹھا رہا وہ بھی اس جیسا ہو گیا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے زیر نظر آیات میں فرمایا کہ جن لوگوں کی روح فرشتوں نے ایسی حالت میں قبض کی جبکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے، یعنی باوجود مسلمان ہو جانے کے کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اکٹھے رہتے رہے اور ہجرت کے فرض ہو جانے کے باوجود وطن کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے تو فرشتوں نے ان کی روح قبض کرنے کے بعد ان کو ملامت اور زجر و توبیخ کرتے ہوئے پوچھا کہ تم دین کے بارے میں کس حال میں تھے؟ یعنی ایک طریق سے انھیں جتا دیا کہ تم ہجرت کر سکتے تھے، لیکن نہ کرنے کی وجہ سے تمھارا دینِ اسلام سے کوئی رشتہ قائم نہ رہا۔

وہ لوگ معذرت کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ سرزمین مکہ میں ہم دین پر کار بند ہونے سے قاصر تھے۔ ہمارا عجز، کمزوری، ضعف و ناتوانی دین داری کی راہ میں حائل رہا۔ فرشتے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین کچھ کم فراخ تھی کہ تم ہجرت نہ کر سکے؟ دنیا تو اتنی وسیع ہے کہ تم آسانی سے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا سکتے تھے اور نئی جگہ تمھارے رہنے کے لیے کافی ہوتی۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے بدکردار اور بزدل لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ ٹھکانا نہایت بُرا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۴۵۹۶، ۷۰۸۵

[2] سنن أبی داود: ۲۶۴۵

ساتھ ہی فرمایا کہ البتہ وہ لوگ جو حقیقی معنوں میں معذور تھے، مثلاً ایسے کمزور و عاجز مرد، عورتیں اور بچے جو کسی قسم کا چارہ نہیں کر سکتے تھے، فی الحقیقت بالکل عاجز و بے بس تھے، بھاگ نہیں سکے، زادِ راہ بھی پاس نہیں تھا اور مدینے پہنچنے کے لیے راہ بھی نہیں پا سکے، راستہ دشوار گزار تھا، راہ میں امن نہ تھا تو ایسے لوگ تو معذور ہیں۔ اللہ ان کا عذر قبول فرمالے گا۔ اور اللہ کی صفت ہے کہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

پھر فرمایا کہ جو شخص راہ خدا میں نیک نیتی سے ہجرت کرے تو اس کائنات میں اور اس زمین پر اس کو رہنے کے لیے بہت سی فراخ جگہ مل جائے گی۔ وہ ضرور نیا گھر پالے گا، جہاں اس کو مذہبی آزادی میسر آئے گی۔ اب اگر ایک شخص خلوصِ نیت سے ہجرت کے ارادے سے گھر سے نکلا اور راستے ہی میں اسے موت نے آلیا تو فرمایا کہ ایسے شخص کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نیت کا ثواب ضرور دے گا اور وہ ثواب دینے پر قادر ہے۔ بخشنا اور رحم کرنا اس کی صفت میں داخل ہے۔

اس آیت سے دو تین مسائل نکلتے ہیں:

۱۔ جو مسلمان کسی ایسے ملک میں ہو جہاں مشرکین کا غلبہ ہے یا ایسا ملک جہاں کھلے خزانوں کبائر کا ارتکاب ہوتا ہو تو اس مسلمان پر وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

۲۔ ہجرت یا کسی جہاد، حج وغیرہ کے لیے سفر میں خالص نیت سے جائے اور راستے میں مر جائے تو اس کو قیامت تک اس کا ثواب ملے گا۔[1]

۳۔ مجاہد کو شہید کا ثواب ملے گا۔

ہر مسلمان کے لیے ہر جگہ دینی آزادی ضروری ہے، تاکہ وہ قرآن وسنت پر عمل کر سکے۔ ہر جگہ دعوت و ارشاد کا انتظام ہونا چاہیے، تاکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت جاری رہ سکے۔ تبلیغ و اشاعت دین کے ذریعے اسلامی حکومتوں کو مضبوط بنایا جائے اور دشمنانِ اسلام کی مذہبی اور سیاسی ریشہ دوانیوں کو ختم کر کے اسلامی ممالک کو مستحکم بنایا جائے۔

اسلام کا نظریہ وطن و دین دوسری قوموں سے قدرے مختلف ہے۔ ایک مسلمان کے لیے وطن بھی عزیز ہے، لیکن وطن سے زیادہ عقیدہ اور شریعت عزیز ہیں۔ وطن کی محبت بھی محض اضافی ہے۔ پھر اسلام نے جس عقیدے کو پیش کیا ہے وہ توحید ہے اور توحید دنیا میں وحدت عقائد پیدا کرتی ہے۔ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔

[1] وہ قیامت کے دن اُسی حالت میں کھڑا ہو گا جس حالت میں مرا تھا۔ اگر حاجی تھا تو احرام کی حالت میں تلبیہ کہتا ہوا یا شہادت کے وقت خون بہہ رہا تھا تو قیامت کے دن بہتے خون کے ساتھ کھڑا ہو گا۔ (صحیح البخاری: ۱۲۶۵)

اس لیے وطن کی قیود اور جغرافیائی حدود اس کے سامنے چنداں اہمیت نہیں رکھتیں۔ اگر عقیدے کی حفاظت نہیں ہوسکتی اور عبادت کے لیے آزادی نہیں ملتی تو مسلمان کے لیے ایسی سرزمین اور ایسے وطن کو چھوڑ دینا نہایت ضروری ہے۔ ایسے موقع پر مسلمان وطن کو خیر باد کہہ کر نئے علاقے میں جا بسے، لیکن عقیدے اور دین کو بچالے۔ ایک مسلمان کا نظریۂ حیات یہ ہے کہ وہ اسلام کی خاطر ہر عزیز چیز کی قربانی کرسکتا ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں ہے تم پر گناہ کہ تم کم کرو نماز میں سے کچھ،[1] اگر تم ڈرو کہ فتنہ میں ڈالیں گے تم کو کافر لوگ بے شک کافر ہیں تمھارے کھلے دشمن۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَھُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾

اور جب (اے پیغمبر!) آپ ان میں ہو اور ان کو پڑھانے لگو نماز تو چاہیے کہ کھڑی ہو ایک جماعت ان میں سے آپ کے ساتھ اور چاہیے کہ لے لیں اپنے ہتھیار، پھر جب یہ سجدہ کرلیں تو ہو جائیں پرے[2] آپ کے اور آئے جماعت دوسری جس نے نماز نہیں پڑھی، پس وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور کرلیں بچاؤ اپنا اور لے لیں ہتھیار اپنے، چاہتے ہیں کافر لوگ کہ کسی طرح تم غافل ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے پھر وہ حملہ کردیں تم پر یکدم اور نہیں گناہ تم پر اگر ہو تم کو تکلیف مینہ سے یا ہو تم بیمار کہ رکھ دو اپنے ہتھیار اور کرتے رہو اپنا بچاؤ، بے شک اللہ نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا۔

[1] یعنی نماز قصر پڑھو۔
[2] پرے یعنی پیچھے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا	پس جب تم ادا کر چکو نماز تو تم یاد کرو اللہ کو کھڑے اور
وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ	بیٹھے اور کروٹ پر، پس جب تم مطمئن ہو جاؤ تو قائم
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ	کرو نماز (پوری) بے شک نماز ہے مومنوں پر فرض
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾	وقت پر۔

آیات: ۱۰۱ تا ۱۰۳۔ تشریح الفاظ

ضَرَبْتُمْ: تم (مسلمان) سفر کرو۔ جُنَاحٌ: گناہ۔

تَقْصُرُوْا: تم قصر کرو۔ خِفْتُمْ: تمھیں خوف ہو، اندیشہ ہو، ڈر ہو۔

يَفْتِنَكُمْ: فَتَنَ يَفْتِنُ فِتْنَةً۔ تمھیں فتنہ میں ڈالیں گے، تمھیں ستائیں گے، تکلیف دیں گے۔

كُنْتَ: تو ہو، خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے۔

فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ: پھر تو نے ان کے لیے نماز قائم کی، یعنی آپ ﷺ نے مسلمانوں کو نماز پڑھانا شروع کی۔

فَلْتَقُمْ: (قوم) پس چاہیے کہ کھڑا ہو۔ طَآئِفَةٌ: جماعت، فریق، گروہ۔

اَسْلِحَتَهُمْ: اپنے ہتھیار۔ (واحد، سِلَاحٌ) وَرَآئِكُمْ: پیچھے تمھارے، یعنی تمھارے پرے۔

وَلْتَاْتِ: (وَ، لِ، تَاْتِ) اَتٰى يَاْتِيْ سے فعل امر، واحد مونث غائب۔ اور چاہیے کہ آئے۔

لَوْ: کاش، مراد کسی طرح۔ تَغْفُلُوْنَ: (غ ف ل) تم غافل ہو جاؤ، غفلت میں پڑو۔

اَمْتِعَتِكُمْ: (واحد، مَتَاعٌ) اپنے سامانوں سے۔

فَيَمِيْلُوْنَ: پھر وہ جھک جائیں۔ مَيْلَةً: جھکنا، یعنی یک دم پل پڑیں۔ دفعۃً حملہ کر دیں، یک دم تم پر ٹوٹ پڑیں۔

اَذًى: ایذا، تکلیف، اذیت۔ مَطَرٍ: بارش، مینہ۔

مَرْضٰى: (واحد، مریض) بیمار۔ تَضَعُوْا: (وَضَعَ، يَضَعُ) تم رکھ دو، اتار دو، الگ رکھ دو۔

قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ: ختم کر چکو نماز کو، ادا کر چکو نماز کو، فارغ ہو جاؤ نماز سے۔

فَاذْكُرُوْا: پس یاد کرو (اللہ کو) تسبیح وتہلیل کے ساتھ۔

قِيٰمًا: کھڑے ہو کر۔ قُعُوْدًا: (قَعَدَ) بیٹھے بیٹھے۔

عَلٰى جُنُوْبِكُمْ: (جنب) پہلوؤں پر، کروٹ پر، یعنی لیٹے لیٹے۔ لیٹ کر مراد ہے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔

فَاِذَا اطۡمَاْنَنۡتُمۡ: پھر جب اطمینان پالوتم، پس جب تمھاری خاطر جمع ہو۔ (طمن)[1]

کِتٰبًا: فرض، فریضہ۔

مَّوۡقُوۡتًا: (وق ت) وَقت سے اسم مفعول۔ وقت ٹھہرایا گیا، وقت مقرر کیا ہوا، یعنی وقت پر، پابندی کے ساتھ۔

مفہوم ومطلب: احکام نمازِ خوف

پچھلی آیات میں راہِ خدا میں جہاد کا ذکر فرمایا تھا اور ہجرت کی دعوت دی گئی تھی اور جو لوگ اپنے علاقوں میں شریعت پر عمل نہ کر سکتے تھے انھیں وطن نہ چھوڑنے پر ڈانٹ پلائی گئی تھی۔

اب زیر نظر آیات میں سفر کے دوران حالاتِ خوف میں نماز کو قصر کرنے کا حکم دیا اور بالخصوص سفر جہاد اور میدان جنگ کی نماز کے لیے ہدایات ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ جب تم سفر کے لیے نکلو اور تمھیں ڈر ہو کہ کافر تمھیں نقصان پہنچائیں گے تو نماز کو قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے[2] اور تاکید کے ساتھ فرمایا کہ کافروں کی طرف سے نقصان اور اذیت پہنچنے کا اندیشہ ہر وقت ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ تو مسلمانوں کے کھلم کھلا دشمن ہیں۔

پھر حضرت نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے پیغمبر! جب آپ جہاد میں تشریف فرما ہوں، دشمن کی طرف سے حملے اور یورش کا ڈر ہو اور آپ مسلمانوں کو نماز پڑھانے لگیں تو یہ طریق کار ملحوظ رکھا کریں کہ ایک گروہ تو آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور دوسرا گروہ پاسبانی اور حفاظت کرتا رہے۔ جب پہلا گروہ ایک رکعت پڑھ چکے تو وہ پیچھے ہٹ جائے اور دشمنوں کا خیال رکھے۔ چوکس ہو کر نگہبانی کرے اور وہ گروہ جس نے نماز میں شرکت نہیں کی تھی، اب وہ آگے بڑھ کر امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے۔ نماز کے دوران بھی چوکس رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے ہتھیار لیے رہیں اور ہر قسم کی احتیاط رکھیں۔ کسی صورت بھی ہتھیاروں اور سامان سے غافل نہ ہوں۔ نماز پڑھنے والے مجاہدوں اور غازیوں کو حکم دیا کہ وہ نماز میں بھی مسلح رہیں اور ہر وقت محتاط رہیں۔ کیونکہ کافروں کی تو یہ تمنا ہے کہ مسلمان نماز میں مشغول ہو کر اپنے ہتھیاروں اور حفاظت سے غافل ہو جائیں۔ پھر کافروں کو یک دم حملہ کر دینے کا موقع مل جائے۔

---

[1] اطمینان کے مادے میں اختلاف ہے، طمن یا طمئن۔ دیکھیے: مرتضی زبیدی، تاج العروس بذیل مادہ: طمن

[2] قصر کے واسطے خوف کا موجود ہونا شرط نہیں جیسا کہ اگلے صفحے پر تفصیل موجود ہے۔

البتہ بارش کی وجہ سے یا بیماری کے باعث نماز کی حالت میں ہتھیار لگائے رہنے میں کوئی تکلیف محسوس ہو تو فرمایا کہ ہتھیار اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں، مگر چوکس رہنا ضروری قرار دیا، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ہتھیار اتار کر رکھ دو اور بچاؤ سے بھی غافل ہو جاؤ تو دشمن تم پر ٹوٹ پڑے۔

فرمایا کہ اگر تم احکامِ الٰہی کی پابندی کرو گے، ہتھیاروں سے مسلح ہو کر تمام احتیاطی تدابیر پر عمل کر کے دشمنوں کا مقابلہ کرو گے تو تمھیں فتح ونصرت دی جائے گی اور کافروں کو ذلیل وخوار کیا جائے گا اور آخرت میں بھی اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پھر فرمایا کہ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد بھی یاد الٰہی سے غافل نہ ہونے پاؤ۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور لیٹے ہر حالت میں تسبیح وتہلیل کے ساتھ اللہ کو یاد کرتے رہا کرو۔ اور جب حالت خوف دور ہو جائے اور اطمینان نصیب ہو تو پھر نماز کو پورے حقوق کے ساتھ تمام شرائط اور ارکان ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرو۔[1] کیونکہ نماز تو مسلمانوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض کردی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو وقت پر ادا کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

مسائل قصر نماز

قصر صلٰوۃ کے مسائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ سفر میں نماز قصر کرنا باجماع امت روا ہے۔

۲۔ قصر کے واسطے خوف کا موجود ہونا شرط نہیں ہے۔

۳۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت،[2] اس حدیث میں نمازِ فجر اور نمازِ مغرب کو شامل نہیں کیا گیا، کیونکہ سفر میں فجر اور مغرب کے قصر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے۔ اکثر علماء نے اسے سنت قرار دیا ہے۔ امام شافعی نماز قصر کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں کہ چاہے چار رکعت پڑھے چاہے قصر کر کے دو۔

۵۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ سفر میں چار رکعت کو قصر کر کے دو پڑھے۔[3]

---

[1] یعنی آئندہ کی نمازوں کو نہ کہ پچھلی نمازوں کو۔

[2] صحیح مسلم: ٦٨٧

[3] النووی، شرح مسلم: ۵/ ۱۹۴

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے امیہ بن خالد نے پوچھا کہ قرآن مجید میں حضر اور خوف کی نمازوں کا ذکر ہے، لیکن سفر کی نماز کا ذکر نہیں ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا، ہم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، جیسے آپ ﷺ کو کرتے دیکھتے ہیں، ویسے ہی ہم کرتے ہیں۔[1]

۷۔ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی رفاقت میں سفر پر جاتے یا اکیلے تو سفر میں ظہر، عصر اور عشاء میں دو دو رکعت ہی نماز پڑھتے۔ حضرت انس، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سب سے دو دو رکعت کی روایت ہے۔[2] بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو دو رکعت سفر میں پڑھیں۔[3]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سفر میں چار کی بجائے دو رکعت فرض پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔ فجر و مغرب میں قصر نہیں ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ، حضرت ابوبکر، عمر اور دیگر صحابہ کرام سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

قصر نماز میں سنتیں اور نوافل معاف ہیں۔[4] البتہ فجر کی دو سنتیں[5] اور عشاء کے وتر ادا کرے۔[6]

نماز کو قصر کرنا اللہ کا انعام ہے اور اسے قبول کرنا چاہیے۔ یہ سفر کے لیے سہولت دی گئی ہے۔ کیونکہ سفر میں تکلیف و کوفت کے علاوہ مصروفیت زیادہ ہوتی ہے اور سکون اور آسائش کم، لہٰذا یہ اللہ کی کرم نوازی ہے۔

۸۔ علماء میں اس بات پر بھی اختلاف رائے ہے کہ کتنی مسافت کا سفر ہو تو قصر کرنا جائز ہے:

الف۔ ایک گروہ نے سفر طویل وقصیر کی قید اڑا دی۔

ب۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روز کی راہ ہو۔

ج۔ حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سولہ فرسخ[7] پر نماز کو قصر کرتے تھے۔ امام مالک اور

---

[1] ابن عبدالبر، التمہید: ۱۱/ ۱۶۴

[2] سنن الترمذی: ۵۴۴

[3] صحیح البخاری: ۱۱۰۲

[4] صحیح البخاری: ۱۱۰۱ و أحمد بن حنبل، المسند: ۴۶۷۵

[5] سنن أبی داود: ۴۴۴

[6] صحیح البخاری: ۹۹۹

[7] تقریباً ۱۱۵ کلومیٹر

امام احمد کا یہی مذہب ہے۔

د۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دو روز کی راہ ہو۔

ہ۔ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کے نزدیک اوسط چال سے تین دن کی مسافت ہو۔ چنانچہ احناف کے نزدیک تین دن کی پیدل مسافت میں قصر کا حکم ہے۔

و۔ اس کے علاوہ پندرہ میل، تیس میل، چھتیس میل، پینتالیس میل کی مسافت کے قائل بھی موجود ہیں۔

سفر کی نوعیت بھی زیر بحث ہے۔ جہاد، حج، عمرہ، تجارت وغیرہ کے سفروں میں قصر جائز ہے۔ معصیت کے سفر میں قصر نماز جائز نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر عصر کی نماز دو رکعت پڑھی، یعنی قصر کی۔[1] مدینہ اور ذوالحلیفہ میں صرف چھ سات میل کا فاصلہ ہے۔

مسافر کے لیے مدت اقامت تین دن ہے۔ اس عرصے میں قصر کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت قیام پندرہ یوم سے کم ہو تو قصر کرے۔ پندرہ یا زیادہ ایام کے لیے اقامت ہو تو پھر نماز پوری ادا کرے۔ اگر مدت قیام متعین نہیں بلکہ آج جاتا ہوں کل جاتا ہوں اور حالات غیر موافق ہو جائیں اور واپسی غیر یقینی ہو تو قصر کرتے رہنا درست ہے۔[2]

نمازِ خوف کا طریقہ

صلاۃ الخوف یا نمازِ خوف کا طریقہ قرآن مجید نے یہ بیان فرمایا کہ امام یا لشکر کا افسر اپنے لشکر کو دو گروہوں یا حصوں میں تقسیم کرے۔ ایک گروہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا گروہ محافظت اور نگہبانی کے فرائض انجام دے۔ جب یہ پہلا گروہ ایک رکعت ادا کر چکے تو پیچھے ہٹ جائے اور پاسبانی و حفاظت کرے اور دوسرا گروہ ان کی جگہ آ کر نماز پڑھے۔[3] اس طرح امام کی دو رکعتیں پوری ہو جائیں گی اور مقتدیوں یا لشکریوں کی ایک ایک رکعت۔

---

[1] صحیح البخاری: ۱۰۸۹

[2] الشوکانی، نیل الأوطار: ۳/ ۲۳۹، نیز تفسیر القرطبی، تفسیر الطبری اور تفسیر ابن کثیر میں مذکورہ آیت کے تحت ملاحظہ کیجیے۔

[3] النساء: ۴/ ۱۰۲

پھر نماز کے دوران بھی مسلح اور چوکس رہنے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ تم اپنے ہتھیاروں کو لیے رہو اور حفاظتی تدابیر اختیار کیے رہو۔ ہتھیاروں اور ساز وسامان سے غافل نہ ہونے پاؤ۔ دشمن تو تاک میں رہتا ہے کہ مسلمان ذرا غافل ہوں تو یک دم ان پر ٹوٹ پڑے۔

احادیث میں ذکر ہے کہ مختلف مواقع پر نمازِ خوف کے لیے آنحضرت ﷺ نے مختلف طریقے اختیار کیے۔[۱] مذکورہ بالا طریقہ بھی آپ نے اختیار فرمایا۔ اگر جدال وقتال کی وجہ سے نماز کا ادا کرنا ممکن نہ ہو تو نماز میں تاخیر روا ہے۔ یہاں تک کہ نماز ادا کرنے پر قدرت حاصل ہو جائے۔

ایک اہم نکتہ

یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جہاد ایسی مقدس مصروفیت میں بھی نماز سے تغافل برتنے کی اجازت نہیں ہے۔ سفر و حضر، صحت و بیماری ہر حالت میں نماز کا پڑھنا فرض ہے۔ پوری نماز کی جگہ قصر کی اجازت دی، کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر، بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر، یہاں تک کہ اشاروں سے ادا کرنے کی بھی اجازت دے دی۔[۲] یہ سب باتیں نماز کی اہمیت کا پتہ دیتی ہیں۔ نمازی خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔ نماز ادا کرتے وقت خدا کے حضور میں کھڑے ہونے کا احساس ضرور ہونا چاہیے۔

نماز سے فراغت کے بعد ذکر الٰہی اور تسبیح وتہلیل کا حکم دیا گیا۔ تاکہ نماز کے بعد بھی انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم رہے اور ایک مسلمان خدا کی یاد سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونے پائے۔ فرمایا: چلتے پھرتے، بیٹھے لیٹے ہر حالت میں خدا کو یاد کرتے رہو۔ ذکر الٰہی سے قلب و دماغ پاک اور روشن رہتے ہیں۔

ایک اور اہم بات کی جانب توجہ دلائی کہ نماز پنجگانہ کے اوقات مقرر ہیں اور ان اوقات کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ نماز ایک فریضہ ہے لیکن پابندیِ وقت کے ساتھ ادا کرنا لازمی ہے۔

احادیث میں اوّل وقت میں نماز ادا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔[۳]

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ	اور مت سستی کرو تم کافر قوم کی تلاش میں، اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو وہ بھی دکھ اٹھاتے ہیں جس طرح تم دکھ

۱۔ صحیح البخاری: ۹۴۲ و صحیح مسلم: ۸۳۹

۲۔ صحیح البخاری: ۱۱۱۷ و سنن الترمذی: ۳۷۲

۳۔ سنن الترمذی: ۱۷۰

وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ	اٹھاتے ہو اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے جو نہیں رکھتے وہ
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾	اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا۔

آیت: ۱۰۴۔ تشریح الفاظ

وَلَا تَهِنُوْا: فعل نہی، مادہ: و ہ ن۔ وَهَنَ يَهِنُ وَهْنًا، اور تم سست نہ پڑ جاؤ، کمزور نہ ہو جاؤ۔

اِبْتِغَآءِ: (بغی) باب افتعال۔ طلب کرنا، تلاش کرنا، پیچھا کرنا، تعاقب کرنا۔

الْقَوْمِ: قریش مکہ، کفار و مشرکین۔

تَاْلَمُوْنَ: (الم) فعل مضارع معلوم، جمع مذکر مخاطب۔ درد اٹھاتے ہو تم، تکلیف اٹھاتے ہو تم، دکھ برداشت کرتے ہو تم۔ يَاْلَمُوْنَ: وہ درد برداشت کرتے ہیں۔

تَرْجُوْنَ: (رجی) تم امید رکھتے ہو۔ يَرْجُوْنَ: وہ امید رکھتے ہیں۔

مِنَ اللّٰهِ: اللہ سے، یعنی اللہ کی نصرت اور ثواب و اجر کی امید۔

مفہوم و مطلب: جہاد میں حوصلہ بلند رکھنے کا حکم

پچھلی آیات میں جہاد کا ذکر فرماتے ہوئے قصر صلاۃ کا حکم دیا اور ساتھ ہی نماز کی حالت میں بھی مسلح اور چوکس رہنے کہ ہدایت کر دی۔ پھر فرمایا کہ ذکر الٰہی سے کسی وقت بھی غافل نہ ہوں اور امن کی حالت میں نماز کو وقت پر ادا کیا کریں۔

اب زیر نظر آیت میں فرمایا کہ دشمنوں کو شکست دے کر بھگا دو تو پھر ان کے تعاقب اور پیچھا کرنے میں سستی اور کمزوری مت کرو۔ دشمنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرو اور قیدی بناؤ۔ اس سے تمھارا رعب چھا جائے گا اور دشمن کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے۔ پھر وہ مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمھیں زخم آئے ہیں، تکلیف پہنچی ہے اور لڑائی میں تم نے دکھ اور درد اٹھائے ہیں تو تمھارے دشمنوں پر بھی یہ سب کچھ بیتا ہے۔ وہ بھی زخموں سے چور ہوئے ہیں۔ انھیں بھی تکلیف اٹھانی پڑی اور دکھ برداشت کرنے پڑے۔ اس معاملے میں دونوں برابر ہیں۔ لیکن تمھیں یہ حوصلہ ہے کہ تمھارے لیے اللہ کے ہاں مغفرت و رحمت اور جنت کے وعدے ہیں جو ان کافروں سے نہیں ہیں۔ سب معاملات کا اللہ کو علم ہے اور اس کے ہر حکم میں ایک حکمت ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾	تحقیق ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب ساتھ حق کے تاکہ آپ حکم کریں[1] لوگوں کے درمیان ساتھ اس چیز کے جو دکھاتا ہے آپ کو اللہ اور نہ ہوں آپ دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔
وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾	اور بخشش مانگیے اللہ سے، بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

آیات: ۱۰۵ تا ۱۰۶۔ تشریح الفاظ

اَلْكِتَابُ: قرآن مجید۔ لِتَحْكُمَ: (حکم) تاکہ تم فیصلہ کرو، حکم کرو۔

اَرٰكَ اللّٰهُ: (رای) سے باب افعال، اللہ نے تجھے دکھایا، یعنی سکھایا بذریعہ وحی اور الہام۔

اَلْخَائِنِيْنَ: (واحد، خائن) مادہ خ و ن، خَانَ يَخُوْنُ خِيَانَةً، دغا بازوں، خیانت کرنے والوں، چوروں۔

خَصِيْمًا: جھگڑنے والا۔

مفہوم ومطلب: وحیِ الٰہی کے ذریعے سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا

آیت: ۱۰۵ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کو قرآن مجید عطا کیا ہے۔ یہ قرآن برحق ہے، جو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے۔ اس کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں اور حکم دیں، اس تعلیم کی روشنی میں جو اللہ نے آپ کو بذریعہ الہام دی ہے۔

قرآن مجید نازل فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ کو اس کی تعبیر اور صحیح مفہوم بھی بذریعہ الہام و القا سمجھا دیا تاکہ آپ منشائے الٰہی دنیا میں نافذ کر سکیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ))[2]

''مجھے قرآن ملا اور اس کی مثل اور بھی اس کے ساتھ ملا (اور وہ ہے سنت)۔''

---

[1] یعنی فیصلہ کریں۔

[2] أحمد بن حنبل، المسند: ۱۷۱۷۴

قرآن مجید برحق ہے۔ آپ ﷺ رسول برحق ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا حکم بھی حق پر مبنی ہونا چاہیے۔[1]

قرآن کی صداقت اور وحی کی حقانیت کو آنکھوں دیکھی چیز سے تعبیر کر کے قرآن اور وحی محمدی کی حیثیت کو بہت بلند کر دیا اور حدیث و سنت کا درجہ بڑھا دیا۔

پھر فرمایا کہ یہ چند چور اور دغا باز لوگ آ کر آپ کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ خائن اور چور ہیں۔ آپ ان کی طرف سے ہو کر جھگڑا نہ کیجیے اور ان کی حمایت میں آواز نہ اٹھائیے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے حضور میں استغفار کرتے رہیے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ استغفار تو ویسے ہی نبی ﷺ کی عادت تھی۔ آپ ﷺ بکثرت استغفار کرتے تھے۔[2] استغفار اللہ کو بھی بہت پسند ہے۔ یہ مفہوم بھی ہے کہ آپ ﷺ مسلمان خطا کاروں کے لیے بھی مغفرت طلب کرتے رہیں۔

یہ آیت بنو اُبیرق کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ غریب اور قلاش تھے۔ ان کے نام تھے بشیر، بشر اور مبشر۔ انھوں نے چوری کی اور ایک یہودی کے سر تھوپ دی اور آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر اپنی بریت کی۔ آپ نے ان کی حمایت کی، قرآن نے حکم نازل فرما دیا کہ یہ چور اور دغا باز ہیں۔ ان کی طرف سے سفارش مت کریں۔[3]

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِـيْمًا ﴿١٠٧﴾	اور مت جھگڑیے ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنی جانوں کی، بے شک اللہ نہیں پسند کرتا اس شخص کو جو ہے خیانت کرنے والا گنہگار۔
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿١٠٨﴾	چھپتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جبکہ رات کو تدبیر کرتے ہیں ایسی کہ نہیں راضی وہ اس بات سے اور ہے اللہ ان کے عملوں کو گھیرنے والا۔

---

[1] یعنی آپ ﷺ کا فیصلہ حق پر مبنی ہوگا، لہٰذا لوگوں کے ہاں بھی آپ کا فیصلہ برحق تسلیم کیا جائے۔

[2] صحیح مسلم: ۲۷۰۲ و سنن الترمذی: ۳۲۵۹

[3] سنن الترمذی: ۳۰۳۶ والحاکم، المستدرک: ۸۱۶۴

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾	خبردار! تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑے تم ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑے گا اللہ سے ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہے جو ان کی طرف سے وکالت کر سکے؟!

آیات: ۱۰۷ تا ۱۰۹۔ تشریح الفاظ

لَا تُجَادِلْ: (جدل) تو مت جھگڑ۔ يَخْتَانُوْنَ: (خ و ن) خیانت کرتے ہیں۔

اَنْفُسَهُمْ: اپنی جانوں کی اس خیانت کو اس لیے اپنی جانوں کی خیانت سے تعبیر کیا کہ اس کی سزا اور نقصان ان کی جان پر ہوگا۔ لہٰذا یہ خیانت درحقیقت انھوں نے اپنی جانوں کے حق میں کی۔

خَوَّانًا: (مبالغہ) بہت خیانت کرنے والا، بڑا خائن۔ اَثِيْمًا: (اثم) بہت گنہگار۔

يَسْتَخْفُوْنَ: (خ ف ی) خَفِيَ يَخْفٰي سے باب استفعال۔ وہ چھپتے ہیں، یعنی لوگوں سے شرم کے مارے چوری چھپانا چاہتے ہیں۔ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ: اور نہیں چھپتے اللہ سے، یعنی کوئی حیا نہیں کرتے، شرماتے نہیں۔

وَهُوَ مَعَهُمْ: اور وہ، یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے۔ اللہ کا علم انھیں ہر وقت احاطہ کیے ہوئے ہے۔

يُبَيِّتُوْنَ: رات کو تدبیر کرتے ہیں، کہتے ہیں۔

مَا لَا يَرْضٰي: جو اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں سے پسند نہیں کرتا۔ مِنَ الْقَوْلِ: بات میں سے، یعنی رائے اور اعتقاد، وہ رات کو ایسی بات کے مشورے کرتے ہیں جو اللہ کو قطعاً پسند نہیں ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ: (هَا، اَنْتُمْ) هَا حرف تنبیہ بمعنی خبردار، دیکھو، سنو۔ هٰۤؤُلَاۤءِ: وہ لوگ۔

جٰدَلْتُمْ: تم نے جھگڑا کیا۔ اَمْ: یا، بلکہ۔

وَكِيْلًا: کارساز، کام بنانے والا۔

مفہوم ومطلب: دھوکا بازوں کی حمایت کرنے کی ممانعت

زیر نظر آیات میں فرمایا کہ جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہو کر اپنی جانوں سے دھوکا کرتے ہیں ان کی طرف سے آپ جھگڑا نہ کیجیے۔ یہ لوگ دوسروں سے خیانت کر کے حقیقت میں اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں۔ ان کی خیانت کا وبال انھی کی جانوں پر ہے۔ یہ بشیر بن اُبیرق اور اس کے ساتھی عوام کی نظروں میں

ڈھول ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی والہام ان کی حقیقتِ حال سے نبی کریم ﷺ کو خبردار کر دیا اور فرمایا کہ آپ ان کی طرف سے ہو کر دلائل نہ دیں۔ ان کی خاطر نہ جھگڑیں۔ یہ دغاباز لوگ ہیں اور اللہ کو خائن اور گنہگار قطعاً پسند نہیں۔

پھر فرمایا کہ ان کا ذہن دیکھو کہ شرم کے مارے لوگوں سے چوری چھپاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ چوری کا کسی کو علم بھی نہ ہونے پائے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر کام اور عمل سے باخبر ہے۔ ان کی ہر بات اللہ کے علم میں ہے۔ یہ لوگ اللہ سے کیوں نہیں شرماتے اور حیا کرتے؟ جب یہ رات کی تاریکی میں ایسے مشورے کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں تو اللہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا علم ان کو ہر وقت گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ سے کوئی بات چھپائے بھی چھپ نہیں سکتی۔

فرمایا کہ یہی لوگ ہیں کہ تم اس دنیا میں ان کی طرف سے جھگڑا کرتے ہو۔ یہاں تو جھگڑا کر لیا لیکن قیامت کے دن اللہ سے ان کی خاطر کون جھگڑا کرے گا؟ بلکہ یہ بتاؤ کہ وہ کون دل گردے والا انسان ہے جو اللہ کے حضور میں ان کی طرف سے وکالت کر سکے گا؟ یعنی نہ تو کوئی ان کی طرف سے قیامت کے دن اللہ کے دربار میں جھگڑا کر سکے گا اور نہ کوئی ان کا وکیل اور کارساز ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان دغابازوں نے پہلے چوری کی، پھر یہودی کے سر تھوپ دی، پھر جھگڑا کیا اور بے ادبی اور بے حیائی کی انتہا یہ کہ پیغمبر خدا ﷺ کو دھوکا دینا چاہا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کر دیا۔
ان آیات میں مسلمانوں کے لیے یہ سبق ہے کہ

۱۔ مسلمان کو دغاباز کا ساتھ نہ دینا چاہیے اور نہ اس کی مدد کرنی چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کو گناہ اور خیانت پسند نہیں، بلکہ امانت اور استقامت پسند ہے۔
۳۔ اللہ علیم وخبیر ہے۔ ہمارے کاموں سے باخبر ہے۔ اس لیے ہمیں اللہ سے شرم وحیا کرنی چاہیے۔
۴۔ اگر دنیا میں کوئی کسی کی طرف سے وکالت بھی کر لے تو آخرت میں اللہ کے دربار میں کوئی شخص بھی کسی کی وکالت نہیں کر سکے گا اور کوئی شخص کسی آدمی کو عذابِ الٰہی سے بچا نہیں سکے گا۔ کون ہے جو وہاں کسی کے کام آ سکے؟!

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾	اور جو کوئی کام کرے بُرا یا ظلم کرے اپنی جان پر پھر بخشش مانگے اللہ سے تو پائے گا اللہ کو بخشنے والا مہربان۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾	اور جو کوئی کمائے گناہ تو وہ محض گناہ کماتا ہے اپنی جان پر اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا۔
وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾	اور جو کوئی کمائے خطا یا گناہ پھر تھوپ دے اسے بے گناہ پر، پس تحقیق اٹھا لیا اس نے بہتان اور گناہ صریح۔

آیات: ۱۱۰ تا ۱۱۲۔ تشریح الفاظ

يَعْمَلْ: (عَمِلَ يَعْمَلُ) عمل کرے، کام کرتا ہے۔ سُوْءًا: برا، بدی۔

يَكْسِبْ: کمائے، ارتکاب کرے۔ خَطِيْۗـــَٔةً: قصور، خطا۔

اِنَّمَا: (حرف حصر) صرف، محض۔ یعنی اس نے اپنی جان پر ہی گناہ کمایا۔ اس گناہ کا وبال اسی پر ہے۔

يَرْمِ بِهٖ: (ر م ی) رَمٰی يَرْمِيْ پھینکنا، تیر مارنا، نشانہ کرنا۔ یعنی نشانہ کیا ساتھ اس گناہ کے بے گناہ کا۔ مراد ہے کہ گناہ کا ارتکاب تو خود کیا لیکن تھوپ دیا کسی بے گناہ اور معصوم پر۔

بَرِيْۗـــًٔا: بے گناہ، بے قصور، بری، معصوم۔ اِحْتَمَلَ: حَمَلَ سے باب افتعال۔ اٹھا لیا۔

مفہوم ومطلب: توبہ کی اہمیت اور اپنا گناہ دوسرے کے سر تھوپنے کی وعید

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بدی کرے اور کسی دوسرے آدمی کو نقصان پہنچائے یا اپنی جان پر ظلم کرے، یعنی اس کے گناہ کا تعلق اپنی ذات تک محدود رہے یا دوسروں تک بھی جا پہنچے، پھر وہ ارتکابِ گناہ کے بعد توبہ اور استغفار کرے، گناہوں کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

اس آیت میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ اس کا علم و کرم، عفو و رحم اور مغفرت و رحمت اپنے بندوں کے لیے عام ہے۔ جو گناہ بھی سرزد ہو فوراً توبہ کرو، معافی مانگو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ "جب کوئی گناہ سرزد ہو تو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر گناہ کی معافی مانگے تو اللہ ضرور معاف کر دیتا ہے۔"[1]

[1] سنن ابی داود: ۱۵۲۱ و سنن ابن ماجہ: ۱۳۹۵

پھر فرمایا کہ گناہ کرنے والے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہے۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون گنہگار ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں۔

فرمایا کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے، خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، سہواً سرزد ہو جائے یا عمداً، پھر اس گناہ کو کسی بے گناہ اور معصوم کے سر تھوپ دے تو اس نے اپنی گردن پر ایک بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔

ان آیات میں مندرجہ ذیل نکات ہیں:

۱۔ گناہ کے بعد توبہ اور استغفار سے معافی مل جاتی ہے۔

۲۔ گناہ کا وبال صرف گنہگار کی اپنی جان پر ہوتا ہے۔

۳۔ گناہ کرنے کے بعد دوسرے کے سر تھوپ دینا بہتان اور صریح گناہ ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا آپ پر اور رحمت اس کی تو قصد کیا تھا ایک گروہ نے ان میں سے کہ بہکا دیں آپ کو اور نہیں بہکائیں گے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچائیں گے آپ کو کچھ بھی اور اتاری اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا آپ کو جو نہ تھے آپ جانتے اور ہے فضل اللہ کا آپ پر بڑا۔

آیت: ۱۱۳۔ تشریح الفاظ

لَهَمَّتْ: (لَ، هَمَّتْ) هَمَّ سے واحد مؤنث غائب۔ ارادہ کیا، قصد کیا۔

طَآئِفَةٌ: جماعت، فریق، گروہ۔

يُضِلُّوْكَ: تجھے بہکا دیں، بھٹکا دیں۔

مَا يَضُرُّوْنَكَ: (ضرر) نہیں بگاڑیں گے تم کو، نہیں نقصان پہنچائیں گے تم کو۔

مِنْ شَيْءٍ: کچھ بھی، ذرا بھی۔

الْكِتٰبَ: قرآنِ مجید۔

الْحِكْمَةَ: (۱) وحی کے ذریعے فیصلہ کرنا، (۲) مقاصدِ دین کی فقہ اور اسرارِ شریعت، (۳) سنت۔

عَلَّمَكَ: تجھے سکھایا، یعنی کتاب اور احکامِ شریعت اور امورِ غیبی۔

مفہوم ومطلب: آنحضرت ﷺ پر اللہ کے انعامات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے انعامات واکرامات یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان تھا کہ اس نے آپ کو ایک مجرم کی طرف سے جھگڑنے سے بچالیا۔ یہ اللہ کی خاص مہربانی اور رحمت تھی۔ ورنہ ایک گروہ نے تو آپ کو راہِ راست اور عدل وانصاف سے بہکانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ ان کی یہ کوششیں ان کے اپنے حق میں مُضر ثابت ہوئیں۔ وہ آپ کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس کے ذریعے اخبارِ غیبی سے اللہ آپ کو مطلع فرما دیتا ہے۔ مزید برآں اللہ نے آپ کو فیصلے کی خاص استعداد اور الہامی رہنمائی عطا کی ہے۔ اللہ نے آپ کو اسرارِ دین اور مقاصدِ شریعت سے بہرہ وافر عطا کیا ہے۔ احکامِ شرعی کی روشنی میں آپ صحیح صحیح فیصلے صادر فرماتے ہیں۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

نیز فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کل کائنات کے لیے ہے، آپ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾	نہیں کچھ بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں مگر وہ شخص جو حکم دے خیرات کا یا نیکی کا یا صلح کرانے کا لوگوں کے درمیان اور جو اللہ کی خوشنودی طلب کرتے ہوئے ایسا کرے پس عنقریب ہم دیں گے اس کو اجر بڑا۔

آیت: ۱۱۴۔ تشریح الفاظ

نَجْوٰهُمْ: (نَجْوىٰ، هُمْ) نَجَا يَنْجُوْ نَجْوًا۔ سرگوشی کرنا، پوشیدہ مشورہ کرنا، کان میں بات کہنا۔ ان کے پوشیدہ مشورے۔

خَيْرٌ: اچھائی، بھلائی، فائدہ۔

اِبْتِغَآءَ: چاہتے ہوئے، طلب کرتے ہوئے۔

مَرْضَاتِ: رضا، خوشنودی۔

مفہوم ومطلب: شرارت پسند اور صلح پسند عناصر کے مشوروں میں فرق

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بدباطن لوگ کسی بھلائی اور نیکی کے لیے سرگوشیاں اور

مشورے نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی اور فائدہ نظر نہیں آتا۔ ان کا مقصد شرارت اور دغا فریب ہے۔ البتہ وہ مشورے مفید ہیں اور ان لوگوں کی سرگوشیاں کار آمد اور باعث اجر وثواب ہیں جو صدقہ وخیرات کا حکم دیں۔ کسی نیک کام کرنے کی ترغیب دلائیں یا لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کو مٹا کر صلح کرادیں اور فرمایا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے صدقہ کرنے کا حکم دے، نیکی کی طرف رغبت دلائے، یا لوگوں کے درمیان مصالحت کرادے تو ایسے آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔

معروف اور صدقہ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ نیکی کا ہر کام صدقہ ہے اور ہر صدقہ نیکی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "نیکی کی فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔"[1] یعنی نیکی کرنے میں تاخیر نہ ہونی چاہیے۔ نیکی کا مفہوم بھی بڑا وسیع ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کسی کو خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔"[2]

اسلام میں میل ملاپ اور اصلاح بین الناس کو بڑی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے میل ملاپ اور صلح جوئی اور مصالحت نہایت ضروری اور بنیادی چیزیں ہیں۔ اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو بطورِ نصیحت فرمایا کہ "اللہ اور رسول کے نزدیک محبوب ترین چیز یہ ہے کہ تُو لوگوں کے درمیان صلح کرائے جبکہ وہ فساد پر تلے ہوں اور جب وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں تو پھر انھیں ایک دوسرے کے قریب لائے۔"[3] ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "دو مخالف افراد اور جماعتوں میں صلح کرانا بہترین نیکی ہے۔"[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جھگڑے کے مقدمات کو واپس کر دو تا کہ فریقین آپس میں صلح کر لیں کیونکہ فیصلہ سے ان کے درمیان کدورت اور دشمنی بڑھ جاتی ہے۔[5] ایک روایت میں ہے کہ صلح کرانے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔[6]

---

[1] صحیح مسلم: ۲۶۲۶

[2] سنن أبي داود: ۴۰۸۴ وأحمد بن حنبل، المسند: ۱۵۹۵۵

[3] الطبراني، المعجم الكبير: ۷۹۹۹ والبيهقي، شعب الايمان: ۱۰۵۸۳

[4] سنن أبي داود: ۴۹۱۹ وسنن الترمذي: ۲۵۰۹

[5] القرطبي، التفسير، النساء: ۱۱۴ والسيوطي، الفتح الكبير: ۲۲۷

[6] أبو محمد البغدادي، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث: ۲۰۵

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾	اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ ظاہر ہوگئی اس کے لیے ہدایت اور راہ چلے علاوہ راہ مومنوں کے[1] تو والی کر دیں گے ہم اسے اس چیز کا جو اس نے پسند کی اور ہم ڈالیں گے اسے دوزخ میں اور یہ برا ہے ٹھکانا۔

آیت: ۱۱۵۔ تشریح الفاظ

يُشَاقِقِ: شَقّ سے باب مفاعلہ۔ کسی سے دشمنی کرنا، عداوت رکھنا، مخالفت کرنا، برخلافی کرنا۔

تَبَيَّنَ: کھل گئی، ظاہر ہوگئی۔ **اَلْهُدٰى:** ہدایت، سیدھی راہ، راہ راست، حق۔

سَبِيْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ: سے مراد ہے اجماع امت، صراط مستقیم، دین اسلام۔

نُوَلِّهٖ: وَلّٰى سے مضارع، جمع متکلم۔ ہم حوالے کر دیں گے اس کو، ہم اسے والی بنا دیں گے، متوجہ کر دیں گے، پھیر دیں گے۔ **يَتَّبِعْ:** پیروی کرے، راہ چلے۔

تَوَلّٰى: وہ متوجہ ہوا، پسند کیا، توجہ پھیری، یعنی جس طرف وہ اپنی توجہ پھیرے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے۔

مَصِيْرًا: پھر آنے کی جگہ کے لحاظ سے، بطور ٹھکانا۔

مفہوم ومطلب: رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی سزا جہنم ہے

اس آیت میں فرمایا کہ حق ظاہر ہو جانے اور راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد جو شخص پیغمبر خدا ﷺ کی مخالفت کرے اور آپ ﷺ کی بات نہ مانے اور مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کافروں کی راہ اختیار کرے تو پھر اللہ تعالیٰ اُسے ادھر کو پھیر دیتا ہے جدھر وہ جانا پسند کرتا ہے۔ جس چیز سے اسے محبت والفت ہوتی ہے اللہ اسے اسی چیز کے حوالے کر دیتا ہے۔ یعنی دنیا میں اللہ نے انسان کو سمجھ بوجھ دی اور پھر اسے اختیار دیا کہ اچھی چیز پسند کرے یا بُری، نیکی کی راہ پر چلے یا برائی کی راہ اختیار کرے۔ البتہ یہ فرمایا کہ پیغمبر خدا ﷺ کی نافرمانی اور اسلامی راہ سے ہٹنے کی سزا جہنم ہے اور یہ بُرا ٹھکانا ہے۔ جہنم بہت بُری جگہ ہے۔ یہ رہنے کے قابل نہیں۔ دوزخ کی زندگی بڑی اجیرن اور تکلیف دہ ہوگی۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ اس بُری جگہ سے بچ جائیں۔

[1] سلیس ترجمہ اس طرح ہے: مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے۔

اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ ''اے اللہ! ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لیجیے۔''

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پیغمبر خدا ﷺ کی مخالفت سے بچنا چاہیے۔

۲۔ صراط مستقیم پر قائم رہ کر اسلام پر عمل کریں۔ اجماع امت کی مخالفت سے احتراز کریں۔

۳۔ پیغمبر ﷺ کی مخالفت کرنے اور دین اسلام کو چھوڑ کر اور راہ اختیار کرنے کی سزا جہنم ہے۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ابن اُبیرق کے حق میں نازل ہوئی۔ مدینہ میں چوری کی۔ پیغمبر ﷺ کو دھوکا دینا چاہا۔ اللہ نے راز فاش کر دیا۔ بھاگ کر مکے جا مرتد ہوا۔ وہاں چوری کی تو وہاں سے نکال دیا گیا۔ ملک شام میں جا پہنچا۔ وہاں بھی چوری کی تو قتل کر دیا گیا۔[1]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾	بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شرک کیا جائے ساتھ اس کے اور بخش دیتا ہے سوائے اس کے جس کے لیے چاہتا ہے اور جو کوئی شریک ٹھہرائے اللہ کے ساتھ پس تحقیق وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

مفہوم ومطلب: شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت

گزشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ رسول خدا ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کی سزا جہنم ہے۔ کیونکہ آپ کی برخلافی سے آدمی دین اسلام سے بھٹک جاتا ہے اور صراطِ مستقیم آپ ﷺ کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اب زیر نظر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشن ہار ہے۔ وہ سب گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن اس نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ شرک کرنے والے کو ہرگز نہیں بخشے گا، کیونکہ شرک کرنے والا تو راہِ ہدایت سے بھٹک کر بہت دور کی گمراہی میں پڑا ہے۔ مراد ہے کہ بہت گمراہ ہو جاتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اگر مشرک صدق دل سے توبہ کر لے، معافی مانگے اور پھر شرک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے۔

---

[1] الطبری والقرطبی، التفسیر، النساء: ۱۰۴، ۱۰۵

جامع ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں مجھے سب سے زیادہ یہی آیت محبوب ہے۔[۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک بوڑھا آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، عمر بھر گناہوں میں غرق رہا ہوں، البتہ جب سے اللہ کو پہچانا ہے اور اس پر ایمان لایا ہوں، کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرایا اور نہ اس کے سوا کسی کو ولی اور مددگار بنایا۔ اللہ کی سرکشی کرتے ہوئے یا اس سے بے خوفی کے خیال سے کبھی گناہ بھی نہیں کیا۔ اب میں نادم ہوں، توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔ فرمایئے کہ اللہ کے ہاں میرا کیا حال ہوگا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ نازل فرمائی۔[۲]

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾	نہیں پکارتے وہ اللہ کے سوا مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے وہ مگر شیطان سرکش کو۔
لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾	پھٹکار دیا اس کو اللہ نے اور کہا اس نے ضرور لوں گا میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقرر۔
وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾	اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان کو اور میں ضرور آرزو دلاؤں گا ان کو اور ضرور حکم کروں گا ان کو، پس وہ ضرور کاٹیں گے کان جانوروں کے اور میں ضرور حکم کروں گا ان کو، پس وہ ضرور بدل دیں گے پیدائش خدا کی اور جو کوئی پکڑے شیطان کو دوست اللہ کے سوا پس تحقیق گھاٹا پایا اس نے گھاٹا صریح۔
يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾	وعدہ دیتا ہے وہ ان کو اور آرزوئیں دلاتا ہے ان کو اور نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دھوکا دینے کے لیے۔

---

۱ سنن الترمذی: ۳۰۳۷۔ اسنادہ ضعیف

۲ تفسیر القرطبی، النساء: ۱۱۶

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾	یہ لوگ ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور نہ پائیں گے اس سے بھاگنا۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾	اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کیے اچھے عنقریب ہم داخل کریں گے ان کو بہشتوں میں چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے اس میں ہمیشہ ہمیشہ، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کون ہے زیادہ سچا اللہ سے بات میں۔

آیات: ۱۱۷ تا ۱۲۲۔ تشریح الفاظ

اِنْ: (نافیہ) بمعنی نہیں۔ يَدْعُوْنَ: وہ پکارتے ہیں۔

اِنَاثًا: (واحد، اُنْثٰی) اِنَاث کے کئی معنی ہیں: (۱) اِنَاث بمعنی عورتیں، یعنی وہ بت جن کے نام مؤنث ہیں، مثلاً لات، منات، عُزّیٰ۔ (۲) مشرکین بتوں کے علاوہ فرشتوں کو پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔[۱] (۳) اِنَاث میت اور مردے کے لیے بولتے تھے کہ مردہ عاجز اور بے بس ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر مُردوں کی پوجا کرتے تھے۔ (۴) اِنَاث کا ایک معنی ہے بے جان چیز، جیسے پتھر، لکڑی۔ اِنَاث کے مفہوم میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ عربوں کے ہاں بتوں کے نام مؤنث تھے۔ وہ بت بے جان اور بے روح تھے۔ مشرکین میں سے بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔[۲]

مَرِيْدًا: (م ر د) باغی، سرکش۔

لَاَتَّخِذَنَّ: اخذ سے باب افتعال۔ لَ، اَتَّخِذَ، نَّ۔ لَ، نّ تاکید کے لیے، اتّخِذَ، میں لوں گا، میں ضرور لوں گا۔

لَاُضِلَّنَّهُمْ: (لَ، اُضِلَّ، نَّ، هُمْ) میں انھیں ضرور گمراہ کروں گا۔ ضَلّ سے، اضلال، باب افعال۔

لَاُمَنِّيَنَّهُمْ: (لَ، اُمَنِّيَ، نَّ، هُمْ) ل اور ن تاکید کے لیے۔ اُمَنِّيَ: (م ن ی) مَنّٰی یُمَنِّی سے باب تفعیل۔ میں آرزو دلاؤں گا، میں ان کو ضرور آرزو دلاؤں گا۔

فَلَيُبَتِّكُنَّ: فَ، لَ، يُبَتِّكُ، نَّ، (ب ت ك) جمع مذکر غائب، پس وہ ضرور کاٹیں گے، چیریں گے، قطع کریں گے۔

اٰذَانَ: (واحد، اُذُن) کان۔ الْاَنْعَامِ: چوپائے، مویشی، جانور۔

[۱] الزخرف: ۴۳/۱۹

[۲] بنی اسرائیل: ۱۷/۴۰

فَلَيُغَيِّرُنَّ: فَ ، لَ ، يُغَيِّرُ، نَّ، (غ ی ر) جمع مذکر غائب ۔ غَيَّرَ ماضی، باب تفعیل۔ وہ ضرور بدل ڈالیں گے، بگاڑ دیں گے۔

خَسِرَ: گھاٹا پایا، نقصان اٹھایا۔

يَعِدُ: وَعَدَ ماضی۔ وعدہ کرتا ہے۔

غُرُوْرًا: دھوکا اور فریب دینے کے لیے۔

مَأْوٰهُمْ: (ا و ی) پناہ کی جگہ، ٹھکانا۔

اَصْدَقُ: صادق سے اسم تفضیل ہے۔ زیادہ سچا۔

مَحِيْصًا: (ح ی ص) فعل حَاصَ يَحِيْصُ، جائے پناہ، بچاؤ، بھاگنے کی جگہ۔

قِيْلًا: بات کے لحاظ سے، قول میں، یعنی اللہ سے بڑھ کر بات کا کون سچا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ سے زیادہ سچی بات کسی کی نہیں ہو سکتی۔

مفہوم ومطلب: شیطان کے پیروکاروں کی سزا اور مومنوں کے لیے جنت کا وعدہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرک لوگ اللہ کو چھوڑ کر بے جان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے عورتوں کے سے نام ہیں۔ یہ بت بالکل عاجز اور بے کس ہیں۔ یہ مردہ ہیں۔ ان میں جان اور روح بالکل نہیں ہے۔ یہ لوگ درحقیقت شیطان کے پھندے میں گرفتار ہیں۔ شیطان ان کو بتوں کی پوجا کی دعوت دیتا ہے اور یہ اس کی بات میں آکر بت پرستی کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہی شیطان کی پوجا ہے۔ ایک طرف تو شیطان اپنے رب کا باغی اور سرکش ہے اور دوسری طرف انسان کا دشمن۔ شیطان نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ خدا کے بندوں میں سے ایک جماعت کو ضرور ضرور گمراہ کرے گا۔ انھیں گناہ کی ترغیب دلائے گا۔ ان کے دلوں میں مختلف اُمنگیں اور آرزوئیں پیدا کرے گا۔ انھیں کہے گا کہ اپنے مویشیوں کے کان چیر دو اور کاٹ دو، وہ ایسا ہی کریں گے۔ شیطان انھیں مشورہ دے گا کہ خدا کی مخلوق کی شکل وصورت بدل ڈالو، وہ اس کے وسوسے میں آکر مخلوق خدا کو بگاڑ دیں گے۔

چنانچہ قدیم زمانے میں کئی وجوہات کی بنا پر لوگ اپنے اونٹوں اور اونٹنیوں کے کان کاٹ کر انھیں کھلا چھوڑ دیتے اور ان سے نفع اٹھانا حرام سمجھتے تھے۔[1] آج بھی لوگ اسی قسم کی مشرکانہ رسوم کا شکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان تو اللہ کے ہاں سے پھٹکارا گیا ہے۔ جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا تو وہ صریح گھاٹے میں ہے۔ اس کی دنیا بھی خراب ہے اور عاقبت بھی۔ فرمایا کہ یہ درست ہے کہ شیطان بہکاتا ہے، پھسلاتا ہے، آرزوئیں اور امنگیں پیدا کرتا ہے، وعدوں کے فریب دیتا ہے اور اس کے وعدے تو

[1] المائدہ: ۱۰۳ کی تفسیر ملاحظہ کیجیے۔

ہیں ہی فریب، اس کا کام ہی دھوکا دینا ہے۔ اس کی کوئی بات سچی نہیں ہے۔

فرمایا کہ جو لوگ شیطان کا کہا مانتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر کان نہیں دھرتے تو ایسے لوگوں کے لیے سوائے جہنم کے اور کوئی جگہ نہیں۔ یہ پناہ تلاش کریں گے۔ بھاگ بچنے کی کوشش کریں گے، لیکن سوائے دوزخ کے اور کہیں ان کو پناہ نہ مل سکے گی اور دوزخ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کئی جگہ بتا چکا ہے کہ یہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

پھر فرمایا کہ شیطان کے دوستوں کے مقابلے پر ایک ایمانداروں کا گروہ ہے۔ یہ نیک اور صالح لوگ ہیں۔ ایمان اور عمل صالح کے اجر میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ جہاں نہریں چلتی ہیں اور یہ لوگ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا کہ شیطان کا وعدہ جھوٹا ہے۔ فریب ہے۔ جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کیوں نہ ہو؟ اللہ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا کون ہے؟ یقیناً اللہ ہی کی بات سب سے سچی ہے۔

ان آیات سے چند ایک مسائل مستنبط ہیں:

۱۔ خدا کے سوا کسی اور کی پوجا اور پرستش درحقیقت شیطان کی پوجا ہے۔

۲۔ چوپاؤں کے کان وغیرہ کاٹنے اور چیرنے نہیں چاہئیں۔

۳۔ مخلوق خدا کو بگاڑنا منع ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس بات پر اجماع امت ہے کہ بنی آدم کو خصی کرنا اور خود خصی ہونا حرام ہے۔ کسی عضو کا بغیر شرعی حد کے کاٹنا بھی ممنوع ہے۔[۱]

۴۔ بقول امام زمخشری رحمہ اللہ (صاحب الکشاف) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خصی غلام کا خریدنا، اپنے پاس رکھنا اور خدمت لینا مکروہ ہے۔[۲] بہائم میں سے بچہ ہو تو خصی کرنا روا ہے، ورنہ حرام ہے۔ بعض علماء نے جانوروں کو موٹا کرنے کے لیے خصی کرنے کی اجازت دی ہے۔[۳] اس طرح خصی جانوروں کی قربانی بھی جائز ہے۔[۴]

---

[۱] القرطبی، التفسیر، النساء: ۱۱۹

[۲] الزمخشری، التفسیر، النساء: ۱۱۹

[۳] ابن حجر، فتح الباری، قبل الحدیث: ۵۵۵۳

[۴] سنن أبی داود: ۲۷۹۵

۵۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گودنے والوں اور گودانے والوں پر لعنت کی ہے۔[1] چہرے، بازو اور ران وغیرہ پر حروف لکھوانا اور پھول وغیرہ گودنا حرام ہے۔

۶۔ نیز خلق اللہ سے مراد ہے دین فطرت اور دین اسلام۔ فرمایا کہ اللہ کی حرام چیزوں کو حلال نہ کرو اور حلال کو حرام نہ ٹھہراؤ اور اللہ کی عبودیت سے باہر نہ نکلو۔

۷۔ شیطان کے وعدے جھوٹے ہیں اور محض فریب۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں اور اس کی بات پکی اور سچی ہے۔ اللہ کی تابعداری اور فرمانبرداری کرو، نجات پاؤ گے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾	نہ آرزوئیں تمھاری اور نہ اہل کتاب کی آرزوئیں، جو کوئی کرے گا برائی بدلہ دیا جائے گا اس کا اور نہ پائے گا اللہ کے سوا کوئی ولی اور نہ مددگار۔
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾	اور جو کوئی کرے گا نیکی مرد ہو یا عورت اور وہ ہو مومن تو یہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کیا جائے گا ان پر ذرہ بھر۔

آیات: ۱۲۳ تا ۱۲۴۔ تشریح الفاظ

اَمَانِيّ: (واحد، اُمْنِيَّة) خواہشات، تمنائیں، آرزوئیں۔ يَعْمَلْ: عمل کرے، کام کرے۔

سُوْٓءًا: برا، نیز کفر، شرک۔ نَقِيْرًا: (ن ق ر) کھجور کی گٹھلی کا شگاف، مراد ذرہ بھر۔

يُجْزَ: جَزىٰ يَجْزِيْ جَزَاءً سے مضارع مجہول، اصل میں يُجْزىٰ تھا، شرط کی جزا ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو کر "ی" گر گئی۔ لَا يُظْلَمُوْنَ: مضارع مجہول۔ نہیں ظلم کیے جائیں گے۔

مفہوم ومطلب: برائی کا بدلہ اور نیکی کا صلہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذاتی کردار اور عمل پر توجہ دلائی ہے۔ فرمایا کہ نجات پانے اور جنت میں جانے کے لیے نہ تو تمھاری خواہشات کو دخل ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں کو۔ جو شخص بھی بدی کرے گا وہ بدی کا بدلہ پائے گا۔ اور پھر نہ کوئی شخص اس کی دوستی کا دم بھر سکے گا اور نہ کوئی مدد کر سکے گا۔ بعض مفسرین نے

---

[1] صحیح البخاری: ۴۸۸۶ و صحیح مسلم: ۲۱۲۵

اس سے یہ مراد لی ہے کہ جو شخص کفر و شرک کا مرتکب ہوگا وہ اس کی ضرور سزا پائے گا۔

لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام ہے۔ مسلمان ہو یا کافر، جو بھی برا کام کرے گا اس کے بدلے میں اسے سزا ملے گی۔ یہ سزا آخرت میں ہو یا دنیا میں بصورت مصیبت، بیماری، نقصان وغیرہ، البتہ احادیث میں اس امر کی تصریح آئی ہے کہ مومن کی بیماری یا مصیبت، غم یا سختی وغیرہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔[1] مومن کی برائیاں، لغزشیں اور قصور دنیا ہی میں معاف ہو جاتے ہیں اور بعض کسی دکھ یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے مٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مومن مرد یا عورت نیک کام کرے تو اس کے عوض میں وہ جنت میں داخل ہوگا اور کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نجات کا دارو مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ اللہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ بدی کرنے والے کو بدی کی سزا ملے گی اور نیک و ایمانداروں کو جنت۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾	اور کون ہے بہتر دین میں اس شخص سے کہ مطیع کرے اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے پیروی کی ملت ابراہیم حنیف کی اور بنایا اللہ نے ابراہیم کو دوست۔
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾	اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہے اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا۔

آیات: ۱۲۵ تا ۱۲۶۔ تشریح الفاظ

اَسْلَمَ: جھکا دیا، فرمانبردار بنا دیا، مطیع کر دیا۔ وَجْهَهٗ: اپنا منہ، اپنا چہرہ۔

مُحْسِنٌ: نیکی کرنے والا، اخلاق و فضائل کا مالک۔

حَنِيْفًا: راست رَو، دوسرے ادیان اور مذاہب سے منہ موڑنے والا۔

خَلِيْلًا: دوست، محبت کرنے والا یا محبوب۔ مُحِيْطًا: احاطہ کیے ہوئے، گھیرنے والا۔

---

[1] صحیح البخاری: ۵۶۴۱، وصحیح مسلم: ۲۵۷۳

مفہوم و مطلب: اسلام اور احسان کا بلند مقام

ان آیات میں فرمایا کہ وہ شخص دین میں سب سے بہتر ہے جس نے اپنے چہرے کو اللہ کا فرمانبردار اور مطیع بنا دیا۔ وہ محسن اور نیکوکار بھی ہے۔ اللہ کے حضور میں عاجزی اور تضرع بھی کرتا ہے۔ اللہ کی محبت اور عبادت میں بڑا مخلص اور خشوع و خضوع کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ دین ابراہیم حنیف پر قائم ہے۔ توحید میں پختہ ہے۔ ملت ابراہیمی یعنی خالص اسلام پر کار بند ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ صفت بڑی قابل ذکر اور نمایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توحید خالص اور عمل صالح کی وجہ سے ابراہیم کو خلیل بنالیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ ان کو محبوب رکھتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اس لیے بنایا کہ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے، ہر ایک کو ملتے وقت السلام علیکم کہتے، رات کے وقت جب لوگ سوتے تو وہ نمازِ تہجد پڑھتے تھے۔[1]
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوستی کی اللہ کو کوئی ضرورت اور محتاجی نہ تھی، بلکہ اس سے ایک فرمانبردار بندے کی عزت افزائی اور اکرام منظور تھا۔

فرمایا کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا مالک اکیلا اللہ ہی ہے اور کوئی چیز اس کے احاطۂ علم و اختیار سے باہر نہیں۔ ہر چیز اسی کے تصرف میں ہے۔ ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾	اور وہ فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے متعلق، کہو: اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو ان کے بارے میں اور جو چیز پڑھی جاتی تم پر کتاب میں یتیم عورتوں کے حق میں وہ کہ نہیں دیتے تم ان کو جو کچھ لکھا گیا ہے ان کے لیے[2] اور رغبت کرتے ہو تم کہ نکاح کرو ان سے اور کمزور و ناتواں لڑکوں کے بارے میں اور یہ کہ قائم رہو تم یتیموں کے لیے انصاف پر اور جو کچھ تم کرو گے بھلائی پس بے شک اللہ ہے اس کا جاننے والا۔

---

[1] القرطبی، التفسیر، النساء: ۱۲۵ و ابو اللیث السمرقندی، تنبیہ الغافلین، ص: ۱۶۷
[2] سلیس ترجمہ اس طرح ہے: اور کتاب کی وہ آیتیں بھی جو یتیم لڑکیوں کے بارے میں تمھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، جنھیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے۔

آیت: ۱۲۷۔تشریح الفاظ

يَسْتَفْتُوْنَكَ: (ف،ت،و) اَفْتٰى يُفْتِيْ فتویٰ دینا۔اِسْتِفْتَاءٌ باب استفعال ،فتویٰ پوچھنا۔يَسْتَفْتُوْنَ، وہ مرد فتویٰ پوچھتے ہیں،فتویٰ مانگتے ہیں یا طلب کرتے ہیں۔

مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ: جو تلاوت کیا گیا تم پر، تمھیں پڑھ کر سنایا گیا۔ فِي الْكِتٰبِ: قرآن مجید میں۔

مَا كُتِبَ: جو فرض کیا گیا۔ تَرْغَبُوْنَ: (رَغِبَ) تم رغبت رکھتے ہو،تم چاہتے ہو۔

مفہوم ومطلب: یتیموں سے انصاف کرنے کا حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ! لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں کہ یتیم عورتوں کی وراثت کا کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو جواب دو کہ اللہ کا یہ حکم ہے کہ جو اس سورت میں پہلے حکم ہو چکا ہے اس کو مانو اور اس پر عمل کرو۔ بالخصوص آیت: ۵ اور آیت: ۱۱ میں یہ احکام گزر چکے ہیں۔

فرمایا کہ تمھارا تو یہ حال ہے کہ اللہ کا فرض ٹھہرایا ہوا حصہ وراثت بھی تم ان کو نہیں دینا چاہتے بلکہ تمھاری یہ خواہش اور رغبت ہوتی ہے کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد کے بھی وارث بن جاؤ اور ہاتھ سے کچھ نہ دینا پڑے۔اسی طرح نابالغ بچوں کے بارے میں بھی اللہ کا حکم یہی ہے کہ ان کے ساتھ انصاف اور عدل کرو اور خوب یاد رکھو کہ تمھارا ہر کام اللہ کے علم میں ہے اور اللہ تمھیں ہر نیکی کا اجر عظیم اور ثواب جمیل عطا کرے گا۔

اس آیت میں یتیم لڑکیوں سے نکاح کے سلسلے میں خاص طور پر فرمایا کہ ان کو وراثت کا حصہ ادا کرو، ان کو نکاح کے وقت پورا پورا مہر دو ورنہ نکاح مت کرو۔ ناتواں یتیم لڑکوں سے بھی عدل وانصاف کو ضروری قرار دیا۔

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا	اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے
اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ	سے یا بے رغبتی سے پس نہیں گناہ ان دونوں پر کہ
اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ	دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے اور
خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ	حاضر کی گئی ہیں جانیں بخیلی پر اور اگر تم احسان کرو

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾	اور تقویٰ کرو تو بے شک اللہ ہے تمھارے کاموں سے خبردار۔

آیت:۱۲۸۔تشریح الفاظ

خَافَتْ: (خ،و،ف) ڈرے۔

بَعْل: خاوند،شوہر۔

نُشُوْزًا: لڑائی،زیادتی،جور۔

اِعْرَاضًا: بے رغبتی،بے رُخی۔

اُحْضِرَتْ: حاضر کی گئی،رکھی گئی،پیش کی گئی۔

الشُّحَّ: بخل،حرص۔

بِمَا: ساتھ اس چیز کے جو۔

تَعْمَلُوْنَ: تم کرتے ہو،یعنی تمھارے کاموں سے،تمھارے اعمال سے۔

مفہوم و مطلب: میاں بیوی میں مصالحت کی ہدایت

اس آیت میں فرمایا کہ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رخی کا خدشہ ہو تو دونوں آپس میں مصالحت کرلیں تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔صلح تو بڑی اچھی چیز ہے۔البتہ یہ یاد رہے کہ انسان کی فطرت اور جبلت میں بخل اور حرص ہے۔مرد اپنے حقوق کے بارے میں حریص اور بخیل ہوتا ہے اور عورت اپنے حقوق کے بارے میں بڑی شدت اختیار کرنا چاہتی ہے۔دونوں کو آپس میں محبت،نرمی،باہمی سلوک اور رواداری سے کام لے کر صلح کی طرف قدم اٹھانا چاہیے۔میاں بیوی کی لڑائی سے گھر اور اولاد برباد ہو جاتے ہیں۔اس لیے صلح بہر حال لڑائی جھگڑے سے کہیں بہتر ہے۔اگر ایک دوسرے کو تھوڑا بہت ایثار اور قربانی سے کام لینا پڑے تو بھی دریغ نہ کرنا چاہیے۔[1]

اگر آپس میں احسان و مروّت سے کام لو،اللہ کا ڈر دل میں ہو تو پھر بگڑا کام بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے اور وہ تمھیں ضرور اس کا اجر دے گا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ	اور ہرگز نہ کرسکو گے تم یہ کہ عدل کرو درمیان عورتوں کے اگرچہ حرص کرو تم،پس نہ جھک جاؤ تم بالکل

[1] اس کی ایک مثال بھی ملتی ہے کہ کوئی بیوی اپنی باری کے معاملے میں اپنی سوتن کے حق میں دست بردار ہو جائے جیسے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے مقرر کردیا تھا۔(صحیح البخاری:۲۵۹۳)

الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾	جھکنا، پس چھوڑ دو تم دوسری کو مانند لٹکی ہوئی کے اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کرو تو بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔
وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾	اور اگر جدا ہو جائیں دونوں تو بے پروا کرے گا اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے اور ہے اللہ کشائش کرنے والا حکمت والا۔

آیات: ۱۲۹ تا ۱۳۰۔ تشریح الفاظ

تَعْدِلُوْا: (عدل) تم عدل و انصاف کرو، برابری اور مساوات کرو۔

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ: (م ی ل) مَالَ يَمِيْلُ سے فعل نہی۔ بالکل ہی نہ جھک جاؤ۔

فَتَذَرُوْهَا: فَ۔ تَذَرُوْ۔ هَا (وذر) پھر تم چھوڑ دو، اس کو، یعنی دوسری کو اس حالت میں چھوڑ دو۔

كَالْمُعَلَّقَةِ: (ع ل ق) لٹکی ہوئی کی مانند، معلق چھوڑ دو۔

يَتَفَرَّقَا: (ف ر ق) تفرق باب تفعل۔ دونوں الگ الگ ہو جائیں، میاں بیوی میں طلاق ہو جائے۔

يُغْنِ: (غ ن ی) اَغْنٰى يُغْنِيْ غنی کر دے گا، بے نیاز کر دے گا، ایک دوسرے سے بے پروا کر دے گا۔
شرط کی جزا ہونے کے باعث يُغْنِ ہوا۔ ی کو جزم کی خاطر حذف کیا گیا۔

سَعَتِهٖ: (وسع) کشائش، دولت، فضل، وسعت۔

مفہوم ومطلب: بیویوں میں مساوات وعدل کی تلقین

گزشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ میاں بیوی کو اتفاق اور محبت سے رہنا چاہیے، جھگڑا اچھا نہیں، صلح اچھی ہے۔ احسان اور تقویٰ کامیاب زندگی کا راز ہے۔

اب فرمایا کہ اگر کسی مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اسے چاہیے کہ امکانی حد تک بیویوں میں مساوات اور عدل و انصاف سے کام لے، لیکن چاہت اور خواہش کے باوجود بھی برابری اور مساوات کا قائم رکھنا ممکن نہیں ہے۔ قدرتی اور طبعی طور پر کسی ایک کی طرف میلان زیادہ ہوگا۔ قرآن نے اس حد تک تو گوارا کر لیا، لیکن فرمایا کہ ایسا نہ ہونے دو کہ بالکل ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو اس طرح چھوڑ دو کہ نہ وہ شوہر والی کہلا سکے اور نہ بے شوہر۔ فرمایا کہ بہتر صورت یہ ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ سلوک کرو۔

اپنے نفس کو عدل پر قائم رکھو۔ یہی اس کی اصلاح ہے۔ پھر اللہ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ بہت کارگر ہے۔

اس کے بعد معمولی فروگزاشت اور بے اختیاری اللہ معاف کر دے گا اور اگر دونوں میں بن نہ آئے اور الگ ہو جانے پر مجبور ہو جائیں تو جدا ہو جائیں، اللہ دونوں کے لیے بہتر سامان مہیا کر دے گا۔ شوہر کو اچھی بیوی دے دے گا اور عورت کو اچھا شوہر۔ فضل و کرم اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز کا دانا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾	اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور البتہ تحقیق وصیت کی ہم نے ان لوگوں کو جو دیے گئے تھے کتاب تم سے پہلے اور تمھیں بھی کہ ڈرو اللہ سے اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور ہے اللہ بے پروا تعریف کیا گیا۔
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾	اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز۔
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾	اگر وہ چاہے لے جائے تم کو اے لوگو! اور لے آئے اوروں کو اور ہے اللہ اس پر قادر۔

آیات: ۱۳۱ تا ۱۳۳۔ تشریح الفاظ

لِلّٰهِ: (لِ، اللہ) واسطے اللہ ہی کے ہے، اللہ ہی کا ہے، یعنی اللہ ہی خالق اور مالک ہے۔ کائنات ارضی و سماوی کی ہر چیز اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی ان تمام اشیا کا مالک ہے۔ خدا کی قدرت، عظمت اور وسعت حکومت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

وَصَّيْنَا: ہم نے وصیت کی، حکم دیا، تاکید کی۔ غَنِيًّا: بے نیاز، بے پروا۔

وَكِيْلًا: کارساز، کام بنانے والا۔ بعض نے معنی کیے ہیں: شہید اور شاہد، یعنی زمین و آسمان کی ملکیت خدا کی ہے۔ اس پر اللہ کی شہادت کافی ہے۔ بعض نے کہا: وکیل بمعنی حفیظ ہے۔

يُذْهِبْ: ماضی اَذْهَبَ۔ لے جائے، فنا کر دے، ختم کر دے۔

يَاْتِ بِ: لے آئے، یعنی تمھیں مٹا کر اور مخلوق پیدا کر دینے پر اللہ کو قدرت ہے۔

مفہوم و مطلب: اللہ کی بادشاہت کا ذکر اور تقویٰ کا حکم

گزشتہ آیات میں حکم دیا تھا کہ بیویوں سے یکساں سلوک کرو۔ کسی سے ناانصافی نہ کرو اور ایسا نہ ہو کہ ایک کی طرف تو بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو ایسی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ بے چاری نہ تو بے شوہر کہلا سکے اور نہ شوہر والی ہی بن سکے۔ یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر بات میں اللہ کا خوف اور ڈر دل میں رکھو۔ تقویٰ اور خوفِ الٰہی عدل وانصاف کی ضمانت ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر بن نہ پڑے تو جدا ہو جاؤ۔ اللہ ہر ایک کو اپنے فضل وکرم سے نوازے گا اور ایک دوسرے سے بے نیاز اور بے پروا کر دے گا۔

زیر نظر آیات میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے پہلے لوگوں کو بھی بذریعہ کتاب اور بذریعہ انبیائے کرام علیہم السلام یہ حکم دیا تھا کہ خوفِ خدا دل میں پیدا کرو، اب تمھیں بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ پیدا کرو۔ اللہ کا ڈر اخلاص ومحبت اور عدل وانصاف پیدا کرتا ہے اور ایمان عمل صالح کی دعوت دیتا ہے۔

فرمایا کہ لوگ کفر اور انکار کر دیں تو اللہ کو کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ بہر حال قابلِ تعریف اور لائق حمد و ستائش ہے۔ وہ لوگوں سے بالکل بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کائنات کا مالک ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ سب کو روزی دیتا ہے اور زندگی اور موت کا مالک بھی ن و آسمان میں اس کی بادشاہت اور حکومت ہے۔ وہی مالک حقیقی اور خالق و قادر ہے۔ اسے اختیار ہے کہ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کو لا بسائے۔ قوموں کا عروج و زوال اور ملتوں کی حیات و موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جب چاہے کسی قوم یا حکومت کو مٹا کر اس کی جگہ دوسری لے آئے۔ وہی کارساز حقیقی ہے۔ اس پر اعتماد اور توکل کرنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

۱۔ اللہ ہی ارض وسماء کا مالک ہے اور وہی تمھیں حکم دیتا ہے کہ کفر نہ کرو۔ وہی حکم دیتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ لہٰذا اس کا حکم ماننا چاہیے۔

۲۔ زمین وآسمان اللہ ہی کا ہے اور اللہ غنی اور حمید ہے۔ اسے کسی شخص اور کسی چیز کی حاجت نہیں۔ حمد وستائش اور تعریف وتوصیف کا حقیقی مستحق بھی وہی ہے۔ اسی کی سب تعریف کرتے ہیں۔ ایسی بے نیاز، بے پروا اور قابل تعریف ذات سے ہی مانگو۔ اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ غیر اللہ کے سامنے دستِ سوال مت دراز کرو۔

۳۔ وہی مالک ارض وسماء اور کارساز ہے۔ اس کی کارسازی کافی ہے۔ اسی پر توکل اور بھروسہ کرو۔ کسی غیر پر توکل مت کرو۔

۴۔ اسی کا حکم مانو، ایسا نہ ہو کہ نافرمانی اور انکار کرنے کی پاداش میں وہ ہمیں ختم کر دے اور ہماری جگہ اوروں کو لا بسائے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ	جو کوئی چاہتا ہے ثواب دنیا کا پس اللہ کے ہاں ہے
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ	ثواب دنیا کا اور آخرت کا اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے
سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾	والا۔

آیت: ۱۳۴۔ تشریح الفاظ

يُرِيْدُ: (رود) اَرَادَ يُرِيْدُ۔ چاہنا۔ ثَوَاب: اجر، ثواب۔

مفہوم و مطلب: اچھی دنیا و آخرت دونوں طلب کرو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کا ثواب طلب کیا کریں۔ فرمایا کہ جو آدمی صرف دنیا طلبی کرتا ہے اللہ اسے دنیا کے فوائد سے بہرہ ور کر دیتا ہے۔ لیکن یہ آدمی اپنے مطالبے میں بڑا کوتاہ بین اور کم ظرف ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ جو دنیا مانگے اسے دنیا مل جائے۔ لیکن یہ دنیا کا طالب بے وقوف اور کم عقل ہے۔ اس کے مقابلے پر ایک مومن دنیا اور آخرت دونوں طلب کرتا ہے اور اس کی دعا یہ ہوتی ہے:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾[1]

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔''

اللہ ایسے مومن کو دنیا و آخرت کی سعادتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور کر دیتا ہے۔

امام طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں ہے کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دنیا طلبی میں پڑ گئے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں ہے جو آخرت کو نہیں مانتے تھے۔[2]

---

[1] البقرہ: ۲/۲۰۱

[2] الطبری والقرطبی، التفسیر، النساء: ۱۳۴

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب اور اجر اللہ کے پاس ہے اور اشارہ کیا کہ جب مانگو تو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے مانگو۔ دنیا بھی مل جائے گی اور آخرت بھی ہاتھ سے نہ جائے گی اور اللہ دونوں دے دے تو اس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے اللہ کے لیے اگرچہ خلاف ہو اپنی جانوں کے یا خلاف ہو والدین اور قرابت داروں کے، اگر ہو دولتمند یا محتاج پس اللہ اولیٰ ہے ان دونوں سے پس نہ کرو پیروی خواہش نفسانی کی عدل کرنے میں اور اگر پیچ دار بات کرو یا حق سے اعراض کرو تو بے شک اللہ ہے تمھارے کاموں سے خبردار۔

آیت:۱۳۵۔ تشریح الفاظ

كُوْنُوْا: فعل امر، جمع مذکر حاضر، کَانَ یَکُوْنُ سے، واحد کے لیے کُنْ۔ تم ہو جاؤ۔

قَوّٰمِيْنَ: (واحد، قَوَّام) صیغہ مبالغہ۔ خوب قائم رہنے والے۔ اَلْقِسْط: انصاف، عدل۔

شُهَدَآء: (واحد، شَهِيْد) گواہ، حق بات کے۔ لِلّٰهِ: اللہ کی رضا مندی کے لیے۔

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ: اپنی جانوں پر، اپنے ہی خلاف ہو یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

غَنِيًّا: دولت مند، امیر، غنی آدمی۔ فَقِيْرًا: مفلس، غریب، محتاج۔

اَوْلٰى: (و ل ی) اسم تفضیل بمعنی اَحَقّ، اَجْدَر، اَحْرٰی، یعنی زیادہ حقدار، زیادہ لائق، زیادہ قریب، مقدم۔

تَعْدِلُوْا: تم عدل و انصاف کرو۔

تَلْوٗا: (ل و ی) لَوَی یَلْوِی لَیًّا۔ پھیرنا، مروڑنا، پیچ دینا۔ مراد زبان کو پیچ دینا، یعنی پیچ دار بات کرنا۔

تُعْرِضُوْا: اعراض کرنا، یعنی صحیح گواہی دینے سے منہ پھیرنا، حق کہنے سے اِعراض کرنا، یعنی اگر تم حق کہنے سے اعراض کرو۔

مفہوم و مطلب: عدل و انصاف اور سچی گواہی کی تلقین

زیرِ نظر آیت میں سچی گواہی دینے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مومنو! تم یہ وتیرہ بنالو کہ ہمیشہ حق اور سچی بات کی گواہی دو اور اس کا مقصد خدا کی خوشنودی ہو۔ شہادت دیتے وقت سچ بولو، خواہ یہ گواہی تمھارے اپنے خلاف جائے، یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف۔ پھر فرمایا کہ نقصان کا ڈر گواہی میں آڑے نہ آئے۔ حق گوئی سے کام لو، خواہ اپنی ذات کو نقصان پہنچے یا والدین اور دیگر رشتہ داروں کو۔ اس بات کی بالکل پروانہ کرو۔

فرمایا کہ سچی گواہی کے پیش کرنے میں کوئی جذبہ اور کوئی چیز حارج نہ ہونے پائے۔ نہ تو مال دار کی دولت و ثروت سچ کہنے سے روکے اور نہ غریب و قلاش پر اتنا ترس اور رحم کھاؤ کہ حق نہ کہہ سکو۔ فرمایا کہ غریب اور امیر دونوں سے اللہ کا حق زیادہ ہے اور اللہ کی خوشنودی دونوں سے مقدم ہے۔

''اَوْلٰى بِهِمَا'' کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اللہ کو ہر ایک کی مصلحت خوب معلوم ہے تمھیں معلوم نہیں۔ کسی کا امیر یا غریب ہونا اللہ کی حکمت پر مبنی ہے۔ گواہی میں امیری غریبی کا سوال نہ اٹھاؤ۔ جو سچ ہے وہ کہہ دو۔

پھر فرمایا کہ خواہش نفسانی کے پیش نظر کوئی دو رُخی بات بھی مت کہو۔ زبان کو بل دے کر، مروڑ کر، پیچ دار الفاظ استعمال کر کے گواہی کو خراب نہ کرو۔ عمداً جھوٹ بولنا اور گواہی میں صداقت اور سچائی سے کام نہ لینا یا کسی اور جذبے کے تحت اعراض کرنا اصول شہادت کے قطعاً خلاف ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے سب کاموں سے باخبر ہے۔ جو سچی گواہی میں کچھ کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے باز پرس کرے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔[۱]

خلاصہ کلام یہ ہے:

۱۔ عدل و انصاف پر ہمیشہ قائم رہو۔

۲۔ گواہی دیتے وقت اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کا خیال رکھو۔

۳۔ نہ تو اپنی ذات کی اور نہ والدین و اقربا کی رُو رعایت کرو۔

---

[۱] صحیح البخاری: ۵۹۷۶

۴۔ امیر کا ڈر اور غریب سے ہمدردی بھی سچی گواہی سے نہ روکے، کیونکہ اللہ کا حق دونوں سے مقدم ہے۔

۵۔ کوئی نفسانی خواہش عدل و انصاف کرنے سے باز نہ رکھے۔

۶۔ حقیقت کو بگاڑنے اور سچ کہنے سے اعراض کرنے پر اللہ باز پرس کرے گا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری اس سے پہلے اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یومِ آخرت کا پس تحقیق وہ گمراہ ہوا دور کی گمراہی میں۔

آیت: ۱۳۶۔ تشریح الفاظ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ مومنوں کو خطاب کیا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد منافق ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہودی ہیں جو ایمان لائے تھے۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ خطاب عام مومنوں سے ہے۔

اٰمِنُوْا: ایمان لاؤ، یقین لاؤ، یعنی ایمان لانے اور تصدیق کرنے کے بعد ثابت قدم رہو اور ایمان کو مضبوط و محکم تر کرتے رہو۔

رَسُوْلِهٖ: سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ: جو کتابیں قرآن سے پہلے نازل کیں۔ ان میں تورات، زبور، انجیل اور صُحفِ ابراہیم وغیرہ سب شامل ہیں۔

مفہوم و مطلب: ایمان محکم کی دعوت اور کفر کے بُرے نتائج سے آگاہی

سچی گواہی دینے کی تاکید کرنے کے بعد فرمایا کہ مومن وہ ہے جس کا ایمان مضبوط اور یقین محکم ہو۔ اس کے ایمان میں کمی نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کا ایمان اللہ پر، پیغمبر پر اور قرآن پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ وہ سارے نظامِ ایمانیات کو بھی جانتا ہے۔ وہ تمام پیغمبروں، تمام آسمانی کتابوں، تمام فرشتوں اور روزِ آخرت پر پورا ایمان اور یقین رکھتا ہے۔ ان چیزوں کا انکارِ حق سے بہت دور لے جاتا ہے۔ پھر آدمی ایسا گمراہ ہوتا ہے کہ راہ راست پانے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور یوم آخرت کو مانے۔''[1]

جب تک ان سب چیزوں پر پورا یقین نہ ہو آدمی مومن نہیں ہو سکتا، ان کا انکار کفر ہے۔ ماننے کے لیے ضروری ہے کہ زبان سے اقرار ہو اور دل بھی اس کی تصدیق کرے اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾	تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر زیادہ ہوئے کفر میں، نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہ دکھائے گا ان کو راہِ حق۔
بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾	خوشخبری دے منافقوں کو اس بات کی کہ ان کے لیے عذاب ہے دردناک۔
الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾	وہ لوگ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست مومنوں کو چھوڑ کر، کیا چاہتے ہیں پاس ان کے عزت؟ پس تحقیق عزت اللہ کے لیے ہے ساری۔

آیات: ۱۳۷ تا ۱۳۹۔ تشریح الفاظ

اِزْدَادُوْا: (ز ی د) زَادَ يَزِيْدُ سے باب افتعال، فعل ماضی، جمع مذکر غائب۔ زیادہ ہو گئے، بڑھ گئے۔

سَبِيْلًا: سے مراد ہے راہِ حق، سیدھی راہ۔

بَشِّرْ: فعل امر۔ تو خوشخبری دے۔ اصل میں منافقوں کے لیے طنز اور زجر و توبیخ ہے، تاکہ وہ ذلیل و خوار

[1] صحیح البخاری: ۵۰، ۴۷۷۷ و صحیح مسلم: ۹۔ قرآن و حدیث سے چھٹے رکن تقدیر پر ایمان کا ثبوت بھی کثرت سے ملتا ہے۔ (سنن الترمذی: ۲۱۴۴)

اور شرمندہ ہوں۔

يَتَّخِذُوْنَ: اَخَذَ سے اِتِّخَاذ، باب افتعال۔ پکڑتے ہیں، یعنی بناتے ہیں۔

يَبْتَغُوْنَ: بَغْيٌ، اِبْتَغٰى يَبْتَغِيْ ۔ طلب کرنا، تلاش کرنا، چاہنا۔

اَلْعِزَّة: عزت، غلبہ، قوت وطاقت۔ مراد یہ ہے کہ کافروں کے ہاں عزت وغلبہ مفقود ہے۔

مفہوم ومطلب: نفاق اور کفر وارتداد کی سزا

گزشتہ آیت میں مومنوں کو ایمان پر ثابت قدم اور مضبوط رہنے کی تلقین فرمائی تھی اور اجزائے ایمان کے انکار کو صریح کفر اور بہت بڑی گمراہی قرار دیا تھا۔ اب زیرِ نظر آیات میں فرمایا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو جائے، پھر ایمان لائے، پھر کفر اختیار کرے اور کفر میں بڑھتا چلا جائے اور کفر ہی کی حالت میں مر جائے تو اس کے لیے جس طرح دنیا میں راہِ ہدایت بند ہو چکی تھی اسی طرح آخرت میں اسے بخشش بھی میسر نہیں آئے گی۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت یہودیوں کے بارے میں ہے کہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، پھر بچھڑا پوجا تو کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لائے توبہ کی، لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کا انکار کر دیا اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں بہت بڑھ گئے۔ ان کی روش اور طریقہ ایسا ہے کہ سیدھی راہ پر آنا گوارا نہیں کرتے۔ ان کا کفران کی بخشش کی راہ میں حائل ہو گیا۔ ایسے کافروں کے لیے مغفرت نہیں ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت منافقوں کی حالت بیان کرتی ہے کہ وہ کفر وایمان کے درمیان معلق رہنا چاہتے ہیں اور آخر کار کفر پر مرجاتے ہیں۔[1]

بہر حال یہ لوگ جو کبھی ایمان لاتے ہیں اور کبھی کفر کرتے ہیں، پھر ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر میں لوٹ جاتے ہیں اور کفر میں حد سے تجاوز کر کے خدا کے سرکش اور باغی ہو جاتے ہیں اور اسی حالت میں مر جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بخشش نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص تین مرتبہ مرتد ہو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔[2]

پھر فرمایا کہ منافقوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور انھیں سزا سنانے کے لیے تحکم وطنز کے طور پر

---

[1] الطبری وابن عطیہ، النساء: ۱۳۷

[2] یعنی مرتد کو تین دفعہ توبہ کا موقع دیا جائے گا۔ (الطبری، التفسیر، آل عمران: ۹۰)

خوشخبری کا لفظ استعمال کیا تا کہ وہ ذلت وخواری محسوس کریں۔

منافقوں کی نشانی بتائی کہ وہ مسلمانوں کی دوستی چھوڑ کر کافروں پر تکیہ کرتے ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی قوت اور غلبہ ہے؟ فرمایا کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ حقیقی قوت اور عزت تو ساری کی ساری اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کافر تو خود ذلیل اور بے بس ہیں۔ ان منافقوں کی اعانت اور دستگیری کیا کر سکتے ہیں؟! حقیقی غلبہ اور عزت شریعت کی پابندی اور احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں ہے۔ جو اس کی بندگی اور عبادت کرتا ہے وہی عزت پاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

١۔ ایمان پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ کبھی ایمان، کبھی کفر یہ روشِ منافقین اللہ کو پسند نہیں، اور حالتِ کفر میں مرجانے کے بعد بخشش کی توقع نہیں۔

٢۔ منافقوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

٣۔ مسلمانوں سے دشمنی اور کافروں سے دوستی بھی اللہ کو پسند نہیں۔ حقیقی غلبہ اور قوت وعزت اللہ کے قبضہ میں ہے۔ طلب عزت کے لیے کافروں کی دوستی سے روک دیا۔

ہمیں بھی ایک لمحہ کے لیے سوچنا چاہیے کہ ہم بھی مومن ہیں اور کہیں اس ایمان کے ساتھ کفر کی آمیزش تو نہیں ہے؟ کہیں ہم بھی مومن کہلاتے ہوئے کفر کا ارتکاب تو نہیں کرتے؟ کہیں ہم میں بھی منافقت کے جراثیم تو سرایت نہیں کر رہے ہیں اور کہیں ہم بھی کفر کی دوستی سے اہل اسلام کے مفاد کو نقصان تو نہیں پہنچا رہے ہیں؟ بہرحال ہمیں اپنے ایمان اور عمل کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿١٤٠﴾

اور تحقیق نازل کیا اوپر تمھارے کتاب میں یہ کہ جب سنو تم اللہ کی نشانیوں کو کہ کفر کیا جاتا ہے ساتھ ان کے اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے ساتھ ان کے تو مت بیٹھو تم ساتھ ان کے، یہاں تک کہ وہ بحث کریں کسی دوسری بات میں، تحقیق تم بھی اس وقت انھی کی طرح ہو۔ بے شک اللہ جمع کرنے والا ہے منافقوں کو اور کافروں کو جہنم میں سب کے سب۔

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ

وہ لوگ کہ انتظار کرتے ہیں تمھارا، پس اگر ہو تمھارے

فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾	لیے فتح اللہ کی طرف سے تو کہنے لگتے ہیں: کیا نہ تھے ہم تمھارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لیے حصہ تو کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور (کیا نہ) بچالیا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے؟ پس اللہ فیصلہ کرے گا تمھارے درمیان قیامت کے دن اور ہرگز نہیں دے گا اللہ کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ۔

آیات: ۱۴۰ تا ۱۴۱۔ تشریح الفاظ

نَزَّلَ: نَزَّلَ يُنَزِّلُ تَنْزِيْلًا۔ اللہ نے اتارا، نازل کیا۔

فِي الْكِتٰبِ: کتاب میں، یعنی قرآن مجید میں۔ سَمِعْتُمْ: تم سنو۔

يُسْتَهْزَاُ بِهَا: (هزأ) باب استفعال، مضارع مجہول۔ ہنسی اڑائی جاتی ہے ان کی۔ مذاق اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔

فَلَا تَقْعُدُوْا: (قعد) پس تم نہ بیٹھو۔ يَخُوْضُوْا: غور وخوض کریں، باتوں میں لگ جائیں۔

يَتَرَبَّصُوْنَ: (ر ب ص) تَرَبُّص، باب تفعل۔ وہ یعنی منافقین انتظار کرتے ہیں گردشوں کا۔ اس بات کے منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی انقلاب آجائے۔

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ: (ح و ذ) اِسْتَحْوَذَ، باب استفعال، جمع متکلم کا صیغہ۔ کیا ہم نے غلبہ نہ پایا۔ کیا ہم نے قابو نہ پایا، کیا ہم مستولی نہ ہوئے۔ يَحْكُمُ: فیصلہ کرے گا، حکم کرے گا۔

نَمْنَعْكُمْ: ہم نے بچایا تم کو، یعنی کیا ہم نے تمھیں مسلمانوں سے نہیں بچایا۔

مفہوم ومطلب: آیات الٰہی کا کفر وتمسخر کرنے والوں سے علیحدگی کا حکم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کی شان کے شایان نہیں کہ کسی ایسی محفل یا مجلس میں بیٹھے جہاں اللہ کی آیات اور نشانیوں کا انکار کیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات سے استہزا ہوتا ہے۔ مشرک، منافق اور یہودی قرآن مجید کی آیات کا تمسخر اڑاتے، عناد اور شرارت کی وجہ سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے روک دیا اور فرمایا کہ اگر بیٹھو گے اور ان کی اس قسم کی خرافات اور بکواس سنو گے تو تم بھی انھی کے ساتھی کہلاؤ گے۔ تمھیں بھی انھی جتنا گناہ ہوگا۔ اسلام کے کسی امر اور قرآن کی کسی آیت سے ٹھٹھا کرنا کفر ہے۔ ایسی مجلس میں بیٹھنے والوں کو بھی قرآن نے انھی کی مثل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ ممانعت کا یہ حکم ہم قرآنِ مجید میں پہلے ہی نازل کر چکے ہیں اور یہ اشارہ ہے سورۃ الانعام کی آیت: ۶۸ کی طرف جہاں فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○﴾

''جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو ان سے الگ ہو جاؤ، یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر یہ بات شیطان تمھیں بھلا دے تو یاد آنے پر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔''

فرمایا کہ ان منافقوں اور کافروں کی ایسی مجلسوں میں تم بیٹھ سکتے ہو جہاں آیات کا تمسخر نہ اُڑایا جاتا ہو۔ جہاں موضوعِ گفتگو اسلام اور قرآن پر تنقید نہ ہو، بلکہ عام باتیں ہوں۔ یہ منافق اور کافر جو ایسی مجالسِ گناہ منعقد کرتے ہیں ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے۔ مسلمانوں کو جہنم سے بہر حال بچنا چاہیے۔ منافق اور کافر آیاتِ الٰہی کے ساتھ استہزا میں اکٹھے تھے، دوزخ میں بھی سزا کے لیے اکٹھے ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ یہ منافق ہر وقت آپ کے لیے کسی انقلاب اور گردش کے منتظر رہتے ہیں۔ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی فتح و کامرانی عطا کرے، مال غنیمت ہاتھ آجائے تو یہی منافق آپ کے پاس آکر اعلان کرتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ تھے۔ مال غنیمت میں ہمیں بھی حصہ ملنا چاہیے۔ اگر کافروں کو کوئی موقع ہاتھ آجائے، وہ شکست سے بچ جائیں اور عارضی غلبہ پالیں تو پھر یہ منافق کافروں کی خدمت میں حاضر ہو کر چاپلوسی کرتے ہیں۔ منتیں اور خوشامدیں کر کے اپنی منافقت کا احسان جتاتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، اس لیے تمھارا پلڑا بھاری رہا۔ ہم نے خط کے ذریعے تمھیں مسلمانوں کے حالات کی اطلاع دی تھی، لہٰذا تم پر ہمارا احسان ہے۔ مقصد یہ کہ دنیا طلبی ان کا پیشہ ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن منافقوں اور کافروں کا فیصلہ کرے گا۔ ان کی بدباطنی اور منافقت کے پول کھولے گا۔ پھر ان کو جہنم میں جھونکے گا۔

آخر میں فرمایا کہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ عارضی طور پر کافروں کا نصیبہ تیز ہو جائے اور وہ کامرانی اور غلبہ کے فریب میں مبتلا ہو جائیں، لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ انھیں مسلمانوں پر اس طرح مسلط کر دے کہ وہ مسلمانوں کا کھوج ہی مٹا دیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز منظور نہیں کہ کافروں کو اتنا غلبہ حاصل ہو جائے کہ وہ

مسلمانوں کا نام ونشان مٹا سکیں اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیست ونابود کر سکیں۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾	تحقیق منافق فریب دیتے ہیں اللہ کو اور وہ ان کو فریب کی سزا دینے والا ہے اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کو کھڑے ہوتے ہیں سست، دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر تھوڑا۔
مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾	مذبذب ہیں درمیان اس کے نہ اس طرف کے اور نہ اس طرف کے اور جس کو گمراہ کرے اللہ پس ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے کوئی راہ۔

آیات: ۱۴۲ تا ۱۴۳۔ تشریح الفاظ

يُخٰدِعُوْنَ: خدع، باب مفاعلہ۔ وہ دھوکا دیتے ہیں۔

خَادِعُهُمْ: لفظی معنی: دھوکے میں ڈالنے والا ہے ان کو، مراد ہے کہ ان کے فریب اور مکر کی سزا دینے والا ہے۔ جب خداع اور مکر کے الفاظ خدا کی طرف منسوب ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ اللہ ان کے مکر وفریب کی سزا ان کو دے گا۔

كُسَالٰى: (کسل، واحد، کَسْلاَن) سست، کاہل۔

يُرَآءُوْنَ: (رای) دکھاتے ہیں، یعنی دکھلاوے اور نمائش وریا کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

مُذَبْذَبِيْنَ: ذَبْذَبَ رباعی مجرد (اصلاً چار حرفی)۔ متردد۔ واحد مذبذب، ڈانواں ڈول، مضطرب، پریشان خاطر، وہ شخص جو فیصلہ نہ کر پائے کہ کیا کرنا چاہیے۔

مفہوم ومطلب: منافقوں کا طرزِ عمل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق لوگ اپنے طرزِ عمل سے یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے مومنوں کو، پیغمبر علیہ السلام کو اور اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیا ہے۔ بظاہر مسلمان ہیں اور باطن میں کافر، اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے دلی حالات سے کوئی واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ وہ نہ تو مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو، بلکہ وہ اپنی جانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس دھوکا بازی اور فریب کاری کی ضرور سزا دے گا۔

دھوکا دہی اور نماز میں سُستی

منافقوں کی نشانی بتائی کہ جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو خشوع وخضوع اور شوق ومحبت کی بجائے وہ نماز کو مصیبت سمجھتے ہیں۔ بڑی بے دلی سے نماز ادا کرتے ہیں۔ سست اور کاہل، گویا نماز میں کوئی دلچسپی اور مزا نہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ حقیقت میں نماز نہیں پڑھتے، بلکہ محض ریاکاری کے لیے مسجد میں آ جاتے ہیں، تاکہ مسلمان انھیں نماز پڑھتے دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ بھی مومن ہیں۔ ورنہ منافقوں کی یہ حالت ہے کہ نماز میں دل نہیں لگتا اور خدا کو بڑا ہی کم یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ بالکل ڈانواں ڈول اور متردد ہیں۔ نہ اِدھر نہ اُدھر، درمیان میں لٹک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دعوت کو صدقِ دل سے قبول نہ کیا۔ اللہ نے بھی انھیں گمراہی میں چھوڑ دیا۔ اب یہ ہے کہ انھیں کوئی راہ نہیں ملتی۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''نماز مومن کی معراج ہے۔'' یہ بھی فرمایا کہ ''نمازی اپنے رب سے باتیں کرتا ہے۔''[1]

آپ نے تاکید فرمائی کہ خوب اچھی طرح وضو کر کے قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہو۔ قرآن مجید پڑھو۔ اطمینان سے رکوع کرو۔ پھر اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو۔ پھر مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ اور اسی طرح ساری نماز ادا کرو۔''[2]

ذکرِ الٰہی میں کوتاہی

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جو شخص اچھی طرح رکوع سجود نہیں کرتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔'' نماز جلدی جلدی پڑھنے اور نماز میں غافل رہنے سے منع فرمایا۔[3]

ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ کہیں ہماری نمازیں بھی غفلت کی نذر تو نہیں ہوتیں؟ ہمیں بھی چاہیے کہ ریاکاری سے بچیں اور نماز میں خشوع وخضوع پیدا کریں۔ نماز اس طرح پڑھیں کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں، یا کم از کم یہ کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ نماز میں سکون اور اطمینان بڑا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''منافق کی مثال اس بھٹکی ہوئی بھیڑ کی طرح ہے جو کبھی ایک ریوڑ کے ساتھ چلتی ہے کبھی دوسرے ریوڑ کے ساتھ۔''[4]

---

1. صحیح البخاری: ۴۰۵، ۶۶۲۷ وصحیح مسلم: ۵۵۱ وسنن النسائی: ۱۰۵۴
2. صحیح البخاری: ۷۹۳
3. صحیح البخاری: ۷۵۷
4. صحیح مسلم: ۲۷۸۴

مومنوں کو کافروں سے دوستی کی ممانعت

اسی طرح یہ منافق بھی کبھی مومنوں میں آ کر مل جاتے ہیں، کبھی مشرکوں اور کافروں کی ٹولی میں جا شامل ہوتے ہیں، صحیح موقف اور سیدھی راہ نہیں پاتے۔ اس کے مقابلے پر مسلمان کا لائحہ عمل بڑا واضح ہے۔ اس کے سامنے سیدھا راستہ ہے۔ اس کا مقام اور موقف متعین ہے۔ وہ نماز ذوق وشوق سے پڑھتا ہے۔ نماز میں سکون پاتا ہے۔ نماز کے ارکان یعنی قیام، رکوع اور سجود بڑے اطمینان سے ادا کرتا ہے۔ نماز کے مقصد سے غافل نہیں رہتا۔ نماز کو بوجھ اور مصیبت نہیں سمجھتا۔ نماز مومن کے لیے راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے:

۱۔ سزا سے بچنے کے لیے نفاق سے بچنا ضروری ہے۔

۲۔ نمازوں میں خشوع وخضوع اور حضوریِ قلب پیدا کریں۔

۳۔ نمازیں وقت پر ادا کریں، بالخصوص عصر کی اور صبح وعشا کی نمازیں بھی جماعت ہی کے ساتھ مسجد میں پڑھیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کریں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ کافروں کو دوست مومنوں کو چھوڑ کر، کیا تم چاہتے ہو کہ لو اللہ کا اپنے اوپر الزام صریح؟
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾	تحقیق منافق رہیں گے سب سے نچلے درجے میں آگ کے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار۔
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾	مگر جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوط پکڑا خدا کو اور خالص کیا اپنے دین کو اللہ کے لیے، پس یہ لوگ ہوں گے ساتھ ایمان والوں کے اور جلد دے گا اللہ مومنوں کو ثواب بڑا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

کیا کرے گا اللہ تمھیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ اور ہے اللہ قدردان جاننے والا۔

آیات: ۱۴۴ تا ۱۴۷۔ تشریح الفاظ

عَلَيْكُمْ: اپنے اوپر، اپنے خلاف۔

سُلْطٰنًا: دلیل، برہان، حجت۔

الدَّرْكِ: طبقہ، درجہ، منزل۔

الْاَسْفَلِ: سب سے نچلا۔ مفسرین نے دوزخ کے سات درجے بتائے ہیں: ۱۔ جَهَنَّم، ۲۔ لَظٰى، ۳۔ حُطَمَه، ۴۔ سَعِير، ۵۔ سَقَر، ۶۔ جَحِيم، ۷۔ هَاوِيَه۔ درک اسفل سے مراد هَاوِيَه ہے۔[1]

اِعْتَصَمُوْا: (عصم) اعتصام باب افتعال۔ مضبوطی سے پکڑا۔

اَخْلَصُوْا: خالص کر لیا، یعنی ریاکاری اور دکھلاوا چھوڑ کر اخلاص اختیار کیا۔

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی مومنوں کے گروہ اور زمرے میں ہوں گے۔

يُؤْتِ: (اَتٰى سے آتٰى يُؤْتِيْ اِيْتَاءً) باب افعال، يُؤْتِ اصل میں يُؤْتِيْ تھا۔ ی کو حذف کیا گیا۔

اَجْرًا عَظِيْمًا: اجر عظیم سے مراد جنت ہے۔

شَاكِرًا: شکر قبول کرنے والا، شکر کا قدردان۔

مفہوم و مطلب: منافقوں کے لیے سخت ترین عذاب

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کافروں کی دوستی تمھیں کافروں کے زمرے میں داخل کر دے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کو تمھارے خلاف کھلا ثبوت مل جائے گا اور وہ تمھیں کافروں کے ساتھ عذاب دے گا۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ منافق بدترین لوگ ہیں۔ یہ خود تو اسلام کو مانتے نہیں لیکن جو مانتے ہیں ان کے لیے بُری مثال قائم کرتے ہیں، اس لیے ان کا دوگنا جرم ہے۔ معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور دوسروں کو اسلام سے بددل کرتے ہیں۔ اس لیے انھیں بدترین قسم کی سزا دی جائے گی، یعنی جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ھاویہ ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ وہاں کوئی شخص ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

توبہ ذریعہ نجات

تیسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی کہ نجات کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ توبہ کی جائے۔ اصلاحِ نفس

[1] القرطبی، التفسیر، النساء: ۱۴۵

اور اصلاحِ عمل پر خاص توجہ دی جائے۔ اللہ پر پورا بھروسہ اور کامل اعتماد ہو۔ دین میں خلوص پیدا ہو جائے۔ صرف خدائے واحد کی عبادت کریں اور توحید کے عقیدے پر قائم رہیں۔ ریاکاری، نام ونمود اور دکھلاوا سب چیزیں ختم کر دی جائیں تو اللہ تعالیٰ نیکوں کی رفاقت اور مصاحبت عطا کر دے گا۔ اللہ نے مومنوں کے لیے اجرِ عظیم یعنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

شکر و ایمان عذاب سے بچاتا ہے

چوتھی بات یہ فرمائی کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے، اللہ پر ایمان لے آؤ گے تو یقین و ایمان محکم سے محکم تر ہو جائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ شکر و ایمان کے ہوتے ہوئے تمھیں عذاب نہیں دے گا۔ بھلا تمھیں عذاب دینے میں اسے کیا حاصل ہے؟

اب ہمیں شکر و ایمان کے ساتھ دعا اور استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ دھوکا، فریب، سرکشی اور عہد شکنی سے بچنا چاہیے، تاکہ ہم اللہ کے ہاں نجات پا سکیں۔ اللہ بہرحال شکر گزار، ایماندار اور نیک لوگوں کا قدردان ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الشَّاکِرِیْنَ۔[1] آمین!

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ	نہیں پسند کرتا اللہ پکارنا بری بات کا مگر جو کوئی ظلم کیا گیا
اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾	اور ہے اللہ سننے والا جاننے والا۔
اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ	اگر تم ظاہر کرو بھلائی یا چھپاؤ اس کو یا معاف کرو برائی
سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾	کو تو بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا قدرت والا۔

آیات: ۱۴۸ تا ۱۴۹۔ تشریح الفاظ

لَا يُحِبُّ: حَبَّ۔ (اللہ) خوش نہیں ہوتا، دوست نہیں رکھتا، پسند نہیں کرتا۔

اَلْجَهْرَ: بلند آواز سے کہنا، پکارنا، کھلے بندوں اعلان کرنا۔

بِالسُّوْٓءِ: برائی کا۔

تُبْدُوْا: (ب د و) بَدَا يَبْدُوْ، ظاہر کرنا۔

مفہوم و مطلب: مظلوم کو اپنی آواز بلند کرنے کی اجازت

ان آیات میں فرمایا کہ اللہ کو یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ کوئی دوسرے کی بدگوئی کرے۔ آپس میں ایک

[1] ''اے اللہ! ہمیں شکر گزار مومنوں میں شامل فرما!''

دوسرے کو برملا برا کہنا اور علی الاعلان کوسنا ممنوع قرار دیا، کیونکہ اس سے معاشرے میں فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے۔ البتہ اس بات کی اجازت دی کہ جب کسی پر ظلم کیا جائے تو وہ مظلوم بقدر ظلم فریاد کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں ظلم سہتے رہنا اور ظلم کو خاموشی سے برداشت کرتے رہنا روا نہیں، البتہ مظلوم صبر کرے تو بہتر ضرور ہے۔ اگر مظلوم بلند آواز سے ظالم کے خلاف فریاد کرے یا ظلم کی نوعیت کا اعلان کرے یا بددعا کرے تو اس بات کی اجازت ہے۔ مگر قرآن نے ﴿ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴾ کہہ کر مظلوم اور ظالم دونوں پر قدغن لگا دی۔ ظالم کو ظلم سے روک دیا کہ اللہ تمھارے ظالمانہ الفاظ کو سنتا ہے اور ظالمانہ افعال کو جانتا ہے۔ مظلوم کو متنبہ کر دیا کہ اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ اعتدال کو نہ چھوڑے، کیونکہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ مفسرین نے کہا کہ مظلوم کو اختیار دیا گیا کہ

۱۔ ظالم کے حق میں بد بول سکے۔[1]

۲۔ بری بات کا جواب بری بات سے دے۔ لیکن اگر ظالم بہتان باندھے تو مظلوم بہتان مت باندھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب دو آدمی گالی گلوچ کریں تو گناہ پہل کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔''[2]

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو مظلوم اپنے ظالم کے حق میں بددعا کرے تو اس نے بدلہ لے لیا۔[3]

بعض مفسرین نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے مہمان کی ضیافت اور مہمان نوازی نہیں کرتا تو مہمان کو حق ہے کہ وہ اپنے میزبان کا شکوہ کرے۔[4] اگرچہ مظلوم کو بدگوئی اور جواب بد کی اجازت دی گئی لیکن رخصت کی حد تک۔ مکارمِ اخلاق اور اعتدال کی راہ بہرحال بہتر اور قابل ستائش ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''بے وقوف کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حماقت اور الٹرپن سے روک دو۔''[5] اسی طرح فرمایا کہ ''ظالم اور مظلوم بھائی کی مدد کر۔'' ظالم کی مدد یہ بتائی کہ اسے ظلم سے روک دو۔[6]

---

[1] یعنی ظالم کے خلاف آواز اٹھا سکے۔

[2] صحیح مسلم: ۲۵۸۷

[3] سنن الترمذی: ۳۵۵۲

[4] الطبری والقرطبی، التفسیر، النساء: ۱۴۸

[5] البغوی، التفسیر، المائدہ: ۸۰۔ ۸۲ والطحاوی، شرح مشکل الآثار: ۱۱۶۳

[6] صحیح البخاری: ۲۴۴۴

پھر فرمایا کہ اگر نیکی کا کام کھلے بندوں کر دیا چھپ کر یا برائی سے درگزر کرو تو بڑی عمدہ اور قابل تعریف بات ہے۔ اللہ کی بھی یہ صفت ہے کہ وہ قدرت رکھنے کے باوجود درگزر کرتا ہے۔

اس آیت کے ذریعے نیکی کی طرف توجہ دلائی اور عفو و درگزر کرنے کی ترغیب دلائی۔ قرآن مجید نے دوسری جگہ فرمایا: ﴿ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ [1] ''جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی تو اس کا اجر و ثواب اللہ پر واجب ہو گیا۔'' اللہ ایسے شخص کو آخرت میں اجر دے گا۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ ''صدقہ دینے سے کوئی مال کم نہیں ہوتا اور درگزر کرنے سے اللہ بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور جس نے اللہ کے لیے تواضع اور انکسار کیا اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔'' [2]

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا ۞۱۵۰	تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں ساتھ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں درمیان اللہ کے اور اس کے رسولوں کے اور کہتے ہیں: ہم مانتے ہیں بعض کو اور انکار کرتے ہیں بعض کا اور چاہتے ہیں کہ اختیار کریں درمیان اس کے راہ۔
اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ۞۱۵۱	یہ لوگ ہیں وہی کافر اصلی اور تیار کیا ہم نے کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا۔

آیات: ۱۵۰ تا ۱۵۱۔ تشریح الفاظ

يَكۡفُرُوۡنَ: انکار کرتے ہیں، منکر ہیں۔ يُفَرِّقُوۡا: تفریق ڈالیں، فرق نکالیں، جدائی ڈالیں۔

يَتَّخِذُوۡا: پکڑیں، اختیار کریں۔

بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا: اس کے درمیان ایک راہ، یعنی کفر و ایمان کے درمیان راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ اسلام اور یہودیت کے بین بین نیا راستہ بناتے ہیں۔

اَعۡتَدۡنَا: ہم نے تیار کیا، مہیا کیا۔ عتد سے ماضی معروف، جمع متکلم، باب اِفعال۔

---

[1] الشوریٰ: ۴۲/۴۰

[2] صحیح مسلم: ۲۵۸۸ و سنن الترمذی: ۲۰۲۹

مفہوم ومطلب: کافروں کے لیے رسوا کُن عذاب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ ایسے لوگ بعض پیغمبروں کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر دیا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بھی منکر رہے۔ عیسائیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مان کر حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس طرح بعض پیغمبروں کو مان لیا، بعض کا انکار کر دیا۔ درحقیقت یہ تفریق بین الرسل تفریق ہے اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان، کیونکہ قرآنی نظریہ ایمانیات کی رو سے ہر پیغمبر پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ایمان ہے اللہ پر۔ کسی پیغمبر کا انکار درحقیقت اللہ کا انکار ہے۔ یہود و نصاریٰ تو دیندار کافر ہوئے جو انکار و ایمان کے درمیان نئی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔

ان کے علاوہ ایک گروہ ملحدین کا ہے۔ وہ کسی نبوت ورسالت کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک پیغمبروں کی باتیں ان کے اپنے نفس اور دل کی باتیں ہوتی ہیں، خدا کا پیغام نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ گروہ بھی اللہ کے رسولوں کا منکر ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں گروہ خدا اور رسالت کے منکر ہیں۔ یہ حقیقی کافر ہیں کہ انھوں نے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔

ہمیں بھی اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہیے اور اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم فکری اور عملی طور پر کس حد تک مومن ہیں اور کس حد تک کافر؟! رسول کو مان کر بھی رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اللہ پر ایمان لا کر بھی اللہ کے فرمانبردار نہیں ہیں۔ آخرت پر عقیدہ ہے، لیکن آخرت کا خوف اُٹھ گیا ہے۔ ہمیں اپنے ایمان کو مضبوط اور مکمل کرنا چاہیے، تاکہ کہیں غیر ارادی طور پر ہم اس گروہ میں شامل نہ ہو جائیں جس کا ذکر قرآنِ مجید میں آیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾	اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ فرق کیا انھوں نے درمیان ایک کسی کے ان میں سے، یہ لوگ ہیں عنقریب دے گا ان کو (اللہ) ان کا ثواب اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

آیت:۱۵۲۔ تشریح الفاظ

لَمْ یفَرِّقُوْا: فَرَّقَ یُفَرِّقُ سے فعل مضارع نفی جحد جمع مذکر غائب۔ نہ فرق کیا انھوں نے۔

اُجُوْرَهُمْ: ا، ج، ر سے اسم جامد جمع مکسر، هُمْ ضمیر۔ ان کے اجر۔

مفہوم ومطلب: مومنوں کا اجر

اس آیت میں ایک اور گروہ کا ذکر فرمایا۔ یہ گروہ مسلمانوں مومنوں کا ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی پاکیزہ تعلیم کی بدولت سارے اجزائے ایمانیات کو مان لیا۔ فرمایا کہ سابقہ گروہ کی طرح یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے سارے رسولوں پر ایمان لائے۔ ایک مسلمان سارے سلسلہ انبیاء علیہم السلام کو مانتا ہے۔ اس کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام سب برحق پیغمبر تھے۔ مسلمان کسی پیغمبر کا بھی انکار نہیں کرتے۔ اس گروہ کی لغزشیں اور غلطیاں اللہ معاف کر دے گا اور انھیں ثواب اور اجر عطا کرے گا۔ اسی عقیدے کی وضاحت سورۃ البقرہ کے آخر میں یوں فرمائی:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾[1]

"اللہ کی طرف سے رسول (ﷺ) پر جو کچھ نازل کیا گیا، خود رسول (ﷺ) بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں سب کے سب اللہ پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں اور ان مومنوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ رسولوں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔"

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ نازل کریں ان پر کتاب آسمان سے، پس تحقیق سوال کیا انھوں نے: موسیٰ (علیہ السلام) سے بڑا اس سے، پس کہا انھوں نے دکھا ہم کو اللہ ظاہر، پس پکڑا ان کو بجلی نے ان کے ظلم کے سبب، پھر انھوں نے بنا لیا بچھڑا بعد

---

[1] البقرہ: ۲/ ۲۸۵

الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

آجانے کے اپنے پاس دلیلیں، پس معاف کر دیا ہم نے اس سے اور دیا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو غلبہ صریح۔

آیت: ۱۵۳۔ تشریح الفاظ

يَسْـَٔلُكَ: (سَاَلَ) تجھ سے سوال کرتے ہیں، یعنی حضرت رسول خدا ﷺ سے مطالبہ کرتے ہیں، درخواست کرتے ہیں۔

اَهْلُ الْكِتٰبِ: کتاب والے، صاحب کتاب، یعنی یہودی اور عیسائی۔

اَرِنَا: رَاَى سے اَرٰى يُرِىْ کا فعل امر۔ ہمیں دکھا۔ جَهْرَةً: ظاہر، آنکھوں کے سامنے، کھلم کھلا۔

فَاَخَذَتْهُمْ: پس پکڑ لیا ان کو۔ الْعِجْلَ: گائے کا بچہ، بچھڑا۔

الصّٰعِقَةُ: بجلی نے ان لوگوں کو آ پکڑا۔ آسمان سے آگ کا عذاب نازل ہوا اور ان کو ختم کر ڈالا۔

الْبَيِّنَاتُ: (واحد، بَيِّنَةٌ) دلائل، معجزات۔ سُلْطٰنًا: تسلط، غلبہ۔

مفہوم و مطلب: اہل کتاب کی حجت بازی اور بے جا مطالبہ

آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! یہ اہل کتاب آپ سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کریں، جسے یہ آسمان سے اترتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہودیوں کا مقصد اس مطالبہ سے اطمینان قلب حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ حجت بازی سے آنحضرت ﷺ کو پریشان کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ یہ کج بحثی اور حجت بازی ان یہودیوں کی فطرت ہے۔ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر سوال کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں اپنا خدا دکھاؤ اور اس طرح کہ ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہودیوں کی یہ گستاخی پسند نہ آئی۔ چنانچہ آسمان سے بجلی گری اور ان کو فنا کر دیا گیا۔ یہ سزا ان کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ملی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

پھر فرمایا کہ گمراہی اور بے راہ روی یہود کی فطرت بن گئی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو معجزات دکھائے، مثلاً ید بیضا کا معجزہ، عصا کا معجزہ، فلق بحر، یعنی دریا میں راستہ بنا دینے کا معجزہ وغیرہ تو ان معجزات کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود بھی موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں سامری کے بنائے ہوئے بے جان بچھڑے کی

پوجا کرنے لگے۔ وہ تو ایسے کم عقل اور بے وقوف لوگ ہیں، مگر اللہ نے اس بات سے بھی درگزر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو صریح غلبہ اور نمایاں تسلط عطا کیا۔

اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اے پیغمبر! اللہ آپ کو بھی ان یہودیوں اور مشرکوں پر غلبہ اور تسلط عطا کرے گا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ	اور اٹھایا ہم نے اوپر ان کے پہاڑ ان کا وعدہ لینے کے
وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا	لیے اور کہا ہم نے ان کو داخل ہو جاؤ دروازے میں
وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ	سجدہ کرتے ہوئے اور کہا ہم نے ان کو مت زیادتی
وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾	کرو ہفتہ کے دن میں اور لیا ہم نے ان سے قول پکا۔

آیت: ۱۵۴۔ تشریح الفاظ

رَفَعْنَا: ہم نے اونچا کیا، اٹھایا، بلند کیا۔

الطُّوْرَ: پہاڑ کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک طور ہر وہ پہاڑ ہے جس پر سبزہ اور نباتات ہو۔ بعض کے نزدیک یہ پہاڑ طور سینا نہیں تھا بلکہ کوئی اور پہاڑ تھا اور بعض نے اس سے مراد طور سینا ہی لی ہے۔ یعنی پہاڑ کو ان کے سروں پر سائبان کی مانند بلند کر دیا۔[1]

بِمِيْثَاقِهِمْ: بوجہ ان کے عہد کے، یعنی یہ پہاڑ ان پر اس لیے بلند کیا کہ ان سے عہد لیا جائے کہ وہ احکامِ الٰہی پر عمل کریں گے۔ اور عہد و پیمان کرانے کے لیے پہاڑ اٹھایا کہ اگر یہ یہودی عہد نہ کریں گے تو پہاڑ ان پر ڈال دیا جائے گا۔

الْبَابَ: دروازہ، مراد ہے شہر اور بستی کا دروازہ۔ جمہور مفسرین نے بیت المقدس کا دروازہ سمجھا ہے۔ بعض نے کہا: ایلیاء کا اور بعض کے نزدیک اریحا کا دروازہ۔[2]

سُجَّدًا: سجدہ کرتے ہوئے، یعنی جھک کر، عاجزی اور انکسار سے۔

لَا تَعْدُوْا: (ع د و) عَدَا يَعْدُوْ عُدُوَّةً وَ عُدْوَانًا، بمعنی سرکشی کرنا۔ مت سرکشی کرو، تجاوز نہ کرو، حد سے نہ بڑھو۔

---

[1] ابن اَبی حاتم، التفسیر، النساء: ۱۵۴

[2] نواب صدیق حسن، فتح البیان: ۱۵۴

مفہوم و مطلب: اہل کتاب کو عہد شکنی کی سزا

اس آیت میں فرمایا کہ یہودی وہ قوم ہے جس نے اللہ سے بارہا وعدے کیے اور کر کے توڑ دیے۔ ان کی عہد شکنی کی داستان بڑی پرانی اور طویل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے قول و قرار لینے کے لیے ہم نے پہاڑ کو ان کے سروں پر بادل اور سائبان کی طرح بلند کر دیا۔ یہ ڈر گئے اور انھوں نے احکام الٰہی کی پیروی کا پختہ وعدہ کیا۔ پھر ہم نے انھیں حکم دیا کہ بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ، لیکن جھک کر، انکسار اور عاجزی کے ساتھ۔ ہم نے یہود کو یہ بھی نصیحت کی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ ہفتہ صرف عبادت کے لیے وقف ہے۔ اب ان سب باتوں کا پختہ وعدہ ہو چکا۔ لیکن پکا وعدہ کرنے کے بعد بھی یہودی قوم نے عہد شکنی کی اور اللہ کے ہر عہد کو توڑا اور ہر حکم کی نافرمانی کی۔ جس کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑی اور وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیے گئے اور اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا۔

مسلمانوں کو یہ عہد شکنی کی مثال اس لیے سنائی تا کہ مسلمان عہد شکنی سے بچیں، اللہ کی مخالفت نہ کریں، بلکہ اللہ کے احکام کی پیروی کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾	پس بوجہ ان کے توڑنے کے عہد اپنا اور بوجہ ان کے کفر کے اللہ کی آیتوں کے ساتھ اور بسبب قتل کرنے کے انبیاء کو ناحق اور بسبب کہنے کے ہمارے دل پردے میں ہیں بلکہ مہر کی اللہ نے ان پر ان کے کفر کے سبب، پس نہیں ایمان لاتے وہ مگر تھوڑا۔

آیت: ۱۵۵۔ تشریح الفاظ

فَبِمَا: فَ بمعنی پس، بِ بمعنی بسبب، بوجہ۔ مَا زائدہ ہے اور تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تاکیداً فرمایا کہ یہودیوں پر لعنت کی صرف یہی وجہ تھی کہ وہ حدود سے تجاوز کرنے والے تھے۔

نَقْضِهِمْ: نَقْض بمعنی توڑنا۔ اردو میں استعمال ہوتا ہے: نقضِ امن، نقضِ عہد۔

كُفْرِهِمْ: ان کا انکار کرنا۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: اللہ کی آیتوں سے مراد ہے الہامی کتابیں۔

غُلْفٌ: (واحد، اَغْلَفَ) غلاف میں ہیں، پردے میں ہیں۔

طَبَعَ: مہر لگا دی۔ قَلِيْلًا: تھوڑا ایمان، کم ایمان۔

مفہوم و مطلب: یہود کے دلوں پر مُہر

اس آیت میں فرمایا کہ اللہ نے یہودیوں کو ملعون قرار دیا۔ اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان پر ذلت اور پھٹکار کو مسلط کر دیا۔ اس کی وجوہات یہ بتائیں کہ

۱۔ وہ بڑے عہد شکن تھے۔ وعدہ کر کے توڑ دیتے تھے۔

۲۔ اللہ کی کتابوں میں تحریف اور تبدیلی کرتے اور اس طرح اس کی آیات کے منکر بن جاتے۔

۳۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔

۴۔ حق بات سن کر بھی قبول نہ کرتے اور کہتے کہ ہمارے دل پردے میں ہیں۔ اس سے یہود کی سنگدلی اور قساوتِ قلبی کو ظاہر کیا ہے۔

نقضِ عہد ایمان سے محرومی کا باعث بن گیا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے اصرارِ کفر و انکار کی وجہ سے ان کے دل اتنے زنگ آلود ہو چکے ہیں کہ اب ان میں ایمان کے لیے کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ وہ صرف چند باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ ایمان کا بہت تھوڑا حصہ ہے۔ تورات و انجیل کی پیش گوئیاں بھی نہیں مانتے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفت جو کتاب مقدس میں مرقوم ہے وہ بھی چھپاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ اب حق قبول کرنے کی استعداد سے یکسر محروم ہو چکے ہیں۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾	اور سبب ان کے کفر کے اور بولنے کے مریم پر بہتان بڑا۔
وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ	اور ان کے کہنے کے سبب کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو، حالانکہ نہ انھوں نے قتل کیا اسے اور نہ سولی پر چڑھایا اسے لیکن شبہ ڈالا گیا واسطے ان کے اور تحقیق جن لوگوں نے اختلاف کیا اس میں

بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾	البتہ وہ شک میں ہیں اس بارے میں، نہیں ہے ان کو اس کی کچھ خبر مگر پیروی کرنا گمان کی اور نہیں قتل کیا انھوں نے اس کو یقیناً۔
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾	بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ غالب حکمت والا۔
وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾	اور نہیں اہل کتاب سے کوئی مگر ضرور ایمان لائے گا اس پر اس کی موت سے پہلے اور قیامت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوگا ان پر گواہ۔

آیات: ۱۵۶ تا ۱۵۹۔ تشریح الفاظ

بِكُفْرِهِمْ: ان کے کفر کے سبب، یعنی اس وجہ سے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے انکار کیا۔

قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ: حضرت مریم پر جھوٹ بولنے کی وجہ سے۔ یہود نے حضرت مریم پر طوفان باندھا اور الزام لگایا اور زنا کی تہمت لگائی تھی۔

الْمَسِيْحَ: بمعنی مَمْسُوح، جس پر ہاتھ پھیرا گیا ہو۔ حضرت جبریل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ پھیرا تھا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے: ہاتھ پھیرنے والا، یعنی ماسح۔ اندھوں اور مریضوں کو ہاتھ لگاتے اور وہ تندرست ہو جاتے تھے۔[1]

وَمَا قَتَلُوْهُ: حالانکہ انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا۔

وَمَا صَلَبُوْهُ: اور نہ اس کو سولی پر چڑھایا، یعنی نہ قتل کیا اور نہ سولی دی۔

شُبِّهَ: ان کی نظروں میں مشتبہ کر دیا، شبہ ڈالا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈال دی، اس جیسی صورت اور شکل بنا دی گئی، عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا گیا۔

اِخْتَلَفُوْا فِيْهِ: اختلاف کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں۔

اتِّبَاعَ الظَّنِّ: زعم کے پیچھے یا انکل کے پیچھے دوڑتے ہیں۔

يَقِيْنًا: بالیقین، یقینی طور پر، یقیناً انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا۔

---

[1] القرطبی والبیضاوی، التفسیر، آل عمران: ۴۵

بَلْ: بلکہ۔ رَّفَعَهُ: اٹھالیا اسے اللہ نے۔
مَوْتِهٖ: اس کی موت، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت۔ عَزِیْزًا: غالب، زور آور، زبردست۔
یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا: ان پر گواہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب کے خلاف گواہی دیں گے۔

مفہوم ومطلب۔ حضرت مریم پر بہتان کی حقیقت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا

اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اعادہ کیا کہ یہودیوں کو ملعون قرار دیا۔ اس لیے کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور حضرت مریم صدیقہ پر بہتانِ عظیم باندھا۔ اس پاکدامن عورت کے خلاف بدگوئی کی۔ ان پر تہمت لگائی۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا، جس طرح کہ آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا تھا۔

پھر فرمایا کہ یہودیوں کو ملعون قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم رسولِ خدا کو قتل کر ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کی تردید فرماتے ہوئے اعلان کیا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ واقعہ یوں ہوا کہ ان کی نظروں میں کوئی اور آدمی مشتبہ کر دیا۔ انھوں نے جس شخص کو سولی دی وہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے، بلکہ کسی اور کو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا گیا تھا۔ اس مشابہت سے انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے عیسیٰ کو سولی دی ہے۔ اس طرح یہود کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔ ان کے ساتھ نصاریٰ نے بھی نادانی اور جہالت سے یہی بات مان لی۔ اب لوگ مختلف باتیں کہتے ہیں۔ ان کے اپنے ہاں اختلاف ہے، کسی کو یقین محکم قطعاً نہیں ہے۔ محض شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے وثوق اور یقین سے فرمایا کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قطعاً نہیں مارا۔

پھر سوال یہ تھا کہ نہ تو سولی دی گئی اور نہ قتل کیے گئے تو آخر کہاں گئے؟ اللہ تعالیٰ نے خود ہی جواب دے دیا کہ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ یعنی اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ صحیح حدیثوں میں صراحت ہے کہ قیامت کے قریب وہ زمین پر پھر بھیجے جائیں گے۔[1] اور مذکورہ آیت سے واضح ہے کہ ان کی وفات سے پہلے اس زمانہ کا ہر کوئی اہل کتاب ان پر ضرور ایمان لائے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ تمام محدثین اور مفسرین کا اس بات پر پورا اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت زندہ آسمان پر

[1] صحیح البخاری: ۳۴۴۸

اٹھایا گیا۔[1]

قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ زمین پر آنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ جسم اور روح کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔[2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آنے کے بعد شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کریں گے اور امت محمدیہ کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب توڑیں گے۔ سب اہل کتاب ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئیں گے۔[3]

یہ اہل السنہ کا مسلمہ عقیدہ ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اسی پر اجماع امت ہے۔ سلف و خلف میں کسی اہل تقویٰ اور ماہر اسرارِ شریعت اور واقفِ رموزِ دین نے اس عقیدے کے خلاف نہیں کہا۔ اس مسئلے پر قدیم وجدید علماء نے مستقل کتابیں اور رسائل لکھے ہیں جو بکثرت مل جاتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب کے بارے میں گواہی دیں گے کہ اے پروردگار! میں نے تیرا پیغام ان کو پہنچا دیا تھا۔ نیز اقرار کرتا ہوں کہ میں تیرا بندہ اور رسول ہوں۔ مگر یہودیوں نے مجھے جھٹلایا تھا اور نصاریٰ نے توحید کو چھوڑ کر شرک کی راہ اختیار کی اور بندوں کو خدا کا درجہ دے دیا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾

پس بسبب ظلم کے یہودیوں کے ہم نے حرام کر دیا ان پر پاکیزہ چیزوں کو جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بسبب ان کے روکنے کے راہِ خدا سے اکثر۔

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

اور بوجہ ان کے لینے کے سُود حالانکہ وہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے مال لوگوں کے ناحق اور تیار کیا ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک۔

---

[1] ابن حجر، التلخیص الحبیر: ۴۶۲/۳

[2] ابن کثیر، التفسیر، آل عمران: ۵۵

[3] صحیح مسلم: ۱۵۵

آیات:۱۶۰ تا ۱۶۱۔ تشریح الفاظ

اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا: (ھ و د) جو یہودی ہوئے۔ حَرَّمْنَا: ہم نے حرام ٹھہرایا۔

بِصَدِّھِمْ: ان کے روکنے کے سبب، منع کرنے کی وجہ سے۔

سَبِیْلِ اللّٰہِ: راہِ خدا، راہِ حق، دینِ اسلام، شریعتِ محمدی۔

مفہوم و مطلب: یہود کی بداعمالیوں کی سزا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی نافرمانیوں اور گناہوں کی فہرست پھر کھول دی اور فرمایا کہ جو لوگ یہودی ہو گئے تھے ان کے ظلم و جَور، فسق و فجور اور گناہوں کے سبب ہم نے ان پر وہ پاکیزہ اور صاف ستھری چیزیں بھی حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔ سورۂ انعام میں ہے:

﴿وَعَلَی الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ﴾ [1]

''یہودیوں پر ہم نے ناخن والے سب جانور حرام کر دیے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے بطور سزا یہودیوں پر بہت سی چیزیں حرام کر دیں اور انھوں نے بھی اپنے اوپر سختی کر کے کئی چیزیں حرام کر لیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ وہ سود لینے سے روکے گئے تھے لیکن باوجود روکنے کے سود لیتے رہے۔ نیز لوگوں کے مال ناحق کھاتے رہے۔ دنیا میں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی پاکیزہ اور صاف ستھری چیزیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں حرام کر دی گئیں اور آخرت میں ان کے لیے تکلیف دینے والا اور دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے وہ عیب شمار کیے ہیں جن کی وجہ سے انھیں ملعون ٹھہرایا گیا:

۱۔ اللہ سے قول و قرار کرنے کے بعد عہد شکنی کی۔

۲۔ اللہ کی آیات اور نشانیوں کا انکار کر دیا۔

۳۔ انبیاء ؑ کو ناحق قتل کیا۔

۴۔ حق بات سننے سے اعراض کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے دل پردے میں ہیں۔

۵۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی رسالت ماننے سے انکار کر دیا۔

۶۔ حضرت مریم صدیقہ پر بڑا طوفان باندھا۔

---

[1] الانعام:۶/۱۴۶

۷۔ جھوٹا دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا ہے۔

۸۔ منع کرنے کے باوجود سود لیتے رہے۔

۹۔ راہِ حق یا اسلام سے لوگوں کو روکتے۔

۱۰۔ لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے۔

ان گناہوں کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان کے لیے تنگی پیدا کر دی اور آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنادی۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾	لیکن ان میں سے پختہ لوگ علم میں اور مومن ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور قائم کرنے والے نماز اور ادا کرنے والے زکوٰۃ اور ایمان لانے والے اللہ پر اور روز آخر پر، یہی لوگ ہیں عنقریب ہم دیں گے ان کو ثواب بڑا۔

آیت: ۱۶۲۔ تشریح الفاظ

الرَّاسِخُوْنَ: مضبوط لوگ، پختہ لوگ، ثابت قدم لوگ۔

فِي الْعِلْمِ: علم دین میں، علم شریعت میں، یعنی وہ لوگ جنھیں علم دین اور مسائل شریعت میں بڑا کمال اور رسوخ حاصل ہے۔

مِنْهُمْ: ان میں سے، یعنی یہود میں سے۔

مفہوم و مطلب: نیکوکاروں کے لیے اجر عظیم

گزشتہ آیات میں یہود کی نافرمانیوں کا ذکر کر کے ان کے لیے دوزخ کی خبر سنائی گئی تھی۔ اس آیت میں فرمایا کہ یہود میں بھی کچھ لوگ دین و شریعت کے علم پر ثابت قدم رہے ہیں۔ انھیں علم دین میں بڑا کمال اور بڑا رسوخ اور مضبوطی حاصل ہے۔ ان کے ساتھ مسلمان ایمان والے بھی قرآن مجید کو مانتے ہیں اور قرآن مجید سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں انھیں بھی مانتے ہیں۔ یہ گروہ پاکبازوں کا ہے۔ ان کا نمایاں وصف یہ ہے کہ نمازوں کو قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی نہیں کرتے، بڑی باقاعدگی اور

خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ پر اور روز قیامت پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم یعنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اب ہمارے سامنے دو راہیں ہیں: ایک یہودیوں کی اور ان کے اوصاف و اعمال کی، یہ راہ دوزخ میں لے جاتی ہے۔ دوسری راہ ﴿اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ﴾ کی ہے، جو شریعت سے بڑے باخبر اور علم دین میں بڑے ثابت قدم ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ کو مانتے ہیں، آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ اس دوسرے گروہ کے لیے اجر عظیم یعنی جنت کی خوشخبری ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ نوجوان جو جنت کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔

اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾	بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح (علیہ السلام) کی طرف اور نبیوں کی طرف اس کے بعد اور وحی بھیجی ہم نے ابراہیم کو اور اسمٰعیل کو اور اسحٰق کو اور یعقوب کو اور اس کی اولاد کو اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو اور دی ہم نے داود کو زبور۔ (علیہم السلام)
وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾	اور وہ رسول کہ ہم نے حال بتایا ان کا آپ کو پہلے اور وہ رسول کہ نہیں ہم نے حال بتایا ان کا آپ کو اور باتیں کی اللہ نے موسیٰ سے بول کر۔
رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۶۵﴾	رسول تھے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی عذر پیغمبروں کے بعد اور ہے اللہ غالب حکمت والا۔
لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۱۶۶﴾	لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو اس نے اتارا آپ کی طرف، اتارا اس نے ساتھ اپنے علم کے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ۔

آیات: ۱۶۳ تا ۱۶۶۔ تشریح الفاظ

اَوْحَیْنَا: (وحی) باب اِفعال۔ ہم نے وحی بھیجی۔ وحی کے لغوی معنی اشارہ اور ایما ہیں، مگر اصطلاح میں خدا کا وہ پیغام جو انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے۔ وحی کے بارے میں احادیث میں تفصیلات مذکور ہیں۔

نُوْح: حضرت نوح علیہ السلام پہلے صاحب شریعت نبی تھے۔ بعض نے کہا کہ سب سے پہلے نبی حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔[1]

اِبْرَاهِیْمَ: حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ بڑے اولوالعزم اور بلند مرتبت پیغمبر تھے۔ حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے والد تھے۔ حضرت اسمٰعیل نے مکہ میں وفات پائی اور حضرت اسحاق نے شام میں۔ حضرت اسحاق کی اولاد میں حضرت یعقوب اور ان کی اولاد میں حضرت یوسف مشہور پیغمبر گزرے ہیں۔ بنو اسرائیل حضرت یعقوب کی اولاد تھے۔

اَسْبَاط: (واحد، سِبْط) بمعنی اولاد۔ لفظی معنی پوتے/ نواسے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان میں قبائل بن گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں اسباط۔

اٰتَیْنَا: ہم نے دی۔ قَصَصْنٰهُمْ: ہم نے ان کا حال بیان کیا۔

مِنْ قَبْلُ: پہلے، یعنی مکہ مکرمہ میں۔ لَمْ نَقْصُصْ: ہم نے حال نہیں بتایا۔

تَکْلِیْمًا: باتیں کرنا، یعنی اللہ نے فی الحقیقت بول کر گفتگو کی۔ سچ مچ کلام کیا اور خوب خوب باتیں کیں۔

مُبَشِّرِیْنَ: نیک لوگوں کو ثواب اور جنت کی خوشخبری سنانے والے۔

مُنْذِرِیْنَ: بدکردار اور برے آدمیوں کو ان کے گناہوں کی سزا سے متنبہ کرنے والے، ڈرانے والے، کافروں کو دوزخ سے آگاہ کرنے والے۔ کَلَّمَ: باتیں کیں۔

حُجَّةٌ: حجت، دلیل، عذر، الزام۔ تاکہ بندوں کو خدا کے حضور میں عذر کی مجال نہ ہو۔

اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ: اللہ نے جانتے بوجھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا، خوب اچھی طرح اہل پا کر قرآن جیسی کتاب عطا کی۔ لِئَلَّا: لِ، اَنْ، لَا یعنی یہ کہ نہ، تاکہ نہ۔

مفہوم و مطلب: رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نوعیت بیان فرماتے ہوئے بتایا کہ حضرت

[1] القرطبی وابن کثیر، التفسیر، الاعراف:۵۹

محمد مصطفیٰ ﷺ پر کوئی انوکھی قسم کی رسالت و نبوت نہیں اتری۔ اس کی مثالیں پہلے ہی موجود ہیں۔ وحی الٰہی ایک ہی جنس اور نوع کی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء کو ایک ہی قسم کی وحی سے سرفراز کیا۔

بات یہ ہوئی کہ عدی بن زید نے کہہ دیا کہ ہمیں قطعاً علم نہیں کہ موسیٰ کے بعد کسی کو نبوت ملی اور اس پر وحی اتری ہو۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت سے انکار کر دیا۔[1]

قرآن مجید نے اس کا جواب دیا کہ وحی الٰہی کا یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر اب تک (آپ ﷺ کی مبارک زندگی تک) جاری ہے۔ اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ پھر ان کے بعد بھی نبیوں کو وحی آتی رہی۔ حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد، پھر حضرت عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون، سلیمان علیہم السلام سب کو اللہ نے نبوت سے سرفراز ا۔ حضرت داود علیہ السلام کو زبور عطا کی۔ یہ لوگ ان حقائق سے کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ بعض پیغمبروں کے حالات ہم آپ کو مکی زندگی میں ڈھارس بندھانے کے لیے سنا چکے ہیں اور بعض پیغمبر ایسے ہیں کہ ہم نے ان کے حالات آپ سے بیان نہیں کیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے نامور پیغمبر گزرے ہیں۔ اللہ نے ان کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور ان سے فی الحقیقت باتیں کیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق پیغمبروں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔[2] قرآن مجید میں صرف ان پیغمبروں کا ذکر آیا ہے:

حضرت آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب، یوسف، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داود، سلیمان، ایوب، عزیر، الیسع، زکریا، یحییٰ، ذوالکفل، عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد ﷺ۔

فرمایا کہ پیغمبروں نے لوگوں کو نیک اعمال کے ثواب اور جنت کی خوشخبری سنائی۔ کافروں اور برے لوگوں کو بدکرداری اور گناہوں کی سزا سنا کر عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ سیدھی راہ اختیار کریں۔ حق و باطل کا ان کو علم ہو جائے اور قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے کوئی عذر نہ کر سکیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت اور دانائی سے خالی نہیں ہے۔

[1] الطبری، التفسیر، النساء: ۱۶۳

[2] ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۳/ ۵۱۸، ۱۷/ ۳۷۳

جب یہودیوں نے تورات میں مذکور بشارتِ محمدی کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ سچی گواہی کو چھپاتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ آپ پیغمبر برحق ہیں۔ اللہ کی وحی آپ پر نازل ہوتی ہے اور یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے جانتے بوجھتے آپ کو اہل سمجھ کر نبوت کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے علم سے وحی بھیجی اور اس علم کی روشن مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مثلاً علمِ شریعت، علمِ اجتماعیت، علمِ سیاست، علمِ اخلاق، علمِ تدبیر منزل، علمِ اقتصادیات وغیرہ۔ آپ کی نبوت کے فرشتے بھی گواہ ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایک اللہ کی شہادت کافی ہے، اس کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہودیوں کا انکار آپ کی نبوت کی حقانیت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے:

۱۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت اسی طرح برحق ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت برحق تھی۔

۲۔ قرآن وحی الٰہی ہے۔ بالکل اسی طرح کی وحی جس طرح پہلے برحق انبیاء کی طرف بھیجی گئی تھی۔ وہی روح الامین حضرت جبریل قرآن لائے جو پہلے نبیوں پر کتابیں لائے تھے۔

۳۔ پہلے نبیوں کی طرح آنحضرت ﷺ بھی بشیر و نذیر ہیں۔

۴۔ پیغمبروں کے بھیجنے کا مقصد اتمام حجت ہے، تاکہ لوگوں کے لیے کوئی بہانہ اور عذر نہ رہے۔

۵۔ دین اور شریعت وحی الٰہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

۶۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت کے لیے اللہ اور فرشتوں کی شہادت کے بعد کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ تنہا اللہ ہی کی شہادت کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾	تحقیق جو لوگ کافر ہوئے اور روکا لوگوں کو راہِ خدا سے وہ گمراہ ہوئے گمراہ ہونا دور کا۔
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾	تحقیق جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ بخشنے کا ان کو اور نہ دکھائے گا ان کو راہ۔
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾	مگر راہ دوزخ کی، رہیں گے اس میں ہمیشہ اور ہے یہ بات اللہ پر آسان۔

آیات: ۱۶۷ تا ۱۶۹۔ تشریح الفاظ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: جن لوگوں نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔ صَدُّوْا: لوگوں کو روکا۔

سَبِيْلِ اللّٰهِ: راہِ خدا سے، دین اسلام مراد ہے۔ يَسِيْرًا: آسان۔

ظَلَمُوْا: حق کو دبایا، یعنی آنحضرت ﷺ کی بابت تورات کی گواہی کو چھپالیا۔

مفہوم ومطلب: کفر وظلم کی سزا جہنم ہے

وحی محمدی اور نبوت محمدی کے بارے میں یہودیوں کو جواب دینے کے بعد اب یہ فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کرنے والے اور لوگوں کو اسلام سے روکنے والے راہِ حق سے بھٹک کر بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔ یہ کافر اور ظالم ہیں۔ انکار کے ساتھ انھوں نے تورات کی شہادت کو چھپا لیا۔ اب ان کے جرم کی پاداش میں نہ تو اللہ تعالیٰ انھیں بخشے گا اور نہ راہِ حق کی توفیق بخشے گا۔ ان کے سامنے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے دوزخ، جہاں انھیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اللہ کے لیے ایسا کر گزرنا کوئی بات نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾	اے لوگو! آ گیا ہے تمھارے پاس رسول ساتھ حق کے تمھارے رب کی طرف سے، ایمان لاؤ بھلا ہوگا تمھارا اور اگر تم انکار کردو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا۔

مفہوم ومطلب: تمام انسانوں کو رسالتِ محمدی پر ایمان لانے کی دعوت

آنحضرت ﷺ کی صداقت کی شہادت دینے کے بعد تمام انسانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے لوگو! تمھارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ہی وہ رسول ہیں جن کے لیے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعا کی تھی کہ ﴿وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾[1] (یعنی اے اللہ! ان عربوں میں ایک شاندار رسول پیدا کر) اور آپ ہی تو ہیں جن کی صفت اور نعت تورات میں مرقوم ہے اور آپ ہی کی وہ ذات گرامی ہے

---

[1] البقرہ: ۲/ ۱۲۹

جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور کہا تھا کہ ﴿یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾[1] کہ ''میرے بعد رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔''

آپ ﷺ کا سارا پیغام اور رسالت برحق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے، پس تم ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمھارا بھلا ہے اور اگر تم نے ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ کو کوئی پروا نہیں۔ وہ تو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ زمین و آسمان کی ساری کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تمھارے انکار سے خدا کا کیا بگڑے گا۔ اس میں تمھارا اپنا نقصان ہے۔ تمھاری ہی عاقبت خراب ہوگی۔ اللہ تو ہر بات جانتا ہے اور اس کی کوئی بات بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۱﴾	اے اہل کتاب! نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو تم اللہ کے بارے میں مگر حق بات، مسیح عیسیٰ ابن مریم صرف اللہ کا رسول ہے اور اس کا حکم ہے جو ڈال دیا مریم کی طرف اور روح ہے اس کی طرف سے، پس مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور مت کہو تین ہیں خدا، باز آؤ بہتر ہے تمھارے لیے اللہ ہی معبود واحد ہے، وہ پاک ہے اس سے کہ ہو اس کا کوئی بیٹا، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز۔

آیت: ۱۷۱۔ تشریح الفاظ

لَا تَغْلُوْا: غَلَا یَغْلُوْ غُلُوًّا۔ حد سے نہ بڑھو، تجاوز نہ کرو، مبالغہ نہ کرو، غلو نہ کرو۔

فِیْ دِیْنِكُمْ: دین کے بارے میں، مذہبی معاملات میں، عقائد و عبادت میں۔

كَلِمَتُهٗ: کلمہ، حکم، کلام۔ اشارہ ہے کہ لفظ کُن کہہ کر اسے پیدا کر دیا۔ کلمہ سے مراد بشارت اور پیش گوئی بھی ہے۔ کلمہ کا ایک مفہوم آیت بمعنی معجزہ ہے، یعنی ان کی پیدائش بھی ایک معجزہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

---

[1] الصف: ۶۱/۶

چار نام مشہور ہیں: (۱) مسیح (۲) عیسیٰ (۳) کلمہ (۴) روح

اَلْقَاهَا: ڈال دیا، پہنچا دیا، دے دیا۔

رُوْحٌ مِّنْهُ: اللہ کی طرف سے روح ہے، یعنی اللہ کی پیدا کی ہوئی اور بھیجی ہوئی روح ہے۔

ثَلٰثَةٌ: تین، یعنی تین خدا مت مانو۔ قرآن مجید نے نصاریٰ کے عقائد سے بحث کے دوران میں بتایا ہے کہ وہ تین خداؤں کے قائل تھے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ بعض فرقوں کے نزدیک اللہ، حضرت مسیح اور حضرت مریم یہ تین اُقنوم تھے۔[1]

مفہوم ومطلب: اہل کتاب کو غلو فی الدین سے منع کر دیا

زیرِ نظر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دینی معاملات میں غلو نہ کیا کرو۔ افراط وتفریط دونوں معیوب ہیں۔ ہر چیز کے لیے ایک حد مقرر ہے اور اس حد سے تجاوز کرنے کا نام غلو ہے۔ فرمایا کہ دین تو اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کے بتائے ہوئے عقیدوں تک اسے محدود رکھو۔ حد سے نہ بڑھو اور اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب نہ کرو۔ جو حق بات ہے وہی کہو۔

پھر اس غلو کی ایک مثال یہ دی کہ نصاریٰ نے اپنے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا بنالیا۔ حالانکہ ان کا مقام ومرتبہ صرف اتنا ہے کہ ابن مریم ہیں۔ حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر، کلمۃ اللہ ہیں، یعنی اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اللہ نے فرمایا: کُنْ تو وہ پیدا ہوگئے۔ روح اللہ ہیں کہ ان کی روح بھی اور روحوں کی طرح اللہ نے پیدا کی، لیکن باقی روحوں سے اس روح کو ممتاز اس لیے کر دیا کہ یہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت مریم عذرا کو جبریل نے بشارت دی تھی کہ اللہ تمھیں لڑکا عطا کرے گا تو انھوں نے جواب میں کہا کہ میں تو کنواری ہوں۔ میں نے شادی بیاہ نہیں کیا۔ بغیر خاوند کے لڑکے کی پیدائش کے کیا معنی ہیں؟ حضرت جبریل نے جواب دیا کہ اللہ ایسی ہی حالت میں پیدا کر سکتا ہے اور مریم عذرا کے ہاں ہی لڑکا ہوگا اور یہی چیز نصاریٰ کے لیے ٹھوکر کا باعث بن گئی اور انھوں نے ایک مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔

اس آیت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام تو محض مریم کا بیٹا ہے۔ ابن مریم ہو کر خدا کیسے بن سکتا ہے؟ خدا تو ﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴾[2] ہے۔ وہ صرف اللہ کا رسول ہے، الٰہ اور معبود کیسے بن سکتا ہے؟

---

[1] بنیاد، ہر چیز کی اصل۔ یہ بعض عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

[2] الاخلاص: ۱۱۲/ ۳

وہ کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ کے حکم ''کن'' سے پیدا ہوا۔ روح اللہ ہے۔ اس کی روح بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ الوہیت کہاں سے آ گئی ہے؟!

روح اللہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے اپنی امت کے لیے رحمت بن کر آئے تھے اور اسی رحمت کے سبب قیامت کے دن اللہ سے کہیں گے کہ اے اللہ! یہ نصاریٰ ہیں تو قصور وار، لیکن اگر تو معاف کر دے تو تیرے ہی بندے ہیں:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [1]

پھر فرمایا کہ اللہ کو مانو اور اس کے رسولوں پر بھی ایمان لا کر ان کی تعلیم کو مانو۔ اللہ ایک ہے۔ بے عیب ہے۔ لاشریک ہے، نہ کوئی اس کی جورو (بیوی) ہے نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ اکیلا ہے اور باپ بیٹے کی قسم کی تمام آلائشوں سے پاک و مبرّا ہے۔

پھر تثلیث کے عقیدے کی تردید فرمادی اور حکم دیا کہ تین خدا مت پکارو۔ اس عقیدۂ تثلیث سے باز آ جاؤ۔ یہی تمھارے حق میں بہتر ہے اور اسی میں تمھارے دین کا بھلا ہے۔ اللہ ہی معبود واحد ہے اور اولاد کے دھندوں سے بالکل پاک ہے۔ ساری کائنات، زمین و آسمان اور اس کے درمیان سب کچھ اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز بس ہے۔ ساری کائنات کو وہ چلائے، سب کو روزی دے، سب کا خالق وہ ہے اور یہ مشرکین غیر اللہ کی کیا ضرورت محسوس کرتے ہیں اور کیوں؟ ان کا کون سا کام ہے جو رُکا پڑا ہے اور اللہ نہیں کر سکتا اور اب انھیں دیگر معبودوں اور حاجت رواؤں کی ضرورت آن پڑی ہے؟

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

ہرگز نہ انکار کرے گا مسیح کہ ہو بندہ اللہ کا اور نہ ہی فرشتے مقرب اور جو کوئی انکار کرے اس کی بندگی سے اور تکبر کرے پس وہ جمع کرے گا ان کو اپنے پاس سب کے سب۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ

پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے نیک تو پورا دے گا ان کو ثواب ان کا اور زیادہ دے گا ان کو

---

[1] المائدۃ: ۵ / ۱۱۸۔ ترجمہ: ''اگر تو انھیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو تُو غالب حکمت والا ہے۔''

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾	اپنے فضل سے اور جن لوگوں نے انکار کیا اور تکبر کیا پس عذاب دے گا ان کو عذاب دردناک اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

آیات: ۲-۱۷۲ تا ۱۷۳-۱ تشریح الفاظ

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ: (ن ك ف) نَكَفَ يَنْكِفُ سے باب استفعال ۔ ہرگز انکار نہیں کرے گا، ہرگز برا نہیں منائے گا، ہرگز عار نہیں سمجھے گا۔

فَسَيَحْشُرُهُمْ: (فَ، سَ، يَحْشُرُ، هُمْ) پس عنقریب اکٹھا کرے گا ان کو، یعنی اللہ ان سب لوگوں کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا جو اس کی عبادت سے عار محسوس کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔

فَيُوَفِّيْهِمْ: پس پورا پورا دے گا ان کو۔ اُجُوْر: (واحد، اجر) ثواب۔

يَزِيْدُهُمْ: زَادَ يَزِيْدُ، زیادہ دے گا ان کو، بڑھتی دے گا ان کو۔

اسْتَنْكَفُوْا: برا منایا، انکار کیا، عار محسوس کی۔

مفہوم و مطلب: حضرت مسیح علیہ السلام کی عبودیت

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں تاریخ کے حقائق ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ ابن مریم ہے۔ رسولِ خدا ہے۔ خدا کے حکم سے پیدا ہوا اور اس میں جو روح ہے وہ بھی خدا کی مخلوق ہے۔ تو انسان اللہ کے حلقۂ عبودیت سے کیسے نکل سکتا ہے؟! اللہ کے مقرب فرشتوں کی بھی مجال نہیں ہے کہ عبودیت سے انکار کریں۔ اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرنے والے اور تکبر کرنے والے سارے لوگ قیامت کے دن خدا کے حضور میں لا کھڑے کیے جائیں گے۔ ایسی بے چارہ مخلوق بندگی سے کیسے نکل سکتی ہے۔

فرمایا کہ نیکوکاروں کے لیے پورا پورا اجر و ثواب، بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے اصل سے کہیں زیادہ ملے گا اور خدا کی بندگی سے انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ وہاں یہ لوگ کوئی حمایتی اور مددگار نہ پاسکیں گے۔ اگر کہیں سے کوئی حمایت ہوئی یا مدد ملی تو وہ اللہ کی ذات ہوگی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾	اے لوگو! آچکی ہے تمھارے پاس دلیل تمھارے رب کی طرف سے اور اتارا ہم نے تمھاری طرف نور واضح۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ	پس جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور مضبوط پکڑا اسے پس
فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ	عنقریب وہ داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت میں اور اپنے
وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾	فضل میں اور دکھائے گا ان کو اپنی طرف راہ سیدھی۔

آیات: ۱۷۴ تا ۱۷۵۔ تشریح الفاظ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ: اے لوگو! اے یہود و نصاریٰ! اے مشرکین مکہ! اے منافقو! ساری کائنات میں بسنے والے لوگو!

بُرْهَانٌ: دلیل، حجت۔ مراد اس سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

نُوْرًا مُّبِيْنًا: روشنی ظاہر، نور واضح، یعنی قرآن مجید۔ نور ظاہر یا واضح اس لیے کہا گیا کہ قرآن مجید احکامِ شریعت کو کھول کر واضح طور پر بیان کرتا ہے اور گمراہی سے نجات دلا کر راہ ہدایت پر ڈالتا ہے۔

اعْتَصَمُوْا: عصم سے جمع مذکر غائب، انھوں نے مضبوط پکڑا، محکم پکڑا۔

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا: سیدھی راہ، مراد اسلام ہے۔

مفہوم و مطلب: قرآن اور پیغمبر اسلام مومنوں کے لیے نورِ ہدایت

زیرِ نظر آیات میں ساری دنیا میں بسنے والے انسانوں یعنی ہر طبقہ، ہر خیال اور ہر عقیدہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمھارے پاس اللہ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ جیسے بزرگ اور خیر خواہ رسول آچکے ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے حجت اور دلیل ہیں۔ آپ معجزات لے کر آئے ہیں۔ آپ کے ساتھ سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ یہ قرآن مجید بڑا واضح اور روشن ہے۔ اس کے نور سے شرک و جہالت کے تمام اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ کفر و انکار کی تمام تاریکیاں اور ظلمتیں اس کی واضح روشنی کے سامنے کافور ہو جائیں گی۔ اس کلام پاک کے احکام بڑے واضح اور کھلے ہیں۔ یہ گمراہی اور ضلالت سے نکال کر راہِ ہدایت پر ڈال دیتا ہے۔ اس کے پیش کردہ عقائد بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ ان میں کوئی الجھن اور مشکل نہیں ہے۔

فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کو مان لیا اور اس کی کتاب یعنی قرآن مجید کو خوب مضبوطی سے پکڑا اور زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے تو ایسے ایمان دار اور متبع قرآن و سنت لوگوں کو اللہ اپنی رحمت اور فضل میں جگہ دے گا۔ یعنی جنت میں داخل کر کے اپنے خاص انعامات سے نوازے گا اور انھیں صراط مستقیم کی راہ دکھائے گا۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾	وہ فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے، کہہ دو: اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو کالہ کے بارے میں، اگر کوئی مرد مرگیا نہ ہو اس کا کوئی بیٹا[1] اور ہو اس کی ایک بہن پس اس کے لیے ہے آدھا جو وہ چھوڑ مرا اور وہ وارث ہے اس کا اگر نہ ہو اس کی کوئی اولاد، پس اگر ہوں دو یا دو سے زیادہ بہنیں تو ان کے لیے ہے دو تہائی اس کا جو چھوڑ مرا وہ اور اگر ہوں کئی بھائی بہن مرد اور عورتیں پس واسطے مرد کے ہے حصہ برابر دو عورتوں کے، بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمھارے تا کہ نہ ہو جاؤ تم گمراہ اور اللہ ہے ہر چیز کا جاننے والا۔

آیات: ۱۷۶۔ تشریح الفاظ

يَسْتَفْتُوْنَكَ: (ف ت و) استفتاء باب استفعال، مضارع، جمع مذکر غائب۔ وہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، حکم پوچھتے ہیں۔

يُفْتِيْكُمْ: (ف ت و) باب اِفعال، اَفْتٰى يُفْتِيْ۔ اللہ تم کو فتویٰ دیتا ہے، حکم بتاتا ہے۔

الْكَلٰلَةِ: وہ میت جو نہ باپ چھوڑے نہ اولاد۔[2]

اِمْرُؤٌا: مرد۔

لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ: نہیں ہے اس کا ولد۔ ولد سے مراد اولاد ہے اور یہاں مفہوم میں اولاد اور باپ دونوں شامل ہیں۔ یہاں کالہ کی تعریف اور مفہوم بیان کر دیا کہ ایسا مرد جو مرنے کے بعد نہ باپ چھوڑے اور نہ کوئی اولاد۔

هَلَكَ: مر گیا۔

وَّلَهٗٓ اُخْتٌ: اور اس کی بہن ہے، خواہ وہ بہن ماں باپ کی طرف سے ہو یا صرف باپ کی طرف سے، یعنی

---

[1] وَلَدٌ سے مراد اولاد ہے، چاہے بیٹا ہو یا بیٹی۔ (تفسیر جلالین، النساء:۱۱)

[2] کالہ وہ میت ہے جس کا باپ دادا بھی نہ ہو اور اولاد بھی نہ ہو۔ (تفسیر جلالین، النساء:۱۱)

خواہ بہن کی ماں دوسری ہو۔ بہن کا عینی یا علاتی ہونا ضروری ہے۔

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ: اس بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ وَهُوَ: وہ یعنی بھائی۔

يَرِثُهَا: وَرَثَ يَرِثُ۔ وارث ہوگا اپنی بہن کا جو مرے، خواہ وہ بہن عینی ہو یا علاتی۔

إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ: اگر نہ ہو اس کی کوئی اولاد، یعنی بہن کی اگر کوئی اولاد نہ ہو تو بھائی کل ترکہ کا وارث ہوگا۔

فَإِنْ كَانَتَا: كَانَ يَكُونُ كَوْنًا، ماضی تثنیہ مؤنث غائب۔ پس اگر ہوں دو عورتیں یعنی دو بہنیں۔

وَإِنْ كَانُوا: اور اگر ہوں یعنی وارثین۔ إِخْوَةً: بھائی بہن۔

مِثْلُ: برابر۔

أَنْ تَضِلُّوا: (لِئَلَّا تَضِلُّوا) تاکہ تم بھٹکنے نہ پاؤ، تاکہ تم بہک نہ جاؤ۔

مفہوم ومطلب: احکامِ میراث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔[1]

امام سیوطی کے نزدیک میراث کے مسائل واحکام میں سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی۔[2]

اس کی شان نزول کے سلسلہ میں روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بڑے بیمار تھے۔ بے ہوشی کا عالم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر پانی لے کر حضرت جابر پر چھڑکا۔ وہ ہوش میں آ گئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! میرا کوئی وارث نہیں۔ چنانچہ پھر یہ آیت اتری اور اللہ نے باپ اور اولاد نہ چھوڑنے والی میت کے احکام نازل فرمادیے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! لوگ آپ سے کلالہ یعنی ایسی میت کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں جس کا نہ باپ ہے اور نہ کوئی اولاد۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور وارثوں میں نہ باپ ہو اور نہ کوئی اولاد تو اس کی بہن کو

---

[1] صحیح البخاری: ۴۳۶۴، ۴۶۰۵ وصحیح مسلم: ۱۶۱۸

[2] السیوطی، التفسیر، النساء: ۱۷۶

[3] صحیح مسلم: ۱۶۱۶ وسنن الترمذی: ۲۰۹۷

نصف ترکہ ملے گا۔ خواہ یہ بہن عینی یعنی ماں باپ کی طرف سے ہو یا علاتی صرف باپ کی طرف سے ۔اگر بہن صرف ماں کی طرف سے ہے، باپ کی طرف سے نہیں تو ایسی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اسی طرح اگر بہن مر جائے اور اس کے وارثوں میں نہ باپ ہے اور نہ اولاد تو بھائی کو سارا ورثہ ملے گا اور اگر بہن کی اولاد میں سے لڑکا موجود ہو تو بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر لڑکی ہے تو اس کا نصف حصہ دے کر جو بچے گا وہ بھائی کو ملے گا۔

اگر (کلالہ) میت کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہیں تو ان کو دو تہائی ۳/۲ ملے گا۔ اگر بھائی بہنیں دونوں موجود ہیں تو پھر بھائی کو بہن سے دوگنا حصہ ملے گا۔

اگر میت نے بیٹی چھوڑی اور بہن بھی تو بعض کے نزدیک بیٹی وَلَدٌ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا بہن کو کچھ نہیں ملے گا، لیکن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیٹی اور بہن کو نصف نصف حصہ دلایا تھا اور یہی عمل نافذ رہا۔[1]

اگر میت کا باپ موجود ہو تو پھر میت کے بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے نازک مسائل بھی خوب کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے تاکہ تم راہِ راست سے بھٹکنے نہ پاؤ۔ اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔ وہ لوگوں کی ضرورتوں، مصلحتوں اور ذہنوں کو خوب جانتا ہے۔ اسے یہ بھی علم ہے کہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کوئی بات بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ النِّسَآءِ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ تَعَالٰی

---

[1] صحیح البخاری: ۱۷۴۱

سُوْرَةُ الْمَائِدَہ[1]

تعارف

سورۃ المائدہ مدنی ہے۔ ہر وہ سورت جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی مدنی کہلاتی ہے، خواہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہو یا کسی سفر میں۔ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی سورتوں کو مکی کہتے ہیں۔

سورۃ المائدہ میں ۱۲۰ آیات ہیں۔ اس کو سُوْرَةُ الْعُقُوْدِ اور سُوْرَةُ الْمُنْقِذَةِ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں ایفائے عہد کا ذکر ہے اور اس پر عمل کرنے سے عذابِ دوزخ سے نجات ملتی ہے۔[2]

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ باعتبار نزول یہ آخری سورت ہے۔ اس میں جن چیزوں کو حلال کہا گیا ہے انھیں حلال سمجھو اور جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے انھیں حرام سمجھو۔[3]

قرآنِ مجید کی ترتیب کے لحاظ سے یہ پانچویں سورت ہے۔ اس کی کل ۱۲۰ آیات ہیں۔ ۸۲ آیات چھٹے پارے میں ہیں اور ۳۸ آیات ساتویں پارے میں۔

اس کا بیشتر حصہ یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے اور کچھ حصہ منافقوں اور مشرکوں سے متعلق۔ اس سورت میں اٹھارہ اُنیس ایسے احکام بیان فرمائے گئے ہیں جو کسی دوسری سورت میں بیان نہیں کیے گئے۔

تکمیلِ دین والی آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ حجۃ الوداع میں جمعہ کے دن عرفہ کی شام کو نازل ہوئی تھی۔[4]

اجمالی خاکہ

اس سورت میں شریعت کے بعض اصول و فروع اور احکام دین کے اعتقادی اور عملی پہلوؤں پر

---

1. اس سورت کی تفسیر بی۔اے کے طلبہ وطالبات کے لیے لکھی گئی۔ آج کل یہ ایم۔اے (پرچہ ترجمہ وتفسیر قرآن) میں شامل ہے۔
2. ابن عاشور، التفسیر: ۶/۶۹
3. أحمد بن حنبل، المسند: ۷/۲۵۵۴ والحاکم، المستدرک: ۳۲۱۰
4. صحیح البخاری: ۴۵ وصحیح مسلم: ۳۰۱۷

روشنی ڈالی گئی ہے، جنھیں اجمالی طور پر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے اپنے پسندیدہ دین کو مکمل کر دیا اور اسلام ایسی بڑی نعمت کو ہر لحاظ سے کامل ٹھہرایا۔

۲۔ دینِ اسلام اعتقاد و ہدایت اور اَخلاق و اعمال کے لحاظ سے یقینی علم پر مبنی ہے۔ اس میں ظن اور تقلید کے لیے کوئی راہ نہیں۔

۳۔ اللہ کا دین ہمیشہ سے ایک ہی چلا آیا ہے۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں اور طریقوں میں اختلاف رہا ہے۔

۴۔ سب پیغمبروں نے اللہ کے دین کے اصول یہ بتائے ہیں: ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور عمل صالح۔

۵۔ قرآن مجید دوسری الہامی کتابوں پر مُھَیْمِنٌ (نگہبان)، رَقِیْبٌ (پاسبان) اور شَھِیْدٌ (گواہ) بن کر آیا ہے۔

۶۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ تمام دنیا کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ کو عام تبلیغ کا حکم ملا ہے۔ آپ ﷺ نے اہل کتاب کے ان احکام کو ظاہر کیا جنھیں وہ چھپاتے تھے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا تھا۔ کوئی شخص آپ ﷺ کو ضرر نہ پہنچا سکا اور نہ تبلیغ رسالت سے روک سکا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات سے روک دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے ایسے سوالات پوچھیں جو پوچھنے والوں کے لیے باعث تکلیف بن جائیں۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے انفرادی اور جماعتی اصلاح واجب ٹھہرا دی اور حکم دیا کہ لوگوں کو حق اور نیکی کی طرف بلاؤ اور برائی سے روکو۔

۱۰۔ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تعاون اور گناہ اور سرکشی کے کاموں سے عدم تعاون اور علیحدگی کا حکم دیا۔

۱۱۔ کھانے پینے کے بارے میں حلال و حرام کی تفصیلات۔ ذاتی اعتبار سے حرام اور دینی اعتبار سے حرام چیزوں کا بیان۔

۱۲۔ شراب اور جوا (قمار) حرام ہیں۔

۱۳۔ تمام دنیوی معاملات میں ایفائے عہد کو ضروری قرار دیا۔

۱۴۔ کسی قوم پر بغض و عداوت کی وجہ سے زیادتی کرنا ممنوع ٹھہرایا۔

۱۵۔ شہادت بالقسط اور مسلم وغیر مسلم، اپنے اور پرائے کے درمیان عدل وانصاف کی تلقین۔

۱۶۔ کعبہ کو بیت الحرام ٹھہرانے کی حکمت۔

۱۷۔ نماز کے لیے اذان کا بیان۔

۱۸۔ وضو، غسل اور تیمم کے احکام۔

۱۹۔ ایمان والوں کو کفار کی دوستی سے ممانعت۔

۲۰۔ تعزیرات وعقوبات کا بیان، مثلاً فساد فی الارض، اہل عدل کے خلاف بغاوت اور چوری وغیرہ کی سزائیں۔

۲۱۔ قسم اور اس کا کفارہ۔

۲۲۔ موت سے پہلے وصیت۔

۲۳۔ تقویٰ کا حکم۔

۲۴۔ حرم میں شکار اور محرمات احرام کے احکام۔

۲۵۔ آخرت میں جزا سزا کا معاملہ خدائے واحد کے ہاتھ میں ہے اور اُس دن صدق ہی لوگوں کو فائدہ پہنچائے گا۔ زمین وآسمان کی بادشاہی خدا کو زیب دیتی ہے۔

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَہ

معانی ومطالب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①	اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو، تم کو چوپائے جانور بجز ان کے جو تمھیں پڑھ کر سنائے جائیں گے حلال کر دیے گئے ہیں مگر احرام حج میں شکار کو حلال نہ جاننا، خدا جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

آیت:۱۔تشریح الفاظ

اَوْفُوْا: فعل امر، پورا کرو۔ وَفَاء: اور اِيْفَاء دونوں ہم معنی ہیں۔یعنی بلاکم وکاست پورا کرنا۔

اَلْعُقُوْدِ: واحد عَقْد بمعنی گرہ، باندھنا، اس کی ضد حَل کھولنا ہے۔حل وعقد بمعنی بست وکشاد معروف ہے۔ عقد نکاح بھی مستعمل ہے۔یہ عہد و پیمان اور پکے وعدے کے لیے استعمال ہوا ہے۔کتاب وسنت کے مطابق دین ودنیا کے ہر قسم کے عہد و پیمان کو حاوی ہے۔خواہ خرید وفروخت اور نکاح وطلاق سے متعلق ہو یا عبادات اور نذر و نیاز سے۔

بَهِيْمَةُ: چوپائے۔جمع بَهَائِم ہے، بُهْمٌ سے نکلا ہے، ابہام اور مبہم عام مستعمل ہیں۔

اَلْاَنْعَامِ: مویشی جیسے اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، دُنبہ وغیرہ۔ اُحِلَّتْ: حلال کیے گئے۔

يُتْلٰى: مضارع مجہول۔ پڑھا جائے، تلاوت کیا جائے۔ مراد ہے حرام ٹھہرانے والی آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ......﴾ کی تلاوت یعنی جس چیز کو قرآن وحدیث حرام قرار دیں۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ: بغیر حلال ٹھہرانے کے شکار کو۔

حُرُم: (واحد، حَرَامٌ) احرام کی حالت میں، یعنی حج یا عمرہ کے لیے اِحرام باندھنے کے بعد یا حدود حرم میں داخل ہونے کے بعد شکار نہیں کرتے اور نہ شکار کیے ہوئے حلال جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ غَيْرَ مُحِلِّي حال واقع ہوا ہے۔ مُحِلِّي اصل میں مُحِلِّيْنَ تھا۔ن بوجہ مضاف کے حذف کر دیا گیا۔

مفہوم ومطلب: معاہدوں کی پابندی اور حلال جانوروں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ کے آغاز میں مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو۔ یہ وعدے تین طرح کے ہو سکتے ہیں:

۱۔ اللہ اور بندوں کے درمیان جیسے احکام وعبادات۔

۲۔ دو بندوں کے درمیان، جیسے نکاح، شراکت، کاروبار، خرید وفروخت، وصیت وغیرہ۔

۳۔ بندے کا اپنے دل سے عہد و پیمان، جیسے نذر ومنت وغیرہ (جائز طریقے سے)۔ پھر ان میں سے بعض احکامِ شریعت کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بھیڑ بکری، گائے، اونٹ وغیرہ تمھارے لیے حلال ٹھہرائے ہیں البتہ وہ جانور حرام ہیں جن کا ذکر تیسری آیت میں آئے گا اور جب تم حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لو یا حدودِ حرم میں داخل ہو جاؤ تو شکار کرنا یا شکار کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ تو تمھاری بہبودی اور بہتری کے پیش نظر فیصلے صادر فرماتا اور حکم جاری کرتا ہے۔ احرام باندھ لینے کے بعد ارض حرم میں ہو یا باہر شکار کرنا یا اس کا گوشت کھانا مُحرم کے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح حدودِ ارض حرم کے اندر پہنچ کر شکار یا شکار کا گوشت کھانا جائز نہیں خواہ اِحرام نہ بھی باندھا ہو۔[۱] اللہ کا حکم بہر حال نافذ ہوگا۔ اس کے حکم سے کوئی انکار نہیں ہوسکتا۔ اس کا حکم آخری اور قطعی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى	اے ایمان والو! خدا کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کی اور نہ ان جانوروں کی (جو خدا کی نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں۔ اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے پروردگار کا فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہو کر عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں اور جب احرام اتار دو تو شکار کر سکتے ہو اور لوگوں کی دشمنی

۱۔ یعنی ارضِ حرم میں کیا گیا شکار معصیت ہے اور معصیت میں شرکت بھی حرام ہے، لہٰذا شکار کا گوشت بھی نہ کھایا جائے۔ البتہ عام حلال جانوروں کو ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔

الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝	اس وجہ سے کہ انھوں نے تم کو مسجد الحرام سے روکا تھا تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ ان پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔

آیت:۲۔تشریح الفاظ

لَا تُحِلُّوْا: نہ توڑو، بے حرمتی نہ کرو۔

شَعَآئِرَ اللّٰهِ: اللہ کے مقررہ دستور، اللہ کی حدود، حلال و حرام، تمام مناسک حج، دین کے فرائض، علامات، نشانات، صفا و مروہ، قربانی کے جانور وغیرہ۔ شعائر کا مفرد شِعَارَہ اور شَعِیْرَہ آتے ہیں۔

الشَّهْرَ الْحَرَامَ: مفرد استعمال کر کے جنس مراد لی ہے، یعنی الشَّهْرَ الْحَرَامِ عزت و حرمت والے چار مہینے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان مہینوں میں لڑنا جھگڑنا منع ہے۔

الْهَدْيَ: مفرد هَدِيَّة۔ ہر وہ جانور (اونٹ، بھیڑ، بکری، گائے وغیرہ) جسے بیت اللہ کے لیے نذر کر دیا جائے۔[1]

اَلْقَلَآئِدَ: (واحد، قِلَادَہ ہے۔ جس شے سے قربانی کے جانوروں کو باندھا جائے، مثلاً رسی وغیرہ۔ القلائد سے مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوئے ہوں۔

آٰمِّيْنَ: اسم فاعل، ا، م، م سے نکلا ہے۔ الْبَيْتَ الْحَرَامَ: کعبہ، بیت اللہ۔

آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ: حج کے لیے کعبہ کا قصد کرنے والے۔

يَبْتَغُوْنَ: طلب کرتے ہوئے۔ بغی، ابتغی باب افتعال ہے۔ فَضْلًا: تجارت میں فائدہ، ثواب۔

حَلَلْتُمْ: تم احرام کھول دو، حدود حرم سے باہر نکل جاؤ۔ رِضْوَانًا: خوشنودی۔

فَاصْطَادُوْا: فعل امر ہے، اِصْطَادَ، (واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف) صَیْد سے باب افتعال۔ شکار کرو۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ: جَرَمَ يَجْرِمُ جَرْمًا بمعنی اکسانا، کاٹنا، تمھیں نہ اکسائے، برانگیختہ نہ کرے۔

[1] یعنی قربانی کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

شَنَاٰنُ: دشمنی، بغض و عداوت۔ صَدُّوْكُمْ: تمھیں روکا۔

اَلْبِرّ: نیکی کے کام جن کے کرنے سے اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے۔ حسن خلق کا نام البِرّ ہے۔[1]

اَلتَّقْوٰی: گناہوں اور برائیوں سے اجتناب کا نام ہے۔ تَعْتَدُوْا: تم زیادتی کرو۔

اَلْاِثْم: ہر قسم کے گناہ کو اِثْمٌ کہتے ہیں، جو چیز تمھارے دل میں کھٹکے اور تم چاہو کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو تو وہ اِثْمٌ یعنی گناہ ہے۔[2]

مفہوم و مطلب: سفر حج میں شکار کے احکام

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان لانے والو! اللہ کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہ نکلو۔ دین کے تمام احکام پورے طور پر بجا لاؤ، حج کے مناسک میں کمی بیشی کی کسی کو اجازت نہیں۔ وقوف عرفہ، طواف، سعی، رَمی (کنکریاں پھینکنا) وغیرہ تمام امور و رسوم کو اچھی طرح کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کسی مومن کو یہ اجازت نہیں کہ حرمت والے مہینوں (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب) بالخصوص حج کے موسم میں مشرکین سے جنگ کرے۔

یہ بھی جائز نہیں ہے کہ قربانی کے وہ جانور جنھیں بیت اللہ لے جا کر قربِ الٰہی کے لیے ذبح کرنا مقصود ہے انھیں راستے میں روک لیا جائے۔ ایسے جانوروں کی چوری، غصب اور حبس بے جا سب ممنوع ہیں۔ جن جانوروں کے گلے میں پٹے بندھے ہوئے ہوں ان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ یہ بھی مفہوم ہے کہ قربانی کے ایسے جانوروں کے گلے سے پٹہ، رسی یا کوئی اور علامت یا نشانی والی چیز کو اتارنا جائز نہیں۔

اس آیت میں مومنوں کو بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کو روکنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی کافر، مشرک کعبہ میں حج، عمرہ یا تجارت اور کاروبار کے لیے آنا چاہے تو اسے روکا نہ جائے (بعد میں مشرکین کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا: ﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾[3] (یعنی اس سال کے بعد مشرک مسجد الحرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں)۔

جب تم احرام اتار دو یا ارضِ حرم سے باہر چلے جاؤ تو تمھیں شکار وغیرہ کی اجازت ہے۔ یہ ممانعت تو صرف سرزمین حرم میں قیام کے دوران میں یا احرام کی حالت میں تھی۔ یہ درست ہے کہ مشرکین مکہ نے

[1] صحیح مسلم: ۲۵۵۳

[2] صحیح مسلم: ۲۵۵۳

[3] التوبۃ: ۹/ ۲۸

مومنوں کو زیارت بیت اللہ سے باز رکھنے کے لیے حدیبیہ کے مقام پر ۶ھ میں روک دیا تھا۔[1] لیکن یہ مومن کی شان کے منافی ہے کہ وہ اس بغض وعداوت کی بنا پر کسی کافر یا مشرک کو زیارت بیت اللہ سے روک دے۔ مومن کو اعلیٰ کردار کا سبق دیا گیا ہے کہ اگر مشرکوں نے حماقت کر کے تمھیں ۶ھ میں مسجد حرام کی زیارت سے روک دیا تھا تو تمھیں قطعاً زیب نہیں دیتا کہ تم بھی اسی انداز میں انتقام لو اور مشرکوں کو حج یا عمرہ سے روکو۔

آخر میں فرمایا کہ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو کیونکہ اس سے انسانی معاشرے کا قیام و بقا ہے اور انسانوں کے لیے نیکی ہی میں سکون وراحت ہے۔ برائی، گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون اور شرکت سے روک دیا، کیونکہ ظلم و جور، گناہ اور برائی سے انسانی معاشرہ امن وسکون سے محروم ہو جاتا ہے۔ نیکی تو یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کو فائدہ پہنچائے اور رضائے الٰہی کا طالب رہے۔ عالم اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے، مالدار آدمی اپنی دولت سے غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کے کام آئے، بہادر انسان کمزوروں کو ظلم سے بچائے۔

تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں، اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ظلم اور گناہ کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔ اگر کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، یا کسی پر ظلم وزیادتی کرتا ہے تو اس کی مدد نہ کرو، بلکہ اسے روک دو۔ نیکی سے محبت اور بُرائی سے نفرت پیدا کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ نیک کام کر کے دل خوش ہوتا ہے اور گناہ سے ضمیر مردہ ہو جاتا ہے، بلکہ گناہ کانٹا بن کر دل میں کھٹکتا رہتا ہے۔

آیت کو ختم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دلوں میں اللہ کا ڈر پیدا کرو۔ اس کی گرفت بڑی سخت ہے۔ اس کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے تو پھر اس سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ	تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سوّر کا گوشت اور
الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ	جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ	جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر اور جو گر

[1] البیہقی، دلائل النبوۃ: ۴/ ۹۰۔ صلح حدیبیہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۸/ ۳۵-۶۶

وَالنَّطِيۡحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ذٰلِكُمۡ فِسۡقٌ اَلۡيَوۡمَ يَـئِسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡـنِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا فَمَنِ اضۡطُرَّ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳	کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کافر تمھارے دین سے ناامید ہو گئے، تم ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو (اور) آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا، ہاں! جو شخص بھوک سے ناچار ہو جائے بشرطیکہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت: ۳۔ تشریح الفاظ

حُرِّمَتۡ: ماضی مجہول۔ حرام کر دیے گئے۔ الۡمَيۡتَةُ: مرا ہوا جانور، مردار، جو جانور اپنی طبعی موت مر گیا ہو۔

الدَّمُ: خون جو بہایا گیا۔ بہنے کے بعد منجمد خون بھی اس میں شامل ہے۔

لَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ: سور کا گوشت۔ اُهِلَّ: شہرت دیا جائے، مشہور کیا جائے، پکارا جائے۔

الۡمُنۡخَنِقَةُ: گلا گھٹ کر مرا ہوا، خواہ کوئی آدمی کسی جانور کا گلا بند کر کے مار ڈالے، یا کسی اور وجہ سے گلا گھٹ جائے۔ (خُناق، مادہ خَنَق)۔

الۡمَوۡقُوۡذَةُ: ضرب اور چوٹ سے مرا ہوا، لکڑی یا پتھر یا کسی اور چیز سے جانور کو مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ وَقَذَ يَقِذُ وَقۡذًا بمعنی شدید ضرب لگانا۔

الۡمُتَرَدِّيَةُ: کسی بلند جگہ سے گر کر مرا ہوا، پہاڑ سے، مکان کی چھت سے، یا کنویں میں گر کر مر جائے۔ رَدِيَ يَرۡدَى بمعنی گرنا، ہلاک ہونا، خواہ جانور خود بخود گر کر مر جائے یا کوئی آدمی اسے گرائے دونوں کا حکم ایک ہے۔ اَكَلَ: کھایا۔ ماضی معروف۔

السَّبُعُ: چیرنے پھاڑنے والے جانور، جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ مراد ہے۔ وہ جانور مر چکا ہو۔[1]

النَّطِيحَةُ: نَطَحَ يَنْطَحُ بمعنی سینگ مارنا۔ کسی دوسرے جانور کے سینگ کی ضرب سے مرا ہوا۔

ذَكَّيْتُمْ: تم ذبح کرلو (بصورت زندہ)۔ ذُبِحَ: ذبح کیا جائے۔ ماضی مجہول۔

النُّصُبِ: پتھر جو پوجا کے لیے نصب کیے جاتے تھے۔ مراد بُت، تھان وغیرہ جن پر اہل عرب جانور ذبح کر کے خون گراتے تھے۔

تَسْتَقْسِمُوا: قَسَمَ يَقْسِمُ سے اِسْتِقْسَام بمعنی بانٹنا، تقسیم کرنا، باب استفعال ہے۔ تم قسمت معلوم کرو۔

اَزْلَام: (واحد، زَلَم) لکڑی کے تیر، زمانہ جاہلیت میں اہل عرب جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو پہلے فال کے ذریعہ قسمت معلوم کرتے تھے۔ ایک مٹکے میں دس تیر ہوتے۔ ایک پر لکھا ہوتا کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا۔ اگر یہ تیر نکلتا تو کام شروع کر دیا جاتا۔ دوسرے تیر پر لکھا ہوتا کہ میرے رب نے منع کیا ہے۔ جب یہ تیر نکلتا تو وہ کام سے باز رہتا۔ تیسرے پر کچھ بھی نہ لکھا ہوتا۔ اس تیر کے نکلنے کے بعد وہ آدمی پھر قرعہ اندازی کرتا اور قسمت آزماتا۔ یہ جوے اور قسمت کے تیر کہلاتے تھے۔ (قِدَاحُ الْمَيْسِرِ)۔[2] فِسْقٌ: خدا کی نافرمانی، گناہ۔

اَلْيَوْمَ: آج کے دن، یعنی حجۃ الوداع، ۱۰ھ، یوم عرفہ، بروز جمعۃ المبارک، جس دن یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی،[3] لیکن بعض کے نزدیک اس دن سے فتح مکہ مراد ہے۔[4]

يَئِسَ: اَيِسَ يَئِسُ اِيَاسًا۔ مایوس ہونا، ناامید ہونا۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ: خَشِيَ يَخْشٰى۔ ڈرنا، پس ان سے نہ ڈرو۔

رَضِيتُ: رَضِيَ يَرْضٰى۔ پسند کرنا، راضی ہونا، میں نے پسند کیا۔

---

[1] اگر کتا مالک کے لیے کسی جانور کا شکار کرے اور وہ بغیر خون نکلے مرجائے تو اس بارے میں دو قول ہیں: (۱) خون نکلنا ضروری ہے کیونکہ اللہ نے جوارح کا لفظ بیان فرمایا جس میں زخم کا معنی شامل ہے۔ (۲) خون نکلنا ضروری نہیں۔ اگر شکار صدمے سے مرجائے تو بھی حلال ہے۔ (تفسیر قرطبی، المائدہ:۴) راجح قول یہ ہے کہ خون نکلنا ضروری ہے کیونکہ اس کی دلیل زیادہ واضح ہے۔

[2] الرازی، التفسیر، المائدہ:۳

[3] صحیح البخاری:۴۵ وصحیح مسلم:۳۰۱۷

[4] القرطبی، التفسیر، المائدہ:۳، لیکن امام قرطبی نے یہ قول پیش کرنے کے بعد اس کی تردید بھی کی ہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع والا قول راجح ہے۔

اُضْطُرَّ: ناچار ہو جائے، مجبور ہو جائے، اضطراری حالت میں ہو۔ مَخْمَصَةٍ: بھوک، خالی پیٹ۔

مُتَجَانِفٍ: مائل، جھکنے والا۔ مادہ جنف ہے۔

مفہوم و مطلب: ذبح کے احکام اور غیر مذبوح کی اقسام

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کی حدود متعین کرتے ہوئے ایمان والوں کو کھلے الفاظ میں بتایا کہ مندرجہ ذیل چیزیں کھانا حرام ہے کیونکہ بنی نوع انسان کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔ طبی اور شرعی لحاظ سے یہ چیزیں انسانی صحت کے لیے مضر ہیں:

۱۔ مردار، مردہ جانور کو کھانے سے طبع سلیم نفرت کرتی ہے، البتہ مچھلی کو آنحضرت ﷺ نے حلال قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "دریا اور سمندر کا پانی پاک ہے اور پانی کا مردہ یعنی مچھلی حلال ہے۔"[۱] مچھلی کے علاوہ دوسرے مردہ جانوروں کو کھانے سے سینکڑوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔[۲]

۲۔ جانوروں کا بہایا ہوا خون خواہ منجمد ہو چکا ہو، البتہ طبعی طور پر منجمد خون یعنی کلیجہ اور تلی (طحال) یہ دونوں مستثنیٰ ہیں، ان کا کھانا حلال ہے۔[۳]

۳۔ سؤر کا گوشت، کیونکہ اس کے گوشت میں ایسے جراثیم موجود ہیں جو طبی لحاظ سے مضر صحت ہیں۔ سؤر کا گوشت کھانے سے حرکت قلب بند ہو جانے، خون کا دباؤ اور معدے کی کئی ایک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۴۔ غیر اللہ کے نام سے پکارا ہوا جانور یا کھانا وغیرہ، اس میں غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز بھی شامل ہے۔

۵۔ گلا گھٹ جانے سے مرا ہوا جانور، خواہ گلا گھٹنے کی وجہ آدمی ہو یا کوئی اور چیز۔ عرب کے بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں ایسے جانور کو کھا لیتے تھے۔ قرآن مجید نے ایسے جانور کو کھانے سے منع فرمایا۔

۶۔ وہ جانور جسے کسی لکڑی، لوہے یا پتھر سے مار مار کر ہلاک کر دیں، جاہلی عرب ایسے جانور کو بھی کھا لیتے تھے۔ اسلام نے "موقوذہ" کو حرام قرار دیا کیونکہ یہ بھی مردار کے حکم میں ہے۔

علاوہ ازیں اسلام جانوروں کو عذاب اور تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جب جانور کو ذبح کرو تو تیز دھار والی چھری سے ذبح کرو۔"[۴] تاکہ وہ جلدی ذبح ہو جائے۔ اسلام کے نزدیک

---

[۱] سنن أبي داود: ۸۳ و سنن الترمذي: ۶۹

[۲] مچھلی کے علاوہ دیگر آبی جانوروں کو کھانے کے بارے میں اختلاف ہے، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ خشکی کے تمام حلال جانور اس وقت حرام ہیں جب وہ شرعی طریقے سے ذبح نہ کیے جا سکیں اور مر جائیں۔ (تفسیر بیضاوی، المائدہ: ۹۶)

[۳] سنن ابن ماجہ: ۳۳۱۴

[۴] صحیح مسلم: ۱۹۵۵ و سنن أبي داود: ۲۸۱۵

جانور کو ذبح کرنا مقصود ہے، عذاب اور تکلیف دینا مقصود نہیں۔

۷۔ وہ جانور جو پہاڑ یا کسی اونچی جگہ سے یا کنویں وغیرہ میں گر کر مر جائے، ایسا جانور بھی مردار کے حکم میں آتا ہے۔

۸۔ وہ جانور جو دوسرے جانور کے سینگ لگنے سے ہلاک ہو جائے۔

۹۔ کسی درندے کا پھاڑا ہوا جانور جو مر چکا ہو۔ زمانہ جاہلیت کے عرب ایسے مردار کو کھا لیتے تھے، لیکن اسلام نے منع فرما دیا، البتہ اگر کوئی درندہ کسی جانور کو پھاڑ ڈالے، پھر اس جانور میں زندگی باقی ہو تو اسے صحیح طور پر گردن پر چھری چلا کر ذبح کیا جائے اور اس سے خون بہنے لگے تو ایسے مذبوحہ کو کھانا جائز و حلال ہے۔

۱۰۔ ایسا جانور جسے کسی بت یا تھان پر نذر چڑھا کر ذبح کریں۔

ان دس صورتوں میں جانوروں کو کھانا حرام ٹھہرانے کے بعد فرمایا کہ توہّم پرستی انسان کو اخلاقی طور پر کمزور بنا دیتی ہے۔ اس لیے تیروں سے فال لینا توہم پرستی سے کم نہیں۔ انسانی شرافت اور بزرگی کے منافی ہے، اس لیے یہ بھی حرام ہے۔ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حدود کو توڑنا گناہ ہے اور گناہ سے بچنا مومن کا شیوہ ہے۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے ہر موج دریا سے ٹکرا جائے۔ کمزور عقیدہ اخلاقی اور روحانی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ اسلام نے انسانوں کو اس توہم پرستی سے بچایا اور انسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے انھیں استخارہ سکھایا، تاکہ ایک مومن کے تعلقات اللہ تعالیٰ سے زیادہ مضبوط ہو جائیں اور وہ ہر معاملے میں اللہ پر بھروسا کرنے کا خوگر بن جائے۔

استخارہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی مومن کسی کام کا ارادہ کرے تو وہ وضو کر کے دو رکعت ادا کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی دعا مانگے اور برائی اور تکلیف سے بچنے کی درخواست کرے۔ کتب حدیث میں دعائے استخارہ موجود ہے۔[1]

پھر فرمایا کہ آج یعنی حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن جمعہ کی شام کو اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ اب وہ بالکل ناامید اور مایوس ہو چکے ہیں۔ ان کی یہ تمنا اور منصوبہ کہ اسلام کو نیچا دکھائیں کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ وہ اسلام کو مٹانا چاہتے تھے، اللہ نے ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ اب ان کی طرف سے خطرہ کم محسوس ہوگا، ان کا ڈر دلوں سے نکال دو۔ وہ نہ تو تمھارے دین کو باطل ٹھہرا سکتے ہیں اور نہ تمھیں

[1] صحیح البخاری: ۶۳۸۲ و سنن أبي داود: ۱۵۳۸

دین سے منحرف کر سکتے ہیں۔ ان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں، اللہ تعالیٰ کا ڈر تمھارے دلوں میں بسنا چاہیے۔ اس کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈر جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام چیزوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرما دیا ہے۔ حلال اور حرام واضح ہو چکے ہیں۔ ایمان والوں پر اِتمام نعمت بھی ہو چکا ہے۔ اللہ نے مومنوں کے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے۔

آیت کو شروع کیا تھا کہ فلاں فلاں جانور حرام ہے، اب آیت کو ختم کرتے وقت پھر بتایا ہے کہ اگر کوئی مومن انسان بھوکوں مر رہا ہو تو اس کے لیے ان چیزوں کو بحالت مجبوری کھا لینے میں چنداں مضائقہ نہیں، مقصد بھوک کو روکنا ہو، نہ یہ کہ جانوروں کو کاٹ کاٹ کے ختم کر دیا جائے۔ مقصد یہ ہو کہ پیٹ میں کوئی ہلکی سی غذا مہیا کی جائے، نہ کہ لذت و ذائقہ کے لیے حرام چیزوں سے پیٹ بھر لیں۔ اگر اس کے بعد کسی سے کوئی لغزش یا کوتاہی ہو جائے اور اس کا میلان گناہ کی طرف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

آپ سے (مومن) پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ (ان سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال ہیں اور وہ شکار بھی حلال ہے جو تمھارے لیے ان شکاری جانوروں نے پکڑا جن کو تم نے سدھا رکھا ہو اور جس (طریق سے) خدا نے تمھیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانور چھوڑتے وقت) خدا کا نام لے لیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو، بے شک خدا جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪

آج تمھارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے اور

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝	تمھارا کھانا ان کو حلال ہے اور پاکدامن مسلمان عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں (بھی حلال ہیں) جب کہ ان کے مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو، نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی اور جو شخص شرائع اسلام کا انکار کر دے[1] اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

آیات: ۴ تا ۵۔ تشریح الفاظ

يَسْئَلُوْنَكَ: يَسْئَلُوْنَ۔ وہ یعنی مومن سوال کرتے ہیں۔ كَ، آپ سے۔ اے نبی! مسلمان آپ سے پوچھتے ہیں۔

مَاذَا: کیا، کون سی۔ اُحِلَّ: ماضی مجہول۔ حلال کی گئی۔

قُلْ: قَالَ يَقُوْلُ سے فعل امر ہے۔ کہہ دو۔ عَلَّمْتُمْ: تم سدھاؤ، تم سکھاؤ۔

الطَّيِّبٰتُ: (خَبِيْث کی ضد ہے) پاکیزہ، صاف ستھری، جو چکھنے میں مزیدار اور کھانے میں صحت بخش ہو۔ جسے طبع سلیم پسند کرے اور اس کے کھانے سے نفرت محسوس نہ کرے۔

الْجَوَارِح: (مفرد، جَارِحَة ہے) لفظی معنی کمانے والے۔ مراد شکاری جانور، مثلاً کتے، باز، عقاب وغیرہ۔ انسانی اَعْضَاء کو بھی جَوَارِح کہتے ہیں کیونکہ ان سے کام کاج کر کے روزی کمائی جاتی ہے۔

مُكَلِّبِيْنَ: سدھاتے ہوئے۔ مُكَلِّب کا لفظی معنی ہے کتوں کو سدھانے والا۔ یہاں ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ مُكَلِّبِ کے مفہوم میں تمام شکاری جانوروں کو شکار پکڑنے کی تربیت دینا ہے کیونکہ اکثر شکار کتے سے کھیلا جاتا تھا، باقی جانوروں سے بہت کم۔

فَكُلُوْا: (فَ، كُلُوْا) فَ بمعنی پس، كُلُوْا تم سب کھاؤ۔

اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ: تمھارے لیے پکڑے رکھے (اور خود نہ کھائے)۔

[1] ایمان کے معنی شرائع اسلام کیے گئے ہیں اور کفر سے مراد اُن کا انکار اور قبول کرنے سے اجتناب ہے۔ (البیضاوی، التفسیر، المائدہ:۵)

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ: شکاری جانوروں کو شکار کے لیے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

طَعَامُ: لفظی معنی کھانا، مراد ذبیحہ۔ أُوْتُوا الْكِتٰبَ: کتاب دیے گئے، یعنی اہل کتاب، یہود ونصاریٰ۔

الْمُحْصَنٰتُ: (حصن) پاکدامن، شریف عورتیں۔

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ: تم دے دو انھیں، تم انھیں ادا کرو۔ أُجُوْرَ: حق مہر۔

مُحْصِنِيْنَ: بغرض نکاح، یعنی نکاح کے ذریعے عفت و پاکدامنی قائم رکھتے ہوئے (حال)۔

مُسٰفِحِيْنَ: (س ف ح) کھلم کھلا زنا کرنے والے، کھلے بندوں بدکاری کرنے والے۔

مُتَّخِذِيْٓ: اَخَذَ سے اِتَّخَذَ باب افتعال۔ اِتِّخَاذ بمعنی پکڑنا۔ اصل میں مُتَّخِذِيْنَ تھا۔ آخری نون (ن) بوجہ مضاف حذف ہو گیا ہے۔

اَخْدَان: (مفرد خِدْنٌ ہے) دوست۔ عورت اور مرد دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بِالْاِيْمَانِ: شرائع اسلام اور احکامِ دین کے ساتھ۔ حَبِطَ: ساقط ہو گیا۔

عَمَلُهٗ: ثواب اس کا۔ الْخٰسِرِيْنَ: گھاٹا پانے والے۔ خسارہ یا نقصان اٹھانے والے۔

مفہوم ومطلب: کتے سے شکار اور اہل کتاب کے ذبیحہ کے احکام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان والے طبعی طور پر پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کن کن چیزوں کا کھانا حلال ہے؟ اس سوال کے جواب میں خداوند کریم نے فرمایا کہ ہر پاکیزہ چیز حلال کر دی گئی ہے۔ پاکیزگی کا تقاضا ہے کہ کوئی طبع سلیم اس کے کھانے سے نفرت نہیں کرتی۔ اسی طرح سدھائے ہوئے شکاری جانوروں (مثلاً کتا، باز، عقاب وغیرہ) کا شکار بھی تمھارے لیے حلال ہے۔ اس میں پاکیزگی کی خاطر شرط یہ لگا دی کہ ان شکاری جانوروں کو تم نے خوب اچھی طرح تربیت دے رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے ذریعہ تم نے ان جانوروں کو شکار کرنا سکھا رکھا ہے۔ تمھارا کتا اور باز وغیرہ جانتے ہیں کہ شکار تمھارے لیے ہے۔ اس لیے وہ شکار کو پکڑ کر تمھارے پاس لے آتے ہیں۔ اس شکار کو وہ خود نہیں کھاتے۔ تمھاری تربیت کامل ہے ناقص نہیں، اس لیے تمھارا کتا یا باز اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ تمھارے لیے شکار کر رہا ہے۔ وہ تمھاری آواز کو سمجھتا ہے۔ تمھارا کہا مانتا ہے۔ جب تم بسم اللہ پڑھ کر اسے کسی جانور کے پیچھے چھوڑتے ہو تو وہ شکار پکڑ کر تمھارے پاس آ جاتا ہے۔ وہیں کسی درخت کے نیچے یا پانی کے کنارے بیٹھ کر خود نہیں کھانے لگتا۔ تم اسے بلاتے ہو تو دوڑا آتا ہے۔ کہیں بھیجتے ہو تو دوڑا جاتا ہے۔ تمھارا حکم بہر حال مانتا ہے۔

علماء اور ائمہ دین میں اس بات پر اختلاف ہے کہ اگر کتا یا باز وغیرہ شکار کو تھوڑا بہت کھا جائے تو وہ شکار مومن کے لیے حلال ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حلال ہے، پھر بعض کا خیال ہے کہ کتے کا کھایا ہوا حلال نہیں۔ باز، شکرے یا عقاب کا کھایا ہوا حلال ہے۔ لیکن جمہور علمائے اسلام کے نزدیک شکاری جانور (خواہ کتا ہو یا باز) کے کھائے ہوئے شکار میں سے کھانا مومن کے لیے حلال نہیں۔ کیونکہ کتے یا باز نے شکار اپنے لیے کیا ہے تمھارے لیے نہیں کیا۔ اگر تمھارے لیے کرتا تو اس میں سے خود نہ کھاتا۔[1]

بسم اللہ پڑھ کر چھوڑنے کے بعد شکاری جانور کسی شکار کو پکڑ لائے اور وہ شکار تم تک پہنچتے پہنچتے مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔[2] اگر شکار زندہ ہو تو ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہہ کر اسے ذبح کر لیا جائے۔ علماء کے نزدیک تیر، بندوق وغیرہ سے شکار کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر بندوق چلاؤ۔ شکار زندہ ہو تو ذبح کرلو اور اگر مر چکا ہو تو ذبح کے برابر ہے۔ اس ضمن میں اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا حکم دیا ہے تاکہ شکاری کے دل میں اللہ کا خوف موجود رہے۔ وہ حرام کو خواہ مخواہ حلال نہ ٹھہرائے اور حلال کے لیے حرام کا حکم نہ لگا دے۔ فرمایا کہ انجام کار معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ تمھیں اس کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ وہ حساب لے گا۔ اس لیے اپنا معاملہ صاف رکھو۔

پھر اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حجۃ الوداع کے اس بابرکت دن سے مومنوں کے لیے پاکیزہ چیزوں کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کے ذبح کیے ہوئے جانور بھی شامل ہیں، البتہ سؤر حرام ہے، کیونکہ اس کی تصریح کر دی گئی ہے اور تمھارے ذبح کیے ہوئے جانور یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے حلال ہیں۔ یہ اتفاق کھانے پینے ہی کے معاملات میں نہیں بلکہ ازدواجی زندگی تک اس اتفاق و اتحاد کا پھیلاؤ ہے۔ جہاں پاکباز ایماندار عورتیں تمھارے نکاح میں آسکتی ہیں وہاں یہود و نصاریٰ کی معزز اور پاکدامن خواتین بھی تمھارے حرم کی زینت بن سکتی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ تم حق مہر ادا کرو اور مقصد یہ ہو کہ نکاح کر کے پاکبازانہ اور شریفانہ زندگی بسر کی جائے۔ میاں بیوی کی حیثیت سے رہو سہو۔ نہ تو کھلے بندوں بدکاری اور زنا مقصود ہو اور نہ چوری چھپے دوستی اور یارانہ کے پردہ میں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زنا سے روک دیا کہ نکاح کے بہانے کھلم کھلا زنا بھی شریعت میں روا نہیں اور دوستی کے پردے میں چوری چھپے بھی گوارا نہیں، کیونکہ زنا خواہ کھلم کھلا ہو یا چوری چھپے دونوں صورتوں میں

---

[1] النووی، شرح مسلم، الحدیث: ۱۹۲۹۔ شکار سے متعلق ان آیات کی سب سے زیادہ فقہی تشریح تفسیر قرطبی میں ہے۔

[2] راجح قول کے مطابق یہ ضروری ہے کہ اس کا خون نکلا ہو، جیسا کہ پچھلے حواشی میں گزر چکا ہے۔

انسانی معاشرے کے لیے تباہ کن ہے۔ انسانی معاشرے کی فلاح اور سعادت اسی میں ہے کہ شریعت کے احکام کے مطابق عقد نکاح ہو اور میاں بیوی کی حیثیت سے پر امن اور اطمینان و سکون کی زندگی بسر کی جائے۔ اسلام کے نزدیک صرف زنا ہی قابل نفرت فعل نہیں بلکہ اس کے ساتھ وہ تمام ذرائع اور دواعی بھی اتنے ہی مذموم اور برے ہیں جن سے زنا کی طرف رہنمائی ہوتی ہو۔

اس آیت کو ختم کرنے سے پہلے ایک زبردست تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شریعت کے یہ بڑے ضروری اور اہم احکام ہیں۔ جو شخص احکام دین اور شرائع اسلام کا انکار کر دے وہ انکار زبانی ہو یا دل سے ان احکام کو قبول کرنے سے گریز کرے یا عملی طور پر ان احکام کی خلاف ورزی کی جائے تو یہ انکار تمام اعمال پر پانی پھیر دیتا ہے۔ تمام کیا کرایا دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے، ساری نیکیوں کا ثواب برباد ہو جاتا ہے اور آخرت میں شرائع اسلام کا انکار کرنے والوں اور احکام دین کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سراسر نقصان اور گھاٹا ہے۔ ایمان لانے کے بعد بھی شریعت کے حکموں سے منہ موڑنا فائدہ مند تجارت نہیں ہے۔ یہ سودا تو سراسر خسارے کا ہے۔ آخرت میں کامیاب زندگی کا راز یہ بتایا کہ شریعت یعنی قرآن وسنت پر عقیدتاً اور عملاً کاربند ہو جائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥

مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے (ہو کر) آئے یا عورتوں سے ہم بستر ہوا ہو اور تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو، خدا تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے، تاکہ تم شکر کرو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦	اور خدا نے تم پر احسان کیے ہیں ان کو یاد کرو اور اس عہد کو بھی جس کا تم سے قول لیا ہے (یعنی) جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (خدا کا حکم) سُن لیا اور قبول کیا اور خدا سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ خدا دلوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔

آیات: ۶ تا ۷۔ تشریح الفاظ

قُمْتُمْ: قَامَ يَقُوْمُ سے ماضی، جمع مذکر مخاطب۔ قَامَ کے لفظی معنی کھڑا ہونا، قیام کرنا۔ یہاں مراد ہے نماز کے لیے قیام کا ارادہ کرنا، جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔

فَاغْسِلُوْا: (فَ، اِغْسِلُوْا) پس تم دھولو۔

وُجُوْهَ: وُجُوْهَ، كُمْ (واحد، وَجْهٌ) چہرے، منہ۔

اَيْدِيَ: اَيْدِيَ، كُمْ (واحد، يَدٌ) ہاتھوں۔

الْمَرَافِقِ: (واحد، مِرْفَقٌ) کہنیوں۔

امْسَحُوْا: تم مسح کرو۔

رُءُوْسِ: (واحد، رَاْسٌ) سر۔

اَرْجُلَ: (واحد، رِجْلٌ) پاؤں۔

مَرْضٰى: (واحد، مَرِيْضٌ) بیمار۔

اِلَى الْكَعْبَيْنِ: اِلٰى بمعنی مع یعنی سمیت۔ كَعْبَيْنِ دونوں ٹخنے۔ دونوں ٹخنوں سمیت (واحد، كَعْبٌ)۔

جُنُبًا: جُنبی، جسے نجاست لگی ہو، جسے غسل کی حاجت ہو۔ جُنُبًا واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

فَاطَّهَّرُوْا: پس غسل جنابت کرلو، یعنی کلی کرو، غرغرے کر کے حلق صاف کرو، ناک صاف کرو۔ وضو کے بعد اچھی طرح نہاؤ۔[1]

الْغَآئِطِ: لفظی معنی نشیبی زمین، مراد قضائے حاجت، بیت الخلا، پاخانہ وغیرہ۔

لٰمَسْتُمْ: لَمَسَ سے باب مفاعلہ۔ لَمس کرنا، چھونا، شرعی اور اصطلاحی مفہوم مباشرت کرنا ہے۔ تم نے مباشرت کی ہو۔

النِّسَآءَ: (واحد، اِمْرَاَةٌ) عورتیں۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے غسل جنابت کا طریقہ سکھایا کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے الگ ہاتھ دھوکر پہلے شرمگاہ دھونا، پھر بسم اللہ پڑھ کر مکمل وضو کرنا، پھر سر پر تین چلّو ڈال کر سارے جسم پر پانی بہانا اور اگر وضو کرتے وقت پاؤں نہیں دھوئے تو آخر میں پاؤں دھولینا، پھر وضو کے بعد والی دعا پڑھنا۔ (صحیح البخاری ۲۵۹، ۲۴۸۔ نیز دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح، باب الغسل)

فَلَمْ تَجِدُوْا: وَجَدَ يَجِدُ، بمعنی پانا، حاصل کرنا۔ تم نہ پاؤ، حاصل نہ کرسکو۔

صَعِيْدًا: مٹی۔[1] طَيِّبًا: طاہر، پاک، نجاست وغیرہ سے مبرا۔

حَرَجٍ: مشقت، تکلیف، تنگی۔ مِيْثَاقَهُ: اس کا عہد و پیمان۔

وَاثَقَ: قول وقرار لیا۔ بات پکی کی۔ اَطَعْنَا: ہم نے اطاعت کی۔

ذَاتِ الصُّدُوْرِ: (واحد، صَدْرٌ) سینوں کے بھید، دلوں کی بات۔

مفہوم ومطلب: وضو اور طہارت کے احکام

سورت کے شروع میں ایفائے عہد کی تاکید کی گئی تھی۔ اللہ اور بندے کے درمیان دو اہم عہد ہیں: ایک عہدِ ربوبیت و احسان اور دوسرا عہدِ عبودیت و اطاعت۔ عہدِ ربوبیت و احسان کے ضمن میں حلال وحرام کی وضاحت فرمائی اور نکاح ومعیشت سے متعلق ہدایات سے نوازا۔ اس کے بعد عہد عبودیت و اطاعت کی باری آئی۔ اس سلسلے میں ایمان لانے کے بعد سب سے ضروری اور اہم فریضہ نماز ہے۔ نماز عبودیت و اطاعت کی بہترین مظہر ہے۔ نماز کے لیے وضو اور طہارت کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرماتے ہوئے فرائض وضو بیان کردیے۔

فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تم ادائے نماز کا ارادہ کرو تو وضو کرلیا کرو۔ پانی سے ہاتھ دھوکر کلی وغیرہ کرو۔ منہ دھولیا کرو۔ منہ کے حدود تو واضح ہیں، یعنی پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کے درمیان۔ پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھولو۔ سر پر مسح کرو۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سارے سر کا مسح کیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سر کے کچھ حصے کا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی سر کا۔ پھر ٹخنوں سمیت پاؤں دھو ڈالو۔ وضو کا مکمل طریقہ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بالتفصیل درج ہے۔[2]

حضرت نبی کریم ﷺ عام طور پر ہر نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے۔ لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک

---

[1] صعید کے دو معنی ہیں: (۱) وجہ الارض یعنی زمین کی اوپر والی سطح، چاہے اس پر مٹی ہو یا کوئی چٹان ہو یا مخصوص دھاتی زمین ہو۔ یہ اصحاب الرائے کے نزدیک ہے۔ (۲) امام شافعی کے نزدیک مٹی ضروری ہے۔ راجح قول امام شافعی کا ہے کیونکہ وہ مجمل کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ نبی ﷺ نے مٹی کو پاک کرنے والا قرار دیا۔ (صحیح مسلم: ۵۲۲) (تفسیر بغوی، النساء: ۴۳)

[2] ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح: ۵۱۸ و بدر الدین العینی، عمدۃ القاری: ۵۱۸

وضو سے ایک سے زیادہ نمازیں ادا کر لیتے تھے۔[1] جب وضو ٹوٹ جاتا تو پھر نیا وضو کر لیتے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے ایک ہی وضو سے نمازیں ادا کیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے آج یہ خلاف معمول کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اے عمر! میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔"[2] مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے امت کو بتایا کہ ایک وضو سے دو، تین، چار یا پانچ نمازیں بھی ادا ہو سکتی ہیں۔ حدث سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں وضو پر وضو کرنا نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مصداق ہے۔

پھر فرمایا کہ جُنبی ہونے کی حالت میں یعنی جب بدن ناپاک ہو تو غسل کر لو۔ سارے بدن کو اچھی طرح پانی سے دھو کر صاف اور پاک کرو۔ پھر نماز پڑھو۔ ناپاک جسم والا بغیر نہائے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ پھر فرمایا کہ

۱۔ اگر کوئی آدمی بیمار ہو اور پانی اس کے لیے مضر ہو۔

۲۔ یا کوئی سفر کر رہا ہو۔

۳۔ یا قضائے حاجت سے فارغ ہوا ہو (حَدثِ اصغر)۔

۴۔ یا مباشرت کی وجہ سے بدن پاک نہ رہا ہو (حَدثِ اکبر)۔

ان حالات میں پانی بھی نہ مل سکے تو پاک مٹی پر ہاتھ مار کر تیمم کر لو، یعنی منہ اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لو۔ بعض کے نزدیک کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا چاہیے۔

اِن احکام سے اللہ تعالیٰ کا مقصد تمھیں تنگ کرنا نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اپنے بندوں کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کا مقصد جسم و روح کی پاکیزگی اور طہارت ہے۔ وہ تمھاری بہبودی چاہتا ہے۔ یہ اللہ کا انعام اور تکمیل نعمت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو خاص رعائتیں دیتا ہے کہ پانی نہ ملے تو غسل یا وضو کی بجائے تیمم کر لو۔ وہ صفائی اور پاکیزگی کے طریقے سکھاتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ پانچ وقت وضو کرنے سے کتنی صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ ہر روز چند گھنٹوں کے بعد گرد و غبار سے ہاتھ منہ اور ناک و کان صاف کیے جاتے ہیں۔ نہا دھو کر کتنی کوفت اور تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور ایک گونہ مسرت و نشاط حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] سنن أبي داود: ۱۷۱ و سنن الترمذي: ۵۸

[2] سنن الترمذي: ۶۱ و سنن النسائي: ۱۳۳

پھر اس پر بھی ذرا غور کرو کہ ایک نماز کی ادائیگی سے کتنی برکتیں اور سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بندہ اپنے رب سے عجز و نیاز کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ اس کے دل میں ایک طرف تو خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے، دوسری طرف اللہ کی عظمت و ہیبت۔ وہ اس کی محبت کو بڑھانے کے درپے رہتا ہے۔ اس کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ آدمی اللہ کی ناراضی اور غضب سے ڈرتا ہے اور ہر ایسے کام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس مالک حقیقی کی نافرمانی ہوتی ہو۔ نماز پابندیِ وقت اور ترتیب و نظام اور ضبط کا سبق سکھاتی ہے۔ انسان میں تواضع، انکسار اور عاجزی پیدا کرتی ہے۔ تکبر و غرور ختم کر کے غریبوں اور محتاجوں سے حسن سلوک سکھاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمھیں اسلام جیسی بڑی دولت سے بہرہ مند کیا۔ اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسلام نے تمھیں بھائی بھائی بنا دیا۔ تمھاری آپس کی نفرت و عناد کو محبت و شفقت میں تبدیل کر دیا۔ اس نعمت عظمیٰ کی یاد دہانی کے بعد فرمایا کہ تم نے عَقبہ ثانیہ کی بیعت کے موقع پر سن ۱۲ نبوت میں حضرت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر یہ قول قرار کیا تھا کہ دُکھ سُکھ اور تکلیف و راحت کی حالت میں تم آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرو گے۔[1] آپ ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو گے۔ بعد کے مسلمانوں کے لیے اسلام کا اقرار ہی اس عہد کے برابر ہے کہ ہر مسلمان رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو حجت شرعی تسلیم کرتا ہے۔ آپ ﷺ جس چیز کا حکم فرماتے ہیں اس کے سامنے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ آپ ﷺ جس شے سے روکتے ہیں ہم رک جاتے ہیں۔ قرآن ہمیں آج بھی دعوت دیتا ہے کہ ہم بھی بسر و چشم آنحضرت ﷺ کے حکم کو مانیں اور آپ کے روکنے سے ہر چیز سے رک جائیں۔ عہد شکنی کے معاملے میں خدا سے ڈرنا چاہیے۔ قیامت تک مسلمان اطاعتِ سنت رسول ﷺ کے مکلف ہیں۔ ہر مسلمان کو رسولِ خدا ﷺ کی مخالفت کرتے وقت خدا کا خوف ملحوظ رکھنا چاہیے۔ عمل تو ایک کھلی اور واضح حقیقت ہے جسے سب دیکھتے اور سنتے ہیں، لیکن خدائے قدوس ایسا علیم ہے کہ دلوں کے خدشات و خطرات اور سینوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ	مسلمانو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کو کھڑے
شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ	ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ

---

[1] أحمد بن حنبل، المسند: ۵۶ ؍ ۱۴۴۔ بیعتِ عقبہ کی تفصیل دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۵ ؍ ۱۵۰-۱۷۲

قَوۡمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ⑧	کرے کہ انصاف کو چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی تقویٰ کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ خدا تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے۔
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ⑨	جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔
وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ⑩	اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے وہ جہنمی ہیں۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ فَکَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ عَنۡکُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ⑪	اے ایمان والو! خدا نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو، جب لوگوں نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے تم سے ان کے ہاتھ روک دیے اور خدا سے ڈرتے رہو اور خدا ہی پر مسلمانوں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔

آیات:۸ تا ۱۱۔تشریح الفاظ

قَوّٰمِیۡنَ: (واحد، قَوَّامٌ) اسم مبالغہ قَائِمٌ سے۔اللہ کے حقوق کی بکثرت نگہداشت کرنے والے، اللہ کے حقوق کا بہت خیال رکھنے والے اور اللہ کے حقوق کی حفاظت میں پوری سرگرمی کا اظہار کرنے والے۔

شُهَدَآء: (واحد، شَهِیۡدٌ) بمعنی گواہ۔ — الۡقِسۡطِ: عدل وانصاف۔

اِعۡدِلُوۡا: فعل امر، عَدَلَ سے جمع مذکر مخاطب۔ انصاف کرو۔ — هُوَ: لفظی معنی وہ، مراد عدل ہے۔

اَقۡرَبُ: زیادہ قریب۔اسم تفضیل۔ — خَبِیۡرٌ: خبر رکھنے والا، خبردار۔

وَعَدَ: وَعَدَ یَعِدُ عِدَةً۔وعدہ کیا۔ — مَغۡفِرَةٌ: غفر سے نکلا ہے۔مغفرت، بخشش۔

آیاتِ: آیات سے مراد آیات قرآنی بھی ہیں اور نشانیاں بھی، خواہ وہ نشانیاں انسان کے اندر ہوں یا آفاق میں۔

اَصۡحَاب: (واحد، صَاحِبٌ) بمعنی ساتھی۔

الْجَحِيْمِ: دوزخ۔ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ سے مراد جہنمی اور دوزخی ہیں۔

هَمَّ: ہ، م، م سے واحد مذکر غائب۔ ارادہ کیا۔ يَبْسُطُوْا: بَسَطَ سے پھیلانا، دراز کرنا۔

فَكَفَّ: (فَ، كَفَّ) پس روک دیا۔

فَلْيَتَوَكَّلِ: (فَ، لْ، يَتَوَكَّلْ) ل برائے امر۔ پس چاہیے کہ توکل کریں۔

مفہوم ومطلب: گواہی اور عدل کے احکام

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کی تاکید کی، حلال وحرام کی تمیز بتائی، نکاح وازدواجی زندگی کے احکام بتائے، طہارت و پاکیزگی کی تعلیم دی۔ اب ان آیات میں فرمایا کہ دوست دشمن سب کے ساتھ عدل وانصاف کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب فرما کر حکم دیا کہ اے ایمان والو! اللہ کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ اللہ کا ہر ایک حق پوری طرح ادا کرو۔ اس کے حقوق کو نظر انداز نہ کرو۔ اس کے حقوق کی ادائیگی میں کسی قوم کی کوتاہی اور سستی کو راہ نہ دو۔ تمھارا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہو۔ ہر بات میں اِخلاص اور للّٰہیت پیدا کرو۔ دین ودنیا کے معاملات میں خلوص کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ جب گواہی کا معاملہ پیش ہو تو عدل وانصاف کے ساتھ حق بات کہو۔ کسی دینی یا دنیوی مصلحت کے پیش نظر عدل وانصاف کی راہ سے ہٹنے نہ پاؤ۔ اگر تمھاری گواہی سے دشمن کو فائدہ پہنچے اور تمھارے بھائی کو نقصان پہنچے تو بھی حق گوئی سے باز نہ آؤ۔ دشمن کی دشمنی بھی تمھیں عدل وانصاف سے نہ روکے، جس طرح تم اپنوں سے انصاف کرتے ہو اسی طرح اپنے دشمنوں سے بھی عدل وانصاف کرو۔ تقویٰ اور پرہیزگاری اسی میں ہے کہ اپنے پرائے سب سے یکساں عدل کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنوں سے تو انصاف کیا جائے اور غیروں سے بے انصافی۔ اللہ تعالیٰ کو جَور وظلم پسند نہیں۔ دنیوی اعتبار سے بھی ناانصافی ذلت وخواری اور کمینگی کا موجب ہے اور آخرت میں بھی اس کا نتیجہ ذلت آمیز عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ اس لیے عدل کے معاملے میں اللہ کا ڈر دل میں موجود رکھو تاکہ تم سے کوئی غیر منصفانہ حرکت سرزد نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عملِ صالح کے عوض مومنوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔ عمل صالح کے مفہوم میں جس طرح عبودیت، اجتماعی اور انفرادی روابط شامل ہیں اسی طرح آپس میں عدل وانصاف اور زندگی کے تمام گوشوں میں تقویٰ بھی شامل ہے۔ اور ایمان کی بجائے انکار کرنے والوں اور عمل صالح کی جگہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور آیتوں کو جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جب لوگ آمادۂ قتل تھے اور تم پر پل پڑنے کا ارادہ کر چکے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور تمھیں ان کے ہاتھوں کوئی تکلیف اور مضرت نہ پہنچ سکی۔ حالانکہ وہ اس بات کا تہیہ کر چکے تھے کہ تمھیں مبتلائے مصیبت کریں۔ یہ اللہ کا خاص انعام تھا۔ تمھیں ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور ایمان والوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

اس آیت کے ضمن میں مفسرین کے مختلف خیالات ہیں:

۱۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس نعمت سے مقصود قوت و غلبۂ اسلام اور مسلمانوں کی شوکت و عظمت ہے۔ یعنی ایک وقت تھا کہ مسلمان مغلوب و مجبور تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں طاقت اور غلبہ عطا کیا وہ حاکم اور فاتح بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی سے آنحضرت ﷺ نے پیغام رسالت کو پہنچایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دین کی تبلیغ میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ اسلام چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت تھی۔

۲۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ نعمت آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات سے مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ سفر میں اپنی تلوار درخت سے لٹکا کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ بنو محارب قبیلہ کا ایک بدو آیا اور اس نے تلوار پکڑ کر کہا کہ اے محمد (ﷺ)! میرے ہاتھ سے تمھیں کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اللہ!'' یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ وہ تلوار آنحضرت ﷺ نے اٹھالی۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''بتا اب تجھے کون بچائے گا؟'' اس پر وہ بڑا شرمندہ ہوا اور اس نے آپ ﷺ کے رحم و کرم کا تذکرہ کیا اور مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہ لینے کے وعدے پر رہائی حاصل کی۔[1]

۳۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص غورث بن حارث نے اپنے قبیلہ بنو محارب سے وعدہ کیا کہ میں محمد (ﷺ) کو تمھاری خاطر قتل کر دوں گا۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس اپنی تلوار تھی۔ غورث نے عرض کیا کہ مجھے اپنی تلوار دکھایئے۔ آپ نے اسے دیکھنے کے لیے تلوار دے دی۔ وہ تلوار پکڑ کر ہوا میں چلانے لگا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ)! میرے ہاتھ میں تلوار ہے، آپ کو خوف محسوس نہیں ہوتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! میرا اللہ مجھے بچانے والا ہے۔''

---

[1] صحیح البخاری: ۲۹۱۰۔ اس واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ ۶/ ۲۶۹۔۲۷۰

یہ سن کر اس نے تلوار آپ کو واپس دے دی۔[1]

۴۔ ایک روایت میں ہے کہ دو آدمی آنحضرت ﷺ کی امان لے کر جا رہے تھے۔ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ بنو نَضیر کے پاس آئے تا کہ مقتولوں کا خون بہا (دِیَت) وصول کیا جائے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ بنو نَضیر نے معاہدے کے مطابق خون بہا کی وصولی میں امداد کا وعدہ کیا۔ اتنے میں حُیَی بن اَخطب نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ تشریف رکھیے، کھانا حاضر ہے، اتنے میں ہم آپ کی دیت کی رقم فراہم کر لیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ قلعہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ حُیَی بن اَخطب اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ آج موقع بڑا غنیمت ہے، اوپر سے ایک پتھر لڑھکا کر آپ ﷺ کو قتل کر دو۔ لوگ ایک بڑا پتھر پھینکنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اتنے میں فرشتہ (جبریل علیہ السلام) آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے ساری سازش کا پتہ دے دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں سے اُٹھ گئے۔[2]

اوپر کا کوئی ایک واقعہ ہو یا تمام واقعات مجموعی طور پر ہوں، بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا کہ اس نے حسبِ وعدہ ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾[3] (یعنی اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا) آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور دشمنوں کے ناپاک ارادوں کی تکمیل کا موقع نہ دیا۔ واقعی یہ اللہ کی بڑی نعمت تھی کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان حوادث سے بچا لیا اور یہ حفاظت تقویٰ اور توکل علی اللہ کا نتیجہ تھی۔ تقویٰ اور توکل علی اللہ آج بھی ہمیں مشکلات و حوادث سے بچا سکتے ہیں بشرطیکہ صحیح تقویٰ اور صحیح توکل کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ	اور خدا نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں سے
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ	بارہ سردار مقرر کیے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمھارے

---

[1] احمد بن حنبل، المسند: ۱۴۹۲۹۔ اس واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۲۱۸

[2] ابونعیم، دلائل النبوہ، ص: ۴۹۔ اس واقعے کی تفصیل دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۱۶۰، ۱۷۴-۱۸۰

[3] المائدہ: ۵/ ۶۷

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫

ساتھ ہوں، اگر تم نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور خدا کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمھارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬

تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیے، یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے ٹھکانے سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک حصہ بھی فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭

اور جو لوگ (اپنے آپ کو) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا مگر جو نصیحت ان کو کی گئی تھی وہ بھی اس کا ایک حصہ فراموش کر بیٹھے تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے خدا عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔

آیات: ۱۲ تا ۱۴۔ تشریح الفاظ

بَعَثْنَا: ہم نے بھیجے۔ مِنْهُمْ: ان میں سے، یعنی بنی اسرائیل میں سے۔

نَقِيْبًا: سردار، زعیم، کفیل۔ نقیب وہ شخص ہوتا ہے جو قوم میں بزرگ اور کار پرداز ہو اور لوگوں کی دیکھ بھال کرے۔ اِثْنَىْ عَشَرَ: بارہ۔

لَئِنْ: (لَ، اِنْ) لام تاکید کے لیے اور بمعنی قسم استعمال ہوتا ہے۔ اِنْ حرف شرط ہے بمعنی اگر۔

رُسُل: (واحد، رَسُوْل) پیغمبر۔ اَقْرَضْتُمْ: تم قرض دو گے۔

عَزَّرْتُمُوْهُمْ (عَزَّرْتُمْ، هُمْ) تم مدد کرو گے ان کی۔ عَزَّرَ يُعَزِّرُ تَعْزِيْرًا، نصرت و تعظیم کرنا۔

حَسَنًا: مراد ہے اللہ کی راہ میں بخوشی خرچ کرنا۔ بطیبِ خاطر خرچ کرنے کے علاوہ اپنے فرض سے زیادہ خرچ کرنا۔ صدقات بھی مراد ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ خالص اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کیا جائے۔ ضَلَّ: يَضِلُّ، بھٹک گیا۔

سَيِّئَاتِ: (واحد، سَيِّئَة) برائیاں، گناہ۔ بَعْدَ ذٰلِكَ: اس کے بعد، یعنی اس میثاق کے بعد۔

سَوَاءَ السَّبِيْل: وسط طریق، قصد السبیل، راہِ راست، سیدھا راستہ۔

فَبِمَا: (فَ، بِ، مَا) فَ بمعنی پس، پھر۔ بِ بمعنی بوجہ، بسبب اور مَا زائدہ، برائے تاکید استعمال ہوا ہے۔

نَقْضِهِمْ: نَقْض بمعنی توڑنا، (بسبب اپنا وعدہ توڑنے کے)، اردو میں نقضِ امن عام ترکیب ہے۔

لَعَنَّا: ہم نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ قُلُوْبَ: واحد، قَلْبٌ (دل)

قَاسِيَةً: سخت قَسَا يَقْسُوْ (واحد مذکر، قاسِي) یعنی ان کے دلوں میں ایمان قبول کرنے کے لیے کوئی صلاحیت اور گنجائش نہیں رہی۔ يُحَرِّفُوْنَ: تحریف کرتے ہیں، بدل دیتے ہیں۔

الْكَلِمَ: کلمات، کلام، یعنی تورات۔ مَوَاضِعِهٖ: (واحد، مَوْضِعٌ) جگہوں، مقامات۔

نَسُوْا: وہ بھول گئے، انھوں نے فراموش کر دیا۔ حَظًّا: حصۂ کتاب۔

ذُكِّرُوْا: نصیحت کیے گئے تھے، حکم دیے گئے تھے۔ لَا تَزَالُ: برابر، ہمیشہ۔

تَطَّلِعُ عَلٰى: تم خبر پاتے ہو۔ خَائِنَةٍ: خیانت مراد وعدہ شکنی، نقضِ عہد۔

فَاعْفُ: (فَ، اعْفُ) عفو فعل امر ہے۔ معاف کر دو۔

اِصْفَحْ: (صَفَحَ يَصْفَحُ) فعل امر (واحد مذکر مخاطب) ہے۔ درگزر کرو، معاف کر دو۔

فَاَغْرَیْنَا: (فَ، اَغْرَیْنَا) اَغْرٰی یُغْرِی اِغْرَاءً- ڈال دیا ہم نے۔

یَصْنَعُوْنَ: صَنَعَ یَصْنَعُ بمعنی کرنا، بنانا۔

مفہوم ومطلب: بنی اسرائیل سے میثاق اور اُن کا نقض عہد

ان آیات میں یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے سوا کسی کی پوجا نہیں کریں گے اور یہ کہ وہ تورات کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے، لیکن انھوں نے اس عہد کو توڑ دیا۔ مفسرین نے اس ضمن میں کئی ایک واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، مثلاً یہ کہ جب بنو اسرائیل مصر سے نکلے اور فرعون کے ظلم سے نجات پائی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ تم ارضِ اَرِیحاء میں جا کر جبّارِین سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے امداد و نصرت کا وعدہ بھی کیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے ہر قبیلے میں سے ایک ایک نقیب و کفیل کا انتخاب کیا۔ تا کہ دشمن کے علاقے میں جا کر حالات معلوم کریں اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا حکم بہر حال مانیں گے۔ جب یہ بارہ نقیب ان جابر اور ظالم لوگوں کی سرزمین یعنی کنعان میں پہنچے تو ان کے بھاری بھر کم جسموں اور ان کی قوت و عظمت سے بڑے مرعوب ہوئے اور واپس آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات کے خلاف دس نقیبوں نے ان ظالم و جابر لوگوں کی شوکت وقوت کے بارے میں عوام کو مطلع کر دیا۔ عوام ڈر گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ اور آپ کا رب جائے اور لڑے ہم تو نہیں جانے کے۔ ان جابروں میں سے ایک عَوْج بن عُنُق ہے، جسے بعض نے عُوْج بن عُوق بھی لکھا ہے۔ امام قرطبی کے نزدیک عوج بن عناق ہے۔[1]

تاج العروس میں ہے کہ عنق ماں اور عوق باپ کا نام تھا۔[2]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہود بنی نضیر نے تم سے بدعہدی اور وعدہ خلافی کی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ عہد شکنی اور بے وفائی و غدّاری تو ان کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ اگر آج انھوں نے تمھیں مار ڈالنے کی سازش کی ہے تو اس سے پہلے بھی یہ لوگ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے عہد شکنی اور غداری کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ بدعہدی ان کی سرشت بن چکی ہے اور بے وفائی ان کی گھٹی میں داخل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہم نے ان یہودیوں سے عہد لیا تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے احکام پر چلیں گے اور ان سے وفاداری کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی سے

---

[1] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۲۰، ۲۱

[2] الزبیدی، تاج العروس: ۲۶/ ۲۲۸

انھیں ڈرایا گیا۔ ان میں سے بارہ معزز آدمیوں کو نقیب و کفیل مقرر کیا کہ وہ جباروں کے حالات معلوم کریں، تاکہ ان کے خلاف جنگ لڑی جائے۔ اللہ نے یہودیوں کو حکم دیا کہ وہ ان جابروں کے استیصال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ اس کے ساتھ اللہ نے اپنی نصرت و تائید کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم نماز قائم کرو گے، زکوٰۃ ادا کرو گے، میری راہ میں جہاد کرو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، ان کی اعانت کرو گے اور بطیب خاطر میری راہ میں خرچ کرو گے تو میں تمھارے گناہوں اور جرموں سے درگزر کرکے تمھیں جنت میں جگہ دوں گا۔ جہاں نہریں بہتی ہوں گی۔ اگر تم نے انکار سے کام لیا تو پھر تم راہ راست سے بھٹک جاؤ گے۔

یہود کی بدقسمتی کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ کرکے اسے توڑ دیا۔ اللہ نے انھیں اس عہد شکنی کی پاداش میں دھر پکڑا، انھیں اپنی رحمت سے محروم کردیا۔ لعنت کا طوق ان کی گردن میں ڈال دیا۔ ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ پتھر دل یہودی کسی حجت و دلیل اور عبرت و موعظت کو قبول کرنے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہو گئے۔ ان کے دلوں میں ایمان کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی۔ توفیق ہدایت ان سے چھن گئی۔ بات یہیں ختم نہ ہوئی بلکہ وہ تورات میں تحریف کرنے لگے۔ ان مقامات کو بالکل چھپا دیا جن میں حضرت محمد ﷺ کا بیان تھا اور جن میں رسالتِ محمدی کی بشارت دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جو یہودی آپ ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں وہ تو نیکی اور ایمان کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن جو دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے خیانت و بدعہدی ان کا شیوہ ہے، اگر یہ بدعہد یہودی توبہ کریں اور ایمان لے آئیں تو آپ ان سے درگزر کرلیں بلکہ حسنِ سلوک سے پیش آئیں، ان پر احسان کریں۔ اللہ کے ہاں احسان کرنے والوں کی بڑی چاہت ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک اور گروہ ہے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ بھی بدعہدی اور بے وفائی میں یہودیوں سے کم نہیں۔ جس طرح یہودیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حق و صداقت کی حمایت کریں اور تورات کے احکام بتانے میں خیانت نہ کریں بالکل اسی طرح عیسائیوں (نصاریٰ) سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ انجیل کی اس بشارت کا کھلے بندوں اعلان کریں گے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اُمی علیہ السلام کی آمد اور رسالت کی بشارت دی تھی (یعنی "مُصَدِّقًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ"[1] تصدیق کرنے والا ہوں اس

[1] الصف:۶۱/۶

رسول کی جو میرے بعد آنے والا ہے، اس کا نام احمد ہوگا۔) لیکن عیسائیوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور دی گئی بشارت کو ظاہر کرنے سے انکار کر دیا۔ گمراہ یہودیوں کے نقش قدم پر چل کر عیسائی بھی عہد شکنی اور بے وفائی کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اختلاف پیدا کر دیا۔ عیسائیوں کے کئی فرقے بن گئے۔ ہر فرقہ دوسرے کا دشمن ٹھہرا۔ دین، حضرت مسیح اور انجیلوں کے بارے میں ان کا اختلاف دشمنی اور عداوت کی حد تک بڑھ گیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے انھیں آگاہ کر دے گا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾	اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزماں) آچکے ہیں کہ جو کچھ تم کتاب الٰہی سے چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمھیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتے ہیں، بے شک تمھارے پاس روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے۔
يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾	جس سے خدا اپنی رضا مندی کے طالبوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔

آیات: ۱۵ تا ۱۶۔ تشریح الفاظ

اَهْلَ الْكِتَابِ: یہود ونصاریٰ۔

رَسُوْلُنَا: ہمارا رسول، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

يُبَيِّنُ: ظاہر کرتا ہے، بیان کرتا ہے۔

تُخْفُوْنَ: تم مخفی رکھتے ہو، چھپاتے ہو۔

الْكِتَابِ: سے مراد تورات اور انجیل ہے۔

يَعْفُوْ: (عَفْو) معاف کرنا، درگزر کرنا۔

نُوْرٌ: مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو نورِ ہدایت لے کر آئے ہیں۔[1] بعض نے نُوْر سے مراد اسلام بھی لیا ہے۔[2]

---

[1] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم معنوی طور پر نورِ ہدایت ہیں، جبکہ جسمانی طور پر آپ بشر ہی ہیں جس کا قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہے۔

[2] البغوی والقرطبی، التفسیر، المائدۃ:۱۵

كِتَابٌ مُّبِيْنٌ: کتاب ظاہر، واضح کتاب، یعنی قرآن مجید جو احکام و مسائل کی وضاحت کرتا ہے۔

يَهْدِيْ: راہ دکھاتا ہے، ہدایت کرتا ہے۔ بِهٖ: اس قرآن مجید کے ذریعے۔

اتَّبَعَ: پیروی کرے۔ رِضْوَانَهٗ: اس کی رضا، خوشنودی۔

سُبُلَ السَّلٰمِ: سَبِيْل مفرد، سلامتی کے راستے، مراد دین اسلام ہے۔

يُخْرِجُ: نکالتا ہے۔ اَخْرَجَ يُخْرِجُ اِخْرَاجًا۔ الظُّلُمٰتِ: (واحد، ظُلْمَةٌ) اندھیرے۔

اِذْنٌ: حکم، ارادہ، توفیق۔

مفہوم و مطلب: اہل کتاب کو آخری نبی پر ایمان لانے کا حکم

گزشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کی بداعمالی بالخصوص عہد شکنی اور بے وفائی کا ذکر کرنے کے بعد ان کو ایمان کی دعوت دی کہ حق و صداقت کا پیغام آ پہنچا ہے اب تورات اور انجیل کے ماننے والوں کو پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور قرآنِ مجید پر ایمان لانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کے نام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمھارے پاس تورات اور انجیل موجود ہیں۔ ان کتابوں میں اس نبی آخر الزماں کی علامات اور نشانیاں درج ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نبی کریم احمد مجتبیٰ ﷺ کی آمد کی پیش گوئی بھی موجود ہے۔ یہ پیغمبر موعود تمھارے پاس تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ﷺ اُن چیزوں کی نشاندہی کرتے ہیں جنھیں یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں میں مخفی رکھتے تھے۔ مثلاً تورات میں واضح طور پر رجم (سنگساری) کی سزا موجود تھی، یوم السبت کے نافرمانوں کا انجام مندرج تھا، لیکن یہودی علماء ان حقائق کو پردۂ اِخفا میں رکھتے تھے۔ اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی، لیکن عیسائی اَحبار اور علماء ان باتوں کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سب باتوں کی خبر دی۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ نے بہت سی اور باتوں کا قطعاً ذکر نہ کیا کیونکہ ان باتوں کا تعلق نبوت و رسالت سے نہ تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان کے ذکر سے درگزر کیا اور خواہ مخواہ یہود و نصاریٰ کے لیے ذلت و رسوائی اور فضیحت کا سامان مہیا کرنا غیر مناسب سمجھا۔ بعض مفسرین نے ﴿يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ اہل کتاب کے بہت سے گناہوں سے درگزر فرماتے تھے۔[1]

[1] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۱۵

پھر فرمایا کہ اے اہل کتاب! تمھارے پاس ایسا رسول آیا ہے جس کے ہاتھ میں آفتاب ہدایت ہے۔ یہ رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ لوگوں کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں حق و صداقت نظر آجاتے ہیں۔ جس طرح روشنی میں آنکھوں کی بینائی کام کرتی ہے اسی طرح آپ کی اِتباع میں انسان کی روحانی بصارت دین حق کو دیکھ لیتی ہے۔ نیز آپ کے ساتھ قرآن مجید ہے۔ جس میں انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے بڑی صراحت اور وضاحت سے احکام و مسائل بیان کر دیے گئے ہیں۔ جو شخص رضائے الٰہی کی خاطر اس رسول اور اس قرآن کی پیروی کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو امن و سلامتی کے ایسے راستوں پر چلائے گا جو ہر قسم کے خوف و خطر سے محفوظ رہیں گے اور جن پر چل کر جنت کی پُر امن زندگی نصیب ہو سکے گی۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی توفیق ان لوگوں کے شاملِ حال ہوگی اور اللہ ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان اور عمل صالح کے اجالوں میں لاکھڑا کرے گا اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اِرزانی عطا فرمائے گا۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث یا کتاب و سنت کی اتباع کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت میں تباہی، ہلاکت، بدبختی اور شقاوت سے بچائے گا۔ بت پرستی، اوہام پرستی، شرک و بدعت اور دیگر گمراہ کن خرافات کے اندھیروں سے نکال کر توحید و رسالت اور ایمان و عمل صالح کی روشنی اور تابندگی عطا کرے گا۔ کتاب و سنت کی اتباع اور پیروی کا نام صراط مستقیم رکھا۔ یہی سیدھی راہ جنت میں پہنچا دیتی ہے۔ اس امن و سلامتی کے راستے پر چلنے والے کے لیے دوزخ کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

اِن آیات کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زانی کو سنگسار کرنے کے بارے میں پوچھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم میں سے سب سے زیادہ عالم کون ہے؟'' انھوں نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ ''تُو ان سب سے زیادہ عالم ہے؟'' اس نے عرض کیا کہ ان لوگوں کا یہی خیال ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو اس خدا کا نام دے کر پوچھا جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تھی اور جس نے رفع طور کیا تھا کہ وہ حق بات کہے گا۔ اتنا فرمانا تھا کہ ابن صوریا پر کپکپی اور رعشہ طاری ہوگیا اور وہ بول اٹھا کہ ہمارے ہاں عورتیں حسین و جمیل ہیں۔ جب زنا بہت پھیل گیا تو ایک سو کوڑے لگتے اور سر مونڈ دیے جاتے۔ یہ بات سنی تو آپ ﷺ نے رجم کا فیصلہ صادر فرمایا۔[1]

---

[1] السیوطی، التفسیر، المائدۃ:۱۵

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خدا ہیں وہ بے شک کافر ہیں، (ان سے) کہہ دو کہ اگر خدا عیسیٰ ابن مریم کو، ان کی ماں کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر خدا کی بادشاہت ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، کہو کہ پھر خدا تمھاری بداعمالیوں کے سبب تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم اس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو۔ وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر خدا ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

اے اہل کتاب! پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو (ایک عرصے تک) منقطع رہا تو (اب) تمھارے پاس ہمارے پیغمبر آ گئے ہیں جو تم سے (خدا کے احکام) بیان کرتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری یا ڈر سنانے والا نہیں آیا، سو اب تمھارے پاس خوشخبری اور ڈر سنانے والے آ گئے ہیں اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

آیات: ۱۷ تا ۱۹ ۔ تشریح الفاظ

هُوَ: وہ۔ یہاں هُوَ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

فَمَنْ يَّمْلِكُ: (فَ ، مَنْ) بمعنی کون، مَن استفہام کے لیے اور یہ اِستفہام توبیخ و زجر کے لیے آیا ہے۔ يَمْلِكُ قدرت رکھتا ہے، یعنی اللہ کو روکنے کی کس میں طاقت ہے؟ کون ہے جو اللہ کو روک سکے؟

اَرَادَ: وہ چاہے، ارادہ کرے۔ اَنْ: کہ۔

يُهْلِكَ: اَهْلَكَ ماضی۔ وہ ہلاک کرے۔ اُمَّهٗ: اس کی ماں۔

مُلْكُ: بادشاہت۔ اَبْنَآءُ: (واحد، اِبْن) بیٹے۔

اَحِبَّآءُ: (واحد، حَبِيْب) چہیتے، پیارے۔ فَلِمَ: (فَ ، لِمَ) پھر کیوں۔

يُعَذِّبُ: عذاب دیتا ہے۔ اَلْمَصِيْرُ: صَارَ يَصِيْرُ صَيْرًا ۔ٹھکانا، رجوع، لوٹنا۔

فَتْرَةٍ: انقطاع، وقفہ، مدت۔

مفہوم و مطلب: یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کا ردّ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے بعض عقائد کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو خدا ٹھہراتے ہیں وہ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بھلا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ایک بشر اور مخلوقِ خدا بن جائے؟! نصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ ''مسیح خدا ہے'' محض کفر ہے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، اس نے حضرت مریم علیہا السلام کو پیدا کیا اور اسی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں پیدا کیا۔ ساری مخلوق فنا ہونے والی ہے۔ صرف اللہ کی ذات کو بقا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ایک انسان اور بشر ہیں۔ بھلا یہ فانی انسان خدا کیسے ٹھہر سکتا ہے؟! اللہ کی ذات تو ایسی قادر اور بے نیاز ہے کہ اگر وہ چاہے کہ ساری کائنات کو ختم کردے اور اس میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کو بھی ہلاک کر دے تو کون ہے جو اللہ کو اس ارادے سے روک سکے؟ کس میں یہ طاقت ہے کہ وہ اللہ سے کسی چیز کو بچا سکے؟ خود حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے تو دوسروں کے کیسے کام آسکتے ہیں؟ جب صورت حال یہ ہو تو یہ خاکی اور فانی انسان خدا کیوں کر کہلا سکتا ہے؟! حقیقت تو یہ ہے کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔ وہ مالک الملک ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر

قادر ہے۔ اس کے سوا خدائی اور الوہیت کسی کو زیبا نہیں۔

ہمارے اس زمانے میں بھی عیسائیوں کے تین مشہور فرقے ہیں:

۱۔ کیتھولک ۲۔ آرتھوڈکس ۳۔ پروٹسٹنٹ

آخری فرقے نے عیسائی عقائد میں کافی اصلاح کی لیکن وہ عیسائیت کو خالص توحید سے بہرہ مند نہ کر سکے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالص توحید پھیلانے آئے تھے۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ تین اقانیم مشہور ہے۔ اللہ باپ، اللہ بیٹا اور اللہ روح القدس (تاریخ الکتاب المقدس)۔ نیز یوحنا کی انجیل میں ہے کہ ابتدا میں کلمہ تھا۔ کلمہ خدا کے ساتھ تھا اور کلمہ خدا ہے۔ عیسائی علماء نے کلمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مسیح لکھا ہے اور اسی عقیدے کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے ایک دعویٰ یہ کیا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ بیٹے ہونے کے کئی مفہوم بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہمیں اللہ سے اتنا قرب حاصل ہے جتنا بیٹے کو باپ سے، ہمیں اللہ کی رحمت و شفقت اور محبت و اُنس اسی طرح سے حاصل ہے جس طرح بیٹوں کو باپ کی شفقت و محبت حاصل ہوتی ہے۔ ایک مفہوم یہ بتایا جاتا ہے کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا اور اسی نسبت سے اپنے آپ کو ابناء اللہ کہا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ ابناء اللہ سے مراد اتباع اَبناء اللہ ہے، یعنی ہم تو ابناء اللہ (عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام) کے مُتبع اور پیروکار ہیں اور اسی بنا پر ہم اللہ کے پیارے اور چہیتے ہیں۔

اس آیت کی شانِ نزول کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نعمان بن اَضا، بَحْرِیّ بن عَمرو اور شَأس بن عدی آئے، ان سے باتیں ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور نافرمانی اور بداعمالی کے نتائج سے ڈرایا تو وہ کہنے لگے کہ آپ ہمیں کس چیز سے ڈراتے ہیں؟! ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔[2]

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے یہ کہلوایا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر اللہ تمھارے گناہوں کی پاداش میں تمھیں سزا کیوں دیتا ہے؟ اگر تمھارا دعویٰ سچا ہو تو پھر تم عذاب کے مستحق ٹھہرنے والے کام ہی کیوں کرو۔ اس سے پہلے بھی تم مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا رہ چکے ہو۔ کبھی

[1] اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''اظہار الحق''

[2] الطبری والقرطبی وابن کثیر، التفسیر، المائدۃ:۱۸

قتل و غارت گری، کبھی قید و بند، کبھی مسخ صورت، یہ سب سزائیں تم بھگت چکے ہو، اس کے باوجود تم اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی جرأت کرتے ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم بھی عام انسانوں کی طرح بشر ہو، بشری تقاضے اور لوازمات تمھارے ساتھ ہیں۔ تم گناہ کرو گے تو عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے۔ نیک کام کرو گے تو خدا کی بخشش کے مستحق ٹھہرو گے۔ اب بھی تمھارے لیے موقع ہے کہ تم اپنے غرور و تکبر اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آجاؤ۔ حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لاکر قرآن مجید کو الہامی کتاب مان لو، اللہ تمھارے گناہوں پر خط تنسیخ کھینچ دے گا اور اگر اعمال صالح سے تہی دامن ہوئے تو پھر عذاب سے چھٹکارا مشکل ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے، زمین و آسمان کا بادشاہ ہے، زمین و آسمان کے درمیان بھی اسی کی حکومت و بادشاہت ہے اور بالآخر تمھیں اسی کے پاس جانا ہے۔ وہی آخری ٹھکانا ہے۔ سب لوگ اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے اور اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔ اس وقت انھیں قدر عافیت معلوم ہو جائے گی۔ وہ دیدۂ عبرت بیں سے دیکھیں گے کہ وہ سب خدا کے بندے اور مخلوق ہیں۔ ان کا خدا سے کسی قسم کا کوئی رشتہ نہیں، نہ یہ بیٹے ہیں، نہ پیارے اور نہ وہ باپ ہے اور نہ بے عملوں اور بدکرداروں کو چاہنے والا۔ وہ خالق اور مالک ہے۔ اس کے ہاں عمل صالح کی قدر ہے۔ وہ نیکیوں اور اخلاقِ حسنہ کو پسند کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کو اپنی ذات پر بڑا گھمنڈ اور ناز تھا۔ کبھی وہ کہتے تھے کہ جنت ہمارے ہی لیے ہے۔ کبھی کہتے کہ ہم خدا کے پیارے ہیں، کبھی کہتے کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ سب منہ کی باتیں ہیں، حقائق سے ان چیزوں کو دور کا تعلق بھی نہیں۔

پھر اہل کتاب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے کتاب والو! ہمارا رسول حضرت محمد ﷺ تمھارے پاس اتمام حجت کے لیے آچکا ہے۔ یہ وہی رسول ہے جس کا ذکر اور بشارت تمھاری کتابوں میں موجود ہے۔ ہمارا رسول دین کے احکام اور شریعت کے مسائل کھول کھول کر تمھیں سناتا ہے۔ یہ رسول عرصے کے بعد آیا ہے۔ بقول ابن سعد صاحب الطبقات حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان تو تقریباً ایک ہزار پیغمبر آئے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف حضرت محمد ﷺ ہی تشریف لائے۔ چھ صدیوں کا یہ عرصہ خاصا لمبا اور طویل ہے۔[1] آپ ﷺ کی آمد کا مقصد اتمام حجت ہے۔ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ اب رسول بھی ایسا عظیم الشان اور جلیل القدر آیا ہے کہ اس کے ساتھ اتمام نعمت اور تکمیل دین کی شاندار بشارت بھی سنا دی گئی۔ آپ ﷺ کا منصب نیک کاموں کے لیے خوشخبری سنانا اور بُرے کاموں کے انجام سے ڈرانا ہے۔ آپ ﷺ کے آنے کے بعد کسی شخص کو کفر پر

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۵۳

قائم رہنے کا حق نہیں رہتا۔حق و باطل کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔کفر و ایمان کے حدود متعین ہو چکے ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے ہر انداز سے سمجھا دیا ہے۔اب تمھارے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم پر خدا نے جو احسان کیے ہیں ان کو یاد کرو (یعنی) اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ دیا کہ اہل عالم میں کسی کو نہیں دیا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾

تو اے قوم! تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! وہاں تو بڑے بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم تو وہاں جانے کے نہیں، ہاں! اگر وہ نکل جائیں تو بے شک ہم چل داخل ہوں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

تو جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کی نوازش تھی کہنے لگے کہ ان پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو، جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو یقیناً غالب رہو گے اور خدا پر بھروسا رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

وہ بولے کہ موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم تو وہاں ہرگز جانے کے نہیں، تم اور تمھارا خدا دونوں جا کر

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (ان سے) لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے (خدا سے) التجا کی کہ پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور اُن نافرمان لوگوں میں فرق کر دے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ خدا نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دیا گیا ہے (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے، تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔

آیات: ۲۰ تا ۲۶۔ تشریح الفاظ

مُلُوْكًا: (واحد، مَلِك) لفظی معنی بادشاہ، یہاں مراد ہے خود مختار اور آزاد، بنو اسرائیل میں مَلِك کا اطلاق اس شخص کے لیے ہوتا تھا جس کے پاس بیوی، خادم اور گھر ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کسی کے گھر میں کوئی بلا اجازت داخل نہ ہوسکتا تو اس گھر والے کو مَلِك کہتے تھے۔[۱] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ایک مہاجر نے کہا کہ کیا ہم غریب مہاجر نہیں ہیں؟ انھوں نے جواباً پوچھا کہ کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا: ہاں ہے! پھر حضرت عبداللہ بن عمرو نے پوچھا: کیا تمھارے پاس رہنے کے لیے مکان ہے؟ اس مہاجر نے کہا کہ ہے! اس پر حضرت عبداللہ نے کہا کہ تو غنی ہے۔ وہ آدمی بولا: میرے پاس ایک خادم بھی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ پھر تو تو ''مَلِك'' ہے۔[۲] سنن ابی داوٗد میں روایت ہے کہ بنو اسرائیل کے ہاں جس شخص کے پاس گھر ہوتا اور نوکر ہوتا وہ مَلِك شمار ہوتا۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بنو اسرائیل میں سے جس شخص کے پاس نوکر، سواری کا جانور اور عورت ہوتی وہ مَلِك کہلاتا۔[۳] بہر حال مَلِك اس شخص کو کہا جاتا تھا جو اپنے کاروبار اور کام کاج میں آزاد اور خود مختار ہوتا تھا۔

۱۔ القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۲۰

۲۔ صحیح مسلم: ۲۹۷۹

۳۔ الطبری وابن کثیر، التفسیر، المائدہ: ۲۰ وأبوداود، المراسیل: ۲۰۴

اٰتٰکُمْ: (اٰتٰی، کُمْ) دیا تمھیں۔ لَمْ یُؤْتِ: نہ دیا۔

اُدْخُلُوْا: دَخَلَ یَدْخُلُ سے فعل امر، جمع مذکر مخاطب۔ تم داخل ہو جاؤ۔

الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ: پاک سرزمین، مراد ہے ملک شام جہاں اَرِیحاء واقع تھا۔

کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ: اللہ نے تمھارے لیے وہاں سکونت مقدر کر رکھی ہے۔

لَا تَرْتَدُّوْا: نہ پھر جاؤ، نہ لوٹ جاؤ تم۔

اَدْبَارِ: (واحد، دُبُر) بمعنی پیٹھ۔ مراد ہے کہ الٹے پاؤں نہ پھر جاؤ۔

فَتَنْقَلِبُوْا: اِنْقَلَبَ یَنْقَلِبُ اِنْقِلَابًا قلب سے، باب انفعال۔ پس تم لوٹو گے، پھر و گے۔

خٰسِرِیْنَ: گھاٹا پانے والے، یعنی میدانِ جنگ میں نصرتِ الٰہی سے اور آخرت میں ثواب سے محروم رہو گے۔

جَبَّارِیْنَ: (واحد، جَبَّار) جَبَّار اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کو اپنی من مانی کارروائی پر مجبور کرے۔ غالب آنے والے۔ ان سے مراد عمالقہ ہیں۔[1]

یَخَافُوْنَ: جو خدا سے ڈرتے اور ہر وقت اس کی یاد دل میں رکھتے تھے۔

اَنْعَمَ اللّٰہُ: سے مراد اس جگہ صحیح عقیدہ اور درست ایمان ہے۔ نیز یہ کہ ان دو نقیبوں نے جبار لوگوں کے بارے میں آکر کوئی بھید ظاہر نہیں کیا۔

اُدْخُلُوْا عَلَیْہِمُ الْبَابَ: یعنی شہر کے دروازے سے ان پر اچانک حملہ کر دو۔

لَنْ نَّدْخُلَہَا اَبَدًا: ہم اس سرزمین (یعنی اَریحاء یا ایلیاء) میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ یہاں حرف لَنْ اور اَبَدًا کو نفی جحد کو زیادہ مؤکد بنانے کے لیے جمع کیا گیا ہے۔

مَادَامُوْا: (مَادَامَ) جب تک وہ سب۔ قَاتِلَا: تم دونوں (تو اور تیرا رب) لڑو۔

فَافْرُقْ: (فَ، اُفْرُقْ) تو الگ کر دے، تو امتیاز کر دے۔ جدا جدا کر دے، فرق کر دے۔

یَتِیْہُوْنَ: وہ سرگرداں و حیران پھرتے رہیں گے۔ تَاہَ یَتِیْہُ تَیْہًا بمعنی حیران پھرنا، راہ نہ پا سکنا، کسی جگہ سے باہر نہ نکل سکنا۔ ھٰہُنَا: یہاں، یہیں۔

لَا تَاْسَ: غم نہ کھا۔ اَسِیَ یَاْسٰی اَسیً بمعنی غم کھانا۔

قٰعِدُوْنَ: قَعَدَ سے اسم فاعل قَاعِد۔ بیٹھنے والے۔

---

[1] ابن کثیر، التفسیر، المائدہ: ۲۲

مفہوم و مطلب: بنی اسرائیل کی جہاد سے روگردانی

بنی اسرئیل پر اتمام حجت اور اثبات نبوت محمدی کے بعد فرمایا کہ یہ بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بے وفائی کی، حالانکہ انھوں نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجۂ ظلم سے نجات دلا کر آزادی وحریت بخشی، غلامی کی زنجیریں توڑیں، انھیں عزت وشرافت سے ہمکنار کیا۔ اس کے باوجود بنی اسرائیل نے ایسے محسن پیغمبر سے بھی غداری کرتے ہوئے شرم محسوس نہ کی اوران کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ قصہ اس لیے سنایا گیا تاکہ آنحضرت ﷺ کو تسکین ہو کہ یہود مدینہ کی غداری اور عہد شکنی کوئی نئی بات نہیں، بلکہ یہ بنی اسرائیل کی سرشت میں داخل ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی (محمد ﷺ)! ان لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سناؤ کہ جب انھیں فرعون ایسے ظالم و جابر بادشاہ کی غلامی سے نجات مل گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد کراتے ہوئے بتایا کہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت تھی کہ اس نے تم میں اپنے نبی بھیجے، پھر تمھیں آزادی اور خودمختاری کی نعمت سے بہرہ مند کیا گیا، عزت بخشی گئی۔ تم اپنے کام کاج میں خودمختار ہو گئے۔ تمھیں اس قابل بنا دیا گیا کہ تم جو چاہتے کرتے حالانکہ اس سے پہلے تم ذلیل تھے۔ تمھاری گردنوں میں فرعون کی غلامی کا طوق تھا۔ کیا اللہ کی یہ نعمت کچھ کم تھی کہ اس نے تمھیں آرام و آسائش کے ساتھ عزت و شرافت سے نوازا، تم پر مَنّ وسَلویٰ نازل کیا۔ تمھارے لیے بارہ چشمے جاری کیے۔ بحرِ احمر کو تمھارے لیے پایاب بنا دیا تاکہ اسے عبور کر کے مغربی کنارے سے مشرقی کنارے پر پہنچ جاؤ۔ فرعون اور اس کی قوم کو اس میں غرق کر دیا گیا۔ تم پر ایک نعمت یہ بھی نازل کی کہ تمھارے لیے بادلوں کا سایہ مہیا کیا گیا۔

یہ نعمتیں یاد دلانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاد کے لیے آمادہ کرتے ہوئے انھیں کہا کہ تمھارے لیے اَرِیحاء کی پاک سرزمین مقدر ہو چکی ہے۔ وہاں قحط و خشک سالی کا کوئی خدشہ نہیں۔ وہاں تم آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ رہو گے۔ غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام نے ہر چند انھیں شجاعت اور بہادری کے لیے آمادہ کرنا چاہا لیکن سب کوشش بے سود ثابت ہوئی۔

---

[1] تسکین کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ وہ آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑو۔ غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جان فروشی بے مثل تھی۔ بطورِ مثال غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات ملاحظہ کیجیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۶/ ۱۳۹

اُن بارہ نقیبوں میں سے دو نقیب (کالب اور یوشع) جو خدا کا ڈر رکھتے تھے اور جنھیں اللہ نے ایمان کی دولت سے بہرہ مند کیا تھا، کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل! شہر کے دروازے سے اچانک حملہ کر دو، اللہ تمھارا ناصر و حامی ہوگا۔ اللہ پر بھروسا رکھتے ہوئے آگے بڑھو، فتح تمھارے قدم چومے گی، لیکن بنی اسرائیل غداری اور نافرمانی پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے شہر پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے دشمن بڑے طاقتور اور زبردست ہیں، ہم میں تو تاب نہیں کہ ان کا مقابلہ کریں۔ تم میں ہمت ہو تو جاؤ، تم اور تمھارا پروردگار جا کر ان سے لڑو۔ اگر دشمن نے شہر خالی کر دیا تو ہم شہر میں داخل ہو جائیں گے ورنہ نہیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ وہ اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! ان لوگوں پر میرا کچھ بس نہیں۔ میں اور میرا بھائی ہارون حاضر ہیں، تیرے احکام کی تعمیل میں ہمیں کوئی عذر نہیں۔ یہ لوگ نافرمان نکلے ہیں۔ تیرے حکم سے سرتابی کر چکے ہیں۔ اب فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو جو چاہے حکم دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا کہ یہ ارض پاک چالیس سال تک ان پر حرام کر دی گئی ہے، اب یہ سرگردان و حیران پھرتے رہیں گے۔ یہ نافرمان نکلے ہیں۔ ان کی نافرمانی کی یہی سزا ہے۔ تم ان نافرمانوں پر کوئی غم نہ کھاؤ۔

مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل چالیس سال تک صحرائے سینا میں حیران و ششدر پھرتے رہے، انھیں کوئی راستہ نہ ملا۔ رات دن سفر کرنے کے باوجود وہ اس بھول بھلیوں میں پھنسے رہے، یہاں تک کہ ان کے بزرگ اور سردارانِ قوم ہلاک ہوگئے اور اسی اثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی وفات پا گئے۔ یوشع اور کالب باقی ماندہ قوم لے کر شہر اَریحاء پر حملہ آور ہوئے اور اللہ نے انھیں فتح مند کیا۔[1]

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ٢٧

اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے تحقیقی حالات پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (خدا کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو (قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا، اس نے کہا کہ خدا پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے۔

---

[1] الطبری وابن عطیہ، التفسیر، المائدہ: ۲۶

لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا، مجھے خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔

اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے دونوں کے گناہ میں مبتلا ہو، پھر اہل دوزخ میں (یعنی داخل جہنم) ہو اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

تو اس کے نفس نے اسے یہی ترغیب دی کہ بھائی کو قتل کر دے تو اس نے اس کو قتل کر دیا اور خسارہ پانے والوں میں ہو گیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا کہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریق سے چھپائے۔ کہنے لگا: اے ہے! مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا تو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا، پھر وہ (بہت) پشیمان ہوا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو (حکم) لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو جان کے عوض کے بغیر یا ملک میں فساد (کی سزا) کے (بدون) مار ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں، پھر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ ملک میں دست درازی کرتے ہیں۔

آیات: ۲۷ تا ۳۲۔ تشریح الفاظ

وَاتْلُ: (وَ، اتْلُ) فعل امر از تَلَا یَتْلُوْا تِلَاوَۃً۔ اور تو پڑھ، تلاوت کر۔ یہ لفظ صرف کتاب الٰہی کی تلاوت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

نَبَاَ: خبر، بالخصوص ایسی خبر جس سے کوئی عظیم الشان فائدہ وابستہ ہو۔

ابْنَیْ: اصل میں ابْنَیْنِ تھا (واحد، ابن ہے) مضاف ہونے کی وجہ سے ن تثنیہ گر گیا۔ دو بیٹے۔

بِالْحَقِّ: سچ سچ، صداقت کے ساتھ۔

قَرَّبَا: دونوں نے نیازیں چڑھائیں۔ قَرَّبَا صیغہ فعل ماضی مذکر، تثنیہ، غائب۔ دونوں نے قرب چاہا۔

قُرْبَانًا: مصدر۔ وہ چیز جس کے ذریعہ اللہ کا تقرب اور نزدیکی حاصل کی جائے۔ جیسے جانوروں کی قربانی وغیرہ۔

فَتُقُبِّلَ: پس قبول ہوگئی۔ لَمْ یُتَقَبَّلْ: نہ قبول ہوئی۔

الْاٰخَرِ: دوسرے (سے)۔ بَسَطْتَ: تو نے بڑھایا۔

اِلَیَّ: میری جانب۔ اِلَیْكَ: تیری جانب۔

تَبُوْءَ: بَاءَ یَبُوْءُ بَوْءًا سے۔ تو لوٹے، واپس جائے، پھرے۔

بِاِثْمِیْ: بِ، اِثْمِیْ۔ مراد میرے قتل کا گناہ۔

فَطَوَّعَتْ: طَوْع سے ماضی، واحد مؤنث غائب۔ ترغیب دی۔

فَاَصْبَحَ: فَ بمعنی پس، اَصْبَحَ بمعنی وہ ہوگیا۔ بَعَثَ: بھیجا۔

غُرَابًا: کوّا۔ یَبْحَثُ: کھودتا تھا۔

لِیُرِیَهٗ: لِ، یُرِیَ، ہٗ۔ تاکہ دکھائے اُسے۔ کَیْفَ: (استفہام) کس طرح، کیسے۔

سَوْءَۃَ: جثہ، لاشہ، نعش، ایسی برائی جس کے اظہار سے نفرت اور شرم محسوس ہوتی ہے۔

یٰوَیْلَتٰی: ہائے افسوس۔ پریشانی اور ندامت کے اظہار کے لیے مستعمل ہے۔

اَعَجَزْتُ: (اَ، عَجَزْتُ) کیا میں قاصر ہوں۔ کیا میں عاجز ہوگیا ہوں۔

فَاُوَارِیَ: میں چھپادوں، دفن کردوں۔ یُوَارِیْ: چھپادے۔

اَجْلِ: سبب۔ کَتَبْنَا: ہم نے حکم دیا۔

بِالْبَیِّنٰتِ: واضح اور روشن آیات۔ لَمُسْرِفُوْنَ: حد سے تجاوز کرنے والے (یعنی قتل کرنے میں)۔

مفہوم ومطلب: ہابیل اور قابیل کا واقعہ

یہودیوں کی بدعہدی اور غداری کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ان آیات میں ایک اور قصہ بیان فرمایا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انسانی فطرت میں کئی ایک کمزوریاں اور خامیاں موجود ہیں اور یہ کہ انسان کی یہ فطری کمزوری ابتدائے آفرینش سے اس کے ساتھ چپک دی گئی ہے۔ اگر آج یہود مدینہ نے ظلم وعہد شکنی کر کے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ذرا ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالیے اور آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے حالات کا مطالعہ کیجیے کہ کس طرح بغض وحسد نے ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔ جب ابتدائے عہد میں یہ حال تھا تو اب اس قسم کی ظالمانہ اور غدارانہ وارداتیں کچھ تعجب انگیز نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام وحوّا کو پیدا کرنے کے بعد انھیں بکثرت اولادِ ذکور واناث سے نوازا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں حضرت حوا کے ایک بطن سے دو بچے پیدا ہوتے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ جب بچے جوان ہو جاتے تو ایک بطن کے لڑکے کو دوسرے بطن کی لڑکی سے بیاہ دیتے۔ کہا جاتا ہے کہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی سے زیادہ حسین وجمیل تھی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حسبِ دستور قابیل وہابیل کو بیاہ دینا چاہا تو قابیل برافروختہ ہو کر کہنے لگا کہ میں ہابیل سے بڑا ہوں، میں تو اپنی ہم زاد لڑکی سے بیاہ کروں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فساد وشر کی روک تھام کے پیشِ نظر کہا کہ تم دونوں اللہ کے حضور میں نیاز اور قربانی کرو۔ جس کی نیاز قبول ہو جائے گی اسے حق ہوگا کہ قابیل کی ہمزاد سے بیاہ کرے۔ چنانچہ قابیل اور ہابیل نے نیاز چڑھائی۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اس نے ردی قسم کی زرعی پیداوار سنبل خدا کے حضور میں پیش کی۔ ہابیل بھیڑ بکریاں پالتا تھا۔ اس نے موٹا تازہ مینڈھا اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول فرمائی۔ اس زمانے میں قبولیت کی نشانی یہ تھی کہ آسمان سے سفید آگ نازل ہوتی اور وہ نیاز (قربانی یا پھل اور پھول وغیرہ) کو ہڑپ کر لیتی۔ اب ہابیل کو حق حاصل ہو گیا کہ وہ قابیل کی ہمزاد سے بیاہ کرلے۔ لیکن یہ بات قابیل کے لیے اور بھی رنجیدہ تھی۔ وہ اللہ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے ہابیل کو قتل کی دھمکی دینے لگا۔ اس کے جواب میں ہابیل نے اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کی نیت سے ہاتھ اٹھایا تو میں ہرگز اپنا ہاتھ

تمھارے خون سے رنگنے کو تیار نہیں۔

ایک دن قابیل نے دیکھا کہ ہابیل سو رہا ہے تو نیند کی حالت میں اس پر وار کر کے اسے ختم کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد اسے بڑی حیرانی ہوئی اور وہ کچھ نہ سوچ پایا کہ اب مقتول کے جُثہ کو کیا کرے اور کیسے دفن کرے۔ چونکہ اولادِ آدم میں یہ پہلا مردہ تھا اس لیے قابیل کے سامنے کوئی واضح لائحہ عمل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت اور مہربانی سے دو کوّے بھیجے، وہ لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک مر گیا۔ دوسرے کوّے نے زمین کھود کر مردہ کوّے کو اس میں دفن کر دیا۔ قابیل کو بڑا افسوس ہوا کہ وہ اس کوے سے بھی گیا گزرا ثابت ہوا۔ اسے یہ بڑا ناگوار تھا کہ وہ کوے کی اِتباع کرے، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ چنانچہ قابیل نے ایک گڑھا کھود کر ہابیل کو اس میں دفن کر دیا۔[1]

چنانچہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے نبی ﷺ!) آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل کتاب کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا برحق قصہ سناؤ، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ بغض و حسد، ظلم و جور اور قتل و غارت گری انسان کی سرشت میں ہے۔ دونوں بھائیوں نے اللہ کے حضور میں نیازیں چڑھائیں۔ اللہ نے ہابیل کے اِخلاص و صداقت کے پیش نظر اس کی قربانی قبول فرمائی اور قابیل کی نافرمانی اور حسد کی وجہ سے اس کی نیاز کو شرفِ قبولیت سے محروم رکھا۔ قابیل نے برافروختہ ہو کر بھائی کو قتل کر دینے کی دھمکی دی تو ہابیل نے کہا: میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا، تُو مجھے کیوں قتل کرنے لگا؟ اللہ کے ہاں پرہیزگار اور مخلص لوگوں کی نیازوں کو قبولیت ہوتی ہے۔ اگر تم نے قتل کے ارادے سے مجھ پر ہاتھ اٹھایا بھی تو میں اپنے ہاتھ کو تمھارے خون سے آلودہ نہیں کرنے کا۔ میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دوں گا۔ میں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ تم کیوں میرے قتل کا اور اپنے گناہوں کا بار اُٹھاتے ہو؟ مگر قابیل نے ایک بھی نہ سنی۔ اس کے نفس اَمّارہ نے اسے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ قابیل نے تاریخ انسانیت میں پہلے قتل کا ارتکاب کر کے اپنی دنیا اور آخرت دونوں خراب کر لیں۔ دنیا میں والدین کی ناراضی مول لی اور قتل انسانی سے آخرت کا عذاب خریدا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جب دو مومن ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لیے ہتھیار اٹھائیں اور ایک مارا جائے تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔ قاتل تو اپنے جرم کی پاداش میں اور مقتول اس لیے کہ وہ بھی قتل کے درپے تھا۔“[2]

---

[1] الطبری والقرطبی، التفسیر، المائدہ:۲۷

[2] صحیح البخاری:۳۱،۶۸۷۵ و صحیح مسلم:۲۸۸۸

اب بھائی کو قتل کر دینے کے بعد قابیل کو پریشانی یہ تھی کہ بھائی کے لاشے کا کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی رہنمائی کے لیے ایک کوا بھیجا۔ اس نے اپنے پنجوں اور چونچ سے زمین میں گڑھا کھود کر دوسرے مقتول کوّے کو دفن کر دیا اور اس پر مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قابیل کو اور بھی شرمندگی اور پشیمانی ہوئی کہ میں ایک کوّے سے بھی گیا گزرا نکلا ہوں۔ مجھے اتنی بات بھی نہ سوجھ پائی جتنی کہ اس کوّے کو۔ اب اس ندامت نے سہ گونہ رنگ اختیار کر لیا۔ والدین کی نافرمانی کی ندامت، بھائی کو قتل کر کے ٹھکانے نہ لگا سکنے کی ندامت اور کوے جتنی سمجھ بوجھ سے بھی محرومی کی ندامت۔

صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جو ناحق اور ناروا قتل ہوگا اس کا بار ابن آدم (یعنی قابیل) کی گردن پر بھی ہوگا، کیونکہ اسی نے قتل کی بنیاد رکھی تھی۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس جرم عظیم کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جو شخص بلا وجہ ناحق کسی کو مار ڈالے یعنی مقتول نے نہ تو کسی کو قتل کیا تھا کہ اس کی سزا میں مارا گیا، نہ اس نے زمین میں لُوٹ کھسوٹ کر کے لوگوں کے امن وامان کو مخدوش کیا، نہ نسل کشی کی، نہ کھیتی باڑی کو نقصان پہنچایا، نہ تجارت اور کاروبار میں رکاوٹ پیدا کی اور نہ حکومت کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح ناحق خون بہانا اور قتل کرنا پورے معاشرے کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اطمینان وسکون مفقود ہو جاتا ہے۔ امن وسلامتی مخدوش نظر آتی ہے۔ عوام کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ زرعی پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ تجارت اور کاروبار کی حالت خراب ہونے لگتی ہے۔ انفرادی قتل اجتماعی طور پر جمہور کی نفسیات پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ سارا معاشرہ خوفزدہ اور ہراساں نظر آنے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح جو شخص ناحق قتل سے کسی کی جان بچالیتا ہے تو اس کی یہ جرأت اگرچہ انفرادی حقیقت رکھتی ہے اور اس نے ایک فرد کو ناروا قتل سے بچایا ہے، لیکن نتائج کے اعتبار سے اس کی رحمت وشفقت اور جرأت وہمت سارے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس بچانے والے کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کے عزائم میں بلندی آجاتی ہے، وہ جرائم کو روکنے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔ معاشرے کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے کمر ہمت باندھ سکتے ہیں۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قتل کے جرائم کو رواج دینے والا معاشرے کا دشمن اور قاتل ہے اور ان جرائم کی روک تھام میں معاشرے کی خیر خواہی اور بقا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۳۳۳۵ و صحیح مسلم: ۱۶۷۷

آخر میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر معجزات اور کھلے نشان لے کر آئے، تاکہ انھیں بتائیں کہ انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کس میں ہے۔ لیکن امن کے ان دشمنوں نے پیغمبروں کی بات پر کان نہ دھرا، بلکہ الٹا ان کے بطلان اور قتل کے درپے ہو گئے اور پیغمبر کی دشمنی میں حد سے تجاوز کر گئے۔

مختصر یہ کہ اِخلاص و صداقت کو اپنانا اور بغض و حسد سے بچنا چاہیے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾	جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں اطراف مخالف سے (یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں) کاٹ دیے جائیں، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا (بھاری) عذاب ہے۔
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾	جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمھارے قابو آ جائیں توبہ کر لی تو جان رکھو کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیات: ۳۳ تا ۳۴۔ تشریح الفاظ

اِنَّمَا: یہ حرف حصر ہے۔ محض، صرف، یہی۔ جَزَآء: سزا، بدلہ۔

يُحَارِبُوْنَ: حَرب سے باب مفاعلہ۔ جنگ کرنا، لڑائی کرنا۔ حَرب کی ضد سِلم ہے۔ قتل، لوٹ کھسوٹ اور چوری سب یُحَارِبُوْن میں شامل ہیں۔

يَسْعَوْنَ: کوشش کرتے ہیں۔ سَعٰی يَسْعٰی سَعْيًا۔ فَسَادًا امن کی ضد ہے۔ امن و سلامتی کو ختم کرنے کی ہر کوشش فساد ہے۔ جان، مال، عزت، قانون اور عدل و انصاف پر ہاتھ ڈالنے کا نام فساد ہے۔

يُقَتَّلُوْا: قتل سے تَقْتِيل باب تفعیل ہے جو مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی بے دریغی سے بکثرت قتل کیے جائیں۔ تُقَطَّعَ: قَطع سے۔ کاٹے جائیں۔

يُصَلَّبُوْا: صلب سے باب تفعیل ہے۔ یہ صلب یعنی سولی پر چڑھانے میں مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے۔ بکثرت یا بار بار سولی پر چڑھایا جائے۔ بقول امام شافعی رحمہ اللہ قتل کے بعد تین دن تک سولی پر لٹکایا جائے۔[1]

مِنْ خِلَافٍ: دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے جائیں۔

يُنْفَوْا: نَفْی سے۔ ملک بدر کرنا، جلاوطن کرنا، ایک شہر سے نکال کر دوسرے شہر میں قید کر دینا۔ جلاوطن کر دیے جائیں۔

ذٰلِكَ: یہ سزا، یعنی قتل، پھانسی اور جلاوطنی۔

خِزْيٌ: ذلت، رسوائی۔

تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ: تم ان پر قابو پالو۔

مفہوم ومطلب: محاربہ کی سزا

جمہور علماء کے نزدیک ان آیات کی شان نزول میں کتب احادیث میں مرقوم ہے کہ قبیلہ عُکل اور قبیلہ عُرَینہ کے کچھ لوگ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے، مگر مدینہ شریف میں آب وہوا راس نہ آئی، بیمار ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے صدقہ کی کچھ اونٹنیاں اور ایک شتربان ان کے ساتھ کر دیا اور وہ مدینہ منورہ کے باہر جا ٹھہرے، جہاں اونٹنیوں کا دودھ پیتے رہے۔ جب وہ لوگ تندرست ہو گئے تو انھوں نے شتربان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے اندھا کر دیا۔ وہ شتربان ان تکالیف سے جانبر نہ ہو سکا۔ بعد ازاں وہ لوگ اونٹنیوں کو ہانک کر لے گئے اور اسلام سے پھر گئے۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان واقعات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لیے اپنے آدمی روانہ کیے۔ چنانچہ یہ مرتد اور ڈاکو لوگ اپنے علاقے میں داخل ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر مدینہ کے باہر سیاہ پتھروں والی سنگلاخ زمین میں انھیں پھینک دیا گیا جہاں وہ مر گئے۔[2]

آنحضرت ﷺ نے یہ سزا قرآن مجید کے منشا کے عین مطابق تجویز کی تھی، تاکہ آیندہ کسی بدباطن اور فتنہ پرداز گروہ کو مسلمانوں سے اس قسم کا وحشیانہ سلوک کرنے کی جرأت نہ ہونے پائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول سے برسرپیکار ہونے والوں، خدا پرستوں کے خلاف چیرہ دستی کرنے والوں اور اللہ والوں سے لڑنے والوں کو سزا ضرور دینی چاہیے۔ وہ مُفسدہ پرداز لوگ جو مسلمان جماعت میں قتل وغارت گری کی وارداتیں کرتے ہیں، ڈاکا زنی اور چوری کا ارتکاب کرتے ہیں،

---

[1] البغوی وابن عطیہ والقرطبی، التفسیر، المائدۃ: ۳۳

[2] صحیح البخاری: ۲۳۳، ۴۱۹۲۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۶۵۳۔ ۶۵۹

راہ گزر مسلمانوں کو لوٹ لیتے ہیں، جو لوگ مسلمانوں کے خرمنِ امن میں فتنہ و فساد کی آگ لگاتے ہیں، امنِ عامہ کو مخدوش کرنے کے درپے رہتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ

۱۔ قاتلوں کو قتل کر دیا جائے۔

۲۔ جو قتل کرنے علاوہ لوٹ کھسوٹ میں بھی شریک ہوئے تو ان کو سولی پر لٹکایا جائے۔ علمائے امت میں اس بات پر اختلاف ہے کہ قتل کر کے سولی پر چڑھائیں یا زندہ کو سولی پر لٹکا کر موت کے گھاٹ اتارا جائے۔

۳۔ جو قتل میں شریک نہ ہوں لیکن لوٹ کھسوٹ اور ڈاکا میں حصہ لیا ہو تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر داغ دیا جائے، تاکہ خون بہنے سے موت واقع نہ ہونے پائے۔[۱]

۴۔ جو مسلمانوں کو دھمکی دیں یا تہدید آمیز خطوط یا تقریروں کے ذریعے سے ہراساں کریں، ان کو ملک بدر کر کے نئے علاقے میں قید کر دیا جائے۔

یہ سزائیں ان مجرموں کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی کا باعث ہیں اور آخرت میں ان کے لیے بڑا سخت عذاب مقدر ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے ایک استثنا فرمایا ہے، فرمایا کہ اگر یہ مجرم تمھارے قابو میں آنے سے پہلے اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور ان پر اپنی رحمت کا سایہ کر دے گا۔ یہ معافی حقوق اللہ کے ضمن میں ہوگی۔ حقوق العباد برقرار ہیں۔ قاتل کی توبہ کے بعد بھی مقتول کے وارث کو قصاص، دیت یا عفو کا حق حاصل ہے۔ اس طرح ڈاکو اور چور کی توبہ کے بعد بھی مال و دولت کے مالک کو اختیار ہے کہ اپنے مال کا مطالبہ کرے۔ جب تک مالکان کو مال نہ واپس کیا جائے توبہ درست نہیں ہو سکتی۔ اگر حاکم یا قاضی کسی مصلحت عامہ کی وجہ سے مال کی واپسی پسند نہ کرے تو پھر مالک کو حکومت کے خزانے سے رقم دلائی جائے۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ملک میں قیام امن کے اصول بیان فرمائے ہیں تاکہ ملک میں بسنے والوں کی عزت اور جان و مال محفوظ کیا جا سکے اور فساد پھیلانے والوں کو قرار واقعی سزا دی جا سکے۔

اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اس کے رستے میں جہاد کرو تاکہ رستگاری پاؤ۔	يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵

۱۔ القرطبی وابن کثیر، التفسیر، المائدہ: ۳۴

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾	جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس رُوئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا (مال و اسباب) سب کا سب ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہو کہ روز قیامت کے عذاب (سے رستگاری حاصل کرنے) کا معاوضہ دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾	وہ (ہر چند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اس سے نکل نہیں سکیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

آیات: ۳۵ تا ۳۷۔ تشریح الفاظ

اِتَّقُوْا: وَقٰی يَقِيْ سے باب افتعال۔ ڈرو، اللہ کے دین اور شریعت کی مخالفت سے بچ کر، اس کے عذاب اور غصے سے ڈرنا۔

اِبْتَغُوْا: بَغٰی سے افتعال۔ فعل امر، تلاش کرو، ڈھونڈو۔

اَلْوَسِيْلَةَ: اللہ کی رضا مندی، ثواب اور قُرب حاصل کرنے کا ذریعہ۔ اللہ تعالیٰ کے قرب، رضا مندی اور ثواب کے حصول کا ذریعہ۔ اللہ کی اطاعت عملِ صالح اور ترکِ گناہ ہے۔

جَاهِدُوْا: جہاد کرنا۔ جِہَاد کا لفظ جُهد سے ہے جس کے معنی مشقت، تکلیف اور تھکاوٹ کے ہیں۔ جَاهِدُوْا کے مفہوم میں جہادِ نفس اور جہادِ دشمنانِ دین دونوں شامل ہیں۔ جہادِ نفس تو یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو روکا جائے، گناہوں سے بچا جائے اور ہر حالت میں عدل و انصاف پر آمادہ کیا جائے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دشمنان دین سے لڑا جائے، تاکہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو اور اللہ کی خوشنودی و رضا مندی حاصل ہو سکے۔[1]

سَبِيْلِهٖ: اللہ کی راہ میں، یعنی حق و صداقت، نیکی اور فضیلت کے راستے میں۔

تُفْلِحُوْنَ: تم فلاح و کامرانی حاصل کرو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کا جہاد اس امید پر ہو کہ اللہ کے ہاں

[1] اقسام جہاد کے لیے دیکھیں زاد المعاد لابن القیم: ۹/ ۳

سرخروئی حاصل ہوگی۔ وہ دین و دنیا میں کامیاب بنائے گا۔ معاش و معاد کے سنور جانے کی امید پر جہاد کرو۔

لِيَفْتَدُوْا: (لِ، يَفْتَدُوْا) فَدٰى يَفْدِيْ سے باب افتعال۔ مال وغیرہ دے کر بچالینا، فدیہ دے کر چھٹکارا حاصل کرنا۔ مُقِيْمٌ: دائم، ہمیشہ رہنے والا۔

مفہوم ومطلب: آیت وسیلہ

یہود و نصاریٰ کی بداعتقادی اور بے عملی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ گناہوں کو ترک کردو اور عمل صالح کے ذریعہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرو، تاکہ دین و دنیا میں عزت و سرخروئی کے مستحق بن سکو۔ اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے آپ کو گناہوں سے روکو۔ اپنی طبیعت پر زور ڈالو اور اسے بُرے کاموں سے رک جانے پر مجبور کرو۔ اسی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر دشمنانِ دین سے صف آرا ہونا پڑے تو ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ مصائب و تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو۔ دشمنوں کے مقابلے پر سخت جان بن کر لڑو۔ اس کا نتیجہ تمھارے حق میں کامیابی اور ظفر مندی ہوگا۔

وسیلہ کا مفہوم بڑا صاف اور واضح ہے۔ رئیس المفسرین امام ابن جریر نے وسیلہ کے معنی اطاعت اور عمل صالح کے ذریعے قرب الٰہی بیان کیے ہیں۔[1]

احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جنت الوسیلہ جنت میں ایک درجہ اور مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کے لیے ہے اور مجھے امید ہے کہ اس مقام کو حاصل کرنے والا بندہ میں ہوں۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے میرے لیے اَلْوَسِيْلَةَ کی درخواست کی اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہوگئی۔“[2] یہ بھی حدیث میں مذکور ہے کہ ”جب مؤذن اذان کہے تو اس کے ساتھ کلمات کو تم بھی دہراتے جاؤ اور اختتام پر مجھ پر درود پڑھو۔ جو شخص میرے لیے ایک دفعہ رحمت اور درود کی دعا کرتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔“[3] ایک اور صحیح حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ ”جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھی:

---

[1] الطبری، التفسیر، المائدہ: ۳۵

[2] صحیح مسلم: ۳۸۴ وسنن الترمذی: ۳۶۱۴

[3] سنن أبی داود: ۵۲۳ وسنن النسائی: ۶۷۸

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ والصَّلَاةِ الْقَآئِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہُ))

(اے اللہ! اس مکمل پکار اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد ﷺ کو مقامِ وسیلہ اور فضیلت عطا فرما۔ انھیں وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔)

اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت ضروری ہے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار کر دیا اور خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کی چوکھٹوں پر سر جھکا دیا، بتوں کی پرستش کرنے لگے، توبہ اور ایمان نصیب نہ ہو سکے اور کفر کی حالت میں مر گئے تو قیامت کے دن ساری دنیا کی دولت کا دو چند بھی انھیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔ ان کی یہ خواہش ہوگی کہ فدیہ دے کر مخلصی اور چھٹکارا حاصل کر لیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ان سے کسی قسم کا فدیہ اور معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان کے لیے دردناک اور تکلیف دہ عذاب ہے۔ وہ اس عذاب سے کسی صورت بچ نہیں سکتے۔ وہ چاہیں گے کہ آگ کے عذاب سے نکل بھاگیں لیکن ان کے لیے نکل بھاگنا امرِ محال ہوگا۔ ان کا عذاب مسلسل اور دائمی ہوگا۔ انھیں کوئی آرام اور وقفہ نہ دیا جائے گا۔ نہ عذاب کم ہوگا، نہ انھیں کوئی رعایت اور مہلت دی جائے گی۔

اسلام میں نجات کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے۔ فدیہ، معاوضہ اور کفارہ کا عقیدہ غیر اسلامی ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بارِ عصیاں نہیں اٹھا سکتا۔ نجات کے لیے خاندانی شرافت، اسلاف کی بزرگی، بزرگوں سے عقیدت، صلحاء و اتقیاء سے نسبت بالکل کام نہیں آسکتی۔ ایمان، تزکیہ نفس، تقویٰ، ریاضت، حسنِ خلق، اعمالِ صالحہ اور حقوق العباد و حقوق اللہ کی بجا آوری نجات کا واحد ذریعہ ہیں۔ اسلام میں اس عقیدے کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آپ کا پیٹ بھر کر کھا لینا میری بھوک کو کم کر سکے، یا کرے مونچھوں والا اور پکڑا جائے ڈاڑھی والا۔ اَلْوَسِیْلَةَ بمعنی ضرورت و حاجت بھی آتا ہے۔[2]

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ	اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت تو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے کرتوتوں کی سزا اور خدا کی طرف سے

---

[1] صحیح البخاری: ۶۱۴، ۴۷۱۹ و احمد بن حنبل، المسند: ۱۴۸۱۷

[2] السیوطی و الشنقیطی، التفسیر، المائدۃ: ۳۵ و مسائل نافع بن الازرق، ص: ۲۹۰

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾	عبرت ہے اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے۔
فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾	اور جو شخص ظلم کے بعد توبہ کرلے اور نیکوکار ہو جائے تو اللہ اس کو معاف کردے گا، کچھ شک نہیں کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾	کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں خدا ہی کی بادشاہت اور حکمرانی ہے، جس کو چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

آیات: ۳۸ تا ۴۰۔ تشریح الفاظ

السَّارِقُ: چوری کرنے والا۔ السَّارِقَةُ: چوری کرنے والی۔

فَاقْطَعُوْا: پس کاٹ دو۔ بِمَا: بسبب۔

كَسَبَا: جو ان دونوں نے کمایا، یعنی ان کے کرتوتوں کے سبب۔

نَكَالًا: عقوبت، عبرتناک سزا۔ تَابَ: توبہ کرلے۔

ظُلْمِهٖ: مراد ہے چوری کے ذریعہ لوگوں پر ظلم کرے۔ بعض مفسرین مثلاً امام قرطبی اور دیگر نے ظُلْم کا مفہوم چوری اور سرقہ تحریر کیا ہے۔[۱]

مفہوم و مطلب: چوری کی سزا

اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں امن اور سکون پیدا کرنے کے لیے فرمایا کہ چوری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، وہ معاشرے کا دشمن ہے۔ اس کی یہ حرکت خرمنِ امن میں آگ لگا دینے والی ہے۔ چوری کی لعنت کو ختم کر دینے کے لیے عبرتناک سزا دی جائے اور چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو، تاکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور ان کو معلوم ہو جائے کہ عبرتناک سزا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے۔ اس معاملے میں کسی شخص سے بھی رُو رعایت نہ کی جائے۔ اللہ غالب ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے۔ اس سزا میں بھی حکمت پوشیدہ ہے۔

[۱] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۳۹

جمہور علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پہلی مرتبہ چوری کرے اور چوری کی مقدار رُبع (۱/۴) دینار[1] ہو تو دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹ کر خون بند کر دیا جائے۔

امام حسن بصری اور داؤد ظاہری کا قول ہے کہ چوری چھوٹی ہو یا بڑی ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم عام ہے۔ اگر چور پھر چوری کرے تو بایاں پاؤں، پھر چوری کرے تو بایاں ہاتھ اور پھر بھی کرے تو دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔[2]

چوری کے ثبوت کے لیے اقرار یا شہادت ضروری ہے اور امام یا قاضی تک معاملہ پہنچنے سے پہلے معاف کر دیا جائے تو سزا معاف ہو جاتی ہے۔ محض توبہ سے سزا موقوف نہیں ہوتی جب تک کہ مالک جس کا مال چوری کیا گیا، معاف نہ کرے۔ جب تک مسروقہ مال مالکوں کو واپس نہ کیا جائے یا اس کی قیمت ادا نہ کی جائے معافی قبول نہیں ہوتی۔

حضرت صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا، میرے پاس ریشمی کپڑا تھا، جس کی قیمت تیس درہم تھی۔ ایک آدمی نے آکر وہ کپڑا چوری کر لیا۔ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے اس کا دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تیس درہم کے لیے اس کا ہاتھ کاٹتے ہیں؟ میں یہ کپڑا اس کے پاس اُدھار فروخت کر دیتا ہوں، آپ اس کا ہاتھ نہ کاٹیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”یہ بات میرے پاس آنے سے پہلے طے کر لیتے تو درست تھا، اب نہیں ہو سکتا۔“[3]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور سزائے سَرقہ مردوں میں سب سے پہلے خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کا ہاتھ کاٹا۔ عورتوں میں مُرّہ بنت سُفیان بن عبدالاسد مخزومی کا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس یمنی کا ہاتھ کاٹ دیا جس نے حضرت اَسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا کا ہار چوری کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے بھائی کا

---

[1] ایک دینار سونے کا وزن آج کل کے حساب سے ۴.۳۷۴ گرام یا ساڑھے چار ماشے سونے کے برابر ہے۔ اس پر برصغیر کے فقہائے احناف اور اہل حدیث کا اتفاق ہے۔ (دیکھیے، فاروق اصغر صارم، اسلامی اوزان، ص:۱۹، مفتی محمد شفیع، اوزان شرعیہ، ص:۳۳) ملک بھر میں ۱۰ گرام سونے کی موجودہ قیمت ۱۱۳۱۶۹ روپے ہے۔ (روزنامہ جنگ، ۲ مئی ۲۰۲۲ء) ربع دینار کا وزن ۱.۰۹۳۵ گرام ہے۔ اس حساب سے رُبع دینار کی قیمت ۱۲۳۷۵.۰۳ روپے بنتی ہے۔

[2] النووی، شرح مسلم: ۱۶۸۷، ابن حجر، فتح الباری: ۶۷۸۹

[3] سنن أبي داود: ۴۳۹۴، سنن النسائي: ۴۸۷۸

ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹ دیا تھا۔[1] بہرحال قرآن وسنت اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہے کہ چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے۔ البتہ بعض فقہا نے کہنیوں سے کاٹنا بھی لکھا ہے اور خارجیوں کے نزدیک کندھے سے کاٹنا چاہیے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص چوری کرکے لوگوں پر ظلم کرتا ہے، اگر وہ چوری کے بعد خلوص دل سے توبہ کرلے یہ کہتے ہوئے کہ اے اللہ! میں آئندہ چوری نہیں کروں گا، پھر اس وعدے کو عمل سے ثابت کردکھائے، گناہ اور معصیت کے کاموں سے باز آجائے، چوری کرنا چھوڑ دے تو اصلاح کے بعد اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک وہ گناہوں سے درگزر کرنے والا ہے، عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور یہ بخشش اور معافی اس کے رحم کا تقاضا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ معاف فرمادے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی شخص کے جرموں کی پاداش میں اسے سزا دے تو کسی میں یہ ہمت نہیں کہ اسے عذاب سے بچاسکے۔ درحقیقت بات تو یہ ہے کہ اللہ زمین وآسمان کا بادشاہ ہے۔ کل کائنات میں اسی کی حکمرانی ہے۔ اس کی بادشاہت میں کون دخل دے سکتا ہے اور وہ اللہ بھی ایسا ہے کہ ہر چیز اس کے اختیار میں ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ وہ اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم کی بدولت لوگوں کی زندگی کے سامان مہیا کرتا رہتا ہے۔ توبہ سچی ہو اور صدق دل سے ہو اور آیندہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے تو معافی یقینی ہے۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ	اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں ان کی وجہ
يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	سے غمناک نہ ہوجیو۔ یہ کچھ تو ایسے ہیں کہ منہ سے
اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ	کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں
وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ	ہیں اور کچھ یہودی ہیں کہ جھوٹ کہنے کے لیے جاسوسی
سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ	کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے)
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ	کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمھارے پاس نہیں
يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ	آئے۔ (صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت

---

[1] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۳۸

[2] النووی، شرح مسلم: ۱۶۸۷

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو قبول کر لیجیو اور اگر یہ نہ ملے تو احتراز کیجیو اور اگر کسی کو خدا گمراہ کرنا چاہے تو اس کے لیے تم کچھ بھی خدا سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا پاک کرنا نہیں چاہتا، ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

(یہ) جھوٹ کہنے کے لیے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں، اگر تمھارے پاس (کوئی مقدمہ فیصل کرانے کو) آئیں تو تم ان میں فیصلہ کر دو یا اعراض کرو اور اگر ان سے اعراض کرو تو وہ تمھارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرو کہ خدا انصاف والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور یہ تم سے (اپنے مقدمات کیوں کر) فیصل کرائیں گے جب کہ خود ان کے پاس تورات ہے جس میں خدا کا حکم (لکھا ہوا) ہے، وہ خدا کے حکم کو جانتے ہیں پھر اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایماندار ہی نہیں ہیں۔

آیات: ۴۱ تا ۴۳۔ تشریح الفاظ

الرَّسُوْلُ: حضرت محمد ﷺ سے خطاب ہے۔ الرَّسُوْلُ کہہ کر عزت و تعظیم مقصود ہے اور مومنوں کو بھی تعلیم دی گئی کہ وہ بھی آپ ﷺ کو اس قسم کے القاب سے پکاریں۔

يُسَارِعُوْنَ: (سَرع سے نکلا ہے۔) جلدی کرتے ہیں، یعنی جب موقع ملے تو کافرانہ خیالات کے اظہار میں بڑے جلد باز اور تیز ہوتے ہیں۔

لَا يَحْزُنْكَ: آپ کو غم میں نہ ڈالیں۔

بِاَفْوَاهِهِمْ: (بِ، اَفْوَاهِ، هِمْ) اَفْوَاه بمعنی منہ (واحد، فُوْه) آمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ سے مراد منافق ہیں۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا: سے مراد یہودی ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ: (سمع سے) بالکل قبول کرتے ہیں، سچ مان لیتے ہیں۔

الْكَذِبِ: جھوٹ، اِفترا۔

لِقَوْمٍ آخَرِيْنَ: سے مراد یہود خیبر۔

لَمْ يَأْتُوْكَ: جو آپ کی مجلس میں حاضر نہیں ہوئے۔

اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا: یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے۔

فَخُذُوْهُ: تو اس حکم کو قبول کرلو۔

فَاحْذَرُوْا: پھر احتراز کرو، بچو۔

فِتْنَتَهٗ: لفظی معنی آزمائش، یہاں مراد ہے کفر اور گمراہی دنیا میں اور عذاب آخرت میں۔

اَكّٰلُوْنَ: ہڑپ کر جانے والے ہیں۔ اَكَلَ سے نکلا ہے بمعنی کھانا۔

لِلسُّحْتِ: (لِ، السُّحْتِ) بمعنی حرام مال۔ سُحت کے لفظی معنی ہلاکت و بربادی ہیں۔ حرام مال کو سُحت اس لیے کہا گیا کہ یہ تمام نیکیوں اور عبادت کو کھا جاتا اور تباہ کر دیتا ہے۔ نیز اس لیے کہ حرام مال شرافت و جوانمردی (مروءۃ) کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح رشوت بھی سُحت میں داخل ہے۔

فَاحْكُمْ: پس آپ فیصلہ صادر کریں۔

يَتَوَلَّوْنَ: تَوَلّٰی نکلا ہے وَلِی سے۔ اعراض کریں، منہ موڑ لیں، پھر جائیں۔

مفہوم و مطلب: یہود کے بعض اعمال باطل کا تذکرہ

بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مختصراً یوں ہے کہ ایک شادی شدہ معزز یہودی نے ایک بیاہی ہوئی شریف یہودی عورت سے زنا کیا۔ تورات میں اس کی سزا رجم (سنگساری اور پتھراؤ) مرقوم تھی۔ یہودیوں نے تخفیف کی غرض سے معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے یہودیوں سے پوچھا کہ ''تمھاری کتاب تورات میں کیا سزا لکھی ہے؟'' وہ جھوٹ بولے اور کہنے لگے کہ منہ کالے کرکے ذلیل و رسوا کیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جھوٹ ہے۔ وہاں تو سزا رجم ہے۔'' وہ تورات لائے اور ان کا ایک کانا عالم ابن صُوریا تورات پڑھ کر سنانے لگا۔ جب آیت رجم پر پہنچا تو اسے چھپا لیا۔ جب اسے کہا گیا کہ اس آیت پر سے ہاتھ ہٹاؤ تو اس نے ہاتھ ہٹا لیا اور آیت رجم کا اِقرار کر لیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی مرد اور عورت کو رجم کا حکم سنایا۔ پھر دونوں کو رجم کیا گیا۔[1]

---

[1] صحیح البخاری: ۳۶۳۵، ۴۵۵۶ و صحیح مسلم: ۱۶۹۹

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اسی واقعے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ہمارے رسول ﷺ! آپ ان منافقوں کی باتوں سے پریشان خاطر نہ ہوا کریں۔ ان کی زبانوں پر تو ایمان کا لفظ جاری ہے لیکن ان کے دل دولت ایمان سے خالی اور محروم ہیں۔ اس لیے یہ بدطینت لوگ اس تلاش میں رہتے ہیں کہ جب بھی موقع ملے اسلام کے خلاف زبانِ طعن دراز کرکے دل کی بھڑاس نکالیں۔ یہ منافق بڑے جلد باز ہیں۔ فوراً مسلمانوں کے خلاف بکواس کرنے لگتے ہیں۔ دوسرا گروہ یہود کا ہے۔ ان کی بدکرداری کا بھی یہی عالم ہے۔ وہ کان کے کچے ہیں۔ ان کے علماء اور احبار جو جھوٹ اور افترا ان کو سناتے ہیں، اسے باور کرلیتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں شریک ہو کر باتوں کو اس لیے سنتے ہیں کہ جا کر جھوٹ سچ ملا کر بیان کریں اور آپ پر افترا باندھیں۔ یہ لوگ اپنی ہدایت کے لیے آپ کی باتیں نہیں سنتے، بلکہ واپس جا کر دوسروں کو بہکانے پھسلانے اور گمراہ کرنے کے لیے آپ کے ہاں حاضر ہوتے ہیں۔

ان کی ایک بدکرداری یہ ہے کہ تورات کے احکام میں تحریف کرتے ہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق ردو بدل کرلیتے ہیں اور بعض احکام کو چھپا لیتے ہیں۔ بعض اوقات شرعی سزاؤں میں تخفیف حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر ان کی خواہش کے مطابق آپ فتویٰ دیں گے تو وہ قبول کرلیں گے، لیکن اگر آپ نے ان کی خواہش اور مرضی کے خلاف حکم صادر کیا تو وہ پہلے ہی سے آمادہ انکار ہوتے ہیں۔ یہ ہوائے نفس اور خواہشات کے بندے ہیں۔ خدا کے احکام کی عزت ان کے دلوں سے اٹھ گئی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں توفیق ہدایت سے محروم کردیا ہے۔ گناہوں کی پاداش میں اللہ جس سے توفیق ہدایت چھین لے تو وہ دنیا میں گمراہی اور کفر کی گود میں چلا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لیے عذاب ہے۔ جب یہ لوگ توفیق ہدایت سے محروم ہوگئے تو ان کے دلوں میں اسلام کی پاکیزگی اور ایمان کا نور کیسے آسکتا تھا۔ نورِ ایمان سے محرومی کا مفہوم یہ ہے کہ دل پاک نہیں ہوسکتے۔ جب دلوں میں کفر کا میل کچیل موجود ہو تو عزت کا صحیح تصور پیدا نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں عذابِ الٰہی کفر کی سزا مقرر ہوچکی ہے۔

ان لوگوں میں ایک اور عیب ہے۔ جھوٹ بولنے کے علاوہ یہ لوگ حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتے، حرام مال کھاتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، ناجائز روپے پیسے سے انھیں پرہیز نہیں اور یہ نہیں جانتے کہ حرام مال تمام عبادات اور نیکیوں کو برباد کردیتا ہے۔

اگر یہ لوگ آپ کے پاس کسی معاملہ میں فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ چاہیں

تو فیصلہ کریں اور اگر آپ نہ چاہیں تو نہ کریں۔ اگر آپ فیصلہ نہ دینا چاہیں تو یہ لوگ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ البتہ یہ بات یاد رکھیے کہ جب آپ فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے کریں۔ یہ لوگ آپ کو حکم اور جج کیوں ماننے لگے جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے اور اس کتاب مقدس میں اللہ کے فیصلے اور احکام پہلے ہی سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اگر آپ نے تورات کے مطابق اور ان یہودیوں کی مرضی کے خلاف فیصلہ کیا تو یہ لوگ آپ کے فیصلے سے پھر جائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان یہودیوں کا ایمان نہ تو آپ پر ہے اور نہ تورات پر۔ یہ تو خواہش نفس کے بندے ہیں۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو دل سے مانتے ہیں اور نہ اسلام پر ان کا ایمان ہے۔ اگر شریعتِ موسوی کو دل سے مانتے تو پھر زنا کے بارے میں رجم سے کیوں بھاگتے ؟!

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾	ہاں ہاں! ہم ہی نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی، کیونکہ وہ کتابِ خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے)۔ تو تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت مت لو۔ اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔
وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾	اور ہم نے (تورات میں) ان لوگوں کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح کا بدلہ ہے تو جو شخص بدلہ معاف کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جو خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾	اور ہم نے ان کے بعد انھی کے قدموں پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلے کی (اتری ہوئی) ہے تصدیق کرتی ہے اور پرہیز گاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾	اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام خدا نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ بدعمل ہیں۔

آیات: ۴۴ تا ۴۷۔ تشریح الفاظ

هُدًى وَّنُوْرٌ: لفظی معنی ہدایت اور ضیا اور روشنی۔ مراد ہے بیانِ احکامِ الٰہی و مسائل شریعت اور بشارتِ نبوتِ محمدی ﷺ۔

التَّوْرَاةِ: وہ کتابِ الٰہی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

النَّبِيُّوْنَ: بقول امام قرطبی اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں، جمع کا صیغہ تعظیم و تکریم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ بقول دیگر مفسرین اس سے مراد انبیائے بنی اسرائیل ہیں۔[1]

اَسْلَمُوْا: وہ انبیاء خدا کے فرمانبردار تھے۔ مسلمان تھے۔ دین ابراہیم علیہ السلام پر عمل پیرا تھے۔ تورات کی تصدیق کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار نبی آئے تھے۔[2]

الرَّبَّانِيُّوْنَ: علمائے یہود جن کے کلام میں حکمت و دانائی تھی۔

الْاَحْبَار: (حِبْرٌ، واحد ہے) فقیہ علماء، فقہ کے علماء۔

[1] القرطبی والرازی و اسماعیل حقی، التفسیر، المائدہ: ۴۴

[2] ابن الجوزی، المنتظم: ۱/ ۳۸۳ و ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۵۳

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا: کتاب کا وہ حصہ جو اُن کو محفوظ رکھنے کے لیے سونپا گیا تھا۔

شُهَدَاءَ: (مفرد، شَهِيْد) محافظ و نگران۔ یعنی تورات کو تبدیلی اور تحریف سے محفوظ رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ یا حضرت محمد ﷺ کے فیصلے کے گواہ تھے کہ یہ تورات کے حکم کے مطابق ہے۔

فَلَا تَخْشَوُا: (بشارت محمدی یا آیت رجم کے بارے میں) تم مت ڈرو۔

وَاخْشَوْنِ: اور مجھ سے ڈرو (کتمان حق کی وجہ سے)۔ النَّفْسَ: جان۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا: مراد ہے جو کچھ تورات میں مذکور ہے اسے نہ چھپاؤ، اس کا چھپانا بے قدری ہے۔ تورات کے احکام کو چھپانا اور دنیوی منفعت حاصل کرنا خدا کے اجر کے مقابلے پر بالکل حقیر اور بے حقیقت ہے۔ کتمانِ حق کے مقابلے پر بڑے سے بڑا فائدہ بھی نہایت قلیل اور حقیر ہے۔

الْعَيْنَ: آنکھ۔ الْاَنْفَ: ناک۔

الْاُذُنَ: کان۔ السِّنَّ: دانت۔

الْجُرُوْحَ: (واحد، جَرْح) زخم۔ تَصَدَّقَ بِهٖ: جو قصاص معاف کر دے۔

آثَارِ: (واحد، اَثَر) نقشِ پا، نشان۔

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ: یہ معافی معاف کرنے والے کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ یعنی جس طرح اس شخص نے قصاص معاف کر دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس (معاف کرنے والے) کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

قَفَّيْنَا: قَفّٰى باب تفعیل ہے قَفَا يَقْفُوْا سے۔ ہم نے پیچھے بھیجا۔

مَوْعِظَةً: وَعَظَ يَعِظُ عِظَةً سے۔ نصیحت۔ الْفَاسِقُوْنَ: نافرمان، حکم الٰہی سے سرتابی کرنے والے۔

مفہوم و مطلب: اللہ کے نازل کردہ احکام پر فیصلوں کا وجوب

یہود و نصاریٰ کے عجیب و غریب حالات و کوائف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ تورات جس کو یہود نے چھوڑ رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے نازل ہوئی تھی لیکن وہ اس کا علم رکھنے کے باوجود اس کتاب پر عمل پیرا نہ ہوئے۔ تورات سے محض نسبت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ تورات کے احکام سے آنکھیں بند کر لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہود و نصاریٰ نے قرآنِ مجید سے بھی آنکھیں بند کر لیں۔

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تورات اس لیے نازل کی تھی کہ یہ بنی اسرائیل کو راہِ راست دکھائے۔ حق و صداقت کا سبق دے اور ان کے تاریک دل ایمان اور عمل صالح کی روشنی سے جگمگا اٹھیں۔

تورات کے احکام کی روشنی میں تقریباً ایک ہزار انبیاء ﷩ نے فیصلے صادر کیے۔ یہ وہ انبیاء ﷩ تھے جو خدا کے فرمانبردار تھے۔ دین اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس لیے کہ تمام انبیاء ﷩ کا دین ایک ہی تھا اور اس کا نام اسلام ہے۔ انبیاء کے علاوہ یہودیوں کے علماء وفقہاء نے بھی یہود کو تورات کے حکم سنائے اور تورات کے مطابق فیصلے کیے۔ ان سب لوگوں کو خدا نے حکم دے رکھا تھا کہ تورات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی اور تحریف نہ ہونے دیں۔ ان کو تورات کا نگران اور محافظ ٹھہرایا گیا تھا۔ تم لوگوں سے نہ ڈرو۔ بے باک ہو کر تورات کے احکام سناؤ۔ اس کا کوئی حکم نہ چھپاؤ۔ البتہ اس بات سے اللہ سے ڈرو کہ کسی آیت کو چھپاؤ یا بشارتِ محمدی کو ظاہر نہ کرو اور اپنے انبیاء ﷩ کی پیروی کرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کو مخاطب فرمایا کہ اے یہودیو! تم دنیا کی حقیر اور ذلیل منفعت کے لیے خدا کے احکام کو نہ چھپاؤ۔ آخرت کے مقابلے پر دنیا کا بڑے سے بڑا فائدہ بھی بالکل حقیر اور ناچیز محض ہے۔ اللہ کے احکام کو چھپانے کی سزا بڑی سخت ہے۔ دنیا میں رسوائی و ذلت کے علاوہ آخرت میں ہولناک عذاب بھی تیار ہے۔ دین کے معاملے میں نہ تو رشوت لے کر چپ ہو جاؤ اور نہ جاہ وحشمت کا رعب تمھیں مرعوب کر پائے، اور اگر کوئی خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کے خلاف فیصلہ کرے، خواہ توہین کے پیش نظر، خواہ انکار کی وجہ سے، بہرحال وہ خدا کی شریعت کا منکر شمار ہوگا۔ اسے کفار کے زُمرے میں تصور کیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کے لیے فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان لی جائے۔ اگر کوئی آدمی بلاوجہ کسی کو ناحق قتل کر دے تو قاتل کی سزا موت ہے۔ اسی طرح آنکھ پھوڑنے والے کی آنکھ پھوڑی جائے، ناک کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے، کان کاٹنے والے کا کان کاٹا جائے۔ جو شخص کسی کا دانت توڑ ڈالے تو توڑنے والے کا بھی دانت توڑا جائے۔ اسی طرح دوسرے زخموں کے بدلے ہیں۔ جتنا اور جس قسم کا زخم ہو، اتنا اور اسی طرح کا زخم لگانا منشائے الٰہی کے موافق ہے۔ البتہ کوئی شخص مجرم کے گناہ کو معاف کر دے تو یہ معافی اس معاف کرنے والے کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا کہ ہم نے انبیائے بنی اسرائیل کے بعد حضرت عیسیٰ ؈ کو ان کے نقش پا پر بھیجا۔ حضرت موسیٰ ؈ اور عیسیٰ ؈ کے مابین کم و بیش ایک ہزار انبیاء ﷩ مبعوث ہوئے۔ یہ انبیاء شریعت موسوی کی اتباع کرتے تھے۔ ان کے نقش پا پر حضرت عیسیٰ ؈ نے بھی تشریف لا کر تورات کی تصدیق فرما دی۔ خود حضرت عیسیٰ ؈ کو انجیل دی گئی۔ تورات کی طرح اس کتاب مقدس میں بھی عقائد کی گمراہی سے بچانے، سیدھا رستہ دکھانے اور نصیحت و عبرت کا سامان وافر موجود ہے۔

یہ انجیل پہلے نازل شدہ کتابوں نیز بالخصوص قرآن مجید کی تصدیق کرتی ہے اور متقی لوگوں کے لیے اس کتاب میں سامانِ موعظت و عبرت موجود ہے۔ انجیل والوں کو چاہیے کہ کتاب مقدس کے احکام کی پابندی کریں۔ خدا کے حکموں پر عمل کریں۔ شریعت محمدی کی تائید کریں، کیونکہ انجیل میں واضح طور پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کی بشارت دی گئی تھی۔ اہل انجیل کو بشارت محمدی کا چھپانا زیبا نہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو درحقیقت وہ خدائے بزرگ و برتر کے خلاف سرتابی اور سرکشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے محروم ہو کر فاسق لوگوں کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اے پیغمبر! ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے، جو کتابیں اس سے پہلے (نازل ہوئی) تھیں ان کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے۔ تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان میں فیصلہ کرو اور حق جو تمھارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت میں بنا دیتا، مگر جو حکم اس نے تم کو دیے ہیں ان میں وہ تمھاری آزمائش کرنی چاہتا ہے، سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تم کو بتا دے گا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو (حکم) خدا نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں حکم دیجیو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیو اور ان سے بچتے رہیو کہ

اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾	خدا کے کسی نازل کیے ہوئے حکم سے بہکانہ دیں، اگر یہ لوگ نہ مانیں تو جان لو کہ خدا چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ نافرمان ہیں۔
اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾	کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں اور اہل یقین کے لیے خدا سے اچھا حکم کس کا ہے؟!

آیات: ۴۸ تا ۵۰۔ تشریح الفاظ

اِلَيْكَ: خطاب حضرت محمد ﷺ سے ہے۔ الْكِتٰبَ: یعنی قرآن مجید۔

مِنَ الْكِتَابِ: سے مراد خدا کی نازل کی ہوئی کتابیں، بالخصوص تورات اور انجیل۔

مُهَيْمِنًا: محافظ، نگران، گواہ، امین۔ بقول امام لغت المبرد: مُهَيْمِن اصل میں مُؤَيْمِن تھا، پھر ہمزہ کو ھ سے بدل دیا گیا اور مُهَيْمِن بن گیا۔ بقول دیگراں یہ لفظ هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ هَيْمَنَةً سے بنا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعْ: اور تو پیروی نہ کر۔ اَهْوَاءَهُمْ: (واحد، هَوٰى) ان کی خواہشات۔

مِنَ الْحَقِّ: صداقت، سچائی۔ یعنی جو سچائی تمھارے پاس پہنچ چکی ہے اسے چھوڑ کر ان یہود کی خواہشات کو ترجیح نہ دیں۔ عَمَّا جَاءَكَ: آئی تیرے پاس۔

شِرْعَةً: شریعت، کھلا راستہ، لفظی معنی ہیں پانی تک پہنچانے کا راستہ۔ اسی سے شَارِع بمعنی سڑک نکلا ہے۔

لِيَبْلُوَكُمْ: (لِ، يَبْلُوَ، كُمْ) تاکہ تمھارا امتحان کرے، تمھاری آزمائش کرے۔ بَلَاء اور اِبْتِلَاء بمعنی آزمائش، امتحان۔ مِنْهَاجًا: طریقہ دین، واضح راستہ، سُنّت۔

اسْتَبِقُوْا: سَبَقَ سے اِسْتِبَاق، باب افتعال ہے۔ سابِق اسم فاعل ہے۔ جلدی کرو، پیش قدمی کرو، بھاگو دوڑو، سبقت لے جاؤ۔ مَرْجِعُ: لوٹنا، واپس جانا۔

الْخَيْرَاتِ: نیکیوں (کی طرف)، فرماں برداری، طاعتِ الٰہی۔

احْذَرْ: تو بچتا رہ۔ تَوَلَّوْا: وہ منہ موڑ لیں، اِعراض کریں۔

يَفْتِنُوْكَ: وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ بہکا دیں۔ راہ حق سے پھیر دیں۔

يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ: لفظی معنی ان کو مصیبت پہنچے ان کے بعض گناہوں کے بدلے۔ مراد ہے کہ عذاب آخرت کے علاوہ اس دنیا میں بھی ان کو اپنے جرموں کی پاداش میں قتل، جلا وطنی اور جزیہ کی سزا ملے۔ ذُنُوب کا واحد ذَنْب ہے۔ يَبْغُوْنَ: وہ چاہتے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ: یہاں اَلف استفہام برائے زجر و توبیخ استعمال ہوا ہے۔ کیا زمانہ جاہلیت کا حکم اور دستور حکومت؟ زمانہ جاہلیت میں غریبوں کے لیے جدا حکم تھا اور امیروں کے لیے جدا۔

مَنْ: کون۔ یہ استفہام اِنکاری ہے۔ یعنی اہل یقین کے لیے اللہ سے بہتر کسی کا حکم نہیں ہے۔

مفہوم و مطلب: قرآن کے مطابق فیصلوں کا وجوب

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے تورات اور انجیل نازل کی تا کہ یہودی اور عیسائی عقائد کی گمراہی سے بچیں۔ خدا کی توحید کا اقرار کریں۔ شرک اور بدعت سے دور رہیں۔ اب ان آیات میں فرمایا کہ جس خدا نے یہودیوں کی ہدایت کے لیے تورات نازل کی تھی اور عیسائیوں کی راہنمائی کے لیے انجیل، اسی اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآنِ مجید دیا ہے۔ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ہمارے پیغمبر ﷺ! ہم نے تورات اور انجیل کی طرح حق طور پر آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے۔ قرآن مجید کا منصب یہ بھی ہے کہ یہ پہلی کتابوں مثلاً تورات اور انجیل وغیرہ کی تصدیق کرتا ہے، ان کے برحق ہونے کی گواہی دیتا ہے، ان کتابوں کی تعلیمات کا امین و محافظ ہے۔ ان کتابوں کے احکام کو کھول کر بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید نشان دہی کرتا ہے کہ کہاں کہاں بنی اسرائیل نے تحریف اور تبدیلی کی ہے۔ قرآن مجید خود تبدیلی اور تحریف سے محفوظ رہے گا۔ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے۔

پھر فرمایا کہ اے ہمارے رسول ﷺ! جب اہل کتاب تمھارے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئیں تو کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کریں۔ ان کی باتوں پر اعتماد نہ کریں۔ وہ تو خواہشات کے بندے ہیں۔ جھوٹ سچ کی آمیزش سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس حق و صداقت ہے۔ وحی الٰہی سے آپ کو سرفراز ا جا چکا ہے۔ اب آپ فیصلہ کرتے وقت حکم الٰہی کو پیش نظر رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے ایک شریعت اور واضح طریقہ دین مقرر کر دیا ہے، یعنی ہر پیغمبر کو احکامِ عمل دیے گئے۔ وہ ان احکام کی روشنی میں اپنی امت کے لیے ایک نمونہ اور سنت قائم کرتا ہے۔ جس سے دین پر عمل آسان اور سہل ہو جاتا ہے اور یہی ہے واضح طریقہ دین۔ ہر امت کا فرض ہے کہ اپنے اپنے دین کے

احکام پر کار بند ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگ ایک ہی شریعت یعنی اسلام پر چلتے، لیکن اللہ آزمائش بھی کرنا چاہتا ہے کہ دیکھے کون لوگ اس کی اطاعت کا دعویٰ کرنے کے بعد اس کے احکام کی پیروی بھی کرتے ہیں۔ شریعت کا مقصد تو اطاعتِ الٰہی ہے۔ سب گروہوں کو چاہیے کہ خدا کے حکموں کو مانیں۔ جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کریں اور جس سے روکا گیا ہے اس سے باز رہیں۔ اختلافات کی آگ کو ہوا دینے کا نام شریعت وطریقت نہیں اور نہ دینداری کا مقصد فرقہ پرستی ہے، بلکہ صحیح جذبہ خدا پرستی یہ ہے کہ نیک کاموں کی طرف لپکو۔ خدا کی فرمانبرداری میں جلدی کرو، نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ دنیا عارضی ٹھکانا ہے۔ آخر کار خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ وہ حق و باطل میں فرق کر دے گا اور باعث نزاع اور اختلافی مسائل میں فیصلہ کرے گا۔

روایت ہے کہ یہود کے چند فقہاء اور علماء نے کہا کہ آؤ پیغمبر اسلام کے پاس چلیں۔ شاید ہم اسے اس کے دین سے بہکا دیں۔ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے اَحبار ہیں، اگر ہم آپ کے تابع ہو گئے تو سارے یہودی ہماری پیروی کریں گے؟ ہمارے ہاں کچھ جھگڑا ہے۔ ہم آپ کی خدمت میں فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم آپ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ [1] نازل ہوئی۔

فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے۔ اس قرآن کی روشنی میں یہودیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کریں۔ آپ محتاط رہیں۔ ان کی باتوں اور خواہشات کی طرف دھیان نہ دیں۔ وہ تو اپنی باتوں سے آپ کو بہکانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ آپ کے فیصلے سے انحراف کریں گے تو نقصان انھی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بدکرداریوں اور گناہوں کی پاداش میں انھیں یہاں دنیا میں بھی سزا دینا چاہتا ہے۔ اس سزا کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ایک نوعیت جزیہ، دوسری جلاوطنی، تیسری قتل۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ یہ لوگ خدا کے نافرمان ہیں۔ یہ یہودی ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہیں، اس لیے بھٹکے پھرتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کے دستور و قانون کو پسند کرتے ہیں۔ ان بدبختوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ کے دستور اور حکم سے بہتر اور کوئی دستور اور حکم نہیں ہے۔ جن لوگوں کو یقین محکم کی دولت ملی ہے وہ جانتے ہیں کہ کسی کا حکم اللہ سے بہتر نہیں۔ اللہ کے قانون میں عدل و انصاف ہے۔ غریب اور امیر سب کے لیے ایک ہی قانون ہے۔

[1] الطبری و ابن کثیر، التفسیر، المائدۃ:۴۹

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

مومنو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا تو وہ بھی انھی میں سے ہے، بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے تم ان کو دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کر ملے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے، سو قریب ہے کہ خدا فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) تو یہ (منافق) جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا کرتے تھے اس پر پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور مومن (تعجب سے) کہیں گے کہ یہ وہی ہیں جو خدا کی سخت سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، ان کے (سب) عمل اکارت گئے اور وہ خسارے میں آ گئے۔

آیات: ۵۱ تا ۵۳۔ تشریح الفاظ

لَا تَتَّخِذُوْا: نہ پکڑو، نہ بناؤ۔ اَوْلِيَآءَ: (واحد، وَلِیّ) دوست۔

يَتَوَلَّهُمْ: (يَتَوَلَّ، هُمْ) دوست بنائے گا ان کو۔

مَرَضٌ: بیماری۔ مراد ہے مرضِ نفاق و شک، اعتقاد کی کمزوری، ضعف ایمان، یعنی جن لوگوں کا ایمان راسخ اور عقیدہ توحید مضبوط نہیں ہے۔

يُسَارِعُوْنَ: سَرَعَ سے باب مفاعلہ۔ دوڑتے ہیں (ان کی دوستی کی طرف)۔ تیزی سے بڑھتے ہیں (ان کی محبت کی طرف) یعنی یہود و نصاریٰ کی دوستی انھیں پسند ہے اور وہ ان سے میل جول اور تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ نَخْشٰى: ہم ڈرتے ہیں، ہمیں خوف ہے۔

تُصِیْبَنَا: ہمیں پہنچے۔ یَاْتِیَ بِہٖ: لائے، بھیجے۔

دَآئِرَۃٌ: انقلاب، یعنی حکومت اور اقتدار آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے نکل کر کفار کے ہاتھ میں نہ چلا جائے یا یہ کہ کسی آفت اور مصیبت مثلاً قحط وغیرہ کا ہم شکار نہ ہو جائیں۔

عَسٰی: قریب ہے۔ کلام اللہ میں عَسٰی کا لفظ سچے وعدے کے لیے آتا ہے۔

الْفَتْح: غلبۂ دین محمدی، نصرتِ اسلام، فیصلہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جلدی اسلام کا بول بالا کر دے گا اور دین محمدی کو غلبہ اور فتح عطا کرے گا۔ حق و باطل اور کفر و اسلام میں فیصلہ کر دے گا۔ الْفَتْح کے مفہوم میں بنوقُریظہ کے فوجی سپاہیوں کا قتل، ان کے اہل و عیال کی گرفتاری، بنونضیر کی جلاوطنی، فتح مکہ اور اسلام کی عام فتوحات سب شامل ہیں۔ اسی طرح کفار، مشرکین اور یہود کی شان و شوکت کا خاتمہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ نیز الفتح سے مراد ہے خوشحالی، غلے کی فراوانی اور مسلمانوں کی فارغ البالی۔

فَیُصْبِحُوْا: پس ہو جائیں۔

اَمْرٍ: اَمْر سے مراد: (۱) جزیہ (۲) منافقین کی حرکتوں سے آگاہی (۳) خوشحالی و فارغ البالی وغیرہ ہے۔

مَا: موصولہ بمعنی جو کچھ۔ اَسَرُّوْا: وہ چھپاتے تھے۔

اَنْفُسِهِمْ: اپنے دلوں میں۔ نٰدِمِیْنَ: پشیمان، ندامت کرنے والے۔

هٰٓؤُلَآءِ: منافقین کی طرف اشارہ ہے۔ اَقْسَمُوْا: قسمیں کھاتے تھے۔

جَهْدَ: سخت، پکی۔ اَعْمَالُهُمْ: ان (منافقوں) کے اعمال۔

حَبِطَتْ: صیغہ ماضی، واحد مؤنث غائب۔ اکارت گئے، باطل ہو گئے، برباد ہو گئے، ضائع ہو گئے۔

مفہوم و مطلب: یہود و نصاریٰ سے دوستی ممنوع ہے

مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد ضروری تھا کہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کی تنظیم عمل میں آئے۔ اس سلسلے میں امن اور چین کی زندگی اور سکونِ قلب پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ وہ اپنی سیاسی و جماعتی خبریں باہر نہ نکلنے دیں۔ اس مقصد کے پیش نظر دشمنانِ اسلام بالخصوص یہود و نصاریٰ سے عدم تعاون کا سبق دیا گیا۔ منافقوں سے محتاط رہنا سکھایا گیا، کیونکہ وہ اکثر یہود و نصاریٰ سے ملتے اور مسلمانوں کے راز انھیں بتا دیتے تھے۔ جماعتی استحکام اور نظم کے لیے یہود و نصاریٰ کے بارے میں مسلمانوں کا طرزِ عمل واضح کیا گیا ہے۔

ان آیات کی شانِ نزول کے متعلق روایت ہے کہ حضرت عُبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہود سے میرے گہرے مراسم ہیں۔ بہت سے یہودی میرے دوست ہیں۔ میں ان سب سے اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ مگر عبداللہ بن اُبی منافق کہنے لگا کہ میں تو ایسا نہیں کروں گا، کیونکہ مجھے انقلابِ زمانہ کا ڈر ہے۔ مصیبت اور قحط کا خوف ہے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جماعتی اور انفرادی طور پر یہود و نصاریٰ ایسے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ ان سے تمھاری دوستی زیب نہیں دیتی۔ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ تمھارے دوست نہیں بن سکتے۔ ایک یہودی دوسرے یہودی کا دوست تو ہوسکتا ہے اور ایک عیسائی دوسرے عیسائی کا دوست بھی بن سکتا ہے، لیکن ان کی اسلام دشمنی اتنی نمایاں اور شدید ہے کہ تمھاری دوستی کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا تو پھر وہ انھی کے گروہ میں شمار ہوگا۔ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مسلمان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسا شخص جان بوجھ کر ظالم بنتا ہے اور ایسے ظالموں کے لیے اللہ کے ہاں توفیق ہدایت نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ہمارے نبی! آپ دیکھتے ہیں کہ یہ منافق ایمان و عمل کے کمزور ہیں۔ ان کا عقیدہ راسخ نہیں ہوا۔ ان کے دلوں میں شکوک و شبہات اور منافقت کی بیماری نے گھر کر رکھا ہے۔ یہ ناقص الایمان منافق دشمنانِ اسلام بالخصوص یہود و نصاریٰ کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ جب بھی موقع ملتا ہے ان کی طرف دوڑتے ہیں۔ بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں انقلاب حکومت اور قحط و مصیبت کا ڈر ہے۔ اگر حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر یہودیوں کے ہاتھ میں چلی جائے تو ہم تو محفوظ رہیں گے، کیونکہ ہماری ان سے دوستی ہے۔ یا اگر قحط پڑ جائے تو پھر بھی ہمیں ان کی دوستی کی وجہ سے خوراک تو ملتی رہے گی۔ اللہ نے ان کے اس بہانے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت و اقتدار تو خدا کے قبضے میں ہے۔ مستقبل قریب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مزید غلبہ اور قوت و شوکت عطا کرے گا۔ فارغ البالی اور خوشحالی بھی وہ دے گا۔ ان یہودیوں کی طاقت اور شان و شوکت کو ختم کر دینا بھی خدا کے اختیار میں ہے۔ جب یہ منافق غلبۂ اسلام اور شکستِ یہود و کفار دیکھیں گے تو کفِ افسوس ملتے ہوئے نادم اور پشیمان ہوں گے کہ ہم نے یہودیوں کی دوستی کو دل میں کیوں چھپا رکھا تھا۔

---

[1] ابن أبي حاتم و ابن عطیہ، التفسیر، المائدہ:۲

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسکین دلاتے ہوئے جو وعدہ کیا تھا وہ حرف بحرف پورا ہوا۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو فتح مکہ عطا کی، یہودیوں کی شان وشوکت کو ختم کر دیا۔ ان کے تمام علاقے آنحضرت ﷺ نے فتح کر لیے۔ کچھ یہودی تو میدان جنگ میں قتل ہوئے، کچھ یہودیوں کو جلاوطن کر دیا گیا اور کچھ یہودیوں نے مغلوب ہونے کے بعد جزیہ دینا قبول کر لیا۔ یہودیوں کا یہ انجام دیکھ کر منافقوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مسلمانوں نے منافقوں کی یہ حالت دیکھی تو کہنے لگے کہ یہی وہ منافق ہیں جو قسمیں کھا کھا کر یہودیوں سے امداد کے وعدے کرتے، پھر ایفائے عہد کے لیے ان تھک کوششیں کرتے اور انھیں اپنے تعاون اور اعانت کا یقین دلانے کے لیے سینکڑوں جتن کرتے تھے۔ آج ان کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ ان منافقوں کا سب کیا کرایا دھرا کا دھرارہ گیا۔ ان کی کوئی محنت ٹھکانے نہ لگ سکی۔ ان کی نمازیں، روزے، زکاۃ، حج سب ضائع ہو گئے، کیونکہ یہ ایمان واخلاص کی دولت سے محروم ہونے کے علاوہ دشمنانِ رسول سے ساز باز کرتے رہے اور یہ ایسا سنگین جرم ہے کہ ان کے سارے اعمال برباد ہو گئے۔ فقدانِ اخلاص نے دنیا بھی خراب کی اور آخرت بھی بگاڑ دی۔ دنیا میں ذلت ورسوائی ہوئی اور آخرت میں عذاب مول لیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾	مومنو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہو اور جسے وہ دوست رکھتے ہوں اور جو مومنوں کے ساتھ نرمی کریں اور کافروں پر سختی، خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ذرا نہ ڈریں۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔

آیت: ۵۴۔ تشریح الفاظ

يَرْتَدَّ: رَدَّ سے باب اِفتعال ہے، اِرْتَدَّ يَرْتَدُّ اِرْتِدَادًا۔ پھر جائے، لوٹ جائے، مُرتد ہو جائے۔

يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ: اللہ ان کی جگہ اور لوگ لے آئے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ: سے مراد حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور ان کے رفقائے کار ہیں۔[1]

اَذِلَّةٍ: (واحد، ذَلِيْلٌ) قَوْمٍ موصوف اور اَذِلَّةٍ اس کی نعت (صفت) ہے۔ رحم دل۔ مہربان، نرم، مشفق (جیسے باپ بیٹے کے لیے)۔

اَعِزَّةٍ: (واحد، عَزِيْزٌ) سخت، زبردست، غالب (جیسے درندہ شکار پر)۔

يُؤْتِيْهِ: دیتا ہے، عطا کرتا ہے (اپنا فضل)۔ وَاسِعٌ: بڑی وسعت اور فضل والا ہے۔

عَلِيْمٌ: مخلوق کی مصلحتوں کو جاننے والا، اللہ خوب جانتا ہے کہ فضل کا مستحق کون ہے۔

مفہوم ومطلب: مرتدین کی سزا

اجتماعی، سیاسی اور دینی مصلحت کی بنا پر یہود ونصاریٰ سے دوستی رکھنا ممنوع قرار دینے کے بعد فرمایا تھا کہ جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انھی کی جماعت میں سے متصور ہوگا۔ پھر ایک ایسے گروہ کی نشاندہی کی جس کے دل نفاق اور شک کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اس کے بعد اب اس آیت میں ایک پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب کچھ لوگ ذاتی اغراض ومصالح کی خاطر دین اسلام سے انحراف کریں گے۔ اگر کچھ لوگ دین سے پھر جائیں تو اللہ ان کی جگہ دوسرے لوگ لا کھڑے کرے گا۔

تاریخ نے اس آیت کریمہ کی تصدیق کرتے ہوئے قرآن مجید کے اعجاز اور کتاب الٰہی ہونے پر مہر ثبت کر دی:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں بنو مدلج، بنو حَنِیفہ اور بنو اَسد کے قبائل میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے۔ بنو مُدلج کا سردار اَسوَد عَنسی تھا۔ یہ کاہن تھا۔ اس نے یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ کچھ حصے پر قابض بھی ہو گیا۔ جادوگری کا دعویٰ بھی کرنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں اپنے عامل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور دوسرے سردارانِ یمن کے نام خط لکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑا پہلے اَسود عَنسی قتل ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رات متنبی یمن کے قتل کی خبر سنا کر مسلمانوں کو خوشی ومسرت کا پیغام دیا۔[2]

۲۔ اسی طرح یَمامہ میں مُسیلمہ کذّاب نے اپنے قبیلے بنو حَنِیفہ میں دعویٰ نبوت کر دیا۔ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھنے کی بھی جراَت کی اور نبوت میں شرکت کا دعویٰ کرتے ہوئے نصف حصۂ سلطنت کا تقاضا کیا۔

---

[1] ابن أبي حاتم، التفسیر، المائدۃ:۵۴

[2] صحیح البخاري:۴۳۷۸، ۴۳۷۹ والمقریزي، إمتاع الأسماع:۱۴/ ۵۲۲

آپ ﷺ نے اس کے جواب میں اسے کذّاب ٹھہرایا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف لشکر بھیج کر جہاد کیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔[1]

۳۔ بنو اَسد کے قبیلہ میں طُلَیحہ بن خُوَیلد نے دعویٰ نبوت کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ طلیحہ نے شام کی طرف بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ بعد میں تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔[2] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی سات قبائل زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کر کے مرتد ہو گئے تھے:

(۱) بنو فزارہ (۲) بنو غطفان[3] (۳) بنو سُلَیم (۴) بنو یَربُوع (۵) بنو تمیم کے کچھ لوگ

(۶) بنو کندہ (۷) بنو بکر بن وائل بحرین میں۔

جب (مذکورہ آیت میں موجود) اس پیشگوئی کے مطابق عرب کے قبائل مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کر کے اِرتداد کا قلع قمع کر دیا۔[4] اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کی یہ صفات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ اس نیک گروہ سے اللہ تعالیٰ کو محبت اور دوستی ہے۔

۲۔ یہ لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

۳۔ ایمان والوں سے نرمی سے پیش آتے ہیں۔

۴۔ کافروں کے مقابلے پر زبردست اور غالب ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے دشمنانِ دین اور مرتدین سے لڑتے ہیں۔

۶۔ ایمان والوں کا یہ گروہ ملامت سے نہیں ڈرتا۔ انھیں لوگوں کی پروا نہیں۔ ان کا نصب العین اللہ کو راضی کرنا ہے۔

منافقوں کو یہود کا ڈر ہے۔ مسلمانوں کو کسی کا ڈر نہیں۔ مسلمان باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ رکھنے کے لیے بے خطر میدان میں کود پڑتا ہے۔ ایمان والوں میں ان صفات کی موجودگی اللہ کا فضل ہے۔ وہ جسے

---

[1] صحیح البخاری: ۳۶۲۰، ۴۳۷۳ صحیح مسلم: ۲۲۷۳ وابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۷۲

[2] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۳۱۷ والزرکلی، الأعلام: ۳/ ۲۳۰

[3] زیادہ تر غطفان مستعمل ہے۔

[4] مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۱۰/ ۳۵۶۔۳۷۰

چاہتا ہے اپنے فضل سے بہرہ مند کرتا ہے۔ اس کا فضل بڑا وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کے فضل کا مستحق کون ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾	مومنو! تمھارے دوست تو خدا اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں، جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور (خدا کے آگے) جھکے رہتے ہیں۔
وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾	اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا (تو وہ خدا کی جماعت میں داخل ہوگا اور) خدا کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔

آیات: ۵۵ تا ۵٦۔ تشریح الفاظ

يُقِيمُونَ: نماز کو پورے حقوق اور آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

وَلِيّ: دوست۔ الزَّكَاةَ: زکاۃ، نیز صدقہ و خیرات۔

رَاكِعُونَ: رکوع کرنے والے۔ نیز خشوع و خضوع کرنے والے، نماز میں عاجزی کرنے والے، زکاۃ دے کر تکبر نہ کرنے والے، نیکی کے بعد نہ اترانے والے۔ لغت میں ہے کہ عرب اس شخص کو راکع کہتے تھے جو اللہ پر ایمان لائے اور بتوں کی پرستش نہ کرے۔[1]

يَتَوَلَّ: دوست رکھے گا۔ اللہ کی دوستی سے مراد ہے اللہ پر بھروسا اور توکل۔ رسول کی دوستی سے مراد اطاعت سنت رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستی یہ ہے کہ ان سے تعاون کیا جائے۔

حِزْبَ: جماعت، گروہ۔ جمع أَحْزَاب ہے۔ حِزْب کے معنی ورد وظیفہ بھی ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا: ان ایمان والوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سب شامل ہیں۔[2]

مفہوم و مطلب: صرف اہل ایمان سے دوستی

گزشتہ چند آیات میں بیان فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہاں یہ حکم دیا ہے کہ اے مومنو!

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: ۸/ ۱۳۳

[2] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۵٦

تمھارے دوست اللہ، اللہ کے رسول اور ایمان والے ہیں۔

روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اسلام لے آئے تو انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہماری قوم بنوقریظہ اور بنونضیر نے ہم سے قطع تعلقات کر لیا ہے اور انھوں نے حلف اٹھایا ہے کہ وہ ہم سے میل جول نہیں رکھیں گے۔ ہم لوگ مدینہ منورہ سے دور رہتے ہیں۔ آپ کی اور آپ کے صحابہ کی صحبت سے مشرف ہونے کا موقع کم ملتا ہے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کی دوستی سے خوش ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود کے قطع تعلقات کی پروا نہ کرو۔ وہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمھارا دوست اور حامی اللہ، اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والے ہیں۔ ایمان والوں کی صفت یہ ہے کہ وہ نمازوں کو پابندیِ وقت اور پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ زکاۃ دیتے ہیں۔ نمازوں میں اللہ کے سامنے عاجزی اور خشوع وخضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ زکاۃ دینے کے بعد ان میں تکبر اور غرور پیدا نہیں ہوتا۔ اپنی نیکی پر اتراتے نہیں اور جس شخص کو اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کی دوستی نصیب ہو جائے وہ اللہ کی جماعت میں شمار ہوتا ہے اور اللہ کی جماعت غالب رہنے والی ہے۔

بقول امام قرطبی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، کسی نے سوال کیا۔ اس وقت آپ رکوع میں تھے۔ آپ نے اپنی انگوٹھی اسے دے دی۔ اس سے امام قرطبی یہ استنباط کرتے ہیں کہ یہاں زکوٰۃ کا مطلب صدقہ ہے اور یہ کہ نماز کی حالت میں معمولی حرکت یا عمل قلیل (معمولی کام) جیسے انگوٹھی کا دے دینا نماز کو باطل نہیں کرتا۔ [2]

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ	مومنو! (یہود و نصاریٰ) جن کو تم سے پہلے کتابیں
اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ	دی گئی تھیں، ان کو اور کفار کو (یعنی) جنھوں نے
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ	تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ
اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾	بناؤ اور مومن ہو تو خدا سے ڈرتے رہو۔

---

[1] البغوی وابن عاشور، التفسیر، المائدۃ: ۵۶،۵۵

[2] القرطبی، التفسیر، المائدۃ: ۵۵۔ نماز میں خارجی عمل کے جواز پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں، جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نواسی سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اُٹھا کر جماعت کرانا۔ (صحیح البخاری: ۵۱۶)

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور جب تم لوگ نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ اسے ہنسی اور کھیل بناتے ہیں، یہ اس لیے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

اے اہل کتاب! تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوائے اس کے کہ ہم خدا پر اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اس پر اور جو کتابیں پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان لے آئے ہیں اور تم اکثر بدکردار ہو۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

کہو: میں تم کو بتاؤں کہ خدا کے ہاں بدتر بدلہ پانے والا کون ہے، وہ لوگ جن کو خدا نے رحمت سے دور کر دیا اور ان پر غصے ہوا اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سور بنا دیا اور جنھوں نے شیطان کی پرستش کی ان لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور یہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں۔

وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور جب یہ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ کفر کے ساتھ آتے ہیں اور اسی کے ساتھ جاتے ہیں اور جو کچھ یہ مخفی کیے رہتے ہیں خدا اس کو خوب جانتا ہے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور تم دیکھو گے کہ ان میں اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں، بے شک برے کام ہیں جو یہ کرتے ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

ان کے مشائخ اور علماء انھیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے، بے شک برے کام ہیں جو یہ کرتے ہیں۔

آیات: ۵۷ تا ۶۳۔ تشریح الفاظ

هُزُوًا: ہنسی مذاق، تمسخر۔ لَعِبًا: کھیل تماشا۔

نَادَيْتُمْ: نَادٰى يُنَادِي نِدَآءً و مُنَادَاةً کا مادہ ندی ہے۔ مؤذن نماز کے لیے اذان کہتا ہے۔

تَنْقِمُوْنَ: نَقَمَ يَنْقِمُ نِقْمَةً۔ تم ناراض ہوتے ہو، تم برائی دیکھتے ہو، ناپسند کرتے ہو۔ نیز حرف گیری کرنا اور عیب پانا۔ مَثُوْبَةً: ثواب، جزا، بدلہ۔

الْقِرَدَةَ: (واحد، قِرْد) بندر۔ الْخَنَازِيْرَ: (واحد، خِنْزِيْر) سوَر۔

عَبَدَ: پرستش کی، پوجا کی۔ الطَّاغُوْتَ: شیطان، کاہن، بچھڑا۔

جَآءُوْكُمْ: مراد ہے آپ کے پاس یہودی منافق آتے ہیں۔

دَخَلُوْا بِالْكُفْرِ: آپ کے پاس کفر سے آلودہ آئے تھے۔ سَوَآء: سیدھا۔

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ: اور کفر سے آلودہ ہی آپ کے ہاں سے لوٹے۔

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ: بہت سے یہودی۔ السُّحْتَ: حرام۔

لَبِئْسَ: لَ، برائے تاکید بِئْسَ بمعنی برا ہے۔ لَوْلَا: بمعنی کیوں نہیں۔

مفہوم ومطلب: اہل باطل سے دوستی کی ممانعت

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ یہود ونصاریٰ سے دوستی رکھنا اسلامی مفاد کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کے دوست مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے خیر خواہ اللہ اور رسول ہیں۔ ایمان والوں کو اللہ اور رسول کا دم بھرنا چاہیے۔ اس کے بعد ان آیات میں فرمایا: بعض یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے لیے اذان سے تمسخر کرتے اور نماز کو کھیل تماشا ٹھہراتے ہیں، یہ لوگ بھی دین کے بدترین دشمن ہیں۔ بنا بریں ان کی دوستی بھی حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ایمان والو! یہ یہودی تمھارے دین سے استہزا اور مسخری کرتے ہیں۔ جب تم اذان کے ذریعے نماز کے لیے بلاتے ہو تو اذان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو اور رکوع وسجود میں بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز اور خشوع وخضوع کا اظہار کرتے ہو تو یہ یہودی نماز کو کھیل تماشا ٹھہراتے ہیں۔ یہی وتیرہ دوسرے کافروں کا بھی ہے۔ ان یہودیوں اور کافروں سے قطع تعلقات کرلو۔ ان کی دوستی تمھارے دینی وقار کے منافی ہے۔ تمھارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے

حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور ان دشمنانِ دین سے تمام تعلقات منقطع کر لو۔ چونکہ یہ لوگ دین کے اسرار و رموز سے بے بہرہ ہیں، اس لیے انھیں اذان اور نماز ایسی چیزیں بھی باعث تعجب نظر آتی ہیں۔ دینی عبادات پر استہزا کرنا عقلمند لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے رقم کیا ہے کہ جب مؤذن مدینہ منورہ میں اذان کہتا تو مسلمان نماز کے لیے مسجد کو چل دیتے۔ یہودی باتیں بناتے اور ہنسی مذاق کرتے تھے۔ نیز مدینہ شریف میں ایک یہودی تاجر تھا، اسے ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے الفاظ سے چڑ تھی۔ جب وہ اذان سنتا تو کہتا کہ اللہ جھوٹے مؤذن کو آگ میں جلائے۔ ایک دن اتفاق یوں ہوا کہ وہ خود آگ میں جل گیا۔[1]

مسائل اذان

آیت: ۵۸ سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

۱۔ نماز کے لیے اذان ضروری ہے۔ ہجرت سے پہلے اذان کی موجودہ صورت نہ تھی، صرف ''اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ'' پکارا جاتا تھا۔[2] ہجرت مدینہ کے بعد اذان کا حکم ہوا۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اذان کا حکم مل چکا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان کا راز پایا۔ چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان کہیں۔[3]

۲۔ صبح کی نماز میں ''اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اضافہ کیا اور بارگاہ نبوی سے اس کی اجازت فرمائی گئی۔[4]

۳۔ نماز کے وقت مسجد میں اذان کہنا ضروری ہے۔

۴۔ اذان اس بات کی بہت بڑی نشانی ہے کہ یہ بستی مسلمانوں کی ہے۔

۵۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''جب دو مسلمان سفر کریں تو اذان اور اقامت کہہ کر بڑا امام بن کر نماز پڑھائے۔''[5]

---

[1] البیہقی، دلائل النبوہ: ۶/ ۲۷۵ والشوکانی، فتح القدیر، المائدہ: ۵۷ — ۶۳

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۴۶

[3] صحیح البخاری: ۶۰۴ وسنن ابی داود: ۴۹۸ وسنن الترمذی: ۱۸۹

[4] سنن الترمذی: ۱۹۸ وسنن ابن ماجہ: ۷۰۷

[5] صحیح البخاری: ۶۲۸

۶۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اذان میں کلمات دو دو بار اور اقامت میں ایک ایک بار کہے جائیں۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ مؤذن پہلے ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' دو مرتبہ اور ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' دو مرتبہ کہہ کر پھر ذرا اور بلند آواز سے انھی کلمات کو دہرائے۔[۱] امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک اذان اور اقامت کے شروع میں ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' چار مرتبہ ہے اور ان کے ہاں اذان میں شہادت کے کلمات دہرائے نہیں جاتے۔[۲]

۷۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، داؤد بن علی اور محمد بن جریر طَبَری کے نزدیک آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے سب کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے اذان کے شروع میں ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' چار مرتبہ کہنا بھی درست ہے اور دو مرتبہ بھی۔[۳] کلمات شہادت کو ایک دفعہ دو دو مرتبہ کہنے کے بعد پھر دوبارہ کہنا (ترجیع) بھی جائز ہے۔ اسی طرح اِقامت اکہری یا دوہری دونوں طرح درست ہے۔ البتہ ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' دو مرتبہ ہی کہا جائے گا۔[۴]

۸۔ صبح کی نماز میں ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کے بعد ''اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔[۵]

۹۔ صبح کی اذان کا وقت طلوع فجر ہے۔ اگر صبح کی اذان طلوع فجر سے پہلے کہہ دی جائے تو بعض اہل حدیث علماء کے نزدیک طلوع فجر کے بعد پھر اذان کہی جائے۔

۱۰۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مؤذن کے علاوہ کوئی اور آدمی اقامت کہہ دے تو مضائقہ نہیں، لیکن امام شافعی، امام ثوری اور امام لیث رحمہم اللہ کے نزدیک مؤذن ہی اقامت کہے۔ امام قرطبی کے نزدیک اگر مؤذن کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اقامت کہہ دے تو نماز ہو جاتی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جب مؤذن مقرر ہو تو وہی اقامت کہے۔[۶]

---

[۱] ابن حبان، الصحیح: ۲۱۳۰

[۲] اذان کی اس صورت کو ترجیع (دوہری اذان) کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (سنن الترمذی: ۱۹۱)

[۳] تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ھامش السبیل الرشد: ۱/ ۲۴۷

[۴] ابن عبدالبر، التمہید: ۱۸/ ۳۱۴، ۲۴/ ۲۸ و ابن حجر، فتح الباری، الحدیث: ۶۰۵۔ اس کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ اکہری اذان میں اکہری اقامت اور دوہری اذان میں دوہری اقامت کہی جائے۔

[۵] سنن أبي داود: ۵۰۰ و سنن النسائي: ۶۴۷

[۶] ابن عبدالبر، التمہید: ۲۱/ ۱۰۲، ۲۴/ ۳۲ و الشوکانی، نیل الأوطار: ۲/ ۶۷

۱۱۔ ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ'' اور ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' کہتے ہوئے مؤذن دائیں بائیں علی الترتیب منہ پھیرے۔[1]

۱۲۔ بہتر یہ ہے کہ مؤذن اذان کی اجرت نہ لے۔[2] لیکن بحالت مجبوری علماء نے جائز ٹھہرایا ہے۔[3]

۱۳۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات کہتا جاتا ہے اور ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ'' اور ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' کی جگہ 'لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ'' کہے اور پھر خلوصِ دل سے ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[4]

۱۴۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اذان کے الفاظ سن کر یہ پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ))

(اے اللہ! اس مکمل پکار اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد ﷺ کو مقامِ وسیلہ اور فضیلت عطا فرما۔ انھیں وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔)

تو وہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے۔[5]

۱۵۔ ایک اور صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ ''جو شخص اذان سن کر یہ کہے:

((اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ (ﷺ) رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا))[6]

تو اس کے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''[7]

۱۶۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو دُم دبا کر بھاگتا ہے۔''[8]

---

[1] صحیح مسلم: ۵۰۳

[2] سنن الترمذی: ۲۰۹

[3] الخطابی، معالم السنن: ۱/ ۱۵۶

[4] صحیح مسلم: ۳۸۵

[5] صحیح البخاری: ۶۱۴

[6] (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے، حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔)

[7] صحیح مسلم: ۳۸۶ و سنن أبی داود: ۵۲۵

[8] صحیح مسلم: ۳۸۹

۱۷۔ حدیث میں ہے کہ اذان ایمان کی علامت ہے۔[1]

۱۸۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت کے دن مؤذن کی گردن سب لوگوں سے لمبی ہوگی۔''[2] یعنی قیامت کے روز وہ سب سے معزز ہوگا اور قیامت کے خوف اور دہشت سے محفوظ رہے گا۔[3]

۱۹۔ جو کوئی بھی مؤذن کی آواز سنتا ہے وہ قیامت کے دن اس کی اذان کا گواہ ہوگا۔[4]

۲۰۔ جو مؤذن سات سال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کے لیے اذان کہے اسے آگ سے چھٹکارا حاصل ہوگیا۔[5] دوسری حدیث میں ہے کہ بارہ سال تک اذان کہنے والے مؤذن کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے۔[6]

آیت: ۵۹ کا شان نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ کس چیز پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اللہ پر اور اس پر جو اس نے ہماری طرف نازل کیا ہے ایمان رکھتا ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا ہے سب پر میرا ایمان ہے۔'' چونکہ یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عداوت اور کد تھی، اس لیے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام سنتے ہی منکر ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہ دین تو بہت برا ہے۔ ہم تو عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے اور جو عیسیٰ علیہ السلام کو مانے وہ بھی ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[7]

فرمایا کہ ہمارے نبی! ان یہود و نصاریٰ سے پوچھو کہ تم ہمیں اس لیے برا جانتے ہو کہ ہمارے تمھارے عقیدے میں اختلاف ہے؟ ہم میں بس یہی عیب ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں؟ تم اس لیے ہم سے خفا ہو کہ خود تمھارا اپنا دل دولت ایمان سے خالی ہے؟ بات یہ ہے کہ تعصب اور

---

[1] صحیح مسلم: ۳۸۲ و ابن حبان، الصحیح: ۴۷۵۳

[2] صحیح مسلم: ۳۸۵

[3] لمبی گردن کی کئی توجیہات ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ لمبی گردن سے مراد عزت و شرف ہے، یعنی وہ قیامت کے دن رؤساء اور سردار ہوں گے۔ (النووی، شرح مسلم: ۴/ ۹۲)

[4] صحیح البخاری: ۶۰۹ و أحمد بن حنبل، المسند: ۱۱۳۰۵

[5] سنن ابن ماجہ: ۷۲۷۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

[6] سنن ابن ماجہ: ۷۲۸۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ہر اذان کے عوض اسے ۶۰ اور ہر تکبیر پر ۳۰ نیکیاں ملتی ہیں۔

[7] الطبری و ابن أبی حاتم، التفسیر، المائدۃ: ۵۹

حزبیت (گروہ بندی) نے تمھیں اندھا کر دیا ہے۔تم صداقت کو پہچاننے سے قاصر ہو۔تمھارا عقیدہ اور تمھاری ذہنیت قابل ملامت ہے۔عیب تو خود تم میں ہے۔ ہمارا مذہب اور عقیدہ قابل ستائش ہے۔ ایمان کے فقدان نے تم سے روشن ضمیری اور بصیرت قلبی چھین لی ہے۔اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے عیب دیکھنے کی بجائے تم ہمارے محاسن کو عیب تصور کر رہے ہو؟!

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو چیز تمھیں ہمارے ہاں بُری لگتی ہے اس سے بُری چیز تمھارے ہاں موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنی رحمت سے دور کر دیا، اس کا غیظ و غضب تم پر نازل ہوا۔تمھارے اسلاف کی بداعمالیوں سے اللہ ناراض ہوا تو کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انھیں بندر اور سوٴر بنا دیا۔ کچھ عقل و خرد سے محروم کر دیے گئے اور وہ بچھڑے کو پوجنے لگے۔ شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو کر خدا کی عبادت کو بھول گئے تھے۔ شیطان نے انھیں ذلت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ یہ لوگ راہِ راست سے بھٹک گئے۔اب ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا ٹھکانا ہے۔دوزخ سے بُرا ٹھکانا کس کا ہوگا اور ایسے لوگوں سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے؟!

پھر فرمایا کہ جب یہودی منافق آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، حالانکہ ان کے دلوں میں کفر جاگزیں ہوتا ہے۔ وہ آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے نہیں آتے اور نہ آپ کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح تہی دامن آئے تھے اسی طرح تہی دامن واپس چلے گئے۔ایمان کی دولت سے محروم آئے تھے اور محروم ہی نکلے۔اللہ تعالیٰ ان کے بُرے ارادوں سے خوب واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کی غرض سے آئے تھے، تاکہ دشمنوں کو اطلاع دے سکیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے چھپانے سے ان کے ارادے معلوم نہیں ہو سکیں گے، حالانکہ اللہ ان کے ارادوں تک سے آگاہ ہے۔ یہ منافق ایمان کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں۔ گناہوں سے نہیں بچتے بلکہ گناہوں کے ارتکاب میں جلدی کرتے ہیں۔ اللہ کی حدود کو توڑتے ہیں، ظلم و عُدوان کے علاوہ حرام کھاتے ہیں۔ان لوگوں نے اپنے بُرے اعمال سے دنیا بھی خراب کر لی اور آخرت بھی۔

پھر فرمایا کہ یہودیوں کے علماء، فقہاء اور سرداروں نے انھیں گناہ کے کاموں اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکا؟ علماء اور روٴساء نے اپنا فرض ترک کر کے ان کے گناہوں میں ایک طرح کی شرکت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے گناہوں سے بیزار نہیں تھے۔ ان کا یہ وطیرۂ خاموشی بہت بُرا شیوہ ہے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ علماء کا فرض ہے کہ عوام کو بُرے کاموں سے روکیں، ورنہ وہ بھی عوام کے

گناہوں میں شریک متصور ہوں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص بُرائی دیکھے، وہ اسے روک دے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں تو زبان سے روکے، اگر زبان سے نہ روک سکے تو پھر دل میں اس کو بُرا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''[1]

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ اَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۴﴾

اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے، العیاذ باللہ)، انھی کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے سے ان پر لعنت ہو۔ یوں نہیں بلکہ اس کے ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے (اور اے محمد!) یہ کتاب جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی اس سے ان میں سے اکثر کی شرارت اور انکار اور بڑھے گا اور ہم نے ان کے باہم عداوت اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے، یہ جب لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں خدا اس کو بجھا دیتا ہے اور یہ ملک میں فساد کے لیے دوڑے پھرتے ہیں اور خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿۶۵﴾

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور پرہیز گاری کرتے تو ہم ان کے گناہ محو کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۶۶﴾

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوا اسے قائم رکھتے تو اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے (رزق) کھاتے رہتے، ان میں بعض لوگ میانہ رو بھی ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال بُرے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم: ۴۹

آیات: ۶۴ تا ۶۶۔ تشریح الفاظ

يَدٌ: ہاتھ۔ مجازی طور پر لفظِ یَد کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ۱۔ نعمت و احسان، ۲۔ قوت و طاقت، ۳۔ ملکیت وقبضہ، ۴۔ تائید ونصرت۔

مَغْلُوْلَةٌ: لفظی معنی گردن سے بندھا ہوا۔ مفہوم یہ ہے کہ روزی عطا کرنے سے روک لیا ہے۔ اللہ مال و دولت دینے میں بخل کرنے لگا ہے۔

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ: انھی کے ہاتھ نیکی کے کاموں سے روکے جائیں، انھی کے ہاتھ باندھے جائیں۔ یہ کلمہ بطور بددعا استعمال ہوا ہے، یعنی یہی لوگ سب سے زیادہ بخیل اور کمینے ہیں جو بالکل خرچ کرنا نہیں جانتے۔

مَبْسُوْطَتَانِ: لفظی معنی کھلے یعنی اللہ کشادہ دست ہے۔ اللہ بڑا سخی ہے، دل کھول کر دینے والا ہے۔ بے حساب دیتا ہے، جس طرح کہ کوئی شخص دونوں ہاتھوں سے دے اور ہاتھ کھلے کہہ کر بتایا یہ ہے کہ نہایت سخی ہے۔

يُنْفِقُ: لفظی معنی وہ خرچ کرتا ہے۔

كَيْفَ يَشَآءُ: جیسے چاہتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جسے موزوں خیال کرتا ہے اسے بے حساب دیتا ہے اور جسے موزوں نہیں سمجھتا اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے۔

طُغْيَانًا: حد سے تجاوز کرنا۔

لَيَزِيْدَنَّ: لَ برائے قسم، يَزِيْدَ، زیادہ کرے گا۔ نَّ ثقیلہ برائے تاکید، یعنی ضرور ضرور زیادہ کرے گا۔

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ: اس سے قرآن مجید میں بیان کردہ حالات یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔

بَيْنَهُمْ: یہود ونصاریٰ کے درمیان، یا یہود کے مختلف فرقوں کے درمیان۔

اَلْقَيْنَا: ہم نے ڈال دی۔

اَوْقَدُوْا: انھوں نے روشن کی۔

لِلْحَرْبِ: (لِ، اَلْحَرْبِ) جنگ سے مراد ہے نبی کریم ﷺ کے مقابلے پر لڑائی۔

نَارًا: آگ۔ بطور استعارہ نار کہا ہے، مراد ہے شر اور فساد، کیونکہ شر اور فساد بھی امن عامہ کو آگ کی طرح جلا دیتا ہے۔

اَطْفَاَهَا: بجھا دیا اس آگ کو۔

لَكَفَّرْنَا: (لَ، كَفَّرْنَا) لَ جواب شرط ہے۔ كَفَّرْنَا، لفظی معنی چھپا دیتے، یعنی معاف کر دیتے۔

اَقَامُوْا: تورات وانجیل پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے، اس میں تبدیلی قطعاً نہ کرتے۔

لَاَكَلُوْا: تو وہ کھاتے۔

مِنْ فَوْقِهِمْ: اپنے اوپر یعنی آسمان سے۔

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ: اپنے پاؤں کے نیچے، یعنی زمین سے، مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آسمان و زمین سے

روزی دیتا، ان کی روزی بڑی فراخ کر دیتا، ان کے لیے ہر طرف سے رزق کے دروازے کھول دیتا۔

مُقْتَصِدَةٌ: قَصَدَ سے باب افتعال ہے۔ میانہ رو، اعتدال اور عدل و انصاف پر قائم رہنے والی۔ افراط و تفریط سے بچنے والی۔ سَآءَ: بُرا ہے۔

يَعْمَلُوْنَ: میں پیغمبر ﷺ کی تکذیب، تحریفِ کتابِ مقدس اور حرام خوری سب شامل ہیں۔

مفہوم و مطلب: یہود کی بعض بداعمالیوں کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے کفرانِ نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ان یہودیوں کی بداعمالیوں کے باعث ان کا رزق تنگ کر دیا گیا تو یہود کو احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ تو بخیل ہو گیا ہے، اب اس نے اپنا ہاتھ روک لیا ہے، نعمتوں کا دروازہ بند کر دیا ہے، ہم خیر و برکت اور فضل و کرم سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کے اپنے ہاتھ شل ہو گئے ہیں۔ ان یہودیوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اللہ بخیل نہیں، خود یہودی بخیل ہیں۔ نیکی کے کاموں میں روپیہ صرف کرنا جانتے ہی نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث اللہ کی رحمت سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ تو بڑا سخی ہے۔ وہ اپنی رحمتیں اور نعمتیں کھلے ہاتھوں سے دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

پھر نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے اور اس میں یہود کے حالات بتائے ہیں۔ جن امور کو یہودی چھپاتے تھے ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان کی کتابوں کے مندرجات، ان کے اُسلاف کے حالات اور تاریخی حقائق سے آپ کو بذریعہ وحی آگاہ کیا ہے۔ آپ کی یہ آگاہی اور معلومات اس بات کی شہادت ہیں کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ تو اُس زمانے میں موجود نہ تھے جب یہ واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ماضی کے حالات سے آپ ﷺ کو خبردار کر کے یہود کے لیے اِتمامِ حجت کر دیا۔ اگر وہ اب بھی ایمان نہ لائیں تو یہ ان کی بدبختی ہے۔ لیکن انسانی نفسیات ہی کچھ اس طرح کی ہیں کہ ضد اور چڑ سے نفرت اور بغض و حسد اور بڑھ جاتا ہے۔ یہودیوں کا بھی یہی حال ہے۔ آپ نے ماضی کے حالات اور ان کی کتابوں کی تحریف کے بارے میں بتایا تو اب یقیناً یقیناً اکثر یہودی کفر و انکار، بغض و عداوت اور سرکشی و بغاوت میں اور بڑھ جائیں گے۔ اسلام سے قریب ہونے کی بجائے اور دور ہوں گے۔ آپ پر ایمان لانے کی بجائے اور نفرت و عداوت سے کام لیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کو یہ سزا دی کہ یہود و نصاریٰ کے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دی۔ ان کی باہمی دشمنی قیامت تک قائم رہے گی۔ دنیا نے دیکھا ہے کہ چند برس پہلے [1] جرمنی میں یہودیوں کو کس طرح قتل اور ملک بدر کیا گیا۔ اب مسلمانوں بالخصوص عربوں کو ستانے کے لیے نصاریٰ ان بدبخت یہودیوں کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں، ورنہ آپس میں بین الاقوامی اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کو کھا جانے سے بھی دریغ نہ کریں۔ پھر یہ باہمی عداوت یہود کے مختلف فرقوں میں بھی موجود ہے۔

پھر فرمایا کہ جب بھی یہودیوں نے فتنہ وفساد کی آگ کو ہوا دی، اللہ، رسول اور مومنوں کے خلاف مکاری اور چال بازی کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ ان کے ارادے خاک میں ملا دیے۔ ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یہودی جہاں کہیں جاتے ہیں شرارت اور فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں، لیکن منہ کی کھاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فتنہ وفساد کو پسند نہیں کرتے۔ یہود کی یہ کوشش تھی کہ عرب جاہل ہی رہیں اور ایمان و اسلام کی دولت سے بہرہ مند نہ ہونے پائیں۔ اللہ یہ چاہتا تھا کہ ایمان لاکر علم و عرفان کی دولت سے مالا مال ہوا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عرب توحید کے علم بردار بن گئے اور انھوں نے دنیا میں اسلامی علوم و معارف کو عام کر دیا۔ یہودیوں کی شرارت کو اللہ تعالیٰ نے دبا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور گناہوں کو ترک کر دیں، اللہ کی مقررہ حدود سے تجاوز نہ کریں تو اللہ ان کے گناہ معاف فرما دے گا۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کرے گا۔ اسلام قبول کر لینے سے تمام گزشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ آخرت میں اللہ ایسے باغات میں گھر بنا دے گا جہاں بے شمار نعمتیں میسر ہوں گی۔

اگر یہودی اور عیسائی اپنی کتابوں یعنی تورات اور انجیل پر عمل کرتے، ان میں تحریف وتبدیلی نہ کرتے، آنحضرت ﷺ کے بارے میں شہادتوں اور پیشگوئیوں کو نہ چھپاتے اور قرآن پر بھی عمل پیرا ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں برکت ڈال دیتا، زمین و آسمان کی نعمتوں سے ان کو مالا مال کر دیتا، بروقت بارش ہوتی، ہر قسم کا پھل، سبزی اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا۔ انھیں کسی چیز کی احتیاج نہ رہتی۔ مگر یہود نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ تورات کے احکام کو چھپایا۔ حرام کھانے لگے۔ بشارت محمدی کو ظاہر نہ کیا۔ قرآن مجید پر ایمان نہ لائے۔ نبوت محمدی کا اقرار نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کی روزی تنگ کر دی۔

---

[1] یہود کے قتل عام کا واقعہ دوسری جنگ عظیم میں ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ جرمنی ڈکٹیٹر ایڈولف ہٹلر کے ہاتھوں پیش آیا۔ دیکھیے الموسوعۃ العربیۃ العالمیہ، مادہ: الیہود

وقت پر بارش نہ ہوئی۔ غلہ اور پھلوں کی پیداوار کم ہوگئی۔ پھر فرمایا: ان کے علاوہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اعتدال و انصاف کا دامن نہیں چھوڑتے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی، چھوٹا سا گروہ ایمان لے آیا لیکن یہود و نصاریٰ کی اکثریت بداعمالیوں میں گرفتار ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ تورات اور انجیل میں تحریف کرتے ہیں۔ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ حرام کھاتے ہیں۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور کتاب کے احکام پر عمل کرنا شریعت کا مقصد ہے اور اسی میں ہدایت ہے۔ احکامِ الٰہی سے روگردانی ہدایت اور سیدھی راہ سے دور لیے جاتی ہے۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

اے پیغمبر! جو ارشادات خدا کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (گویا) آپ نے تبلیغ رسالت نہ کی، (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا آپ کو لوگوں (یعنی دشمنوں کی شرارت) سے محفوظ رکھے گا اور خدا منکر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

(اے پیغمبر!) کہو کہ اے اہل کتاب! تم راہِ راست پر قطعاً نہیں آسکتے یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوا اس کو قائم رکھو اور (یہ قرآن) جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس سے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بڑھے گا تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا صابی یا عیسائی جو کوئی خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو (قیامت کے دن) ایسوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

آیات: ۶۷ تا ۶۹ ۔ تشریح الفاظ

بَلِّغْ: بَلَّغَ يُبَلِّغُ تَبْلِيْغًا سے فعل امر۔ پہنچا دے۔

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ: لفظی معنی ہیں اگر تو نہ کرے، تو نہ پہنچائے۔ مراد ہے اگر تو وحی الٰہی میں سے کچھ چھپا لے۔

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ: تو تم نے حق رسالت ادا نہ کیا۔ يَعْصِمُكَ: بچائے گا تمھیں۔

لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ: تم قطعاً دین حق پر نہیں ہو سکتے، تم بالکل راہِ راست پر نہیں آ سکتے۔

تُقِيْمُوْا: اَقَامَ يُقِيْمُ سے۔ لفظی معنی تم قائم رکھو۔ مراد ہے تم تورات اور انجیل کے احکام پر عمل کرو، ان کتابوں کو تحریف اور تبدیلی سے بچاؤ۔

وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ: لفظی معنی: اور جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل کیا گیا۔ اس سے مراد قرآن مجید ہے جو حضرت محمد ﷺ کی طرف یہود و نصاریٰ اور دوسرے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا۔ یہ اس لیے کہ قرآن کے بغیر تورات و انجیل پر عمل ممکن نہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد غیر کتابی انبیائے بنی اسرائیل کی تعلیم اور وحی ہے۔

فَلَا تَاْسَ: اَسِيَ يَاْسٰى اَسًى۔ پس تو غم نہ کھا۔ هَادُوْا: یہودی ہوئے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: مومن مسلمان جو اللہ اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔

الصَّابِئُوْنَ: صابی یعنی وہ لوگ جو ستاروں اور فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

يَحْزَنُوْنَ: غم کھائیں گے، غمگین ہوں گے۔

مفہوم و مطلب: اہل کتاب کو ایمان لانے کی دعوت

اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجا جاتا ہے آپ اسے بلاکم و کاست لوگوں تک پہنچا دیں۔ تبلیغ و اشاعت کی راہ میں کسی قسم کی مشکلات سے نہ گھبرائیں۔ کسی شخص کا خوف نہ کھائیں۔ کسی سے نہ ڈریں، بالکل نڈر ہو کر احکامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچائیں۔ اگر آپ نے کسی وحی کو چھپا رکھا اور عوام تک نہ پہنچایا تو پھر یاد رکھیے کہ آپ اپنے فرائضِ منصبی سے عہدہ برآ نہیں ہوئے۔ تبلیغ رسالت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے۔ وہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ کوئی شخص آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ آپ کا رکھوالا اور حامی و ناصر ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ کافر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ اس بارے میں فکر مند نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بداعمالیوں کے باعث ان سے توفیقِ ہدایت چھین لی ہے۔ اس لیے یہ کافر لوگ

ہدایت نہیں پا سکتے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پیغامِ رسالت، وحیِ الٰہی اور احکامِ شریعت پوری طرح بلا کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیے تھے۔ البتہ آپ کے ذریعہ علمائے امت کو سکھایا گیا کہ وہ تبلیغ دین میں کسی بات کو نہ چھپائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کو لوگوں تک پورا پورا پہنچا دیا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آپ ﷺ نے کچھ چھپایا ہے تو وہ جھوٹ کہتا ہے۔[1]

پھر فرمایا کہ اے نبی! ان اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کہہ دیں کہ اگر وہ صحیح دین پر رہنا چاہتے ہیں تو تورات، انجیل اور قرآن کے پیش کردہ عقائد کو تسلیم کریں۔ ان کتابوں کے احکام پر عمل پیرا ہوں، ورنہ یہ یہود و نصاریٰ قطعاً راہِ راست پر نہیں آ سکتے۔ ہم نے آپ کو قرآن مجید کے ذریعہ یہودیوں کے کرتوتوں سے آگاہ تو کر دیا ہے لیکن یہ بات یہود کو بڑی ناگوار معلوم ہوئی ہے۔ وہ اور چڑ گئے ہیں۔ ان کا جذبۂ کفر اور تیز ہو گیا ہے۔ نافرمانی اور سرکشی میں وہ اور بڑھ گئے ہیں۔ ان کا رویہ واقعی قابلِ افسوس ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ ان کے دلوں میں ہدایت کے لیے کوئی تڑپ ہی موجود نہیں ہے۔ وہ خود گمراہی کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں پر آپ نہ افسوس کریں اور نہ غمگین ہوں، کیونکہ آپ کا فرض پہنچا دینا تھا، سو آپ نے پیغامِ حق ان لوگوں تک پہنچا دیا۔ روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگی کہ کیا آپ تورات کو برحق تسلیم نہیں کرتے؟ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں برحق مانتا ہوں'' تو یہودی بولے کہ ہم صرف تورات کو مانتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے۔ چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ صحیح دین یہی ہے کہ تورات و انجیل کے احکام کو بلا کم و کاست تسلیم کیا جائے اور قرآن پر بھی ایمان لایا جائے۔ اگر یہ یہودی قرآنِ مجید پر ایمان نہ لائیں گے تو حق و صداقت سے قطعاً محروم رہ جائیں گے۔[2]

پھر آیت: ۶۹ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور کواکب پرست صابیوں کو دعوت دی کہ وہ نجات کے لیے تجدید ایمان کریں۔ کیونکہ اُخروی نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ (۱) اللہ (۲) اس کے فرشتوں (۳) اس کی نازل کی ہوئی کتابوں مثلاً تورات، انجیل اور قرآن (۴) اس کے پیغمبروں (حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک) اور (۵) یومِ آخرت پر ایمان لایا جائے۔ ایمان کے بغیر عمل صالح کا تصور اور قبولیت مشکوک ہے۔ جب تک اللہ کی توحید کا اقرار نہ کیا جائے، فرشتوں کا وجود تسلیم نہ کیا جائے، سب الہامی کتابوں کی تصدیق نہ کی جائے، تمام پیغمبروں کو برحق نہ مانا جائے اور

---

[1] صحیح مسلم: ۱۷۷ و سنن الترمذی: ۳۰۶۸

[2] القرطبی و الرازی، التفسیر، المائدہ: ۶۸

یوم آخرت پر ایمان نہ رکھا جائے تو کوئی کام بھی عمل صالح میں شمار نہیں ہوسکتا۔ ایمان کے بغیر اعمال کا ثواب حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ ان شرائط کی رُو سے تکمیل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اسی طرح برحق نبی تسلیم کیا جائے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر اور بندے تھے۔ تکمیل ایمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کو اسی طرح کتاب اللہ تسلیم کیا جائے جس طرح یہودی تورات کو اور عیسائی انجیل کو خدا کا کلام مانتے ہیں۔ ہر پیغمبر کے ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پورے سلسلے پر ایمان لا کر عمل صالح کی اقدار سیکھیں اور آخرت میں غم اور خوف سے محفوظ ہو جائیں۔

اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ مسلمان جو ایمان کے جملہ عناصر ترکیبی پر یقین رکھتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں ان کو نجات اخروی کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ اسی طرح جو یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہدِ شریعت میں ایمان کے کل اجزاء پر ایمان رکھتے تھے اور نیک اعمال کرتے تھے وہ بھی نجات حاصل کریں گے۔ یہی حال نصاریٰ کا ہے کہ جن عیسائیوں نے نبوت محمدی سے پہلے شریعت عیسوی پر ایمان لا کر تمام شرائطِ ایمان کو مان لیا تھا اور عمل صالح کرتے رہے تھے وہ بھی نجات پائیں گے۔ اسی طرح صابی (یا کواکب پرست لوگ) اب سچے دل سے توبہ کر کے ایماندار بن جائیں اور ایمانیات کے پورے سلسلے کو تسلیم کر لیں، یعنی دوسرے پیغمبروں کے ساتھ نبوت محمدی کا اقرار و تصدیق بھی کریں اور تورات و انجیل کے ساتھ قرآن مجید کو بھی برحق تسلیم کر لیں، پھر عمل نیک ہوں تو نجات کی امید ہوسکتی ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ ایک جماعت (انبیاء) کو جھٹلاتے رہے اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱

اور خیال کرتے رہے کہ کوئی آفت نہیں آنے کی تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی، اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے اور بہرے ہو گئے اور خدا ان کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

وہ لوگ بے شک کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح ہی خدا ہیں، حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! خدا ہی کی عبادت کیا کرو جو میرا بھی اور تمھارا بھی پروردگار ہے، یہ یقینی بات ہے کہ جو شخص خدا کے ساتھ شرک کرے گا خدا اس پر بہشت حرام کر دے گا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

وہ لوگ بھی بلاشبہ کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے؟ اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ (مریم خدا کی ولی اور) سچی فرمانبردار تھیں، دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے، دیکھو! ہم ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، پھر یہ دیکھو کہ یہ کیونکر اُلٹے جا رہے ہیں۔

آیات: ۷۰ تا ۷۵ ۔ تشریح الفاظ

لَاتَهْوٰی: نہیں چاہتے تھے۔

اَلَّاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ: یہ کہ عذاب اور بلا نازل نہیں ہوگی کیونکہ وہ اپنے آپ کو خدا کے دوست اور بیٹے کہتے تھے۔

عَمُوْا: عَمِیَ یَعْمٰی سے، وہ اندھے ہو گئے۔ یعنی ہدایت سے آنکھیں بند کر لیں۔

صَمُّوْا: بہرے ہو گئے، یعنی کان بند کر لیے کہ حق نہ سن سکیں۔

بَصِیْرٌ: دیکھنے والا، جاننے والا اور اطلاع رکھنے والا۔

یَعْمَلُوْنَ: آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا جو رویہ ہے خدا اس سے آگاہ ہے۔

مَاْوٰی: اَوٰی یَاْوِی سے اسم مکان۔ ٹھکانا، جائے پناہ۔

اَنْصَارٍ: (واحد، نَاصِر) اسم فاعل، نَصَرَ یَنْصُرُ۔ مددگار، اعوان۔ ثَالِثُ: تیسرا۔

ثَلَاثَةٍ: تین ۔ یعنی تین خداؤں میں سے ایک اللہ ہے۔ ان کے نزدیک باقی دو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ یا بقول بعض تین یہ ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس۔ عقیدۂ تثلیث کی طرف اشارہ ہے۔

لَمْ یَنْتَهُوْا: باز نہ آئے۔ نَهٰی یَنْهٰی سے اِنْتَهٰی یَنْتَهِی اِنْتِهَاءً، باب اِفتعال ہے، بمعنی رکنا، باز رہنا۔

لَیَمَسَّنَّ: (لَ ، یَمَسَّ ، نَّ) لَ جواب شرط۔ مَسَّ یَمَسُّ بمعنی چھونا، مس کرنا، پہنچنا۔

یَتُوْبُوْنَ: تَابَ یَتُوْبُ بمعنی توبہ کرنا۔ خَلَتْ: فعل ماضی واحد مؤنث، خَلَا یَخْلُوْا سے۔ گزر گئے۔

صِدِّیْقَةٌ: سچی، سچ بولنے والی۔ اَنّٰی: کیسے، کس طرح۔

یُؤْفَکُوْنَ: حق و صداقت سے پھیرے جاتے ہیں، بہکائے جاتے ہیں۔ اَفَكَ یَاْفِكُ پھیرنا، ہٹا دینا، بہکانا سے مجہول۔

مفہوم و مطلب: یہود اور عیسائیوں کے باطل عقائد کا تذکرہ

پہلے بھی ذکر کیا گیا کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا اور ان میں نقیب و سردار مقرر کیے گئے تھے۔ اب یہاں پھر ان کے میثاق اور عہد و پیمان کا ذکر فرما کر ان کی سرکشی اور غلو کی نشاندہی کی ہے کہ کس طرح توحید کو نظر انداز کر کے راہِ حق سے بھٹک گئے اور تثلیث کے گمراہ کن عقیدہ میں جا پھنسے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تورات میں بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا تھا کہ وہ خدا کی توحید پر قائم رہیں گے، اس کے احکام پر عمل کریں گے، اچھے اخلاق اور بلند کردار کو ہمیشہ اپنائیں گے اور جب ان کے پاس

حضرت محمد ﷺ کی نبوت پہنچے گی تو وہ آپ کی تصدیق کر کے ایمان لائیں گے۔ پھر ہم نے اس عہدو پیمان کی یاد دہانی اور استحکام کے لیے ان کے پاس پیغمبر بھیجے تو انھوں نے عہد شکنی کی۔ خدا کے پیغمبروں نے انھیں حق کی طرف بلایا، بُرائیوں سے روکا، لیکن یہ بات ان کے مزاج کے خلاف تھی۔ ان کے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ آمادۂ فساد تھے۔ وہ رسولوں کی مخالفت پر تُل گئے، کیونکہ رسولوں کی تبلیغ ان یہودیوں کے دل کی آواز کے مطابق نہ تھی۔ ان کے دل گمراہی کی طرف مائل تھے۔ اس لیے اعراض وعصیاں کی وجہ سے کچھ پیغمبروں کی تکذیب کی اور کہہ دیا کہ یہ جھوٹے ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور کچھ پیغمبروں کو قتل کر دیا، جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام کو۔

ان سب بد اعمالیوں کے باوجود ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اللہ کے پیارے اور (نعوذ باللہ) بیٹے ہیں، لہٰذا رسولوں کی تکذیب اور قتل کے جرم میں اللہ ان سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اس زعم باطل نے انھیں اور گمراہ کر دیا۔ اب انھوں نے رشد و ہدایت اور حق و صداقت سے آنکھیں بالکل بند کر لیں، گویا کہ وہ اندھے ہیں اور انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح انھوں نے دلائلِ نبوت، احکامِ الٰہی اور آوازِ حق سننے سے بالکل انکار کر دیا، گویا کہ ان کے کان بالکل بند ہو چکے ہیں اور نیکی اور سچائی کی کوئی آواز ان کے کانوں میں راہ نہیں پا سکتی۔ خدا کے خلاف سرکشی اور بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بُخت نُصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ اہلِ بابل نے ان کے شہروں اور گھروں میں گھس کر انھیں لوٹا، قتل و غارت گری کی، ان کے بال بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا۔ حملہ آوروں نے مسجد اقصیٰ کو جلا دیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس حادثہ عظیمہ کے بعد بنی اسرائیل کے ہوش وحواس ٹھکانے آئے۔ انھوں نے خدا کے حضور میں توبہ کی۔ گناہوں کی معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرما دیا۔ لیکن یہ بدکردار لوگ پھر حق و صداقت سے اندھے اور بہرے ہو گئے۔ چنانچہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اہل فارس اور رومیوں کو مسلط کر دیا۔ اب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت خلیل اللہ کی دعا اور تورات و انجیل کی بشارت کے مطابق تشریف لائے ہیں، لیکن ان کا رویہ بڑا افسوسناک ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ سے کیا سلوک کر رہے ہیں۔

ان لوگوں کی سرکشی یہیں ختم نہیں ہوتی۔ انھوں نے ظلم یہ کمایا کہ منہ سے ایسی باتیں کہیں جن سے کفر لازم آتا ہے۔ یعنی عیسائی کہنے لگے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے عہدِ رسالت میں بنی اسرائیل کو یہ تلقین کی تھی کہ میرا اور تمھارا رب اللہ ہے۔ اسی نے ہم سب کو پیدا کیا، پھر ہماری ہر ضرورت کا خیال رکھا، ہماری جسمانی اور روحانی تربیت اور پرورش کی۔ ہمیں ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی سے

بہرہ مند کیا۔ ہمارا اوّلین فرض یہ ہے کہ ہم ایسے مہربان خدا کی عبادت کریں۔ میں اور تم اس کے بندے ہیں۔ بندے کا کام بندگی کرنا ہے۔ ہم عابد ہیں، خدا معبود ہے۔ وہ خالق ہے، ہم مخلوق ہیں۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اللہ نے اس کے لیے جنت حرام کر دی ہے۔ شرک کا مفہوم بڑا واضح ہے۔ خدا کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے۔ خدا کا بیٹا قرار دینا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور شے کو حاجت روا، نفع رساں یا نقصان رساں قرار دینا شرک ہے۔ صحت، زندگی، اولاد، دولت غرضیکہ ہر چیز کا دینے والا خدا ہے۔ کسی انسان، فرشتے، جن، پتھر، شجر، سورج، چاند، ستارے، دریا، پہاڑ سے کسی فائدے کی توقع رکھنا یا نقصان کا ڈر محسوس کرنا شرک ہے۔ [۱]

اللہ تعالیٰ تمام گناہوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتا ہے۔ شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ شرک سے تمام اعمالِ صالحہ کی قدر و قیمت ضائع ہو جاتی ہے۔ کوئی عمل قبولیت نہیں پاتا۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ شرک کرنے سے انسان ظالم ٹھہرتا ہے اور ایسے ظالموں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ مشرک کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ کس میں ہمت ہے کہ دوزخی کی مدد کرے اور اسے آگ سے بچا سکے؟!

عیسائیوں کا ایک اور گروہ ہے جن کے کفریہ عقائد کا اللہ نے خاص طور پر ذکر کیا۔ جس کے عقائد کافرانہ ہیں۔ یہ لوگ بھی چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مصداق ہیں۔ ان لوگوں نے تین خدا ٹھہرا کر کفر مول لیا۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین ہیں: (۱) اللہ (باپ)، (۲) مسیح (بیٹا)، (۳) روح القدس یا حضرت مریم۔ قرآنِ مجید نے عیسائیوں کے اس باطل عقیدے کی تردید کرتے ہوئے اعلان کیا کہ خدا ایک ہی ہے۔ توحید اور وحدانیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اکیلا ہے۔ بے نیاز ہے۔ اسے کوئی احتیاج اور حاجت نہیں۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ نہ اس کی بیوی اور جورو ہے۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں کہ اس کی برابری کا دعویٰ کر سکے۔ اگر عیسائی اپنے عقیدۂ تثلیث سے باز نہ آئے تو اس باطل عقیدے پر اصرار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ کیا یہ لوگ عقیدۂ تثلیث سے توبہ نہیں کریں گے؟ ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ عقائد فاسدہ کو چھوڑ دیں۔ اللہ کے حضور میں توبہ کریں۔ گناہوں کی معافی مانگیں۔ توحید کا اقرار کریں۔ اللہ کو باپ بیٹے کے تصورات سے پاک مانیں۔ وہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ ان لوگوں کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ ان کو اپنے فضل و کرم سے نوازے گا اور اپنے دامنِ عفو میں جگہ دے گا۔

---

[۱] یعنی ایسا فائدہ یا نقصان جو اُن کے اختیار میں نہ ہو، جیسے اولاد دینا، کاروبار میں برکت ڈالنا وغیرہ۔ ان امور میں نفع کی امید اور نقصان کا خوف شرک ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی عام پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں۔ خدا کے بندے اور مخلوق ہیں۔ دوسروں کی مانند ان کی والدہ بھی ہیں۔ ان کا نام حضرت مریم علیہا السلام ہے۔ پھر اس پر غور کرو کہ حضرت مسیح اور ان کی ماں بنی نوع انسان کے دو معزز فرد ہیں۔ یہ دونوں بھی اسی طرح کے انسان ہیں جس طرح کے انسان پہلے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ نوع کے اعتبار سے سب برابر اور ایک جیسے ہیں۔ پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ ولادتِ مسیح کے ضمن میں حضرت مریم پر یہود نے کیا کیا بہتان تراشے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ مسیح کی والدہ اپنے بیان میں سچی تھیں۔ انھوں نے اپنی بریت کا اعلان کرتے ہوئے حق بات کہی۔ کیا عیسائیوں نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت مسیح اور ان کی والدہ دونوں زندگی کو قائم رکھنے کے لیے اوروں کی طرح کھاتے پیتے بھی تھے۔ ان کو بھوک پیاس بے چین کر دیتی تھی۔ کھانے پینے کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کو رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہو۔ دنیا کی یہ تمام آلائش خدائی اور الوہیت کے مانع ہیں۔ بشر خدا نہیں بن سکتا۔ آدم کی اولاد ہو کر الوہیت کا دعویٰ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اب یہ عقیدۂ تثلیث کھلی گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟!

اے ہمارے نبی ﷺ! آپ دیکھیں تو ہم کس طرح وضاحت کے ساتھ اپنے دلائل (آیات بمعنی دلائل و براہین توحید) اور براہین پیش کرتے ہیں، تاکہ ان لوگوں کو توحیدِ الٰہی کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ مگر ان کی بدقسمتی دیکھو کہ یہ کہاں بھٹکے پھر رہے ہیں۔ تکبر و غرور کے نشے میں حق سے اعراض کرتے ہیں۔ سچی بات سنتے نہیں۔ دشمنی اور عناد نے انھیں راہِ راست سے دور ہٹا دیا ہے۔ اب یہ لوگ حقائق تک پہنچنے سے قطعاً قاصر ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾	کہو: تم خدا کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو جس کو تمھارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اور خدا ہی (سب کچھ) سنتا جانتا ہے۔
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾	کہو کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق کا مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جو (خود بھی) پہلے سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھے رستے سے کج روی کیے ہوئے ہیں۔
لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ	جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾	ابن مریم (علیہ السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے اور حد سے تجاوز کیے جاتے تھے۔
كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾	جو برے کام کرتے تھے اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے اور جو وہ کرتے تھے بہت بُرے کام تھے۔
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾	تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، انھوں نے جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا برا ہے کہ خدا ان پر غصے ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے۔
وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾	اور اگر وہ خدا پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب اس پر نازل ہوئی تھی اس پر یقین رکھتے تو ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں اکثر بدکردار ہیں۔

آیات: ۷۶ تا ۸۱۔ تشریح الفاظ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اللہ کے سوا، اللہ کے علاوہ۔ ضَرًّا: نقصان۔

لَا تَغْلُوْا: غلوّ نہ کرو، مبالغہ نہ کرو، اِفراط نہ کرو، حد سے تجاوز نہ کرو۔

غَيْرَ الْحَقِّ: ناحق، حق کی مخالفت کرکے۔ اَهْوَآء: (واحد، هَوٰى) خواہشات۔

ضَلُّوْا: گمراہ ہوئے۔ مِنْ قَبْلُ: نبوت محمدی ﷺ سے پہلے۔

وَضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ: بعثت محمدی کے بعد اسلام کے راہِ راست سے بھٹک گئے۔

لُعِنَ: اللہ کے لطف وکرم اور عنایت ورحمت سے محروم کیے گئے۔

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ: یعنی زبور میں۔ اَضَلُّوْا: گمراہ کیا۔

وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ: یعنی انجیل میں۔ عَصَوْا: (عَصٰى سے) نافرمانی کی، حکم عدولی کی۔

كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: اِعْتِدَاء باب انتعال ہے۔ حد سے تجاوز کرتے تھے۔

لَا يَتَنَاهَوْنَ: ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ عَنْ مُّنْكَرٍ: گناہوں اور برائیوں سے۔

يَتَوَلَّوْنَ: دوستی رکھتے ہیں، دم بھرتے ہیں۔ سَخِطَ: ناراض ہوا، غصے ہوا۔

مفہوم و مطلب: یہود کو غلو سے بچنے کی تلقین

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان عیسائیوں اور دوسرے مشرکوں سے کہہ دیں کہ عبادت اور الوہیت کے لائق اللہ واحد ہے۔ اللہ ہی نفع و نقصان کا مالک ہے۔ اس کے سوا اور کوئی عبادت اور خدائی کا سزاوار نہیں۔ اگر اللہ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کی والدہ حضرت مریم کو معبود اور الٰہ قرار دو تو پہلے اتنی بات ضرور سوچ لو کہ یہ انسان خدا کیسے بن سکتے ہیں؟ دوسروں کو فائدہ یا نقصان پہنچانا تو درکنار خود اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں۔ یہ تو خود اللہ واحد کے محتاج ہیں۔ پھر ان کو یہ اختیار کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکیں؟!

پھر فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کہہ دو کہ عبادات اور عقائد میں مبالغہ نہ کریں۔ اوّل تو یہ لوگ عقائد کے بارے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، یہ انداز قطعاً غیر مناسب ہے۔ اس سے حق کی مخالفت ہوتی ہے۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے بھی انکار کر دیا، ان کی والدہ پر الزام لگائے۔ عیسائیوں نے انھیں رسولِ خدا تسلیم کرنے کی بجائے خدا کا بیٹا بنا کر اُلوہیت تک پہنچا دیا۔ اے پیغمبر ﷺ! آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پروا نہ کریں۔ آپ کی بعثت سے پہلے ان کے آباء و اجداد خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اب ان کے لیے موقع تھا کہ آپ کی نبوت کو تسلیم کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام جیسے صحیح دین اور سیدھی راہ پر چل کر عاقبت سنوار لیں۔ لیکن آپ کے مبعوث ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ گمراہی اور ضلالت سے نہ نکل سکے۔ اس سے بڑھ کر ان کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ جانتے بوجھتے آپ کی تکذیب اور مخالفت پر تل گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی بدکرداری اور گمراہی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ان کی کافرانہ اداؤں اور مشرکانہ عقائد و رسوم کی وجہ سے زبور اور انجیل میں بھی ان پر لعنت کی گئی تھی، کیونکہ بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور بعض کے متعلق حد سے بڑھے اور انھیں قتل کر دیا۔ پھر ان میں یہ بھی عیب تھا کہ برائیاں کرتے اور جذبۂ اصلاح سے قطعاً محروم تھے۔ ان لوگوں نے کبھی ایک دوسرے کو برائی سے نہ روکا تھا۔ قیام معاشرہ کے لیے جذبۂ اصلاح و نیکی ضروری ہے۔ اگر بُرے کاموں سے منع نہ کیا جائے تو برائی کا تصور نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہر انسان کا فرض ہے کہ کسی کو بُرا کام کرتے دیکھے تو روک دے، اس میں نسل انسانی کی بہبودی اور بہتری مضمر ہے۔ برائیوں کا ارتکاب تو بُرا ہے ہی، برائیوں کو دیکھ کر سکوت اختیار کیے رہنا بھی کچھ کم بُرا نہیں۔ اکثر یہودی کافروں اور مشرکین مکہ سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ان سے ساز باز کر کے

پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کو تنگ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات قطعاً پسند نہیں۔ ان حرکتوں اور شرارتوں کی وجہ سے ان کی عاقبت خراب ہوگئی ہے۔ ان کے لیے آخرت میں اللہ کی ناراضی اور دائمی عذاب ہے۔

اگر یہودی عقلمند ہوتے، اللہ پر ایمان لاتے، حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاتے تو ان مشرکین مکہ سے دوستی نہ رکھتے، کیونکہ ایمان اور کفر جمع نہیں ہوسکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر یہودی نافرمان ہیں۔ بغض و عداوت کی وجہ سے حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ ضد اور تعصب نے ان کے دلوں پر قُفل لگا دیے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

(اے پیغمبر!) آپ دیکھو گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مسلمانوں سے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (خدا کے) پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ انھوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (خدا کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ خدا پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں باوجود یہ کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِىْ

تو خدا نے ان کو اس کہنے پر باغات عطا فرمائے جن

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾	کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیکو کاروں کا یہی صلہ ہے۔
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾	اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔

آیات: ۸۲ تا ۸۶۔ تشریح الفاظ

لَتَجِدَنَّ: (لَ، تَجِدَ، نَّ) لام قسم برائے تاکید، تَجِدَ تو پائے گا، دیکھے گا۔ نَّ ثقیلہ تاکید کے لیے۔

اَشَدَّ: سب (لوگوں) سے سخت۔ شَدِيْدٌ سے اسم تفضیل ہے۔ عَدَاوَةً: دشمنی میں۔

مَوَدَّةً: محبت میں۔ قِسِّيْسِيْنَ: (واحد، قِسِّيْسٌ، قُسٌّ) عیسائیوں کے علمائے دین، اہل علم۔

رُهْبَانًا: (واحد، رَاهِب) تارک الدنیا، زاہد و عابد، خوفِ خدا کی وجہ سے دنیا کی لذتوں سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ: تکبر اور غرور نہیں کرتے، سچ بات کہنے میں عار محسوس نہیں کرتے بلکہ عجز و انکسار کے ساتھ اعتراف حق کر لیتے ہیں۔ تَفِيْضُ: بہتی ہیں، فَاضَ يَفِيْضُ۔ بہنا، جاری ہونا۔

الدَّمْعِ: آنسو، یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

فَاكْتُبْنَا: لفظی معنی ہیں پس ہم کو لکھ لے، یعنی ہمیں بنا۔

الشّٰهِدِيْنَ: تیرے رسول حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کی صداقت کا اقرار و اعتراف کرنے والے، یعنی ہمیں امت محمدی میں بنا۔ نَطْمَعُ: (طَمِعَ سے) ہم امید رکھتے ہیں۔

يُدْخِلَنَا: ہم کو جنت میں داخل کرے۔ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ: لفظی معنی نیکو کار لوگ، مراد ہے امتِ محمدی۔

اَثَابَ: عطا کیا، جزا دی، یعنی اللہ نے ان کی امید اور خواہش کو پورا کر دیا اور انھیں جنت عطا کی۔

بِمَا قَالُوْا: اعتراف حق و صداقت اور اعلان عقیدہ کی وجہ سے۔

مفہوم و مطلب: نیک عیسائیوں کی نیکی کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ یہودِ مدینہ اور مشرکین مکہ اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ پیغمبر اور دین اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ یہودی انبیاء کی تکذیب اور دشمنی میں پیش پیش تھے۔ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کا اقتدار ختم ہو گیا اور ان کے مستقبل کے خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔

مشرکین مکہ اقتدار کے علاوہ اپنے اسلاف کی تقلید سے دست بردار نہ ہونا چاہتے تھے۔ اس اندازِ زندگی نے یہودیوں اور مشرکوں میں غرور ونخوت، دنیا کی محبت، سرکشی اور سنگدلی پیدا کر دی تھی۔ ان کے مقابلے پر عیسائی نرم دل تھے۔ حق کی قبولیت کی استعداد رکھتے تھے۔ حق بات سن کر ان کے دل خدا کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا کہ ان میں ایسے علماء موجود ہیں جو دین اور شریعت سے باخبر ہیں اور عوام کی ذہنی تربیت کا خیال رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں ایسے تارک الدنیا زاہد اور عابد بھی موجود ہیں جو دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہو کر خدا کی عبادت اور یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ انھیں حق بات قبول کرنے سے عار نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کو بھی آزما لیا تھا۔ جب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ کی سرزمین میں پہنچے تو نجاشی نے ان کو امن وسلامتی دی اور آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو عادل حکمران قرار دیا۔[1] جب عیسائیوں نے قرآن مجید سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے ہم عصر سلاطین کو دعوت اسلام دی تو عیسائی حکمرانوں مثلاً نجاشی اور ہرقل نے آپ کی دعوت کو آنکھوں سے لگایا۔[2]

پھر فرمایا کہ یہی عیسائی علماء اور مشائخ وحی محمدی یعنی قرآنِ مجید سنتے ہیں تو حق کو پہچان لیتے ہیں۔ ان پر رقت قلب طاری ہو جاتی ہے، ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ پھر وہ دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے رب! ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے نبی اور تیری کتاب قرآن پر ایمان لائیں، ان کی تصدیق کریں۔ ہمیں امتِ محمدی میں شریک وشامل ہونے کا شرف عنایت کر۔ ہم انجیل میں پڑھ چکے ہیں کہ احمد مرسل ﷺ تشریف لائیں گے۔ ہم ان کو پہچانتے ہیں۔ اب ہم اس بات کا اقرار واعتراف کرتے ہیں کہ وہ برحق ہیں اور تیری کتاب قرآن بھی برحق ہے۔

پھر وہ یہ کہتے ہیں کہ بھلا ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ ایک مضبوط ارادہ اور جرأت چاہیے۔ چنانچہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر، رسول پر اور قرآنِ مجید پر ایمان لاتے ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے امت محمدی کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزو کو پورا کر دیا اور ان کے ایمان اور اعلان حق کی وجہ سے انھیں آخرت میں جنت کا

---

[1] البیہقی، دلائل النبوہ: ۲/ ۲۸۶۔ ہجرتِ حبشہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۴/ ۵۰۲۔۵۱۰

[2] البیہقی، دلائل النبوہ: ۲/ ۳۰۱۔ دعوت ناموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۸/ ۱۶۳۔۳۵۴

حقدار ٹھہرا دیا۔ یہ انعام بطور ثوابِ ایمان اور جزائے اخلاص ہے۔ اس جنت کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس جنت میں رہیں گے۔ اللہ نے یہ صلہ ان محسنین کے لیے مقرر کیا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ دوسرا گروہ انکار اور تکذیب پر تلا ہوا ہے۔ وہ لوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ ایسے سرکش اور بدکردار لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾	مومنو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمھارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔
وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾	اور حلال طیب روزی خدا نے تم کو دی ہے، اسے کھاؤ اور خدا سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔

آیات: ۸۷ تا ۸۸۔ تشریح الفاظ

طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ: اللہ کی حلال کی ہوئی لذیذ اور پاکیزہ چیزیں۔

وَلَا تَعْتَدُوْا: اللہ کے احکام اور حدود سے تجاوز نہ کرو۔

مفہوم و مطلب: حرام اور حلال قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دنیا کی جائز لذتوں اور پاکیزہ چیزوں سے بہرہ ور ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو۔ حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام۔ مومنوں کو یہ حق نہیں کہ حلال کو حرام قرار دیں۔

ان آیات کی شانِ نزول کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامت اور اس کے ہولناک مناظر و احوال سنائے تو صحابہ ڈر گئے۔ آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ اللہ اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کریں، لیکن بعض صحابہ اتنے ڈرے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ دن بھر روزہ رکھا کریں گے اور رات بھر قیام کیا کریں گے۔ موٹے اور کھردرے کپڑے پہنیں گے، بیویوں سے تعلقات نہ رکھیں گے، سونے کے لیے بستر نہ بچھائیں گے،

گوشت وغیرہ نہ کھائیں گے۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا کہ ''تم پر تمھاری جانوں کا بھی حق ہے۔ کبھی روزہ رکھو، کبھی نہ رکھو۔ رات کو قیام بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ گوشت وغیرہ بھی کھاتا ہوں۔ بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ یہ میری سنت ہے، جو اس سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقے پر نہیں۔'' پھر یہ آیات نازل ہوئیں [1] کہ اے ایمان والو! تمھیں یہ اختیار نہیں کہ اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دو۔ ایسا کرنا حدود الٰہی سے تجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی شخص اس کے حکم کو ٹھکرا دے اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے۔ تم ایمان والے ہو۔ تمھارا کام احکام الٰہی کی اطاعت ہے۔ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ پاک، لذیذ اور حلال چیزوں کو کھاؤ، وہ تمھارے کھانے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال اس کا شکر یہ ہے اور نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ کفرانِ نعمت کرے۔ دین کو اللہ نے آسان بنایا ہے۔ حلال چیزیں تمھارے استعمال کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ تمھارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو۔ اس کی نافرمانی نہ کرو۔ کھاؤ، پیو، اس کا شکر بجالاؤ، مگر اسراف سے بھی بچو۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا استعمال، لذیذ اور پاکیزہ چیزیں کھانا بھی شریعت کے منشا کو پورا کرنا ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو پورا کرنا بھی منشائے الٰہی ہے۔ بہر حال قرآنِ مجید اعتدال کی راہ سکھاتا ہے۔ ترک دنیا اور رہبانیت اسلام نہیں۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا	خدا تمھاری بے فائدہ (اور بے مقصد) قسموں پر تو تمھارا مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کو تم توڑ دو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کے کپڑے بنا دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین دن روزے رکھے، یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو)

---

[1] ابن ابی حاتم وابن عطیہ والقرطبی، التفسیر، المائدہ: ۸۷، ۸۸

اَيۡمَانِكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴿۸۹﴾	اور (تم کو چاہیے کہ) اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اس طرح خدا تمھارے (سمجھانے کے لیے) اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر کرو۔

آیت: ۸۹۔ تشریح الفاظ

بِاللَّغۡوِ: (بِ، اللَّغۡوِ) لَغَا يَلۡغُوۡ لَغۡوًا۔ لفظی معنی بے سوچے سمجھے بولنا، فضول، بے ہودہ، فحش کلام۔ یہاں مراد ہے بلا ارادہ یا بطور تکیہ کلام بے مقصد قسمیں کھانا۔

اَيۡمَان: (واحد، يَمِيۡن) بمعنی قسم، حلف۔ یہ لفظ یُمۡن سے نکلا ہے جو بمعنی برکت استعمال ہوتا ہے۔

عَقَّدۡتُّمۡ: تم مضبوط اور پکی کرلو۔ ارادتاً اور قصداً حلف اٹھانا۔

كَفَّارَةٌ: كَفَرَ سے نکلا ہے جو بمعنی مٹانا، محو کرنا، ازالہ کرنا استعمال ہوتا ہے۔ لفظ كَفَّارَہ شریعت کی اصطلاح میں ان اعمال کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بعض گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور پھر ان گناہوں کا آخرت میں مؤاخذہ نہیں۔

اِطۡعَامُ: کھلانا۔ باب افعال ہے۔

مَسَاكِيۡنَ: (واحد، مِسۡكِيۡن) محتاج، مفلس۔

اَوۡسَطِ: درمیانہ۔

اَهۡلِيۡكُمۡ: (اَهۡلِيۡ، كُمۡ) اَهۡلِيۡ اصل میں اَهۡلِيۡنَ تھا جو اَهۡل سے جمع سالم منصوب ہے اور رفعی حالت میں اَهۡلُوۡن آتا ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون ساقط ہوگیا ہے۔

تُطۡعِمُوۡنَ: تم کھلاتے ہو۔

كِسۡوَةُ: لباس، کپڑے۔

تَحۡرِيۡرُ: آزاد کرنا۔

رَقَبَةٍ: گردن، مراد غلام۔

مفہوم و مطلب: قسم کی انواع اور ان کا کفارہ

اللہ تعالیٰ نے قسم کھانے اور حلف اٹھانے کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ بے مقصد اور بے سوچے سمجھے قسمیں کھاتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسی غیر ارادی اور بے سوچی سمجھی قسموں پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ البتہ ایسی قسموں پر ضرور مؤاخذہ ہوگا کہ جب تم اچھی طرح قسمیں پکی کرلو اور سوچ سمجھ کر حلف اٹھالو، پھر اس کو توڑ دو۔ جب کوئی مومن پکی قسم کھانے کے بعد اس کو توڑ دے تو شریعت نے اُس کی سزا یہ مقرر کی ہے:

۱۔ قسم توڑنے والا دس مسکینوں کو بیک وقت کھانا کھلائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مسکین کو دس دن مسلسل بھی کھلایا جا سکتا ہے۔[۱]

۲۔ یہ کھانا اوسط درجے کا ہو۔ نہ بہت گھٹیا اور ناقص اور نہ بہت اعلیٰ قسم کا۔ مقدار اور نوعیت کے لحاظ سے اوسط درجہ مقرر کیا۔

۳۔ یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے جائیں۔

۴۔ یا ایک غلام آزاد کیا جائے۔

۵۔ جو شخص کھانا کھلانے، کپڑے پہنانے یا غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ تین دن مسلسل روزے رکھے، اگر اس موسم میں وہ بیمار ہو جائے تو تندرست ہو کر روزے رکھے۔

جب تم قسمیں پکی کرنے کے بعد توڑ دو تو تمھاری سزا یہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ حلف اور قسم کی حفاظت کرو۔ حفاظت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ خواہ مخواہ بے ضرورت قسمیں نہ کھاؤ تاکہ کفارہ کی تکلیف سے بچے رہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے کے بعد اسے نہ توڑو اور اگر توڑ دو تو پھر کفارہ ادا کرو۔ کفارہ میں اختیار دیا گیا ہے۔ جس کفارہ میں سہولت ہو وہ اختیار کر لیا جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہمیں اختیار ہے جو کفارہ چاہیں ادا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم کو اختیار ہے، اگر چاہو تو غلام آزاد کر دو، اگر چاہو تو کپڑے پہنا دو، اگر چاہو تو کھانا کھلا دو، جس کو ان میں سے کسی کی استطاعت نہ ہو وہ تین دن مسلسل روزے رکھے۔''[۲]

پھر اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسائلِ شریعت اور احکامِ دین کو یوں کھول کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ تم اس کی مہربانی کا شکر ادا کرو۔

اس آیت میں چند فقہی مسائل مذکور ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی قسم جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قسم کھانے والا صرف اللہ کی قسم کھائے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ فرمایا کہ ''اللہ کی قسم کھاؤ ورنہ چپ رہو۔''[۳] ایک اور جگہ فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرما دیا ہے۔''[۴]

---

[۱] القرطبی، التفسیر، المائدہ:۸۹

[۲] ابن ابی حاتم، التفسیر، المائدہ:۸۹

[۳] صحیح البخاری:۲۶۷۹

[۴] صحیح البخاری:۶۱۰۸

۲۔ فقہائے امت کہتے ہیں کہ نبی، ولی اور باپ دادا کی قسم کھانے والا قسم توڑ دے تو کوئی کفارہ نہیں۔ کیونکہ شریعت میں اس قسم کی کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ کعبہ اور فرشتے بھی اس میں شامل ہیں۔

۳۔ قسم کھانے کے بعد اگر اس سے بہتر عمل نظر آئے تو قسم توڑ دو اور بہتر چیز اختیار کرلو اور قسم کا کفارہ ادا کرو۔[۱]

۴۔ یمینِ غموس کے لیے توبہ اور ادائے حق ضروری ہے۔ یمین غموس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا حق مارنے، دھوکا دینے یا خیانت کرنے کی غرض سے قسم کھائی جائے۔[۲]

۵۔ غیر شرعی کام کے لیے قسم کا کفارہ یہی ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔[۳] مثلاً ایک آدمی قریبی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے کا حلف اٹھاتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تعلقات استوار کرنا اور میل جول قائم رکھنا زیادہ نیکی ہے۔''[۴]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۹۰

مومنو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان میں سے ہیں، سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝۹۱

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تم میں باہم دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز آجانا چاہیے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اور خدا کی فرمانبرداری اور رسول (خدا) کی اطاعت

---

[۱] صحیح البخاری: ۶۶۲۲ و صحیح مسلم: ۱۶۵۰

[۲] صحیح البخاری: ۶۹۲۰

[۳] رب کی نافرمانی، قطع رحمی یا کسی بھی گناہ کے کام پر قسم کھائی جائے یا نذر مانی جائے تو اُسے پورا کرنا جائز نہیں۔ جمہور کے نزدیک اس کا کفارہ بھی نہیں۔ تاہم امام احمد، ثوری، اسحاق اور دیگر ائمہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ معصیت میں نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری: ۱۱/ ۵۸۷) اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

[۴] سنن أبی داود: ۳۲۷۴، ۲۱۹۱ و أحمد بن حنبل، المسند: ۶۹۹۰

وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۹۲﴾	کرتے رہو اور ڈرتے رہو، اگر منہ پھیر لوگے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف (احکامِ الٰہی کو) کھول کر پہنچا دینا ہے۔
لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحۡسَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾	جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انھوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے، پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے، پھر پرہیز کیا اور نیکوکاری کی اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔

آیات: ۹۰ تا ۹۳۔ تشریح الفاظ

اَلۡخَمۡرُ: لفظی معنی ہیں ہر وہ چیز جو دماغ کو چکرا دے اور عقل میں فتور پیدا کر دے۔ مراد ہے ہر نشہ آور شے، شراب وغیرہ۔

اَلۡمَيۡسِرُ: قمار، جوا۔

اَلۡاَنۡصَابُ: بت، تھان۔

اَلۡاَزۡلَامُ: قسمت کے تیر۔

رِجۡسٌ: ناپاک۔ ناپاک ہونے کی کئی وجوہات ہیں: طبعی، عقلی، شرعی یا عرفی۔

مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ: سے مراد ہے کہ شیطان اس کو بنا سنوار کر تمھیں دکھاتا ہے۔

يَصُدَّكُمۡ: تمھیں روکتا ہے۔

مُنۡتَهُوۡنَ: باز آنے والے۔

جُنَاحٌ: گناہ۔

فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا: یعنی حرام قرار دیے جانے سے پہلے جو تم نے پی لی۔ طَعِمَ کے لفظی معنی کھانا ہے۔

مفہوم و مطلب: شراب اور جوئے کے احکام

آیت: ۹۰، ۹۱ کی شان نزول میں مذکور ہے کہ شراب عربوں کی گھٹی میں تھی، اس لیے اس کو آہستہ آہستہ حرام قرار دیا گیا۔ سب سے پہلے یہ فرمایا: ﴿فِيۡهِمَاۤ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾[1] ''شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدہ بھی۔'' یہ سن کر بعض لوگ پیتے رہے اور بعض نے جوا اور

[1] البقرۃ: ۲/۲۱۹

شراب کو بالکل ترک کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾[1] ''نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ'' تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے شراب کو ترک کر دیا، بعض رات کو پی لیتے تھے۔ پھر تیسرے درجے پر یہ حکم نازل ہوا کہ شراب ناپاک محض ہے۔ شیطانی کام ہے، ذکر الٰہی اور نماز سے روکتی ہے۔ اس سے اجتناب کرو۔ پینے سے باز آجاؤ۔ یہ حرمت سن کر سب نے بالکل ترک کر دیا۔[2]

یہ بھی روایت ہے کہ ایک دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چند انصار کے پاس ایک باغ میں گئے، ان لوگوں کے پاس اونٹ کا بُھنا ہوا سر رکھا تھا۔ شراب سے بھرا ہوا مشکیزہ بھی تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ مل کر شراب پی اور گوشت کھایا۔ جب شراب کے نشہ سے مدہوش ہو گئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مہاجرین انصار سے بہتر ہیں۔ ایک انصاری نے ایک ہڈی اٹھا کر حضرت سعد پر دے ماری جس سے ان کی ناک زخمی ہو گئی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں۔[3]

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ شراب، جوا، بت، قسمت اور فال کے تیر سب چیزیں ناپاک محض ہیں۔ ان چیزوں کی فطرت اور مزاج میں ناپاکی ہے۔ عقل سلیم ان چیزوں کو ناپاک سمجھتی ہے۔ شریعت نے ان کو ناپاک ٹھہرایا ہے اور عرف عام میں شراب، جوا وغیرہ ناپاک تصور کیے جاتے ہیں۔ لیکن شیطان ان ناپاک اشیاء کو زینت دے کر، بنا سنوار کر خوشنما شکل وصورت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ شیطانی کام ہے، ایمان والوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے بچو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔ اس سے بچنے میں تمھاری کامیابی اور نجات ہے۔

پھر فرمایا کہ شیطان کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو کسی نہ کسی طریقے سے بہکائے پھسلائے۔ وہ بڑے خوبصورت الفاظ اور خوشنما دلائل سے تمھیں شراب پینے اور جوا کھیلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن ان خوشنما الفاظ اور دلفریب دلائل کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ وہ تم میں باہم عداوت و دشمنی، بغض و حسد اور کدورت و رنجش پیدا کر دے۔ یہی شراب اور جوا باہمی بغض و عناد کا موجب ہوتا ہے اور آخر کار قتل و خونریزی اور فتنہ و فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ اسلام تم میں محبت اور اخوت پیدا کرتا ہے، لیکن شراب اور جوا نفرت و

---

[1] النساء: ۴/ ۴۳

[2] سنن أبي داود: ۳۶۷۰

[3] صحیح مسلم: ۱۷۴۸۔ شراب کی حرمت کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۷/ ۲۰۱۔ ۲۰۸

عداوت کا باعث ہیں۔ دو انسانوں کے تعلقات بگاڑنے کے علاوہ یہ شراب اور جوا انسان اور خدا کے درمیان میں بھی جدائی اور دوری پیدا کرتے ہیں۔ نماز اور ذکر الٰہی سے روکتے ہیں۔ ایسی چیز فی الحقیقت ناپاک ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ شراب اور جوئے سے اجتناب میں نجات اور کامیابی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شراب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! شراب سے متعلق تفصیلی حکم بھیج۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾ یعنی کیا تم باز آؤ گے؟ تو حضرت عمر نے کہا: ''اِنْتَهَيْنَا يَا رَبِّ'' اے اللہ! ہم باز آ گئے۔[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ شراب حرام قرار دے دی گئی ہے تو نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو منادی کرنے کے لیے شہر میں بھیجا جس نے شراب کے حرام ٹھہرائے جانے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان سن کر سب لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیے اور مدینے کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور رسول خدا ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ جس کام کا حکم دیں وہ کرو، جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت سے بچو۔ اگر تم نے مخالفت کی ٹھان لی تو پھر جان لو کہ رسول کا کام تو خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اس تبلیغ میں آپ ﷺ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آپ نے تو اِتمامِ حجت کر دیا۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری ختم ہو گئی ہے۔ اب تمھاری ذمہ داری ہے۔ اگر تم اطاعت کرو گے تو نجات پاؤ گے اور اگر سرتابی کرو گے تو نافرمان قوم تباہ و برباد ہو جایا کرتی ہے۔

پھر فرمایا کہ حرمت سے پہلے شراب کا استعمال قابل مؤاخذہ نہیں رہا۔ اللہ نے اس اعلانِ حرمت سے پہلے کے گناہوں کے لیے معافی کا اعلان کر دیا ہے۔ شرط ایمان اور عملِ صالح ہے۔ جو مومن وفات پا چکے ہیں یا زندہ ہیں، اگر حرمت سے پہلے انھوں نے شراب پی ہے تو اللہ اس پر گرفت نہیں کرے گا۔ اب حرام چیزوں سے بچو، اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرو، اپنے ایمان کو مضبوط کرو، عمل صالح سے دامنِ مراد بھر لو، پھر ہرگز گناہ سے بچنے کی کوشش کرو، نیکوکار بن جاؤ، نماز روزہ میں پابندی کرو۔ ہر ایک کام میں اخلاص پیدا کرو۔ شکوک و شبہات کو راہ نہ دو۔ تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کے لیے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو۔ تقویٰ اور نیکوکاری اللہ کو بہت پسند ہے۔

---

[1] سنن أبي داود: ۳۶۷۰

[2] صحیح البخاري: ۲۴۶۴ و صحیح مسلم: ۱۹۸۰

بعض لوگ شراب کو دوا کے بہانے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت طارق بن سُوید جعفی رضی اللہ عنہ کو شراب بنانے سے روکا تو وہ کہنے لگے کہ میں تو دوا کے لیے بناتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ)) [1]

''شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔'' صَدَقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ۔

اسلامی تعزیرات میں شرابی کی سزا چالیس سے اَسّی تک کوڑے لگانا مقرر ہے۔ اس سے مقصد اس کی تعزیر ہے اور دوسروں کے لیے عبرت۔ نیز شراب کی خرید وفروخت حرام ٹھہرائی گئی ہے۔ [2]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾

مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو خدا تمھاری آزمائش کرے گا (یعنی حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ اسی طرح کا چارپایہ جسے تم میں سے دو عادل شخص مقرر کر دیں قربانی کرے اور یہ قربانی کعبے پہنچائی جائے یا (اس کا) کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا، تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے۔ جو پہلے ہو چکا وہ خدا نے معاف کر دیا اور جو پھر (ایسا کام) کرے گا تو خدا اس سے انتقام لے گا اور خدا غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم: ۱۹۸۴

[2] صحیح مسلم: ۱۷۰۶، ۱۵۷۸، ۱۵۸۱

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾	تمھارے لیے دریا[1] کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، یہ تمھارے لیے اور مسافروں کے لیے موجب منفعت ہے اور جب تک تم احرام کی حالت میں رہو خشکی کی چیزوں کا شکار تم پر حرام ہے اور خدا سے جس کے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے ڈرتے رہو۔

آیات: ۹۴ تا ۹۶ ۔ تشریح الفاظ

لَيَبْلُوَنَّكُمْ: (لَ، يَبْلُوَنَّ، كُمْ) ضرور تمھاری آزمائش کرے گا۔

مِنَ: برائے تبعیض یعنی کسی قدر، کچھ۔ الصَّيْدِ: شکار، مراد خشکی کا شکار۔

تَنَالُه: نَالَ يَنَالُ نَيْلًا ۔ جسے حاصل کریں، لے لیں ۔ تناول بھی اسی سے ہے۔[2]

رِمَاحُكُمْ: تمھارے نیزے، یعنی وہ سب چھوٹے بڑے جانور جن کو تم بآسانی ہاتھوں سے پکڑ لو یا نیزوں سے مارلو۔

بِالْغَيْبِ: غائبانہ، بن دیکھے۔

اِعْتَدٰى: زیادتی کرے۔ حُرُمٌ: واحد حَرَامٌ بمعنی حالتِ احرام میں۔

مُتَعَمِّدًا: جان بوجھ کر، ارادی طور پر۔ النَّعَمِ: چار پایہ، یعنی بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ۔

يَحْكُمُ بِهٖ: جس کا فیصلہ کریں۔ ذَوَا عَدْلٍ: دو عادل اور سمجھدار آدمی۔

هَدْيًا: قربانی کا جانور۔ بَالِغَ: پہنچنے والا۔

الْكَعْبَةِ: کعبہ سے مراد حرم پاک، یعنی حرم میں لے جا کر قربانی کا جانور ذبح کیا جائے اور مسکینوں میں گوشت تقسیم کیا جائے۔

عَدْلُ: برابر۔

لِيَذُوْقَ: لِ تاکہ، يَذُوْقَ چکھے، ذَاقَ سے۔ وَبَالَ: سزا، عذاب۔

سَلَفَ: گزر چکا۔ الْبَحْرِ: مراد ہے سمندر، دریا، تالاب، نہر وغیرہ۔

صَيْدُ الْبَحْرِ: سے مراد ہے بحری شکار جیسے مچھلیاں وغیرہ۔

لِلسَّيَّارَةِ: بمعنی مسافروں کا قافلہ۔ تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کیے جاؤ گے۔

---

[1] بحر میں دریا اور سمندر دونوں شامل ہیں۔ (التفسیر الوسیط، مجمع البحوث، المائدہ: ۹۶)

[2] ان معنوں میں اس کا مصدر نول اور نوال زیادہ اقرب ہے۔

مفہوم و مطلب: احرام کی حالت میں خشکی اور سمندر کا شکار

ان آیات کی شانِ نزول کے متعلق روایت ہے کہ ۶ھ میں رسول خدا ﷺ نے حج کا اعلان کیا اور ذوالقعدہ کے شروع میں آپ چودہ سو مہاجرین و انصار کے ساتھ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے۔ مدینے سے سات میل کے فاصلہ پر ذُوالحُلَیفہ مقام پر پہنچ کر احرام باندھا گیا۔ جب وہاں سے آگے بڑھے تو پرندوں کے غول اور چار پایوں کے ریوڑ آ نمودار ہوئے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔[1]

گزشتہ آیات میں شراب اور جوئے کو ناپاک اور شیطانی کام قرار دے کر حرام ٹھہرانے کے بعد اب یہ وضاحت فرمائی کہ اِحرام کی حالت میں شکار جائز نہیں اور خشکی پر شکار مارنے کی سزا مقرر کر دی۔ سمندر اور دریا کا شکار اور اس کا کھانا جائز ٹھہرا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مومن مردوں اور عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تمھیں آزمانا چاہتا ہے۔ سفر میں شکار کا بکثرت نمودار ہونا اور بسہولت شکار مار لینا دل میں شکار کھیلنے کا شوق پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون جذبات میں بہہ جاتا ہے اور مرغوب جانوروں کا گوشت کھانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور کون اللہ سے ڈر کر احرام کی حالت میں شکار کا خیال ترک کر دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے لیے کڑی آزمائش ہے۔ اس آزمائش سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ وہ تمھیں مشقت و محنت کا عادی بنائے۔ اسے ایک خاص انداز میں تمھاری تربیت اور ریاضت منظور ہے۔ جو شخص احرام میں شکار پکڑے گا، خواہ ہاتھ سے پکڑے یا نیزے سے مارے، وہ نافرمان اور باغی قرار پائے گا اور باغی کی سزا دردناک عذاب مقرر ہے۔

پھر فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تم حج یا عُمرہ کی نیت سے احرام باندھ لو تو خشکی پر شکار نہ مارو۔ اگر کوئی جانتے بوجھتے شکار مار ڈالے تو پھر چار پایوں میں اس کے برابر کا جانور حرم کعبہ میں لے جا کر ذبح کر لے اور اس کا گوشت مسکینوں میں بانٹ دے۔ اس چار پائے کا فیصلہ دو عقلمند، سمجھدار اور عادل مسلمان کریں گے۔ اگر جانور میسر نہ آسکے تو پھر مسکینوں کو کھانا کھلا دینا یا روزے رکھنا اس کا کفارہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کوئی شخص ہرن مار ڈالے تو پھر وہ ایک بھیڑ حرم میں لے جا کر ذبح کرے، یہ نہ بن پڑے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ بھی نہ ہو سکے تو تین دن کے روزے رکھے۔

---

[1] القرطبی و ابن کثیر، التفسیر، المائدۃ: ۹۴۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۸/ ۳۹

اگر نیل گائے یا بارہ سنگھا مار ڈالے تو اس کا بدلہ گائے ہے۔ یہ میسر نہ آئے تو بیس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اس کی توفیق نہ ہو تو بیس دن روزے رکھے۔ اگر شتر مرغ یا جنگلی گدھا مار ڈالیں تو اس کے بدلے اونٹ ذبح کیا جائے۔ اونٹ میسر نہ آئے تو تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو پھر تیس دن روزے رکھے۔ اسی طرح روایت ہے کہ خرگوش کو مار ڈالنے کا بدلہ بکری کا مادہ بچہ ہے جو سال سے کم عمر کا ہوا۔ اگر برابر اور مماثل جانور نہ مل سکے تو اس کی قیمت کی رقم ادا کر دی جائے۔ نیز اگر چڑیا اور مکڑی وغیرہ کو مار ڈالیں تو ان کی قیمت مقرر کر کے نقد یا اس کا غلہ خرید کر مساکین میں تقسیم کیا جائے۔ حرم میں کبوتر مارنے کی سزا یہ ہے کہ مینڈھے کی قربانی حرم میں کی جائے۔[1]

البتہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''پانچ چیزیں موذی ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور ہڑکا یا کتا۔'' ان کو مار ڈالنے کی اجازت ہے۔[2] ان کے قتل سے کوئی تاوان یا سزا لازم نہیں آتی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھیڑیا، شیر، چیتا وغیرہ بھی انھی موذی جانوروں کے حکم میں آتے ہیں۔

بعض ائمہ کے نزدیک مُحْرِم شکاری کو اختیار ہے کہ تاوان کی جونسی صورت چاہے اختیار کر لے۔ لیکن مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے پر سب کا اتفاق ہے۔[3]

یہ سزائیں اس لیے مقرر کی گئی ہیں تاکہ اللہ کا باغی اور مجرم اپنے کیے کا مزا چکھے۔ یَذُوْقُ استعارۃً استعمال کیا گیا ہے، مراد ہے کہ مجرم اپنی بدعملی کی سزا پائے۔ اس میں لطیف طنز بھی موجود ہے۔ وَبَالٌ انجام بد کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔

فرمایا کہ شکار حرام ٹھہرائے جانے سے پہلے کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیے ہیں۔ اب جو کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے تو مندرجہ بالا احکام کے مطابق سزا بھگتے۔ اس سزا کا فائدہ یہ ہے کہ پھر آخرت میں اس سزا کے بعد کوئی مؤاخذہ نہیں بشرطیکہ مجرم دوبارہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرے۔ جو شخص ایک مرتبہ سزا بھگتنے کے بعد دوبارہ شکار مار ڈالے تو سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

آیت ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور قادر ہے۔ جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا خدا اسے سزا دے کر دوسروں کے لیے سامانِ عبرت پیدا کرے گا۔ پھر فرمایا کہ خواہ تم حالتِ احرام میں ہو

---

[1] الطبری والقرطبی، التفسیر، المائدہ: ۹۵

[2] صحیح البخاری: ۳۳۱۴

[3] القرطبی وابن کثیر، التفسیر، المائدہ: ۹۵

یا احرام کے بغیر، پانی کا شکار یعنی مچھلی وغیرہ تمھارے لیے حلال ہے۔ اس کا کھانا تمھارے لیے مباح ہے۔ سفر و قیام میں اس سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔ پانی کا شکار تم نے مارا ہو یا کسی اور نے، خواہ سمندر نے اسے زندہ باہر پھینک دیا ہو یا مردہ، بہر حال اس شکار کا کھالینا بالکل درست اور بجا ہے۔ اس سے کوئی تاوان نہیں پڑتا۔ البتہ احرام کی حالت میں خشکی کا شکار حرام قرار دے دیا گیا۔ فرمایا کہ اس شکار کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہو، آخر کار تمھیں مر کر خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے، اس لیے اس کے دربار میں حاضری سے ڈر جاؤ۔[1]

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾

خدا نے عزت کے گھر (یعنی) کعبہ کو لوگوں کے لیے موجب امن[2] مقرر کیا ہے اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں، یہ اس لیے کہ تم جان رکھو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے خدا سب کو جانتا ہے اور یہ کہ خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔

آیت: ۹۷۔ تشریح الفاظ

جَعَلَ: بنایا، مقرر کیا۔

اَلْكَعْبَةَ: مربع یا مکعب شکل کا۔ عرب میں عام طور پر مکانات مدوّر (گول) ہوتے تھے۔ بیت اللہ مربع شکل کا تھا اس لیے کعبہ نام پڑ گیا۔ نیز کَعْبَہ کا مفہوم ہے اُبھرا ہوا، نمایاں، ممتاز۔

اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ: عزت و حرمت والا گھر۔ اَلْبَيْتَ اس لیے کہا کہ اس کی چھت اور دیواریں موجود ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''مکہ مکرمہ کو لوگوں نے عزت نہیں دی، خود اللہ نے عزت و حرمت عطا کی۔''[3]

اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ: حُرمت والا مہینہ، یعنی ذوالحجہ۔

قِيٰمًا: روزی اور آخرت کا سہارا، امن و سلامتی، موجب امن، قیام گاہ۔

---

[1] یعنی ایسی حاضری جو ذلت و رسوائی والی ہو۔

[2] قیام کے دوسرا معنی ہیں: لوگوں کو کھڑا کرنے کا ذریعہ یا گزران کا ذریعہ۔

[3] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۹۷

الْهَدْيَ: قربانی کا وہ جانور جسے حرم میں لے جا کر ذبح کیا جائے۔

الْقَلَائِدَ: (واحد، قِلَادَة) وہ جانور جن کے گلے میں پٹے ڈال رکھے ہوں۔ ان جانوروں کی عظمت اور بڑائی کے پیش نظر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

مفہوم و مطلب: کعبہ اور محترم مہینوں کی حرمت

گزشتہ آیت میں مذکور ہوا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار جائز نہیں۔ یہ تو اتنی عزت اور شان و شوکت والا گھر ہے کہ جہاں جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لیے بھی امن و سلامتی ہے۔ وہاں انسانوں کے لیے بھی آفات اور خطرات سے امن حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ حرم پاک نیکیوں، برکتوں اور سعادتوں کے حصول کے لیے بڑا مقدس اور متبرک مرکز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اس مربع شکل گھر یعنی کعبہ کو عزت و حرمت والا ٹھہرایا گیا ہے۔ لوگ آ کر اس کے پڑوس میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ حج و عمرہ کرتے ہیں۔ اپنی عاقبت کو سنوار لیتے ہیں۔ تاجر لوگ تجارت اور کاروبار کرتے ہیں۔ خوفزدہ انسان یہاں پہنچ کر امن محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایک کمزور و ناتواں آدمی اس حرم پاک میں قدم رکھنے کے بعد اپنے اندر ایک قوت اور طاقت محسوس کرتا ہے اور کوئی اس سے تعرض نہیں کرتا۔ لوگ دور دراز علاقوں سے آ کر سرزمینِ حرم میں جمع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر یہ ذوالحجہ کا متبرک مہینہ دیکھو، اس کو بھی عزت والا مہینہ ٹھہرایا گیا۔ لوگ اقطار عالم سے یہاں پہنچ کر اس ذوالحجہ میں حج کے مناسک و رسوم ادا کرتے ہیں۔ لوگ کعبہ کی بدولت مشہورِ عام و خاص ہوئے۔ ان کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی۔ لوگ ذوالحجہ کے مہینے میں جمع ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اسی طرح قربانی کو لوگوں کے لیے باعث نجات ٹھہرایا۔ محتاج اور مساکین قربانی کے جانوروں کا گوشت لے لیتے ہیں۔ کوئی آدمی بیکار نہیں، یہاں سب مصروف و مشغول ہیں۔ کچھ لوگ ذکر الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تم لوگ یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کچھ حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ زمین کے نیچے اور آسمانوں سے اوپر کی سب چیزوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ کوئی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾	جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ بھی کہ خدا بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾	پیغمبر کے ذمے تو صرف (ارشاداتِ خدا کا) پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو خدا سب جانتا ہے۔
قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾	کہہ دو کہ ناپاک چیز اور پاک چیز برابر نہیں ہوسکتی، گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمھیں خوش ہی لگے تو عقل والو! خدا سے ڈرتے رہو تاکہ رستگاری حاصل کرو۔

آیات: ۹۸ تا ۱۰۰۔ تشریح الفاظ

الرَّسُوْلِ: سے مراد آنحضرت ﷺ۔

لَايَسْتَوِيْ: سَوِيَ يَسْوٰى۔ سے باب اِفتعال، اِسْتِوَاء۔ برابر نہیں ہے۔

اَلْخَبِيْثُ: ناپاک، مراد ہے حرام چیز۔ اَلطَّيِّبُ: پاکیزہ، مراد ہے حلال چیز۔

اَعْجَبَكَ: (اَعْجَبَ، كَ) تجھے خوش لگے، پسند ہو۔

اُوْلِي: نصبی اور جری حالت میں اُولی، رفعی حالت میں اُولُو، جیسے اُولُو الْعَزْمِ وغیرہ۔ واحد ذُوْ آتا ہے۔ مؤنث اُولَاتِ، جیسے اُولَاتِ الْعِلْمِ، اُوْلَاتِ الْفَضْلِ۔ اس کا واحد ذات ہے۔

الْاَلْبَابِ: (واحد، لُبّ) بمعنی عقل، یعنی عقل والو۔ اصل میں یہ اُوْلُو الْاَلْبَابِ تھا۔ اُوْلُوْ مضاف ہے اور مضاف پر "یا" حرفِ ندا آنے سے مضاف منصوب ہو جاتا ہے۔ اس لیے یَا اُوْلِي الْاَلْبَابِ بن گیا۔

مفہوم و مطلب: حلال اور حرام برابر نہیں

اس آیت میں بتایا کہ جو لوگ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اللہ کی حدود کو توڑتے ہیں، اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ کرتے ہیں، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تعزیرات اور سزا کے معاملے میں بڑا سخت ہے۔ جو شخص اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے، اس کے حکموں پر چلتا ہے، گناہوں سے توبہ و استغفار کرتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت اور بخشش سے نوازتا ہے۔ اس کی رحمت اس کے عذاب پر غالب ہے۔ اکثر گناہ معاف کر دیتا ہے، شرط یہ ہے کہ انسان صدقِ دل سے توبہ کرے اور اللہ کی طرف جھک جائے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہے۔

پھر فرمایا کہ لوگوں کی ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ رسول ﷺ کا کام تو صرف پیغامِ حق پہنچا دینا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ہر ممکن طریق سے اللہ کے احکام پہنچا دیے۔ جس نے حق بات قبول کرلی وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے خدا کا کلام سن کر منہ موڑ لیا اس کی عاقبت خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر، کون مطیع اور فرماں بردار ہے اور کون سرکش و نافرمان۔ وہ تو دل کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ ظاہر و باطن اس کے سامنے ہیں۔ کوئی چیز اور کوئی خیال و عمل اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ پیغمبر ﷺ نے اپنا فریضۂ تبلیغِ حق اور اشاعتِ دین پورا کر دیا۔ اب عوام کی ذمہ داری ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا عمل لائے ہیں۔

پھر فرمایا: اے نبی ﷺ! اپنی اُمت کو بتا دو کہ پاک اور ناپاک، حلال و حرام، اطاعت اور سرکشی، ایمان و کفر، نیکی اور بُرائی برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر حرام اور ناپاک چیزوں کی کثرت ہو جائے، برائی ساری دنیا میں پھیل جائے اور یہ برائی دیکھنے والوں کو مرغوب و پسندیدہ ہو، کفر اور گناہ کتنا ہی دلفریب اور جاذبِ نظر کیوں نہ ہو، یہ بہر حال ناپاک اور حرام ہے۔ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اللہ کے نزدیک تو نیک اعمال کی قدر و منزلت ہے، ایمان کی قدر ہے، نیکی کی قدر ہے۔ اس چند روزہ زندگی میں گناہوں کی دلفریبی، کفر و انکار کی دلکشی، عصیاں اور سرکشی کی جاذبیت محض عارضی چیز ہے۔ مرنے کے بعد خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ وہ ہر عمل سے باخبر ہے۔ اللہ کے ہاں تو تھوڑا سا عمل صالح اور حلال مال بھی قابل قدر ہے۔ اس کا ثواب ملے گا۔ بداعمالیوں کے انبار اور حرام مال کے ڈھیر بھی بے حقیقت ہیں۔ بڑی سے بڑی ناپاک اور حرام کی دولت بھی دوزخ سے نہیں بچا سکتی اور عملِ صالح کے مقابلے پر گناہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں، گناہ تو الٹا عذاب کا موجب ہے۔ پاک مال سے ایک پیسہ بھی صدقہ و خیرات کرنا باعث اجر ہے اور ناپاک مال سے لاکھوں روپے خیرات کر دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

اس کے بعد عقلمندوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ عقل و انصاف سے کام لو۔ ذرا سوچو اور غور کرو کہ فائدہ کس میں ہے؟ اطاعت میں یا سرکشی میں؟ جب یہ حقیقت ہے کہ گناہ دوزخ میں لے جائے گا اور نیکی جنت میں تو پھر تم گناہوں سے کیوں نہیں بچتے؟ خدا کی نافرمانی سے بچنا ہی کامیابی اور فلاح کا ضامن ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ	مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بُری معلوم ہوں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے

تُبْدَ لَكُمْ ۖ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾	ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی (اب تو) خدا نے ایسی باتوں (کے پوچھنے سے) درگزر فرمایا ہے اور خدا بخشنے والا بردبار ہے۔
قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٠٢﴾	اس طرح کی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھی تھیں (مگر بتائے جانے پر) پھر ان سے منکر ہو گئے۔

آیات:۱۰۱ تا ۱۰۲۔تشریح الفاظ

لَاتَسْئَلُوْا: تم سوال نہ کرو۔ نہ پوچھو۔

تُبْدَلَكُمْ: تمھارے لیے ظاہر کیا جائے۔ تُبْدَ اصل میں تُبْدٰی تھا، اِنْ کی وجہ سے ی کو حذف کر دیا گیا۔

بَدَا یَبْدُوْ بَدَاءً (بمعنی ظاہر ہونا) سے اَبْدٰی یُبْدِیْ اِبْدَاءً باب اِفعال ہے اور تُبْدٰی مضارع، واحد مؤنث غائب مجہول ہے۔ تُبْدَ، اس مسئلہ کے بارے میں اللہ کا حکم واضح کیا جائے۔

تَسُؤْکُمْ: (تَسُؤْ، کُمْ) سَآءَ، یَسُوْءُ سے۔ جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے تَسُؤْ بن گیا ہے۔ تمھیں بری لگیں، تمھیں ناگوار ہوں۔

حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ: یُنَزَّلُ نَزَلَ سے، نَزَّلَ یُنَزِّلُ تَنْزِیْلًا باب تفعیل بمعنی آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نازل کرنا۔ یُنَزَّلُ مضارع مجہول ہے، یعنی نازل کیا جاتا ہے۔ حِیْنَ بمعنی جب، مراد ہے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اور نزولِ وحی کے زمانہ میں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا: اللہ اس مسئلہ کے متعلق تمھارے سوال سے درگزر کرے۔ آئندہ ایسا سوال نہ کریں۔

سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے انبیاء سے اس قسم کے سوالات پوچھے تھے۔

اَصْبَحُوْا بِهَا كَافِرِيْنَ: اس سے انکار کر بیٹھے۔

مفہوم و مطلب: کثرتِ سوال کی ممانعت

ان آیتوں کی شانِ نزول سے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔'' اس پر حضرت اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ آنحضرت ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر سوال کیا۔ آپ ﷺ نے پھر منہ موڑ لیا۔

جب اس نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں! اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور اگر ہر سال واجب ہو جاتا تو تم ہر سال حج نہ کر سکتے۔ جو بات میں نہیں بتاتا وہ کرید کرید کر نہ پوچھا کرو۔ تم سے پہلی قومیں بکثرت سوال کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ جس کا میں حکم دوں، وہ جہاں تک بن پڑے کر لیا کرو۔ جب کسی چیز سے روکوں تو باز آ جایا کرو۔'' اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ میں نے ویسا خطبہ نہیں سنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ '' جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمھیں معلوم ہو جائے تو تمھارا ہنسنا کم اور رونا زیادہ ہو جائے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے چہرے چھپا لیے اور زار زار رو رہے تھے۔ اس موقع پر ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''فلاں۔'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! جس چیز کے بارے میں قرآن مجید اور وحیِ الٰہی خاموش ہو اس سے متعلق سوال نہ پوچھو۔ اگر تم خواہ مخواہ سوالات کرو گے تو وحی کا سلسلہ تو جاری ہے، قرآن مجید نازل ہو رہا ہے، یہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال کے جواب میں ایسے احکام نازل کر دے جو تمھارے لیے باعث تکلیف و مشقت ہوں یا تمھیں اس سوال کا جواب سن کر رنج و غم ہو۔ البتہ یہ جائز ہے کہ قرآن مجید نے کوئی حکم اجمالاً بیان کیا ہو تو تم اس کی تشریح اور توضیح پوچھ لو۔ غیر متعلقہ امور کے بارے میں تمھارے گزشتہ سوالات کو اللہ نے معاف فرما دیا۔ اب اللہ نے تمھیں آگاہ کر دیا ہے کہ آئندہ ایسے لایعنی سوالات نہ پوچھو۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی بخشش اور بردباری ہے کہ وہ تمھارے گناہوں سے درگزر کر دیتا ہے اور تمھیں فوراً سزا نہیں دیتا۔

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مسائل کے بارے میں سکوت اور خاموشی اختیار فرما کر تمھیں تکلیف اور مشقت سے بچا لیا ہے، اب تم بھی خاموش رہو۔ اس کی تائید میں حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کر دیے ہیں ان کو ضائع نہ کرو اور جن اشیاء سے روکا ہے ان کا ارتکاب نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے حد بندی کر دی ہے، اس کی حدود کو نہ توڑو اور چند امور سے اس نے عمداً خاموشی اختیار فرما کر تمھیں معافی دی ہے، ان کو کرید کرید کر مت پوچھو۔''[3]

---

[1] صحیح مسلم: ۱۳۳۷ و سنن الترمذی: ۸۱۴

[2] صحیح البخاری: ۴۶۲۱ و صحیح مسلم: ۲۳۵۹

[3] الحاکم، المستدرک: ۴/۱۱۷ والطبرانی، المعجم الکبیر: ۲۲/۲۲۱۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ تم سے پہلے بھی لوگوں نے اپنے اپنے نبیوں سے اسی طرح لایعنی سوالات پوچھے۔ جب ان سوالات کا جواب دے دیا گیا تو وہ انکار کر بیٹھے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی سے اونٹنی کا تقاضا کیا۔ جب اللہ نے ایک اونٹنی بھیج دی تو انھوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور ماننے سے انکار کر دیا۔[1]

اسی طرح عیسائی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ آسمان سے "مائدہ" لائیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مائدہ نازل کیا تو وہ منکر ہو گئے۔[2]

سابقہ امتوں نے یہ ثابت کر دیا کہ جب ان کے کہنے پر احکام نازل کیے گئے تو وہ سرکشی، بدعملی اور فسق وعصیان کی وجہ سے منکر ہو گئے اور احکامِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیا۔ گزشتہ امتوں سے تم سبق حاصل کرو۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾

خدا نے نہ تو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام (یعنی) ان میں سے کوئی چیز مشروع نہیں کی بلکہ کافر خدا پر جھوٹ افترا کرتے ہیں اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) خدا نے نازل فرمائی ہے اس کی اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے، بھلا اگر ان کے بڑے نہ تو کچھ جانتے ہوں نہ سیدھے رستے پر ہوں (تب بھی؟)۔

آیات: ۱۰۳ تا ۱۰۴۔ تشریح الفاظ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ: اللہ نے نام نہیں رکھے، مقرر نہیں کیا، شریعت میں حکم نہیں دیا۔ مِنْ زائدہ ہے۔

بَحِيْرَةٍ: وہ اونٹنی ہے جو پانچ بچے دے چکی ہو اور آخری بچہ نر ہو۔ تو عرب ایسی اونٹنی کا کان چیر دیتے تھے۔

---

[1] الاعراف: ۷/ ۷۷

[2] المائدہ: ۵/ ۱۱۲۔ ۱۱۵

نہ اسے ذبح کرتے، نہ اس پر سواری کرتے، نہ اسے دوہتے اور نہ اس اونٹنی کو پانی سے روکتے اور نہ چراگاہ سے۔

سَائِبَةٍ: وہ اونٹنی جو مسلسل دس مادہ بچے دے۔ عرب زمانۂ جاہلیت میں ایسی اونٹنی پر نہ سواری کرتے، نہ اس کی اُون اتارتے اور نہ اس کا دودھ پیتے۔

وَصِيلَةٍ: جب کوئی بھیڑ بکری مادہ بچہ دیتی تو عرب اپنے لیے رکھ لیتے، اگر نر بچہ دیتی تو اسے اپنے معبودوں کی نذر کر دیتے اور اگر بکری بیک وقت ایک نر بچہ اور ایک مادہ بچہ دیتی تو عرب کہتے: اب جوڑا بن گیا ہے۔ پھر نر بچہ معبودوں کے لیے ذبح نہ کیا جاتا۔

حَامٍ: وہ نر اونٹ ہے جس کی پشت (نسل) سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں۔ عرب ایسے اونٹ پر نہ بوجھ لادتے، نہ پانی اور چراگاہ سے روکتے، بلکہ کہتے کہ اس اونٹ نے اپنی پشت کو بچا لیا ہے۔

تَعَالَوْا: آؤ۔ مفرد تَعَالَ ہے۔

مفہوم و مطلب: بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاہلیت کے عربوں نے ان چار پایوں کی عزت و حرمت اپنی طرف سے قائم کر لی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا۔ ان کے تمام رسم و رواج باطل اور غیر مشروع ہیں۔ کافروں کی اس قسم کی سب باتیں جھوٹ ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتے ہیں۔ اللہ نے اس کا مطلقاً کوئی حکم نہیں دیا۔ جب ان لوگوں کو وحی الٰہی اور قرآن مجید کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان کے دل دلائل و براہین کو بالکل نہیں سنتے اور جمود اور بے حسی کے باعث کہہ دیتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے باپ دادا کرتے چلے آرہے ہیں وہ ہمارے لیے کافی ہے۔ قرآن مجید نے جواب دیا کہ ان کے باپ دادا تو دینی سمجھ بوجھ سے کورے تھے، بت پرستی اور شرک نے ان کے ذہن مسخ کر دیے تھے، ان کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے تھے، ان کے دل زنگ آلود ہو چکے تھے، وہ تو خود گمراہ تھے، ایسے باپ دادا کی پیروی کر کے تم راہِ راست کیسے پا سکتے ہو؟! بغض و عداوت کی تاریکیاں اور شرک و بت پرستی کی ظلمتیں تمھیں نورِ ایمان اور راہِ ہدایت سے روک رہی ہیں۔ قرآنِ مجید نے دعوت دی کہ دلائل کو جانچو، براہین کا وزن دیکھو اور جہالت، اندھی تقلید اور کورانہ[1] بت پرستی سے باز آجاؤ۔

[1] جہالت پر مبنی، اندھوں کی طرح۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾	مومنو! تم اپنی جانوں کی محافظت کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمھارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو گے وہ (قیامت کو ایک ایک) تمھیں بتا دے گا۔

آیت: ۱۰۵۔ تشریح الفاظ

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ: تم اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ، تم اپنا بچاؤ کرو۔

مَرْجِعُكُمْ: تمھارا لوٹنا یا رجوع کرنا۔

مفہوم و مطلب: ہر شخص خود کو ضرور گناہوں سے بچائے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! کفار اور مشرکین کا رویہ تمھارے سامنے ہے۔ ان کو اسلام اور توحید سے ضد ہے۔ وہ اپنے شرک و کفر پر مُصر ہیں۔ دلائل و براہین کو سننے کے لیے وہ قطعاً آمادہ نہیں۔ اب تمھارا کام یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو۔ اپنے آپ کو معاصی اور گناہوں سے بچاؤ۔ اگر تم راہِ راست اور رُشد و ہدایت پر قائم رہے تو گمراہوں کی گمراہی تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ خود گمراہ لوگ گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ وہ تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ تمھارے نیک اعمال اور خلوصِ نیت تمھاری کامیابی کی دلیل ہوگی۔ گمراہ لوگوں کی گمراہی ان کے لیے وبال بن جائے گی۔

البتہ ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جہاں تک بن پڑے ایک مومن تبلیغ و اشاعت سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا رہے۔ کیونکہ ظلم و عصیان انفرادی شے نہیں، اس کے اثرات اجتماعی ہیں۔ معاشرہ میں فساد اور بگاڑ کی روک تھام ہر مسلمان کا فرض ہے۔ البتہ جب ہر طرف سے مایوسی نظر آنے لگے، جب دعوت و ارشاد کا اثر بالکل مفقود ہو جائے، جب لوگ گناہوں پر اصرار کریں اور نیکی اور تقویٰ کی بات پر کان نہ دھریں تو پھر مومن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ضرور بچائے رکھے، ایسا نہ ہو کہ وہ بھی گمراہوں کے ساتھ گمراہی کی رَو میں بہہ جائے۔[1]

[1] جو لوگ خود کو گناہوں سے بچا کر لوگوں کی اصلاح کر سکیں اُن پر لوگوں کی اصلاح لازم ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ آیت کی تشریح میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ (سنن الترمذی: ۲۱۶۸)

پھر فرمایا کہ انجام کار سب لوگوں کو خدا ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ وہ قیامت کے دن سب کے اعمال کا محاسبہ کرے گا، ہر شخص کے کاموں کا جائزہ لے گا، اس دن اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی نیکیوں اور برائیوں سے مطلع کرے گا، پھر نیک لوگوں کو ابدی راحت اور زندگی کے لیے جنت میں بھیج دے گا اور بدکردار لوگوں کو ان کے جرائم کی سزا میں دوزخ میں ڈال دے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

مومنو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آ پہنچے تو شہادت (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کرنے کے وقت تم مسلمانوں میں سے دو صاحب عدل گواہ ہوں یا اگر تم سفر کر رہے ہو اور (اس وقت) تم پر موت کی مصیبت واقع ہو تو تم مسلمانوں کے سوا دو اور شخص (گواہ ہونے چاہئیں) اگر تم کو ان کی نسبت کچھ شک ہو تو ان دونوں کو (عصر کی) نماز کے بعد کھڑا کرو اور وہ دونوں خدا کی قسم کھائیں کہ ہم شہادت کا کچھ عوض نہیں لیں گے، گو وہ ہمارا رشتہ دار ہی ہو۔ اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے، اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اگر خبر ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ حاصل کیا ہے تو جن لوگوں کا انھوں نے حق مارنا چاہا تھا ان میں سے ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں اور وہ (جس کے حق میں گواہی دیں، اس سے قرابت قریبہ بھی رکھتے ہوں) پھر وہ خدا کی قسمیں کھائیں کہ ان کی شہادت سے ہماری شہادت بہت درست ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، ایسا کیا ہو تو ہم بے انصاف ہیں۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى

اس طریق سے بہت قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح

وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴿۱۰۸﴾	شہادت دیں یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری) قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی اور خدا سے ڈرو اور (اس کے حکموں کو گوش ہوش سے) سنو اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

آیات: ۱۰۶ تا ۱۰۸۔ تشریح الفاظ

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ: اس چیز کی شہادت جو کچھ تم کو معلوم ہے یا تم نے دیکھا ہے۔

اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ: جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ پہنچے۔

ذَوَا عَدْلٍ: دو منصف اور عادل۔ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ: تم سفر کرو۔

مِنْكُمْ: تم میں سے، یعنی مومنوں میں سے یا بقول بعض تمھارے خاندان سے۔

اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ: دو غیر مسلم، یا بقول بعض دو اجنبی۔

تَحْبِسُوْنَهُمَا: ان دونوں کو تم روکے رکھو، تاکہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔

مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ: مراد ہے عصر کی نماز کے بعد۔ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ: اور دونوں خدا کی قسم کھائیں۔

ارْتَبْتُمْ: رَيْب سے اِرْتَاب باب افتعال ہے۔ ان کی شہادت کے بارے میں (تم وارثوں) کو شک ہو۔

لَا نَشْتَرِيْ: ہم نہیں بیچتے، ہم تبادلہ نہیں کرتے۔ بِهٖ قسم کی طرف ضمیر راجع ہے، بعض کے مطابق اللہ کے ثواب یا شہادت کی طرف ضمیر راجع ہے۔

ثَمَنًا: لفظی ترجمہ قیمت، مراد ہے عوض میں دنیا کی کوئی چیز نہیں لیں گے۔

ذَا قُرْبٰى: ہمارا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی اگر قریبی رشتہ دار کے خلاف بھی شہادت دینی پڑے تو ہم رشوت وغیرہ نہیں لیں گے۔ الْاٰثِمِيْنَ: (واحد، اٰثِم) گنہگار۔

عُثِرَ: اطلاع مل جائے، خبر ہو جائے۔ اسْتَحَقَّا: ارتکاب کیا ہے، حاصل کیا ہے۔

اِثْمًا: گناہ، مراد ہے کہ حلف اٹھانے کے بعد معلوم ہو کہ ان گواہوں نے شہادت میں جھوٹ بولا ہے، جھوٹی قسم کھائی ہے یا موصی کی وصیت میں خیانت کی ہے۔

فَاٰخَرَانِ: وارثوں میں سے دو آدمی جو ان کی جگہ صحیح صحیح گواہی دیں، یا اللہ کی قسم کھائیں، یا ان کی خیانت کا اظہار کریں۔

يَقُوْمَانِ مَقَامَهُمَا: پہلے دو گواہوں اور حلف اٹھانے والوں کی طرح گواہی دینے اور حلف اٹھانے کے لیے کھڑے ہوں۔

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ: ان وارثوں میں سے جن کے خلاف گواہوں نے جھوٹی شہادت دی۔

الْاَوْلَيٰنِ: تثنیہ ہے اَوْلیٰ کا، یعنی دو قرابت دار۔ اِذًا: اگر جھوٹی قسم کھائی تو پھر۔

وَمَا اعْتَدَيْنَا: اور ہم نے شہادت یا قسم میں کسی حد سے تجاوز نہیں کیا۔

اَدْنٰى: دَنَا يَدْنُوْ دُنُوًّا سے دَانٍ اسم فاعل اور اَدْنیٰ اسم تفضیل۔ زیادہ قریب۔

وَجْهِهَا: اپنی اصلی حالت میں، یعنی کذب اور خیانت کے بغیر۔

تُرَدَّ: ردّ کر دی جائے گی، باطل ٹھہرائی جائے گی۔

اَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ: ہماری قسمیں وارثوں کے حلف کے بعد۔ یعنی وارثوں کے حلف کے بعد ہماری قسم باطل قرار دے دی جائے گی۔ الْفٰسِقِيْنَ: نافرمان۔

مفہوم و مطلب: وصیت پر گواہی کے احکام

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی تجارت یا کسی اور غرض سے سفر کو نکلے، پھر دورانِ سفر میں جب اسے اپنی موت کے آثار نظر آنے لگیں تو وہ وصیت کر سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو دو عادل مسلمانوں کو اپنی وصیت کا گواہ ٹھہرا لے۔ اگر مسلمان گواہ دستیاب نہ ہوں تو پھر دو غیر مسلم گواہ مقرر کر لے، تاکہ یہ گواہ اس کی وصیت اور ترکہ کی گواہی دے سکیں۔ گواہوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ تم ان دونوں گواہوں کو نماز عصر کے بعد تک روکے رکھو،[1] پھر وہ عصر کے بعد گواہی دیں، کیونکہ یہ وقت کئی اعتبار سے موزوں ہے۔ اہل کتاب کے نزدیک یہ وقت مقدس ہے اور وہ اس وقت جھوٹ بولنا روا نہیں سمجھتے۔ پھر یہ وقت فرصت و فراغت کا بھی ہے۔ دن بھر کے کام کاج سے قدرے فراغت مل جاتی ہے اور لوگ بکثرت جمع ہو سکتے ہیں اور اگر گواہ جھوٹی شہادت یا خیانت وغیرہ کے مرتکب ہوں گے تو برسرعام ان کی رسوائی اور ذلت ہوگی۔ اس کے بعد اگر تمھیں ان کے بیان میں شک نظر آئے تو دونوں گواہ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہم کسی دنیاوی غرض اور رشوت وغیرہ کے لیے حلف نہیں اٹھا رہے اور یہ کہ

[1] عصر کی نماز کا تذکرہ کئی تفاسیر میں ہے۔ ایک قول کے مطابق کسی دوسری نماز کے بعد بھی قسم اٹھوا سکتے ہیں۔ (دیکھیے تفسیر بیضاوی و تفسیر جلالین، المائدہ: ۱۰۶)

ہم گواہی کا پورا پورا حق ادا کریں گے۔ کسی بات کو نہ چھپائیں گے خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور اگر رشوت وغیرہ لیں، جھوٹی قسم کھائیں، شہادت کے کسی حصے کو بھی چھپائیں یا ترکہ میں خیانت کریں تو ہم گنہگار ٹھہریں گے اور ظالموں میں شمار ہوں گے۔

جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ گواہوں نے جھوٹ بول کر گواہی کو بدل کر یا مُوصی کے ترکہ میں خیانت کر کے گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو وارثوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ حق ثابت کرنے کے لیے ان دونوں کی گواہی کو ٹھکرا دیں اور میت کے وارثوں میں سے دو قریبی آدمی گواہی دے کر پہلے دونوں گواہوں کی شہادت کو باطل قرار دے سکتے ہیں۔ ان آخری گواہوں کو اس بات کا حلفیہ اقرار کرنا پڑے گا کہ ان کی شہادت بالکل درست اور صحیح ہے، اس کے بعد پہلے گواہوں کی شہادت مردود ٹھہرے گی، کیونکہ اُنھوں نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا تھا۔ جھوٹی قسم کھانے والا ظالم بھی ٹھہرتا ہے۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ قسم کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب گواہوں کی صداقت پر شک کیا جائے۔ بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ جب گواہ غیر مسلم ہوں تو پھر قسم ضروری ہے۔

ان آیات سے مندرجہ ذیل مسائل اخذ کیے جاتے ہیں:

۱۔ مرنے والے کو وصیت کی اجازت، سفر کی حالت میں بالخصوص وصیت کی ترغیب۔

۲۔ وصیت اور ترکہ وغیرہ کے لیے دو گواہوں کا تقرر۔

۳۔ بہتر صورت یہ ہے کہ گواہ مسلمان مومن ہوں۔

۴۔ بحالتِ مجبوری وصیت کے بارے میں غیر مسلم کی گواہی بھی جائز ہے۔

۵۔ گواہی کے اعلان اور بیان کے لیے مناسب وقت کا تقرر، جبکہ لوگ بکثرت جمع ہو سکیں۔

۶۔ بصورت شک گواہ حلف اٹھائے کہ وہ حق بات کہے گا، شہادت میں کمی بیشی اور مال میں خیانت نہیں کرے گا اور کسی فریق کی وہ رعایت نہیں کرے گا۔

۷۔ غلط شہادت اور خیانت سے گواہی باطل اور مردود ہو جاتی ہے، جبکہ وارث حلفیہ تردید کر دیں۔

۸۔ جھوٹی گواہی اور مال میں خیانت گناہ اور خدا کی نافرمانی ہے۔

۹۔ صحیح صحیح شہادت کے لیے مناسب اہتمام ضروری ہے۔

۱۰۔ کسی مصلحت یا عدم احتیاط کی وجہ سے احکامِ الٰہی میں کوتاہی سے نافرمانی واجب آتی ہے۔

اوپر کی آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کی موت کا وقت قریب آ پہنچے تو وہ دو مسلمان عادلوں کو اپنی وصیت کا گواہ مقرر کرے۔ اگر سفر میں ہو اور مسلمان شاہد نہ مل سکیں تو دو کافروں کی شہادت بھی جائز ہے۔ اگر مرنے والے کے وارثوں کو ان گواہوں کی صداقت میں شک ہو تو گواہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ حق بات کہتے ہیں، شہادت کو چھپاتے نہیں اور میت کے مال میں ذرا بھی خیانت نہیں کرتے، اگر حلف اٹھانے کے بعد بھی ان گواہوں کے خلاف کوئی بات ثابت ہو جائے تو میت کے وارثوں میں سے دو آدمی قسم کھا کر اپنا مطالبہ پیش کریں۔ ان کی قسم کے مطابق عمل درآمد کیا جائے گا۔

ان آیات کے نزول کے ضمن میں ایک روایت ہے کہ تمیم داری اور عدی بن بداء دو عیسائی مکہ، مدینہ اور شام میں تجارت کا مال لے کر آیا جایا کرتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ایک مرتبہ وہ شام کو گئے اور ان کے ساتھ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ایک مولیٰ بُدَیل بن ابی مریم رضی اللہ عنہ بھی مال تجارت لے کر چل پڑے۔ یہ بدیل رضی اللہ عنہ مسلمان تھے۔ ان کے سامانِ تجارت میں چاندی کا ایک قیمتی اور مرصع پیالہ تھا۔ راستے میں کسی مقام پر حضرت بدیل بیمار ہو گئے، انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں تمیم اور عدی کو وصیت کی کہ وہ دونوں ان کا سامان ان کے گھر پہنچا دیں۔ بدیل نے (سامان کی تفصیل پر مشتمل) ایک رقعہ لکھ کر سامان میں بند کر دیا، مگر ان میں سے کسی کو اس یادداشت کے متعلق نہ بتایا۔ تمیم اور عدی نے چاندی کا پیالہ نکال لیا۔ ادھر گھر والوں نے پیالہ تلاش کیا، لیکن انھیں چاندی کا پیالہ نہ ملا۔ معاملہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ اس وقت آیت: ۱۰۶ نازل ہوئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم اور عدی کو بلا کر پوچھا تو وہ قسم کھا گئے کہ ہم نے پیالہ نہیں لیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد پیالہ ان دونوں کے پاس دیکھا گیا۔ معاملہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ اس موقع پر آیات: ۱۰۷، ۱۰۸ نازل ہوئیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھایا کہ ہماری بات دو نصرانیوں سے زیادہ صحیح اور مضبوط ہے اور جام بُدَیل کا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جام ان سے لے کر بُدَیل کے گھر والوں کو دلوا دیا۔[1]

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾	جس دن خدا سب پیغمبروں کو جمع کرے گا تو ان سے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب ملا تھا؟ وہ عرض کریں گے کہ (پروردگار!) ہمیں (لوگوں کے دلوں کا حال) کچھ معلوم نہیں، تو ہی غیب کی باتوں سے خوب واقف ہے۔

---

[1] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۱۰۶ — ۱۰۸ و سنن الترمذی: ۳۰۵۹

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾	اس روز خدا (عیسیٰ علیہ السلام سے) فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! میرے ان احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمھاری والدہ پر کیے، جب میں نے روح القدس (یعنی جبرائیل سے) تمھاری مدد کی، تم جھولے میں اور جوان ہو کر لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے چنگا کر دیتے تھے اور مردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا تھا، جب تم ان کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے جو ان میں کافر تھے کہنے لگے: یہ تو صریح جادو ہے۔
وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾	اور جب میں نے حواریوں کو القا کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ کہنے لگے کہ (پروردگار!) ہم ایمان لائے، اور تو شاہد رہیو کہ ہم فرماں بردار ہیں۔
اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾	(یہ قصہ یاد کرنے کے لائق ہے) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمھارا پروردگار پسند کرتا ہے کہ ہم پر آسمان سے خوان (طعام) نازل کرے۔ انھوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو۔
قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا	وہ بولے کہ ہمارا یہ مقصود ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں اور ہم جان لیں کہ

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

تم نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(تب) عیسیٰ ابن مریم نے (خدا سے) دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لیے عید ہو جائے (یعنی) ہمارے اگلے اور پچھلوں (سب) کے لیے اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے، تو بہتر رزق دینے والا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

خدا نے فرمایا: میں تم پر ضرور خوان نازل فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا جائے گا۔

آیات: ۱۰۹ تا ۱۱۵۔ تشریح الفاظ

يَوْمَ: سے مراد یوم قیامت۔ يَجْمَعُ: جمع کرے گا۔

مَاذَآ اُجِبْتُمْ: تمھیں کیا جواب دیا گیا؟ یعنی تمھاری امتوں نے تمھاری دعوت و تبلیغ کا کس طرح خیر مقدم کیا؟ جن لوگوں کے پاس تمھیں بھیجا گیا تھا ان کا ردِ عمل کیا تھا؟

لَا عِلْمَ لَنَا: ہمیں کچھ علم نہیں۔ مفسرین کا خیال ہے کہ روزِ محشر کے ہولناک اور خوفناک مناظر کی وجہ سے پیغمبروں پر بھی عجز و انکسار مستولی[1] ہوگا۔ وہ عدم قدرت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ یا اللہ! تو خوب جانتا ہے۔ تیرے علم کے مقابلے پر ہمارا علم بھی بے حقیقت ہے۔ ہمیں تو ظاہری الفاظ کا علم ہو سکتا ہے لیکن باطن کے اسرار تک ہماری قاصر نگاہ کیسے پہنچ سکتی ہے۔

اَيَّدْتُّكَ: میں نے تیری مدد کی، تائید کی، تجھے قوت اور عزم عطا کیا۔

رُوْحِ الْقُدُسِ: فرشتہ وحی، یعنی جبرائیل علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خاص روح طاہرہ عطا کی ہے۔

[1] یعنی غالب۔

تُكَلِّمُ النَّاسَ: تو باتیں کرتا تھا۔ الْمَهْدِ: جھولا، مراد بچپن۔

كَهْلًا: بڑھاپے میں، تیس برس سے اوپر کی عمر میں، یعنی عہد نبوت میں۔

اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ: جب، یعنی میری نعمت یاد کرو جب میں نے تمھیں کتاب کی تعلیم دی، کتاب الٰہی سکھائی۔ کتاب سے مراد خط یعنی لکھائی بھی ہے۔

الْحِكْمَةَ: علم اور حسنِ تدبیر، اُسوہ۔ صحیح علم جو دین دنیا میں نافع عمل ہے۔

كَهَيْئَةِ: كَ بمعنی مانند۔ هَيْئَةِ بمعنی شکل۔ فَتَنْفُخُ: پس تو پھونکتا تھا۔

فِيْهَا: پرندے کی اس شکل میں۔ تُبْرِئُ: تو تندرست کرتا تھا۔

الْاَبْرَصَ: برص کی بیماری والا، کوڑھی، وہ شخص جس کے بدن پر سفید سفید داغ نمودار ہو جائیں۔

تُخْرِجُ الْمَوْتٰى: تو مردوں کو قبروں سے زندہ نکالتا تھا۔ الْاَكْمَهَ: پیدائشی اندھا۔

كَفَفْتُ عَنْ: میں نے روک دیا۔ باز رکھا۔ سِحْرٌ: جادو۔

مُبِيْنٌ: بَيِّن۔ ظاہر، کھلا۔ اَوْحَيْتُ: میں نے دل میں ڈال دیا، حکم دیا۔

الْحَوَارِيّٖنَ: (واحد، حَوَارِيّ) ظاہر و باطن میں مخلص۔ مَآئِدَةً: کھانا، دسترخوان، خوانِ نعمت۔

يَسْتَطِيْعُ: بمعنی پسند کرتا ہے، خوشی محسوس کرتا ہے، بقول بعض قدرت رکھتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ: یا اللہ! لفظ اللہ کے ساتھ م بڑھا دینے سے اَللّٰهُمَّ بن گیا، حرفِ م ندا کا فائدہ دیتا ہے۔

اٰيَةً: نشانی، نشانِ قدرت، علامتِ صداقت و نبوت۔

مفہوم و مطلب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور حواریوں کا دسترخوان کے نزول کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تمام پیغمبروں کو جمع کر کے ہر ایک سے پوچھے گا کہ جب میں نے تمھیں نبی اور پیغمبر کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز کیا تھا اور تم نے لوگوں کو پیغام حق سنایا، میری اطاعت اور توحید کی طرف بلایا، جب تم نے لوگوں کو بت پرستی چھوڑ دینے کا حکم دیا تو اس وقت تمھاری امت نے کیا جواب دیا؟ تمھاری دعوت سُن کر ان کا کیا ردّ عمل ہوا؟ اس وقت انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ جواب عرض کریں گے کہ اے اللہ! انھوں نے جو کچھ جواب میں کہا ہمیں یاد نہیں، تو خوب جانتا ہے کہ ان کا جواب کیا تھا۔ جو الفاظ ان کے منہ سے نکلے اور جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ تھا وہ سب تیرے سامنے ہے۔ کوئی شے تجھ سے مخفی نہیں۔ علم غیب تیرا خاصا ہے۔[1]

---

[1] الطبری والبغوی، التفسیر، المائدۃ:۱۰۹

کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ جواب اپنے عجز و انکسار کے اظہار کی خاطر ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کامل کے مقابلے پر اپنے علم ناقص کا اعتراف۔ لیکن بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ قیامت کے ہولناک مناظر اور خوفناک حالات کی وجہ سے نبیوں اور پیغمبروں پر ذُہول اور بھول کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔[1]

اوپر کی آیت کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بطور نمونہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا تاکہ لوگوں کے لیے عبرت کا سامان مہیا ہو۔ وہ لوگ جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے انھیں ساحر اور جادوگر کہا وہ بھی حقیقت سے باخبر ہو جائیں اور جنھوں نے ان پر ایمان لا کر انھیں خدا اور معبود ٹھہرایا وہ بھی عبرت پکڑیں۔ فرمایا کہ اس دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم جیسے اولوالعزم پیغمبر سے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! میری اس نعمت کو یاد کر جس سے میں نے تجھے اور تیری والدہ کو سرفراز فرمایا، جب میں نے فرشتۂ وحی یعنی جبریل علیہ السلام کو بھیج کر تیری تائید کی اور تجھے قوت و عزم عطا کیا۔ لوگوں نے تیری ماں پر تہمتیں تراشیں، عیب لگائے، اس کے کردار اور سیرت پر الزام لگایا۔ وہ کہتے تھے کہ بلا باپ کیسے بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے فرشتہ بھیج کر تیری والدہ کا ایمان مضبوط و محکم کیا، وہ مخالفوں کے طعن و تشنیع برداشت کرنے لگی۔ پھر اللہ نے اپنے خاص انعام سے تجھے بچپن میں قوت گویائی عطا کی۔ تو نے توفیقِ الٰہی اور تائید ایزدی سے جھولے میں یہ اعلان کیا کہ میری ماں ان الزامات اور تہمتوں سے بری اور پاک ہے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے صاحبِ کتاب نبی بنایا اور مجھے بابرکت ٹھہرایا ہے۔

پھر فرمایا کہ میرا یہ انعام بھی یاد کرو کہ میں نے تجھے لکھنا پڑھنا سکھایا، محکم رائے اور حسن تدبیر عطا کی، صحیح علم دیا، تورات اور انجیل سمجھنے کی توفیق بخشی۔ پھر یہ انعام بھی کیا کم تھا کہ میں نے تجھے معجزات اور خوارق عطا کیے۔ تو مٹی کے پرندے بناتا، پھر ان میں پھونکتا تو اذنِ الٰہی اور حکمِ ربی سے اس مٹی کے بت میں جان پیدا ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ انعام بھی کیا کہ تمھیں یہ قوت اور قدرت عطا کی کہ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دو کہ وہ دیکھنے لگیں۔ کوڑھیوں اور برص کی بیماری والوں کو بھلا چنگا کر دو کہ وہ بالکل تندرست ہو جائیں۔ تمھیں یہ قدرت بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کی کہ مُردوں کو قبروں سے نکال زندہ کھڑا کر دو۔ باوجودیکہ

[1] ابن ابی حاتم والقرطبی، التفسیر، المائدہ:۱۰۹

تمھیں کھلے معجزات اور واضح نشانات وخوارق دے کر بھیجا گیا پھر بھی بنی اسرائیل تمھاری نبوت پر ایمان نہ لائے، وہ تمھارے دشمن بن گئے، تمھیں جادوگر اور ساحر کے نام سے پکارنے لگے، تمھارے معجزات کو فریب نظر اور دھوکا سمجھے۔ بالآخر وہ تمھارے قتل کے درپے ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تمھیں ان سے بچالیا۔

پھر یہ انعام بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب میں نے تمھارے ماننے والوں میں سے مخلص لوگوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اے مسیح کے حواریو! تم مجھ پر اور میرے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے ایمان کا اعلان کردو، تاکہ جو یہودی تمھاری تکذیب کررہے ہیں انھیں معلوم ہو جائے کہ تم سچے نبی ہو اور کچھ لوگ تم پر ایمان لاچکے ہیں اور تمھاری نبوت کی تصدیق کرچکے ہیں۔ چنانچہ حواریوں نے اعلان کردیا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور مسیح ابن مریم کو خدا کا سچا رسول تسلیم کرچکے ہیں۔ پھر انھوں نے اللہ کو اس بات پر گواہ ٹھہرایا کہ ہم ایمان میں مخلص ہیں اور خدا کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا ایک مطالبہ نقل فرمایا ہے کہ وہ انعام بھی یاد کرو کہ جب حواریوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ کیا تمھارا پروردگار اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت نازل فرمائے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مطالبہ کے جواب میں حواریوں کو تقویٰ کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ ایمان و اِخلاص اور رضا و تسلیم کے بعد اس قسم کا مطالبہ جائز نہیں۔ حواریوں کا یہ مطالبہ اپنے اطمینان قلب کے لیے تھا اور یہود کے لیے معجزہ کے طور پر اتمامِ حجت کے لیے۔ حواری بھوکے تھے اور چاہتے تھے کہ معجزانہ انداز میں ان کے لیے آسمان سے بنا بنایا اور تیارشدہ کھانا آئے۔ وہ کھا کر سیر بھی ہو جائیں اور اِتمام حجت بھی ہو کہ یہ نبی سچے اور برحق ہیں اور مزید اطمینان کے ساتھ مزید شہادت کا موقع میسر آئے۔

اس آیت کے ضمن میں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حواری بہترین لوگ تھے، وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت میں شک نہ کرتے تھے بلکہ انھوں نے یہ انداز محض سوال میں تلطف کی خاطر اختیار کیا۔ حواریوں کے اطمینانِ قلب اور رفع احتیاج کی خاطر اور یہود پر اتمام حجت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پالنہار! ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما۔ نزولِ نعمت کا یہ دن ہمارے عہد میں لوگوں کے لیے مسرت وخوشی اور عید و سرور کا دن قرار پائے اور ہمارے بعد آنے

والوں کے لیے بھی۔ یہ نزولِ نعمت تیری طرف سے میری نبوت کی دلیل اور میری صداقت کی نشانی بھی ٹھہرے۔ اے اللہ! تو بہترین روزی دینے والا ہے، ہمیں روزی دے اور ہمیں توفیق عنایت فرما کہ ہم تیری نعمتوں پر تیرا شکر بھی ادا کرسکیں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر خوانِ نعمت نازل فرماؤں گا، اس کے بعد بھی جو شخص انکار اور کفر کا مرتکب ہوگا تو میں اسے بڑا سخت عذاب دوں گا۔

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

اور جب خدا فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے، مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا کہ جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا، بے شک تو علام الغیوب ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا، وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا تھا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (بڑی مہربانی ہے) تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾	خدا فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) ابدالآباد ان میں بستے رہیں گے، خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی، یہی بڑی کامیابی ہے۔
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾	آسمان اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیات: ۱۱۶ تا ۱۲۰ ـ تشریح الفاظ

اِذْ: بمعنی اِذَا (جب) مستقبل کے لیے۔ یعنی قیامت کے روز۔ مِنْ دُوْنِ: سوا، علاوہ۔

سُبْحَانَكَ: تو پاک ہے، یعنی میں تجھے شریک اور ساجھی کی آلائشوں سے پاک اور مبرا سمجھتا ہوں۔

تَوَفَّيْتَنِيْ: قرآن مجید میں تَوَفّی تین معنوں میں استعمال ہوا ہے: (۱) وفاتِ رفع، یعنی آسمان پر زندہ اٹھالینا۔ (۲) وفاتِ نوم یعنی سلا دینا (۳) وفاتِ موت۔[۱] شَهِيْدًا: نگران، خبردار۔

مَادُمْتُ: دَامَ يَدُوْمُ سے واحد متکلم ماضی۔ جب تک میں تھا۔ الرَّقِيْبَ: نگران، محافظ۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ: اگر تو ان کو عذاب دے۔ قَالَ: بمعنی کہے گا۔

يَوْمُ: سے مراد يَوْمُ الْقِيَامَة۔ خَالِدِيْنَ: ہمیشہ رہنے والے۔

اَبَدًا: ہمیشہ۔ اَلْفَوْزُ: کامیابی۔

مَافِيْهِنَّ: آسمان و زمین کے درمیان، یعنی جن و انس، سیارے، ستارے، پہاڑ، سمندر، دریا، فضا، ہوا بادل وغیرہ۔ مُلْكُ: حکومت۔

مفہوم و مطلب: قیامت کے دن اللہ کا عیسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں سے بعض نے انھیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو

[۱] القرطبی، التفسیر، المائدہ: ۱۱۷

خدا ٹھہرایا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو توبیخ کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو خدا مان لو؟ یہ سوال سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کپکپی طاری ہو جائے گی اور وہ جواب سے پہلے اللہ کی تعریف کریں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ! تو پاک ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ مجھے کیا حق پہنچتا تھا کہ ایسی بات کہتا؟ یہ تو صریح شرک ہے۔ میں تو توحید کی تبلیغ کے لیے مبعوث ہوا تھا۔ میں نے تیری وحدانیت کا اعلان کیا۔ میں بندہ ہو کر خدائی کا دعویٰ کیونکر کر سکتا تھا؟ مجھے خدائی کیسے زیب دے سکتی ہے؟ اگر بفرض محال میں نے کہا بھی تو اے اللہ! تجھ سے یہ معاملہ کیسے چھپا رہ سکتا ہے؟ سب کچھ تیرے علم میں ہے۔ قول و الفاظ تو الگ رہے، اے اللہ! تو تو دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے، تو ظاہر و باطن سے باخبر ہے، میرے ارادوں کو بھی تو بخوبی جانتا ہے۔ البتہ میں انسان ہوں، مجھے تیرے ارادوں کا علم نہیں ہو سکتا۔ علم غیب صرف تیرا ہی خاصا ہے۔ کسی انسان کو اس میں دخل نہیں۔

اے اللہ! میں تیرا پیغمبر ہوں۔ میں نے تو لوگوں سے وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا۔ میں نے تیرے احکام بلاکم و کاست لوگوں تک پہنچا دیے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ میرا اور تمھارا رب اللہ ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اے اللہ! جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا میں ان کو یہی کہتا رہا کہ صرف اللہ واحد کی عبادت کرو۔ اور میں ان کے اعمال کی نگرانی کرتا رہا اور تو ہر چیز سے باخبر ہے۔

اے اللہ! یہ تیرے بندے ہیں۔ تو مالک ہے۔ ان لوگوں نے تیرے ساتھ شریک ٹھہرائے۔ تیری نافرمانی کی۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں۔ اگر تُو ان کو عذاب دے تو تجھے پورا اختیار ہے۔ بندے اور غلام کی کیا مجال کہ مالک مختار کے سامنے چوں کر سکے۔ دنیا کی کوئی قوت ان کو عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ اور اگر تو ان کے گناہوں سے درگزر فرمائے تو تُو غالب قدرت والا ہے۔ تجھے ثواب اور عذاب کا پورا اختیار ہے۔ تیرا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول اپنی قوم کے حق میں شفاعت نہیں ہے بلکہ وہ صراحت کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ کا عذاب ٹل نہیں سکتا۔ البتہ احادیث صحیحہ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حضور میں عجز و نیاز سے امت کے ایک حصے کے لیے بخشش کی سفارش کریں گے اور

اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی سفارش قبول فرما کر آپ کی عزت افزائی فرمائے گا۔[1] لیکن آنحضرت ﷺ نے اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ ''اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے والے کے لیے میری شفاعت نہیں ہوگی۔''[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچے گا جو ایمان و عمل میں صداقت شعار تھے اور جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کی شہادت دی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے جھوٹ سے اجتناب کیا۔ باطل کو چھوڑ کر حق کا ساتھ دیا، انبیاء کی تصدیق کی اور اعمالِ صالحہ کو اپنایا۔ ان لوگوں کو اللہ بڑا اجر دے گا۔ ان سے خوش ہو کر ان کو ایسی جنت میں داخل کرے گا جہاں نہریں بہتی ہیں۔ یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن پر اللہ راضی ہوگیا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔ جنت اور رضائے الٰہی کا حصول بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس میں جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی کامیابی مضمر ہے۔ جنت کے باغات میں مزے کی زندگی جسمانی لحاظ سے اور رضائے الٰہی کا حصول روحانی اعتبار سے۔

آخر میں فرمایا کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر اللہ کی حکومت ہے۔ ساری کائنات ارضی و سماوی، تمام مخلوقات، سب جن و انس اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم بھی شامل ہیں۔ وہ بھی اللہ کی حکومت سے باہر نہیں۔ ایسے بڑے حاکم کی طرف سے رضامندی کی سند اور جنت کا انعام کتنی بڑی عزت اور کامیابی ہے۔ یہ سند اور یہ انعام دینے والا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ تَعَالٰی

---

[1] صحیح البخاری: ٦٧٤٤، وصحیح مسلم: ١٩٤

[2] الطحاوی، شرح مشکل الآثار: ١٦٦٢ والالبانی، صحیح الترغیب: ٣٦٣٦

سُوْرَۃُ الْاَنْفَال [1]

تعارف

سورۃ الانفال مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں دس رکوع ہیں اور ۷۵ آیات ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے اس سورت کا نمبر آٹھ ہے اور نزول کے لحاظ سے ۸۸، یعنی یہ سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔

مکی اور مدنی سورتوں کے مسائل اور مضامین جداگانہ ہیں۔ عام طور پر مکی سورتوں میں ایمان کے اصول یعنی خدا کی توحید، وحی ورسالت، بعث، جزا وغیرہ پر ایمان کا ذکر ہے اور گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات، شریعت کے اہم اصول وآداب، مشرکین کے باطل خیالات کی تردید اور اسی قسم کے دوسرے مضامین درج ہیں۔ اس کے مقابلے پر مدنی سورتوں میں شریعت کی تفصیلات، احکام دین، آئین جہانبانی، اہل کتاب اور منافقین کے بارے میں مفصل احکام کا ذکر ہے۔

خلاصہ مضامین

۱۔ اس سورت کا اصل مضمون جنگ بدر اور اس کے متعلقہ واقعات ہیں۔ اسی لیے پہلی آیت میں مالِ غنیمت کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ جنگ مقصود بالذات نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، خوفِ الٰہی، نمازوں کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جو اصل غرض وغایت ہے۔

۲۔ جنگ سے مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دکھائے اور کمزور مسلمانوں کے دل قرار پا جائیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کا حامی وناصر ہے اور مشرکین کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملانے والا ہے۔

۴۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اللہ انھیں سخت سزا دیتا ہے۔

۵۔ جب تک رسولِ خدا ﷺ مشرکین کے درمیان رہے مشرک عذابِ الٰہی سے محفوظ رہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر اپنے رسول ﷺ کی مدد فرمائی۔

---

[1] اس سورت کی تفسیر بی اے کے طلبہ وطالبات کے لیے لکھی گئی۔ آج کل یہ میٹرک اسلامیات لازمی کے نصاب میں شامل ہے۔

۷۔ حق آجانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے والوں کو بہت ناپسند کیا گیا۔
۸۔ صرف اللہ عزیز وحکیم پر بھروسا کرنا صداقتِ ایمان کی نشانی ہے۔
۹۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوموں اور حکومتوں کو سزا دیتا ہے اور ان سے قوت واقتدار چھین لیتا ہے۔
۱۰۔ مال اور اولاد کی غلط محبت فتنہ وفساد کا باعث بن جاتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے حدودِ شریعت کے اندر رہنا چاہیے۔
۱۱۔ خوفِ خدا (تقویٰ) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حق وباطل اور بُرے بھلے میں تمیز کا ملکہ پیدا کر دیتا ہے۔
۱۲۔ قوموں کے عقائد واخلاق اور عبادات وآداب میں تبدیلی آجانے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔
۱۳۔ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے۔
۱۴۔ کفر اندھا پن ہے اور ایمان عقل وبصیرت ہے۔
۱۵۔ دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے کے لیے مقدور بھر سروسامان جنگ کی فراہمی اور تیاری کا حکم دیا ہے، تاکہ دشمن مسلمانوں کی بری وبحری اور ہوائی طاقت سے ہر وقت خوفزدہ اور ہراساں رہے۔
۱۶۔ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو مسلمان بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہوئے صلح کی طرف ہاتھ بڑھائے۔
۱۷۔ رشتۂ دین میں منسلک ہونے کے بعد صدیوں کے دشمن آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔
۱۸۔ جنگ اور صلح کی حالت میں قول وقرار کے پاس اور معاہدے کی پابندی کو لازمی ٹھہرایا۔
۱۹۔ عہد شکنی کرنے اور وعدہ توڑنے والوں کو عبرت ناک سزا دینے کا حکم دیا تاکہ دوسروں کو اس قسم کے اقدام کی جرأت نہ ہو۔
۲۰۔ جنگ کی غرض وغایت یہ بتائی کہ فتنہ وفساد کو یکسر مٹا کر اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا کرو۔

سُوْرَۃُ الْاَنْفَال

مع ترجمہ ومطالب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①	(اے نبی ﷺ! یہ لوگ) آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو: مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو، اگر تم ایمان والے ہو۔
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ②	ایمان والے صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③	جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④	یہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

آیات: ۱ تا ۴۔ تشریح الفاظ

اَنْفَال: (مفرد، نَفَل) لفظی معنی ہیں فالتو، زیادہ۔ مالِ غنیمت کو نفل اس لیے کہا گیا کہ یہ اللہ کا فضل اور عطیہ ہے۔ نیز مجاہد کے اجر جہاد کے علاوہ نقد انعامِ الٰہی ہے۔

مفہوم و مطلب: انفال کا حکم اور مومنوں کے اوصاف

یہ آیات غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت کے بارے میں نازل ہوئیں۔[1] نوجوان مسلمانوں نے بڑی بہادری سے دشمنوں کو مار بھگایا تو بہت سا مالِ غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ اس مالِ غنیمت کے متعلق یہاں ضروری احکام بیان کر دیے۔ فرمایا کہ مالِ غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے، یعنی حکومت کا ہے۔ یہ بات نہیں ہونی چاہیے کہ جو مال جس کے ہاتھ آیا وہ اسی کا ہو گیا بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کر دو۔ امام و حاکم ساری جماعت میں تقسیم کرے گا۔

صلح و جنگ کے زمانے میں مسلمانوں کو صلح و صفائی سے رہنا چاہیے اور باہمی تعلقات کی اصلاح کرتے رہو۔ ایمان والوں کا حقیقی نصب العین یہ بیان فرمایا کہ دل میں خوف الٰہی ہو اور ہر کام میں اللہ اور رسول کی اطاعت ہو۔ مومن صادق اللہ پر بھروسا رکھتا ہے۔ آیات الٰہی سن کر اس کا ایمان زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ وہ نمازوں کو پابندی سے ادا کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں برابر خرچ کرتا رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بلند درجے، بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤	جیسا کہ تمھارے رب نے تم کو تمھارے گھر سے مصلحت کے ساتھ نکالا، حالانکہ مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥	وہ لوگ حق کی بات میں اس کے ظاہر ہونے کے بعد تم سے جھگڑتے تھے گویا وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں۔
وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ	اور جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمھارا (مسخر) ہو جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ بے ہتھیار قافلہ تمھارے ہاتھ آئے اور اللہ

---

[1] صحیح البخاری: ۴۸۸۲، وصحیح مسلم: ۱۰۳۱

اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ⑦	چاہتا تھا کہ اپنے کلام و آیات سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ⑧	تا کہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دے اگرچہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔

آیات:۵ تا ۸۔تشریح الفاظ

بِالْحَقِّ: مصلحت سے، یعنی نبی کریم ﷺ کا میدانِ جنگ میں نکلنا سیاسی اور دینی مصلحت پر مبنی تھا اور مصلحت یہ تھی کہ کفار کا زور اور غرور توڑ دیا جائے۔

يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ: مراد یہ ہے کہ میدان جنگ میں انھیں موت نظر آتی تھی یا یہ کہ وہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔

ذَاتِ الشَّوْكَةِ: ہتھیار بند، مسلح اور غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ بے ہتھیار، غیر مسلح۔ (نیز کم قوت والے، کمزور)۔

مفہوم ومطلب: غزوۂ بدر اللہ کے حکم سے ہوا

مالِ غنیمت کے متعلق اللہ کا فیصلہ برحق ہے، خواہ بعض لوگوں کو ناگوار ہی گزرے۔ اس کی مثال تمھارے سامنے ہے۔ رسول خدا ﷺ غزوۂ بدر کے لیے نکلے تو کچھ مسلمان اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے خیال سے اس مہم کو ناپسند کرتے تھے، لیکن آخرکار اللہ کے رسول ﷺ کا فیصلہ درست ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تم ایسے اور نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں سے قریش کے بہادر سرداروں کو خاک وخون میں تڑپایا اور ان کے لشکر کو مار بھگایا۔ واقعات اس طرح تھے کہ نبی کریم ﷺ نے وحیِ الٰہی سے خبر پا کر فرمایا کہ ”ایک گروہ مکے کے سرداروں کا آ رہا ہے اور دوسرا گروہ شام والا تجارتی قافلہ، ان دو میں سے کسی ایک کے ساتھ جنگ ہوگی اور مسلمان کامیاب ہوں گے۔“ چونکہ تجارتی قافلہ کے ساتھ تھوڑے آدمی تھے اور وہ بھی بے ہتھیار، اس لیے مسلمانوں نے خواہش کی تھی کہ اسی سے مقابلہ ہو۔ مگر نبی کریم ﷺ نے ان خیالات کی کوئی پروا نہ کی اور مکے سے آنے والے حملہ آوروں کے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کے ایک ہزار کے لشکر جرار کو تین تیرہ کر دیا۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی بات سچی نکلی اور اس کا وعدۂ ظفر و کامرانی پورا ہو گیا۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے تو اس نے تمھاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے چلے آئیں گے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

اور اللہ نے اس مدد کو (فتح کی) خوشخبری ٹھہرایا تاکہ تمھارے دلوں کو قرار ہو جائے اور مدد (غلبہ) تو اللہ ہی کی طرف سے ہے، بے شک اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے تم پر نیند طاری کر دی اپنی طرف سے چین لینے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی وسوسے تم سے دور کر دے اور تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھارے پاؤں جما دے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

اس وقت کو یاد کرو جب تمھارا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، سو تم ایمان والوں کی ہیبت بڑھاؤ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ پس تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر مارو اور ان کی پور پور کاٹ دو۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾

یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ بھی سخت سزا دینے والا ہے۔

ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

سو یہ مزا چکھو اور (جان لو کہ) کافروں کے لیے آگ کا عذاب بھی ہے۔

آیات: ۹ تا ۱۴۔ تشریح الفاظ

تَسْتَغِيْثُوْنَ: تم مدد مانگ رہے تھے۔ غَوْث سے باب اِسْتِفْعال۔ استغاثہ بمعنی مدد طلب کرنا، فریاد کرنا۔

اِسْتَجَابَ: قبول کر لینا، منظور کر لینا، سن لینا۔ يُذْهِبَ: لے جائے، رفع کر دے۔

مُرْدِفِيْنَ: (رِدف، ردیف) ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، سلسلہ وار، لگاتار، پے در پے۔

نُعَاس: لفظی معنی اونگھ، مراد نیند۔ جنگ سے پہلی رات مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے سکونِ قلب عطا کر دیا۔ خوف وخطر جاتا رہا۔ خوب مزے کی نیند سو گئے، صبح تازہ دم اُٹھے اور میدان جیت لیا۔

رِجْز: وسوسہ۔ نیز نجاست، گندگی وغیرہ۔ مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے شیطان طرح طرح کے وسوسے ان کے دل میں ڈال رہا تھا۔ فَوْقَ: اوپر۔

يُوْحِي: لفظی معنی اشارہ کرنا، وحی کرنا، دل میں ڈالنا۔

فَثَبِّتُوْا: ہمت بڑھاؤ، ثابت قدم رکھو، فتح کی خوشخبری سناؤ۔

الْاَعْنَاقِ: (مفرد، عُنُق) گردنیں، مراد گردن پر، یعنی گردنیں اڑا دو۔ بعض مفسرین کے نزدیک فَوْقَ الْاَعْنَاقِ سے مراد ''سر'' ہیں، یعنی ان کے سروں پر تلوار مارو۔[1]

بَنَانٍ: (مفرد، بَنَانَة) انگلی کے پورے، نیز انگلیاں اور ہاتھ۔ مراد ہے کہ تلواروں سے ہاتھوں کی انگلیاں اڑا دو تاکہ بیکار ہو کر میدان جنگ میں ٹھہر نہ سکیں۔ بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ جوڑ جوڑ الگ کر دو۔[2]

مفہوم ومطلب: غزوۂ بدر میں اللہ کی نصرت وتائید

میدانِ بدر میں مسلمان بڑی بے سروسامانی کی حالت میں اترے۔ تین سو تیرہ آدمیوں میں سے صرف دو کے پاس گھوڑے تھے۔ کمزور دل مسلمان طرح طرح کے خدشات کا شکار ہو رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا کی: ''اے اللہ! اپنی امداد کا وعدہ پورا فرما۔ اے اللہ! اگر یہ چند مسلمان ہلاک ہو گئے تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔''[3] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] الطبری وابن أبی حاتم، التفسیر، الانفال: ۱۲

[2] القرطبی، التفسیر، الانفال: ۱۲

[3] صحیح مسلم: ۱۷۶۳

ایک ہزار فرشتے بھیج کر مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ خوف و ہراس کو دور کر کے چین اور سکون عطا کر دیا۔ مسلمان مزے کی نیند سو گئے۔ پھر عین موقع پر بارش ہو گئی، مینہ برسنے سے ریتلی زمین پر پاؤں جمنے لگے۔ مسلمان سپاہی نہا دھو کر صاف ستھرے اور چاق چوبند ہو گئے۔ اس طرح تازہ دم ہو کر مسلمانوں نے مشرکین کو خوب مارا۔ ستر بڑے بڑے قریش کھیت رہے،[1] ستر قید ہوئے، باقی جان بچا کر میدان سے بھاگ تو گئے لیکن ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو گئے۔[2] یہ دنیا میں سزا ملی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کا ہمیشہ یہی حال ہوتا ہے۔ اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلنا اس کے علاوہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جنگ میں کافروں سے تمھارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا۔
وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾	اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے کہ پینترا بدلے یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آئے، وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔
فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾	سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا اور تم نے کنکریاں نہیں ماریں جب تم نے پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں اور تاکہ وہ ایمان والوں پر خوب انعام و احسان کرے، بے شک اللہ ہر چیز سنتا اور جانتا ہے۔
ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾	(ایک یہ بات، دوسری) یہ بات کہ اللہ کو کافروں کی تدبیروں کو کمزور کرنا تھا۔

---

[1] یعنی ہلاک ہوئے۔

[2] التوبہ: ۹/ ۲۶ و ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲/ ۱۰۶

اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَكُمُ الۡفَتۡحُ ۚ وَاِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ ۚ وَلَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡكُمۡ فِئَتُكُمۡ شَيۡـئًا وَّلَوۡ كَثُرَتۡ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۹﴾	اگر تم (خدا کا حکم اور) فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمھارے پاس آ گیا اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر (جنگ) کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے، اور تمھاری جمعیت تمھارے کام نہ آ سکے گی، خواہ کتنی ہی زیادہ ہو اور اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

آیات: ۱۵ تا ۱۹۔ تشریح الفاظ

زَحۡفًا: لفظی معنی پاؤں گھسیٹ کر چلنا، مراد دونوں فوجوں کا ایک دوسرے کی طرف آہستہ آہستہ چل کر مقابلے کے لیے آمنے سامنے آ کھڑا ہونا، یعنی مڈھ بھیڑ ہو جائے۔

اَدۡبَارَ: (مفرد، دُبُر) پیٹھ، پشت۔ مراد ہے ہار کر میدان سے بھاگنا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''میدانِ جنگ سے بھاگنا ہلاکت کا موجب ہے۔''[1]

مُتَحَرِّفًا: دشمن کو دھوکا دینے کے لیے پینترا بدلنے والا۔

فِئَةٍ: جماعت، جتھا۔

بَآءَ: لوٹا، واپس ہوا۔

مُوۡهِنُ: کمزور کرنے والا۔

تَسۡتَفۡتِحُوۡا: تم فیصلہ چاہتے ہو۔ نیز تم مدد اور فتح طلب کرتے ہو۔

اَلۡفَتۡحُ: فیصلہ، حکم۔ نیز مدد، نصرت و فتح۔

مفہوم و مطلب: میدانِ جنگ سے بھاگنے کی ممانعت

مسلمانوں کو سمجھا دیا گیا کہ جب دشمنوں سے لڑائی ہو جائے تو پھر میدانِ جنگ سے بھاگنا سخت گناہ ہے اور اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اللہ بڑا کارساز ہے، وہ کافروں کی تدبیروں کو بے کار کر دیتا ہے اور ایمان والوں کی نصرت و امداد فرماتا ہے، انعام و احسان سے نوازتا ہے۔ ساتھ ہی کافروں کو تنبیہ کر دی کہ اگر اب بھی باز نہ آئے تو پھر ذلیل و رسوا کیے جائیں گے۔ ان کی جمعیت کسی کام نہ آئے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَاَنۡتُمۡ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا کہا مانو اور اس کے رسول کا اور اس سے منہ نہ پھیرو اس حال میں کہ تم

[1] صحیح البخاری: ۲۷۶۶ و صحیح مسلم: ۸۹

تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ | سنتے ہو۔
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ | اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ | بے شک اللہ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر وہ بہرے گونگے ہیں جو ذرا نہیں سمجھتے۔
وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ | اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں خوبی دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دیتا اور اگر وہ انھیں سنا بھی دیتا تو بھی وہ ضرور منہ پھیر لیتے بے رُخی کرتے ہوئے۔

آیات: ۲۰ تا ۲۳۔ تشریح الفاظ

سَمِعْنَا: سَمِعَ يَسْمَعُ سے فعل ماضی جمع متکلم۔ ہم نے سن لیا۔

الدَّوَآبِّ: دَابَّةٌ کی جمع مکسر، اسم جامد، مضاعف ثلاثی۔ جاندار۔

صُمٌّ: صَمَّ يَصُمُّ سے صفت مشبہ، جمع مکسر۔ بہرے۔

بُكْمٌ: بَكِمَ يَبْكَمُ سے صفت مشبہ، جمع مکسر۔ گونگے۔

مفہوم ومطلب: اجتماعی زندگی کے آداب

ایمان والوں کو اجتماعی زندگی کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے منہ نہ موڑو۔ اہل کتاب، مشرکین اور منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ کہ سُنی اور اَن سُنی ایک کر دو۔ انسان اور چار پایوں میں بڑا فرق ہے۔ انسان کو عقل وفکر سے بہرہ مند کیا گیا ہے۔ وہ حق کو مانتا ہے، اللہ اور رسول کی بات پر کان دھرتا ہے۔ چار پائے عقل وفکر کی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔ جو آدمی قرآن سن کر گونگا اور بہرہ بن جائے تو خدا کے نزدیک وہ بدترین مخلوق ہے۔ غور وفکر اور عقل وخرد سے تہی دامن ہونے کا نام کفر ہے۔[1]

---

[1] یعنی کفر کی ایک اہم وجہ غور وفکر اور عقل وخرد سے تہی دامن ہونا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کفر کے کئی اسباب ہیں جیسے اباء و استکبار اور اعراض وتکذیب وغیرہ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جب کہ رسولِ خدا تمھیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تمھیں زندگی بخشتا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان اور یہ کہ تم سب اس کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور اس فتنے سے بچو جو خاص کر انھی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظالم ہیں اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، سرزمین (مکہ) میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اڑا کر نہ لے جائیں۔ پس اس نے تمھیں رہنے کو (مدینہ میں) جگہ دی اور تمھیں اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی تاکہ تم شکر کرو۔

آیات: ۲۴ تا ۲۶۔ تشریح الفاظ

اِسْتَجِيْبُوْا: اطاعت کرو، فرماں برداری کرو۔

فِتْنَةٌ: آزمائش، وبال۔

اَلْاَرْضِ: سے مراد مکہ ہے۔

مفہوم و مطلب: مسلمانوں پر اللہ کے احسانات کا تذکرہ

فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تو ایسی چیز کی طرف بلاتے ہیں جو نئی زندگی عطا کرتی ہے۔ اسلام کی دعوت تمھیں زندہ کر دے گی۔ اسلام نے مردہ قوموں کو اپنی آغوش میں لے کر زندہ کر دیا۔ جہاد میں بھی قوموں کی زندگی کا راز ہے۔ مجاہد کی تلوار میں پیغامِ حیات ہے۔ عرب جیسے لوگوں کو دنیا کی شرافت و تہذیب اور حکومت و جہانبانی سے بہرہ ور کیا گیا۔ پھر انجام کی جانب توجہ دلائی کہ تمھیں اللہ کے سامنے

جاتا ہے۔ وہ تمھارے ارادوں اور خیالات سے باخبر ہے۔ نیز ہر کام اس کی مشیّت سے ہوتا ہے، اس لیے دلوں میں پاکیزگی اور ارادوں میں نیکی ضرور کارفرما رہنی چاہیے۔ نیز آگاہ کر دیا کہ جور و ظلم کا انجام اچھا نہیں۔ ظالم کو زوال آنا ضروری ہے۔ مگر نیک لوگوں کو تبلیغ اور پرچار کرنا چاہیے، تاکہ کہیں وہ بھی ظالموں کے ساتھ پکڑے نہ جائیں۔ ایمان والوں کے لیے دین و دنیا کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ رسول خدا کی آواز پر کان دھریں اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں تو پھر تائیدِ غیبی اور نصرتِ الٰہی شامل حال ہو جائے گی اور نفیس و عمدہ رزق سے بہرہ مند ہو سکیں گے۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾	اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (اس کی برائی) جانتے ہو۔
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾	اور تم جان رکھو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے ہاں بڑا ثواب ہے۔

آیات: ۲۷ تا ۲۸۔ تشریح الفاظ

لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ کی خیانت سے مراد فرائض کا ترک کرنا ہے اور رسول ﷺ کی خیانت سے مراد سنت رسول ﷺ کو چھوڑ دینا ہے۔[1]

اَمَانَاتِ: کا مفہوم وہ فرائض انسانی ہیں جو اللہ نے بندوں کے لیے ضروری ٹھہرائے ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی اور غفلت نہ کرو۔

مفہوم و مطلب: اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ممانعت

بعض مہاجرین نے اپنے اہل و عیال کو جو مکے میں تھے، خطوط لکھے تھے۔ اس میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آ گیا تھا۔ فرمایا کہ یہ اللہ کی، رسول کی اور مسلمانوں کی خیانت ہے۔ آیت: ۲۷ میں خیانت سے مقصود تمام قسم کی خیانت ہے جو اسلام کے احکام کی تعمیل و تبلیغ میں کی جائے۔ البتہ یہاں خصوصیت کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ نامہ و پیام نہ رکھو۔ یعنی سیاسی، اجتماعی، اقتصادی اور

---

[1] الطبری، التفسیر، الانفال: ۲۷

جنگی ہر قسم کی خیانت سے باز رہنے کا حکم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک فرض کو ترک کرنا اللہ کی خیانت ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت سُنت کو ترک کرنا ہے۔[۱]

پھر فرمایا کہ مال و اولاد کی محبت انسان کو گناہوں پر آمادہ کرتی ہے، اس لیے حلال کی روزی کی طرف توجہ دلائی۔ نیز مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ مال و اولاد کے معاملہ میں احکامِ الٰہی کی پابندی سے آخرت سنور جاتی ہے۔ مال و اولاد کی محبت اتنی زیادہ نہ ہو جائے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے روک دے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو اللہ تمھیں فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمھارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

آیت:۲۹۔ تشریح الفاظ

تَتَّقُوْا: تم ڈرو، تقویٰ اختیار کرو، متقی بن جاؤ۔ تَقْوٰی کا مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا اور اس کی مخالفت اور نافرمانی سے بچنا۔

فُرْقَان: حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنا، سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا۔ بعض مفسرین کے نزدیک فرقان سے مراد فتح و نصرت ہے اور بعض کے نزدیک خوف و خطرہ سے نجات اور شبہات سے مخلصی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ متقی لوگوں کو فتح و نصرت عطا کرتا ہے۔ نیز ثباتِ قلب، بصیرتِ ایمانی اور ہدایت و نور سے بہرہ مند کر دیتا ہے۔[۲]

مفہوم و مطلب: تقویٰ سے نورِ ہدایت نصیب ہوتا ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ خوفِ خدا رکھتے ہیں اور اللہ کے حکموں کو مانتے ہیں اور اس کی نافرمانی اور معصیت سے بچتے ہیں وہ متقی ہیں۔ اللہ ان میں خیر و شر اور حق و باطل کے امتیاز کی ایک خاص

---

[۱] ابن اَبی حاتم، التفسیر، الانفال:۲۷

[۲] القرطبی والرازی، التفسیر، الانفال:۲۹

قوت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ دل کی بصیرت اور ایمان وتقویٰ کے نور سے برائی اور بھلائی میں تمیز کر پاتے ہیں۔ نیز ایمان اور تقویٰ گناہوں اور لغزشوں کی بخشش کا موجب ہے اور یہ بخشش اللہ کے رحم وکرم اور فضل کا نتیجہ ہے۔

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور (اے نبی ﷺ!) اس وقت کو یاد کرو جب کافر تمھارے متعلق خفیہ تدبیریں سوچ رہے تھے تاکہ تمھیں قید کریں یا تمھیں قتل کر دیں یا تمھیں نکال دیں اور (ادھر) وہ تدبیریں کر رہے تھے (اُدھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کا کلام کہہ دیں، یہ تو محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

آیات: ۳۰ تا ۳۱۔ تشریح الفاظ

يَمْكُرُ: خفیہ تدبیر سوچنا۔ اللہ کی تدبیر سے مراد ہے: کفار کی تمام چالوں کو بے کار کر دینا، یا یہ کہ بُرے انجام کی بجائے اچھا انجام ہو، کفار نے تو مسلمانوں کے لیے برائی چاہی تھی لیکن یہ انھی کے حق میں برائی ثابت ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ونصرت نصیب ہوئی اور کافر نامراد اور ناکام ہوئے۔

اَسَاطِيْرُ: اُسْطُوْرَةٌ اس کا مفرد ہے۔ کہانیاں، داستانیں، قصے۔

مفہوم ومطلب: کفار کی اسلام کے خلاف سازشیں

کفار مکہ نے یہ تدبیر کی کہ آنحضرت ﷺ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا مکہ سے نکال دیں، تاکہ لوگ آپ کی باتوں کو نہ سن سکیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادوں کو باطل کر دیا۔ قریشِ مکہ ظلم وفساد پر تلے ہوئے تھے، مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ میں جا بسے۔ اس ہجرت کے اتنے شاندار نتائج برپا ہوئے کہ دنیا کا جغرافیہ، تاریخ اور تہذیب وتمدّن سب میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ آخر اللہ کی تدبیر کامیاب رہی، اس لیے فرمایا کہ اللہ کی تدبیر ہی بہترین ہے۔ جب قرآن کی فصاحت وبلاغت اور اعجاز کے سامنے قریش مکہ کی کوئی پیش نہ گئی اور

اس کی تاثیر سے لوگ بچ نہ سکے تو انھوں نے منہ چڑانا شروع کر دیا کہ یہ تو محض پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔اور زبانی زبانی کہنے لگے کہ اگر ہم چاہتے تو قرآن مجید جیسا کلام پیش کر دیتے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾	اور جب ان لوگوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا دردناک عذاب بھیج۔
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾	اور اللہ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے جبکہ آپ (اے نبی ﷺ!) ان میں موجود تھے اور نہ اللہ ایسا تھا کہ ان کو عذاب دے جبکہ وہ بخشش مانگ رہے ہوں۔
وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾	اور اب ان کا کیا حق ہے کہ ان کو عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے متولی (بننے کے لائق) نہیں، اس کے متولی صرف متقی لوگ ہو سکتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾	اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ پس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب۔

آیات: ۳۲ تا ۳۵۔ تشریح الفاظ

هٰذَا: لفظی معنی یہ، مراد قرآن مجید ہے۔ اَنْتَ: سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

يَسْتَغْفِرُوْنَ: وہ توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ اس سے مراد یا تو وہ مسلمان ہیں جو مکہ مکرمہ میں آپ کے بعد موجود تھے یا وہ کافر جو طواف کے وقت توبہ اور معافی مانگتے تھے کیونکہ کفار اور مشرکین مکہ بھی طواف کے وقت ''غُفْرَانَكَ'' کہا کرتے تھے۔[1] تَصْدِيَةً: تالیاں بجانا۔

---

[1] ابن أبی حاتم، التفسیر، الانفال: ۳۳

مُکَآءً: سیٹیاں بجانا، منہ میں انگلیاں ڈال کر آواز نکالنا۔ مُکَا پرندے کی طرح سیٹی بجانا۔

مفہوم ومطلب: اہل کفر کا اللہ سے عذاب کا مطالبہ

آنحضرت ﷺ نے کفار کے قول ''اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ'' (گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں) کا جواب یہ دیا کہ یہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے۔ اس پر سرداران قریش مکہ کہنے لگے: اے اللہ! اگر قرآن واقعی تیرا کلام ہے اور ہم اسے جھٹلانے میں حق بجانب نہیں تو تُو ہم پر اپنا عذاب نازل کر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خدا کی سنت نہیں کہ وہ ایک قوم پر عذاب نازل کرے جبکہ اس کا رسول اس قوم میں موجود ہو اور نہ اس کا عذاب ایسی حالت میں آتا ہے کہ توبہ کرنے والے اور گناہوں کی معافی مانگنے والے موجود ہوں۔ چنانچہ خدا کے عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوں اور ہر وقت استغفار کرتے رہیں۔

آیت: ۳۴ میں فرمایا: اب جبکہ کفار مکہ نے پیغمبر اسلام کو ہجرت پر مجبور کر دیا اور قریش کی سرکشی یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے بندوں کو خانہ کعبہ سے جبراً روکنے لگے تو ضروری ہوگیا کہ ان کو سزا دی جائے۔ چنانچہ قریش مکہ کے جماعتی اقبال کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عبادت گاہوں کا متولی بننے کے لیے متقی ہونا ضروری ہے۔ اس میں یہ پیش گوئی بھی ہے کہ خانہ کعبہ کے متولی ہمیشہ متقی مسلمان رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾	بے شک کافر لوگ اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ پس وہ اسے خرچ کرتے رہیں گے، پھر وہ مال ان کے لیے باعث حسرت بن جائے گا۔ پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور کافروں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔
لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾	تاکہ اللہ گندے (لوگوں) کو پاک صاف (لوگوں) سے الگ کر دے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا کر ڈھیر بنا دے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہی لوگ ہیں گھاٹا پانے والے۔

آیات:۳۶ تا ۳۷۔تشریح الفاظ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا: سے مراد وہ لوگ ہیں جو آخر وقت تک کفر پر قائم رہیں گے۔

يُحْشَرُوْنَ: سے یہ بھی مراد ہے کہ ان کو دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔

مفہوم ومطلب: اہل کفر کا اسلام کے خلاف مال خرچ کرنا

فرمایا کہ کفار اپنا مال و دولت خرچ کر کے لوگوں کو اسلام سے روکنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے جنگِ بدر میں خرچ کیا۔ آئندہ بھی خرچ کریں گے۔ مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کا خرچ کیا ہوا سارا مال اکارت جائے گا۔ اسلام بہرحال پھیل کر رہے گا۔ لوگ اسلام کی صداقت پر ایمان ضرور لائیں گے۔ کفار حسرت و افسوس سے ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اور آخر کار اسلام کی قوت اور غلبہ کے سامنے ان کو بھی جھکنا پڑے گا۔ جو لوگ غلبۂ اسلام کو دیکھنے کے بعد بھی کفر کو نہیں چھوڑیں گے انھیں جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ فرمایا کہ غلبۂ اسلام اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز ہو جائے۔ کفر و باطل اور ایمان و حق الگ الگ کر دیے جائیں۔ عدل و انصاف کو جور و ظلم سے علیحدہ کر دکھائیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾	(اے نبی ﷺ!) کافروں سے کہہ دو: اگر یہ باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا ان کو معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر وہی کام کریں گے تو (جان لیں کہ) پہلے لوگوں (کی ہلاکت) کا طریقہ گزر چکا ہے۔
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾	اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ و فساد مٹ جائے اور دین سارا اللہ ہی کا ہو۔ پھر اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ	اور اگر وہ منہ پھیرلیں تو جان رکھو کہ اللہ تمھارا مولا ہے۔
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾	وہ بہت اچھا مولا ہے اور بہت اچھا مدد کرنے والا ہے۔

آیات:۳۸ تا ۴۰۔تشریح الفاظ

يَّنْتَهُوْا: باز آجائیں، یعنی کفر و شرک سے اور رسولِ خدا ﷺ کی عداوت اور دشمنی سے۔

مَا قَدْ سَلَفَ: کا مفہوم ہے: گزرے ہوئے گناہ، گزشتہ بداعمالیاں۔

یَعُوْدُوْا: مراد یہ ہے کہ اگر وہ پھر جنگ وعداوت اور کفروشرک کی راہ اختیار کریں تو پھر یاد رکھیں کہ ان سے وہی سلوک کیا جائے گا جو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اور دشمنوں سے کیا گیا تھا۔

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ: سے مراد قانونِ الٰہی جو پہلے لوگوں کے بارے میں نافذ ہو چکا ہے۔

فِتْنَةٌ: سے یہاں مراد کفروشرک ہے۔

مفہوم ومطلب: اہل کفر سے لڑائی کا حکم

کفار کو صلح کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ تم دشمنی اور عداوت سے باز آ جاؤ اور اسلام کی سچائی کو قبول کر لو تو تمھارے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اگر تم اسلام دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے رہے اور جنگ وجدال کے لیے آمادہ ہوئے تو پھر یاد رکھو کہ تمھارا انجام بھی وہی ہو گا جو تم سے پہلے لوگوں کا ہوا۔ جس طرح مخالفینِ حق کو گزشتہ زمانے میں مٹا دیا گیا تھا اسی طرح تمھیں بھی حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

پھر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تمھارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ تم بھی ان کے مقابلے پر لڑو اور لڑائی میں خوب بہادری دکھاؤ یہاں تک کہ تمام ظلم وفساد مٹ جائے اور لوگ ایک اللہ پر ایمان لانے کے لیے آزاد ہوں۔ کوئی ان کو روک نہ سکے۔ پھر ہر جگہ اسلام ہی کا بول بالا ہو۔ کسی کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ستایا نہ جا سکے۔ صرف ایک اللہ کی اطاعت وعبادت ہو۔

اگر وہ کفر اور جنگ سے باز آ جائیں تو ان کے تمام اعمال وافعال اللہ کی نگاہ میں ہیں۔ وہی ان کا بدلہ دے گا۔ اور اگر وہ دعوتِ حق اور دعوتِ صلح کو نہ مانیں تو اللہ کی اِعانت اور امداد مسلمانوں کے ساتھ ہے اور وہ بہترین رفیق اور ناصر ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ	اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) حاصل کر لاؤ اس
لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى	میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور رسول (ﷺ) کا اور
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ	اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں
كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا	کا اگر تم خدا اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو،

يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

(حق وباطل) میں فرق کرنے (جنگ بدر) کے دن جس دن دونوں فوجیں آپس میں بھڑ گئیں، اپنے بندے پر نازل فرمائی اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰي وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

جس وقت تم (مدینے سے) قریب کے ناکے پر اور کافر بعید کے ناکے پر تھے اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا اور اگر تم آپس میں قرار داد کر لیتے تو تم سے میعاد میں تفاوت[1] پڑ جاتا، لیکن خدا کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے کر ہی ڈالے تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے اور کچھ شک نہیں کہ خدا سنتا جانتا ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

اس وقت خدا نے تمھیں خواب میں کافروں کو تھوڑی تعداد میں دکھایا اور اگر بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) کام (درپیش تھا اس) میں جھگڑنے لگتے لیکن خدا نے (تمھیں اس سے) بچا لیا۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں سے واقف ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

اور جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمھاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا تاکہ جو کام کرنا منظور تھا اُسے کر ڈالے اور سب کاموں کا رجوع خدا ہی کی طرف ہے۔

---

[1] یعنی اختلاف

آیات: ۴۱ تا ۴۴۔ تشریح الفاظ

اَلْفُرْقَانِ: حق اور باطل میں فرق کرنا۔
بِالْعُدْوَۃِ: ناکہ۔
الدُّنْیَا: قریب والا۔
الْقُصْوٰی: دور والا۔
لَّفَشِلْتُمْ: تم بزدل ہو جاتے۔

مفہوم و مطلب: مالِ غنیمت کی تقسیم کا حکم اور غزوۂ بدر میں اللہ کی نصرت

سورت کی پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہے، یعنی حکومت کی ملکیت ہے۔ یہاں آیت: ۴۱ میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلا دیا۔ اللہ اور اس کے رسول کے حصے سے مقصود یہ ہے کہ دین و ملت اور ملک و حکومت کے مصالح کے لیے ایک خاص رقم رکھی جائے۔ اسی میں سے پیغمبر اسلام ﷺ کو ضروری مصارف ملیں اور آپ ﷺ کے بعد ائمہ مسلمین کو۔ پھر فرمایا کہ حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ یتیموں، مسکینوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی خبر گیری کرے اور حکومت کے خزانہ کا ایک حصّہ قوم کے ان افراد پر بھی خرچ کیا جائے۔

آیت: ۴۲ میں جنگ بدر کے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ فرمایا: خدا کی مخفی تدبیروں کی کرشمہ سازی دیکھو، ادھر دشمنوں کا گروہ بڑھا چلا آتا تھا ادھر تم شہر سے نکل کر ایک قریبی ناکے تک پہنچے تھے اور ابوسفیان کا قافلہ تھا کہ نشیب میں گزر رہا تھا۔ تم اپنی کمزوری کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اس قافلہ سے مقابلہ ہو، لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قافلہ تو نکل گیا اور مقابلہ ہوا حملہ آوروں سے اور تمھاری مٹھی بھر جماعت نے اسے مار بھگایا۔

آیت: ۴۳ میں اس خواب کی طرف اشارہ کیا ہے جو جنگ بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ نے دیکھا اور جس میں دشمن ناکام اور مسلمان فتح مند دکھائے گئے تھے۔ یہ خواب مسلمانوں کے لیے مزید تقویت کا باعث ہوا تھا۔ فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتا، لیکن اللہ نے اختلاف رائے سے بچا لیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً	اے ایمان والو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے
فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ	تمھارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو

تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۴۵﴾	تاکہ تم مراد حاصل کرو۔
وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۴۶﴾	اور خدا اور رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو (کہ ایسا کرنے سے) بزدل ہو جاؤ گے اور تمھارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر کرو کہ خدا صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔

آیات: ۴۵ تا ۴۶۔ تشریح الفاظ

فِئَةً: جماعت۔

رِيۡحُكُمۡ: ہوا، مراد قوت۔

مفہوم و مطلب: جہاد و قتال میں کامیابی کے اصول

اِن آیات میں نظم و نسق کی پانچ ایسی باتیں بتائی ہیں جو کامیابی اور فتح مندی کی ضامن ہیں:

۱۔ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہو۔

۲۔ اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

۴۔ آپس میں اختلاف اور جھگڑا نہ کرو، ورنہ تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

۵۔ مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرو، اللہ تمھاری مدد کرے گا۔

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۴۷﴾	اور اُن لوگوں جیسا نہ ہونا جو گھمنڈ سے اور لوگوں کو دکھانے لیے گھروں سے نکل آئے ہیں اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور ان کے جو اعمال ہیں خدا ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔
وَاِذۡ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الۡيَوۡمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىۡ جَارٌ لَّكُمۡ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الۡفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى	اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو خوب کر دکھائے اور کہا کہ آج لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا اور میں تمھارا رفیق ہوں۔ لیکن جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو

عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾	پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ میں ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور خدا سخت عذاب کرنے والا ہے۔
اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾	اس وقت منافق اور (کافر) کہتے تھے جن کے دلوں میں مرض تھا کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے اور جو شخص خدا پر بھروسا رکھتا ہے تو خدا غالب حکمت والا ہے۔

آیات: ۴۷ تا ۴۹۔ تشریح الفاظ

بَطَرًا: اکڑنا۔ جَارٌ: پڑوسی۔

نَكَصَ: پلٹ گیا، پھر گیا۔

مفہوم و مطلب: جنگ میں کفار اور منافقین کا چلن

فرمایا کہ مشرکین اور کفار کا چلن اختیار نہ کرو۔ ان کا چلن گھمنڈ اور نمائش و ریاکاری ہے۔ وہ اللہ کی طرف آنے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ اس کے مقابلے پر مسلمانوں کے ہر کام میں اخلاص، اِنکسار، ایمان اور راستی ہونی چاہیے۔ شیطان نے کافروں کو جُل دے کر جنگ پر اُکسایا۔ مگر جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو شیطان پیٹھ دکھا گیا۔ میدانِ جنگ میں مٹھی بھر مسلمانوں کو دیکھ کر منافق اور کچے دِل کے آدمی کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو اِن کے دین نے مغرور کر دیا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے جواب میں کہا کہ وہ خدا کے بھروسے پر نکلے تھے اور جو کوئی خدا پر بھروسا کرتا ہے تو خدا اپنی قوت اور حکمت سے اس کی مدد کرتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ	اور کاش! تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالا کرتے ہیں اور مارا کرتے ہیں ان

[1] یعنی دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے۔ اردو میں مغرور ہونے کے معنی ہیں: اترانا اور فخر کرنا جبکہ عربی میں مغرور کے معنی ''دھوکے میں مبتلا ہونا'' ہیں۔

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾	کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) اور کہا کرتے ہیں کہ (اب) عذابِ آتش (کا مزہ) چکھو۔
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾	یہ ان (اعمال) کی سزا میں جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور یہ (جان رکھو) کہ خدا بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾	جیسا حال فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا ویسا ہی ان کا ہوا کہ) انھوں نے خدا کی آیتوں سے کفر کیا تو خدا نے ان کے گناہوں کی سزا میں ان کو پکڑ لیا۔ بے شک خدا زبردست اور سخت عذاب دینے والا ہے۔
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾	یہ اس لیے کہ جو نعمت خدا کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی بات (یعنی حالات) نہ بدل ڈالیں خدا اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لیے کہ خدا سنتا جانتا ہے۔
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾	جیسا حال فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا ہوا ویسا ہی ان کا ہوا کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

آیات: ۵۰ تا ۵۴۔ تشریح الفاظ

يَتَوَفّٰى: جان نکالنا۔

كَدَاْبِ: حال۔

مُغَيِّرًا: اسم فاعل۔ تبدیل کرنے والا۔

مفہوم و مطلب: موت کے وقت اہل کفر کو عذاب

فرمایا کہ فرشتے کفار کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے کہتے جاتے تھے کہ جلانے والی آگ کے عذاب کا

مزہ چکھو۔ اللہ نے تم پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ یہ تمھارے اپنے کرتوتوں کی سزا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر قوم کے ساتھ یہی دستور رہا ہے کہ جب کسی قسم کا چلن بدل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بھی بدل دیتا ہے۔ فرعون کی قوم کی مثال بیان کر کے سمجھایا کہ ان لوگوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ ہر ظالم کو اس کے ظلم کے سبب ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اللہ مہلت بھی دیتا ہے لیکن اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾	جانداروں میں سب سے بدتر خدا کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ نہیں ایمان لاتے۔
اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾	جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں ہر بار اور کچھ خوف نہیں کرتے۔
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾	اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انھیں ایسی سزا دو کہ جو ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں، عجیب نہیں کہ ان کو اس سے عبرت ہو۔
وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾	اور اگر تمھیں کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انھی کی طرف پھینک دو اور برابر (کا جواب دو)، کچھ شک نہیں کہ خدا دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾	اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں، وہ (اپنی چالوں سے ہم کو) عاجز نہیں کر سکتے۔

آیات: ۵۵ تا ۵۹۔ تشریح الفاظ

تَثْقَفَنَّهُمْ: تو ان کو پائے۔ فَانْۢبِذْ: پھینک دو۔

كَدَاْبِ: حال۔

مفہوم ومطلب: نقض عہد اور مسلمانوں کو ہدایات

فرمایا کہ حقیقت میں بدترین چارپائے وہ انسان ہیں جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور ایمان کی دولت

سے محروم رہے۔ پھر فرمایا کہ یہود مدینہ نے آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپس میں صلح و امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے کی امداد کریں گے۔ لیکن یہودیوں نے بڑی جلدی اس کی خلاف ورزی شروع کر دی اور قریش مکہ سے مل کر اسلام کے خلاف سازش کرنے لگے۔ انھوں نے خدا کا ڈر محسوس نہ کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کو حکم ملا کہ ایسے بدعہد لوگوں کو عبرت ناک سزا دو۔ البتہ بدعہدی کرنے والوں کو حملے سے پہلے اطلاع کر دو کہ اب معاہدہ ختم ہو چکا ہے، تاکہ وہ چوکنے ہو جائیں۔ فتح و نصرت ایمان والوں کی ہے۔ کفر کو اپنی خیانت پر اترانا نہیں چاہیے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾

اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو، کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمھارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے، ہیبت بیٹھی رہے گی۔ اور جو کچھ تم راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمھارا نقصان نہ کیا جائے گا۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسا رکھو کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

اور اگر وہ چاہیں کہ تم کو فریب دیں تو خدا تمھیں کفایت کرے گا۔ وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾

اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے، مگر خدا ہی نے ان میں الفت ڈال دی۔ بے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

آیات: ۶۰ تا ۶۳ ۔ تشریح الفاظ

رِبَاطِ: تیاری کرنا۔ جَنَحُوْا: وہ مائل ہوں۔

مفہوم و مطلب: جنگ کی تیاری اور صلح کے احکام

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دشمنوں کے لیے مقدور بھر تیاری کرتے رہو۔ سامانِ جنگ کی فراہمی، سرحدوں کا استحکام اور فوجوں کی تربیت سب چیزیں ضروری ہیں۔ اس کے لیے مال و دولت کی ضرورت ہے، اس لیے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ سب اس غرض سے ہے کہ دشمن ڈر جائے اور مسلمانوں کے خرمنِ امن کو آگ نہ لگا سکے۔ پھر فرمایا کہ اسلام کا مقصد اوّلیں صلح و امن ہے اور اگر دشمن صلح کی طرف جھکے تو تم بھی صلح کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ ہر حالت میں اللہ پر بھروسا رکھو۔ اللہ ہی دشمن کے فریبوں سے بچانے والا ہے۔ اللہ کی اعانت و نصرت پہلے بھی تمھارے شامل حال رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ مسلمانوں کی باہمی الفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ ہی کی عنایت و مہربانی ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق اور پیار و محبت ہے۔ اگر دُنیا جہان کے خزانے خرچ کر دیے جاتے تو بھی یہ الفت و محبت میسر نہ آسکتی۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی! خدا آپ کو اور مومنوں کو جو تمھارے ساتھ ہیں[1] کفایت کرتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے۔ اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے اس لیے کہ کافر لوگ ایسے ہی ہیں کہ کچھ سمجھ نہیں رکھتے۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ

اب خدا نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ تم میں کس قدر کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب

---

[1] یعنی پیروکار ہیں۔

مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝	رہیں گے۔ اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو خدا کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اور خدا ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے۔

آیات: ۶۴ تا ۶۶۔ تشریح الفاظ

حَرِّضِ: ابھاریں، ترغیب دیں۔

مفہوم ومطلب: کامیابی ایمان اور صبر سے نصیب ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور ایمان والوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی! تمھیں اور تمھارے ماننے والوں کے لیے اللہ کی حمایت ونصرت کافی ہے۔ پھر فرمایا کہ ایمان والوں کو لڑائی کا شوق دلاؤ۔ یہ خیال نہ کرو کہ تم کمزور اور تھوڑے ہو اور دشمن طاقتور اور بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد کرے گا۔ ایمان کی قوت کا یہ حال ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان دس دشمنوں پر بھاری رہے۔ لیکن ابھی تمھاری حالت کمزور ہے۔ اس لیے تم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ بآسانی کرلوگے اور فتح تمھارے ہی لیے ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝	نبی کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک زمین میں خوب خونریزی (نہ) ہو جائے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور خدا آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔
لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝	اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو اس (فدیے) کے لینے (کے بدلے) میں تم پر بڑا عذاب نازل ہو کر رہتا۔
فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ښ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	تو کھاؤ جو تمھیں مالِ غنیمت ملا ہے (کہ وہ تمھارے لیے) حلال طیب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ	اے پیغمبر! جو قیدی تمھارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر خدا تمھارے دلوں میں نیکی معلوم

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾	کرے گا تو جو (مال) تم سے چھن گیا ہے اس سے بہتر تمھیں دے دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾	اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں گے تو یہ پہلے بھی خدا سے دغا کر چکے ہیں تو اس نے ان کو (تمھارے) قبضے میں کر دیا اور خدا دانا حکمت والا ہے۔

آیات: ۶۷ تا ۷۱۔ تشریح الفاظ

يُثْخِنَ: خون بہائے۔

الْاَسْرٰى: قیدی۔

مفہوم ومطلب: قیدیوں اور مالِ غنیمت کے احکام

فرمایا کہ دنیا میں نبی اس لیے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے کا روپیہ لیں، بلکہ مقصود اصلی دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے۔ پس نبی کو سزاوار نہیں کہ وہ اسیرانِ جنگ کو فدیہ کے لیے روکے رکھے جب تک کہ وہ دشمنوں پر پورا غلبہ اور تسلط حاصل نہ کر لے۔ اے مسلمانو! تمھاری نظر متاعِ دنیا پر ہے اور خدا نے تمھارے لیے آخرت کا انعام پسند کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پہلے ہی سے اس معاملہ کو قابل معافی قرار نہ دے دیتا تو تمھاری بڑی سخت گرفت ہوتی۔ اب تم زر فدیہ کو حلال وطیب مال سمجھ کر مزے سے کھاؤ، لیکن اللہ کا ڈر ہر وقت دل میں ضرور رہے۔

جن قیدیوں سے تم نے فدیہ لیا ہے ان سے کہہ دو کہ اگر تمھاری نیتیں صاف ہیں تو تمھارے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔ جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اللہ اس سے کہیں بہتر تمھیں عطا فرمائے گا۔ تمھارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اور اگر وہ اظہارِ اسلام کر کے دھوکا دینا چاہتے ہیں تو یہ فریب اِن کے لیے ہی وبال بن جائے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جنگی قیدیوں کو ایمان کی ترغیب دینی چاہیے۔ نیز ایمان والوں کو فتح ونصرت کی خوشخبری سنائی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	جو لوگ ایمان لائے اور (خدا کے لیے) ترک وطن کیا اور اپنے مال وجان سے خدا کی راہ میں جہاد کیے وہ

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ
اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ
يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ
شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ
فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ
بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾

اور جنھوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں۔ اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملے) میں مدد طلب کریں تو تم کو مدد کرنی لازم ہے۔ مگر ان لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) ڈر ہو (مدد نہیں کرنی چاہیے) اور خدا تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ
اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾

اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں (تو مسلمانو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے اور خدا کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے اور جنھوں نے (ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی) یہ لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے (خدا کے ہاں) بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا
وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ
فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے (ہجرت کی) اور تمھارے ساتھ ہو کر جہاد کیے وہ بھی تمھی میں سے ہیں اور رشتہ دار خدا کے حکم کے رُو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

آیات: ۷۲ تا ۷۵۔ تشریح الفاظ

اٰوَوْا: جگہ دی۔ اسْتَنْصَرُوْكُمْ: تم سے مدد طلب کریں۔

اُولُوا الْاَرْحَامِ: رشتے دار۔

مفہوم ومطلب: مہاجرین اور انصار کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے چار گروہوں کا ذکر فرمایا:

۱۔ پہلے مہاجرین جنھوں نے غزوۂ بدر سے پہلے ہجرت کی اور جان و مال سے راہِ حق میں جہاد کیا۔

۲۔ انصارِ مدینہ جنھوں نے نبی کریم ﷺ اور مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی اور اِن کی ہر طرح مدد کی۔

۳۔ وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ابھی تک ہجرت نہ کر سکے۔

۴۔ وہ ایمان والے جنھوں نے صلح حدیبیہ (۶ھ) کے بعد ہجرت کی۔

فرمایا کہ پہلا اور دوسرا گروہ ایک دوسرے کے رفیق اور دوست ہیں اور اپنے اعمال اور کارناموں کی وجہ سے سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لیے خدا نے بخشش اور عزت کی روزی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ البتہ اگر دین کے معاملے میں مدد چاہیں تو پہلے دو گروہوں مہاجرین و انصار کا فرض ہے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ مگر یہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جن سے تمھارا عہد و پیمان ہو چکا ہو۔ اور اسلامی شریعت کی یہی امتیازی شان ہے کہ وہ دشمنوں کے معاہدوں کی عزت اور محافظت سکھاتی ہے۔ اگر مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی جائز مدد اور اعانت نہ کریں تو دنیا میں فساد و شر کی روک تھام مشکل ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو ایمان اور ہجرت میں پیچھے رہ گئے تھے، لیکن اب ہجرت کر کے تمھارے ساتھ آ ملے ہیں اور تمھارے ساتھ مل کر جہاد میں شریک ہوتے ہیں وہ بھی تمھارے بھائی ہیں۔ انھیں اپنے سے الگ نہ سمجھو۔ ایمان، ہجرت اور جہاد میں پہل کرنے والوں کا درجہ دوسروں سے اونچا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اخوت دین کے جوش میں خون کے رشتوں کے حقوق نظر انداز نہ کر دو، کیونکہ جو قرابت دار ہیں وہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قرابت دار ہیں اور صلہ رحمی کا رشتہ کسی صورت فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قرابت دار وراثت کے حقدار ہیں۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْاَنْفَال

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

سُوْرَةُ النُّوْرِ [1]

تعارف

سورۃ النور بالاتفاق مدنی ہے۔ قرآن مجید کی وہ سورتیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں مدنی کہلاتی ہیں۔ سورۃ النور میں چونسٹھ (۶۴) آیات اور نو رکوع ہیں۔ کلمات کی تعداد ۱۳۱۶ اور حروف کی تعداد ۵۹۸۰ ہے۔ اس سورت کا بیشتر حصہ ۵ھ بمطابق ۶۲۷ء میں نازل ہوا۔

یہ سورت اپنے مضامین، ہدایات، قوانین اور احکام کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ اس سورت میں ایک صالح معاشرے کے قیام و بقا کے لیے بنیادی اور اساسی احکام اور قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ اس سورت میں علم الاجتماع، علم الاخلاق اور علم النفسیات کے چند سنہری قواعد اور اہم اصول بتائے گئے ہیں۔ جنسی بے راہ روی اور اخلاقی گمراہی کی روک تھام کے لیے اعلیٰ ضابطے بیان کیے گئے ہیں۔ عزّتِ نفس، شرافت، وقار، پاکبازی اور عِفّت وعِصمت کے تحفّظ کے لیے اصول وقوانین کا ایسا جامع اور کامیاب طریق وضع کیا گیا ہے جس پر عمل کرنے سے جذباتی کمزوریاں اور جنسی گمراہیاں یکسر ناپید ہو جاتی ہیں۔ اس سورت میں ان امور کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو ہمارے معاشرے میں ناسور بن گئے ہیں۔ احکامِ عفاف وستر کا بیان کرتے ہوئے ان تمام اسباب و ذرائع کا بھی سدِّ باب کر دیا جن سے معاشرے میں بگاڑ اور فساد پیدا ہونے کے احتمالات ہوتے ہیں۔

اسلام اور قرآن کی نگاہ میں جرائم کی سزا کا اصلی مقصود امن وسلامتی اور سکون واطمینان کا قیام ہے، اس کے لیے اسلام نے قرآن وسنت میں مختلف جرائم کی جو سزائیں تجویز کی ہیں شاید وہ بظاہر سنگین نظر آتی ہوں، لیکن ایک ماہر اور تجربہ کار سرجن اور جراح خوب جانتا ہے کہ رستے ہوئے ناسور سے زندگی تلف ہو جانا یقینی ہے اور اگر زندگی مطلوب ہے تو پھر بیمار عضو کو کاٹ دینا ضروری ہے۔ ہمارا معاشرہ بھی انسانی جسم کی طرح ہے۔

---

[1] اس سورت کی تفسیر بی۔ اے کے طلبہ وطالبات کے لیے لکھی گئی۔ آج کل یہ بی۔ اے اسلامیات اختیاری کے نصاب میں شامل ہے۔

قرآنی احکام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اگر رستے ہوئے ناسور جیسے چند مجرم افراد کو اسلامی سزائیں دے کر معاشرے کو موت کے منہ سے بچا لیا جائے اور بنی نوع انسان کو امن و سلامتی اور سکون و اطمینان کی زندگی بخش سکیں تو کسی قسم کا ظلم، وحشت یا بربریت نہیں بلکہ انسانیت پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

سورۃ النور کے اوامر و نواہی کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک حدیث اور دو اقوال ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ ''مردوں کو سورۃ المائدہ اور عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ''۔[1]

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عورتوں کو سورۃ النور ضرور سکھاؤ۔[2]

۳۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو حکم بھیجا کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔[3]

سورۃ النور سے پہلے سورۃ المومنون میں کامیابی حاصل کرنے والوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اب سورۃ النور میں کامیابی کے گر بتائے گئے ہیں اور قلب و نظر کی پاکیزگی اور صفائی پر زور دیا ہے۔ نیز بتایا ہے کہ افراد اور قومیں کب اور کیوں ہلاک اور برباد ہوتی ہیں۔ فسق و فجور کن راستوں سے معاشرے میں راہ پاتے ہیں اور اس سے بچنے کے لیے مفید تدابیر کیا ہیں؟ اس سورت میں چند ایسے امور سے بھی روک دیا جن سے انسانی شرافت و اخلاق مجروح ہوتے تھے، لیکن وہ امور اُس وقت عرب قبائل میں مروّج تھے۔

بہر حال دنیا والوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص جنسی بے راہ روی اور اخلاقی گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی روشنی عطا کی، تاکہ ظلمت و تاریکی میں گھرے ہوئے انسان ابدی نور کی ہدایات کی روشنی میں زندگی بسر کر سکیں۔

اِجمالی خاکہ

سورۃ النور کے اہم مضامین کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتوں کی سزا۔

۲۔ پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے والوں کی سزا۔

---

[1] البیہقی، شعب الایمان: ۲۲۰۵ والسیوطی، الدر المنثور: ۶/ ۱۲۴

[2] الطبرانی، المعجم الأوسط: ۵۷۱۳ والحاکم، المستدرک: ۳۴۹۴

[3] الہندی، کنز العمال: ۴۰۹۲ والسیوطی، الدر المنثور: ۶/ ۱۲۴

۳۔ اپنی بیویوں پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں احکام۔

۴۔ قصۂ اِفک اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت۔

۵۔ آدابِ ملاقات وزیارت۔

۶۔ ایمان والوں کو نظریں نیچی رکھنے اور شرم وحیا کا حکم۔

۷۔ خاوندوں کے علاوہ دوسروں کے سامنے اظہارِ زینت کی ممانعت۔

۸۔ بیوہ عورتوں اور رنڈوے مردوں کے دوبارہ نکاح کا حکم۔

۹۔ وسائل نکاح کی عدم موجودگی میں عفت و پاکدامنی کا حکم۔

۱۰۔ کفار کے اعمال صالحہ کے انجام کا بیان۔

۱۱۔ کائنات میں توحید الٰہی کے دلائل۔

۱۲۔ منافق زبانی باتیں کرتا ہے، دل اس کا ساتھ نہیں دیتا۔

۱۳۔ سچے ایمان داروں کے اوصاف۔

۱۴۔ اللہ نے مومنوں سے خلافت وحکومت اور دین اسلام کی اشاعت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

۱۵۔ گھروں میں نوکروں اور ملازمین کے آنے جانے کے احکام۔

۱۶۔ اندھوں، لنگڑوں اور بیماروں کو جہاد میں شرکت سے معافی۔

۱۷۔ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے ہاں بلا تکلف کھانے پینے کے مستحق کون لوگ ہیں؟

۱۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر چلے جانے کی بابت احکام۔

۱۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت ورخصت عطا کرنے کا اختیار۔

۲۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ووقار ملحوظ رکھنے کا حکم۔

سُوْرَۃُ النُّوْرِ

مع ترجمہ و مطالب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①	یہ (ایک) سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس (کے احکام) کو فرض کر دیا اور اس میں واضح المطالب آیتیں نازل کیں تا کہ تم یاد رکھو۔

آیت: ا۔ تشریح الفاظ

سُوْرَةٌ: لغوی معنی معزز و شرف منزل، مقام محترم۔ یہاں مراد سورتِ قرآن جو کہ آیات کا مجموعہ ہے۔ (جمع سُوَرٌ) سُوْرَةٌ سے مراد ہے: هٰذِهٖ سُوْرَةٌ۔

اَنْزَلْنٰهَا: اَنْزَلَ اس نے اتارا، اَنْزَلْنَا ہم نے اتارا، هَا اس سورت کو۔ ہم نے اسے نازل کیا، یعنی جبریل امین کو یہ سورت دے کر آپ کے پاس بھیجا۔

فَرَضْنٰهَا: ہم نے ضروری ٹھہرایا اسے، یعنی ہم نے اس سورت کے احکام و حدود کو ضروری اور لازمی قرار دیا ہے، ان پر عمل کرنا فرض ہے۔

بَيِّنَاتٍ: (واحد، بَيِّنَةٌ) واضح، کھلی، یعنی اس کے احکام واضح ہیں، مطالب اور دلائل واضح ہیں۔

تَذَكَّرُوْنَ: تم سب نصیحت پکڑو، عبرت حاصل کرو۔

مفہوم و مطلب: سورۂ نور کے خصوصی احکام

ویسے تو سارا قرآن مجید اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے، لیکن اس سورت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے سے اس کے احکام و اوامر کی اہمیت جتانا مقصود ہے۔ یہ بھی مقصد ہے کہ بڑی توجہ اور انہماک سے اس کا مطالعہ کیا جائے، کیونکہ جن جرائم کا ذکر کیا جانے والا ہے وہ ایسے ہیں کہ ان سے معاشرے میں بڑا فساد پیدا ہوتا ہے۔ بغض و حسد اور قتل و خون ریزی اکثر آبرو ریزی اور عصمت دری سے پیدا ہوتی ہے۔ معاشرے کی صحت، قوموں کے اخلاق اور اولاد کے چلن اور اطوار پر بدکاری کا بہت برا اثر ہوتا ہے۔

اس سورت میں عصمت فروشی، عصمت دری اور آبرو ریزی جیسے اہم جرائم کی روک تھام مقصود ہے۔
اس لیے فرمایا کہ یہ سورت ہم نے خاص طور پر ایک اہم مقصد یعنی اصلاحِ معاشرہ کے لیے نازل فرمائی ہے۔ اس کے احکام وحدود کا مطالعہ اور پھر ان پر نفاذ وعمل درآمد بڑا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ احکام اور حدود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی فرض تھے۔ آپ ﷺ کے بعد ہر دور میں فرض رہے، آج بھی فرض اور واجب العمل ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس سورت کی آیات روشن اور مطالب کے لحاظ سے واضح ہیں۔ ان آیات میں احکام کی وضاحت، مطالب کی دلالت اور توحید الٰہی کے براہین و دلائل موجود ہیں۔

تذکیر و نصیحت حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو اختیار کریں اور اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی باتوں سے بچیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو اور اگر تم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرع خدا (کے حکم) میں تمھیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔

آیت: ۲۔ تشریح الفاظ

اَلزَّانِيَةُ: بدکار عورت۔ اَلزَّانِيْ: بدکار مرد۔

فَاجْلِدُوْا: (فَ۔ اِجْلِدُوْا) جَلَدَ يَجْلِدُ سے فعل امر، جمع مذکر مخاطب۔ جلد پر ضرب لگاؤ، جسم پر مارو، کوڑے مارو، دُرّے لگاؤ۔ مِائَةَ: سو۔

لَا تَاْخُذْكُمْ: تمھیں نہ پکڑے، نہ آلے۔ رَاْفَةٌ: مہربانی، نرمی، رحمت، ترس۔

دِيْنِ اللّٰهِ: اللہ کی شریعت، اللہ کے حکم کا نفاذ، اللہ کی مقرر کردہ حد جاری کرنا۔

وَلْيَشْهَدْ: فعل امر غائب۔ اور چاہیے کہ موجود ہو، دیکھے۔

مفہوم و مطلب: زنا کی شرعی سزا

اس آیت میں بیان فرمایا کہ اگر کوئی مرد اور عورت بدکاری اور زنا کا ارتکاب کرے اور ان کا یہ فعل ثابت ہوجائے تو پھر ان دونوں کی سزا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ یہ حکم غیر شادی شدہ کے لیے ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ مرد اور عورت بدکاری اور زنا کرے تو سنت متواترہ سے ثابت ہے کہ اس کو رجم اور سنگسار کیا جائے گا۔ رجم کی سزا کی روایت کرنے والے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوسعید خُدری، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ ہیں۔ یہی بزرگ راوی روایت کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں ایک مرد نے زنا کا اقرار کیا اور وہ لوگوں کے روبرو سنگسار کیا گیا۔ اسی طرح عہد نبوی میں دو عورتوں نے (علیحدہ علیحدہ واقعات میں) اپنے جرم کا اعتراف کیا اور انھیں رجم کیا گیا۔[1]

سنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ غیر شادی شدہ زانی عورت اور مرد کو سو سو کوڑے لگانے کے بعد ایک ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔[2] امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو جلاوطن نہ کیا جائے۔[3]

عام حکم یہ ہے کہ کوڑے پشت پر لگائے جائیں اور درّہ (سَوْط) نہ بہت زیادہ تیز ہو اور نہ بالکل بے کار اور کُند۔ اسلام کا مقصد تعزیر ہے، تعذیب نہیں۔

اسلام میں زنا کو بڑی سختی سے روکنے کا حکم ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں فرمایا تھا کہ زنا کا رواج قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس لیے امت میں اسے رواج نہ پانے دو۔[4]

پھر فرمایا کہ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود اور سزائیں ہیں۔ ان کو نافذ کرنے میں تمھیں کسی مجرم کے حال پر ترس نہیں آنا چاہیے۔ نفاذ حکم میں رحمت اور مہربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ اس نفاذ میں بھی تمھارے ایمان کا امتحان ہے۔ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے۔

جب کوڑے لگانے یا رجم کرنے لگیں تو مجرم کی فضیحت اور رسوائی اور دوسروں کی عبرت و نصیحت کے لیے عام لوگوں کو سزا دیکھنے کا موقع دینا چاہیے۔ ایک جماعت سزا کے وقت موجود ہو۔ سزا کا یہ سارا انداز

---

[1] صحیح البخاری: ۶۸۱۴، ۱۶۹۵ و سنن أبی داود: ۴۴۴۰

[2] صحیح البخاری: ۲۶۴۹ و صحیح مسلم: ۱۶۹۷

[3] ابن عبدالبر، التمہید: ۹/ ۷۹ والشوکانی، نیل الأوطار: ۷/ ۱۰۷

[4] السہیلی، الروض الأنف: ۷/ ۵۹۲

اس لیے ہے کہ لوگوں کو اور بالخصوص مسلمانوں کو ایسے کبیرہ گناہوں کی جرأت نہ ہونے پائے اور وہ نصیحت حاصل کریں۔

نبی کریم ﷺ نے احادیث میں زنا کی بڑی مذمت فرمائی ہے اور امت کو سختی سے اس کبیرہ گناہ سے روکا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا: ''اے لوگو! زنا سے بچو، دنیا میں اس کے نقصانات یہ ہیں: زنا سے عزت و وقار ختم ہو جاتا ہے، مفلسی آگھیرتی ہے، عمر کم ہو جاتی ہے، آخرت میں اللہ کی ناراضی، سخت حساب اور ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔''[1] ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ''شرک اور قتل اولاد کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے۔''[2]

احادیث میں یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ زانی پر سخت غضبناک ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ پیشہ ور زانی کو نہیں بخشے گا۔[3] اس گناہ سے ہر چند بچنا چاہیے اور اسے روکنا بھی چاہیے۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③	بدکار مرد بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا۔ اور یہ (یعنی بدکار عورت سے نکاح کرنا) مومنوں پر حرام ہے۔

آیت: ۳۔ تشریح الفاظ

لَا يَنْكِحُ: نکاح نہیں کرتا۔ بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بتایا کہ جنسی تعلقات پیدا نہیں کرتا۔ یعنی شادی بیاہ کی بجائے محض جنسی تعلقات مراد لی ہے۔

مفہوم و مطلب: زانی سے نکاح کی مذمت

بعض صحابہ ؓ کی یہ خواہش تھی کہ بدکار عورتوں سے شادی نکاح کر لیں۔ ان میں سے بعض نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اجازت چاہی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ایمان والوں

---

[1] البیہقی، شعب الایمان: ۵۰۹۱ والطبرانی، المعجم الاوسط: ۷۰۹۶

[2] صحیح البخاری: ۴۴۷۷، ۱۸ وصحیح مسلم: ۸۶، ۱۷۰۹

[3] سنن الترمذی: ۲۵۶۸ وسنن النسائی: ۲۵۷۰

کے لیے ایسا نکاح حرام قرار دیا گیا۔[1]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طبیعت اور ذہن کا ایک جیسا ہونا ضروری ہے۔ نیک اور صالح معاشرہ کے لیے نیک افراد یعنی نیک مرد اور نیک عورت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ بدکار مرد کے رجحانات، خیالات اور زندگی کے دوسرے انداز ایک نیک اور صالح آدمی سے بالکل الگ اور جدا ہوتے ہیں۔ بدکار عورت اور مشرک عورت کے اعمال وعقائد بھی نیک، صالحہ، دیندار اور توحید پرست عورت سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ دونوں کے جذبات اور اعمال میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ پھر الگ الگ زاویۂ نگاہ رکھنے والے ماں باپ کے ہاں اولاد کا کیا بنے گا؟ اسلام نے عقیدے اور ذہن کی یہ ناہمواری ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے اَن مل جوڑ رشتہ سے روک دیا۔

بتایا کہ بدکار مرد کا جذباتی، نفسیاتی اور ذہنی لحاظ سے رُجحان ایک بدکار عورت کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے رشتوں اور جوڑ سے معاشرے کا بگاڑ زیادہ ہوتا ہے۔ معاشرے کی بھلائی یہ ہے کہ ہم عقیدہ لوگوں کو جمع کر دیا جائے، وہ زیادہ کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

اسلام نے نیک مرد اور نیک عورت کا ازدواجی رشتہ اس لیے جائز ٹھہرایا ہے کہ صالح ماحول میں صحیح تربیت حاصل کر کے ایسی نیک اولاد پیدا ہو جو ملک وملت کی صحیح خدمت کر سکے۔[2]

اس آیت میں فسق وفجور بالخصوص زنا اور شرک کو متوازی قرار دیا۔ اسی طرح عفت اور ایمان وتوحید کو برابر ٹھہرایا۔

اگر زانی مرد یا زانی عورت توبہ کر کے نیک بن جائے اور صالح زندگی میں اس کی گزشتہ بدنام اور رسوا زندگی کا دھبہ ڈھل جائے اور لوگ اس کی بدکاری کو فراموش کر دیں تو پھر وہ اس آیت کے زمرے سے خارج ہو جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④	اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو اُن کو اسی درے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں۔

---

[1] سنن أبي داود: ۲۰۵۱ وسنن الترمذي: ۳۱۷۷

[2] نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر رشتہ تلاش کرنا اور شادی کرنا نہایت فضیلت والا عمل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دنیا ساری کی ساری فائدے کا سامان ہے اور دنیا کی سب سے قیمتی متاع نیک بیوی ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱۴۶۷)

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	ہاں! جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنی حالت) سنوار لیں تو خدا (بھی) بخشنے والا مہربان ہے۔

آیات: ۴ تا ۵۔ تشریح الفاظ

يَرْمُوْنَ: رَمٰى يَرْمِىْ رَمْيًا سے مضارع، جمع مذکر غائب۔ لفظی معنی پھینکنا، چلانا۔ بدزبانی کے لیے بھی بولا جاتا ہے، یہاں مراد ہے: وہ تہمت لگاتے ہیں، بالخصوص زنا کی تہمت۔

اَلْمُحْصَنٰتِ: (مادہ، حصن) پاکدامن عورتیں، عفیف عورتیں۔

لَمْ يَاْتُوْا بِ: نفی جحد بَلَمْ۔ وہ نہ لائیں۔ لَا تَقْبَلُوْا: فعل نہی۔ تم قبول نہ کرو۔

مفہوم ومطلب: حدّ قذف کا بیان

اس سے پہلی آیت میں ایمانداروں کو بدکار مردوں اور بدکار عورتوں سے شادی نکاح کرنے سے نفرت دلانے کے بعد اب یہ فرمایا کہ پاکدامن اور عفیف عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا جرم ہے۔ تہمت لگانے والے کے لیے دنیا میں دو سزائیں تجویز کیں، ایک تو یہ کہ اسے اسی کوڑے مارے جائیں اور دوسری یہ کہ زندگی بھر کسی معاملے میں بھی اس کی شہادت قبول نہ کی جائے، یعنی ہمیشہ کے لیے اس کا اعتبار اٹھ گیا اور وہ لوگوں کی نظروں میں بالکل گر گیا۔ تہمت لگانے والے کی خلاصی یہیں نہیں ہو جاتی، اسے آخرت میں بھی دردناک عذاب ہوگا۔ اسلام نے عورت کی عفت اور پاکدامنی کی کتنی قدر کی ہے کہ جھوٹی تہمتیں لگانے والوں کو اسی کوڑوں کی سزا دی، ہمیشہ کے لیے ان کا اعتبار ختم کر دیا، پھر آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلنے کا اعلان کر دیا۔

قرآن مجید کی اس سورت کی آیت: ۴ میں فرمایا کہ کسی عورت کی عصمت وعفت محض شک وشبہ کی بنا پر برباد نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان عورت پر بدکاری کا الزام عائد کرتا ہے تو یہ محض الزام کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کے لیے ضروری ہے کہ چار معتبر اور قابلِ اعتبار عینی گواہ پیش کرے جو اس بات کی شہادت دیں کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھا ہے۔ اگر وہ ایسے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر اس کی سزا اسی کوڑے ہے اور کسی معاملے میں بھی اس کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ فرمایا کہ یہ تہمت تراشنے والے لوگ خدا کے فاسق یعنی نافرمان ہیں اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہیں (تہمتِ زنا کبیرہ گناہ ہے)۔

اگر قاذِف (تہمت لگانے والا) صدقِ دل سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو پھر جمہور علماء کے نزدیک اس کی شہادت قابل قبول ہو سکتی ہے، خواہ توبہ حد سے پہلے ہو یا حد کے بعد۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور

بعض دیگر بزرگانِ دین کا خیال ہے کہ توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جاتا ہے لیکن اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[1] آخر میں فرمایا کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ توبہ کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞	اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے۔
وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞	اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت۔
وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞	اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے۔
وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞	اور پانچویں دفعہ یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۞	اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی (تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں مگر وہ صاحبِ کرم ہے) اور یہ کہ خدا توبہ قبول کرنے والا اور حکیم ہے۔

آیات: ٦ تا ١٠۔ تشریح الفاظ

يَرْمُوْنَ: زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ اَزْوَاجَ: (واحد، زوج) بیویاں۔

يَدْرَؤُا: (دَرْءٌ) ہٹا دے گا، زائل کر دے گا، دور کر دے گا۔

غَضَبَ: ناراضی، غصہ، اللہ کے فضل و کرم سے محرومی کے علاوہ اس کی ناراضی اور غضب۔

لَعْنَةَ: کے لغوی معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دوری۔ اَلْعَذَابَ: حد، سزا۔

مفہوم و مطلب: لعان کا بیان

گزشتہ آیت میں اُس تہمتِ زنا کا ذکر تھا جو کوئی غیر آدمی کسی اجنبی عورت پر لگائے۔ اس کے بعد

---

[1] ابن کثیر، التفسیر، النور: ۵

قرآنِ مجید نے آیات زیر بحث ۶ تا ۱۰ میں یہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی خاوند اپنی منکوحہ بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا اس کی عفت وعصمت پر شک وشبہ کرے، خواہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سن کر یہ تہمت لگائی ہو یا کسی افواہ کی بنا پر، تو ایسا الزام لگانے والے مرد کے لیے قرآنِ مجید نے یہ حکم دیا کہ وہ چار گواہوں کی جگہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ میں نے اسے فلاں فلاں مرد کے ساتھ زنا کرتے دیکھا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اب اگر عورت مرد کے اس حلفیہ بیان سے بھی انکار کر دے تو پھر عورت کے لیے شرعی حد یعنی رجم اور سنگساری سے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ بھی چار مرتبہ اللہ عزوجل کی قسم کھا کر یہ کہے کہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ عورت یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کی رحمت اور مہربانی ہے کہ اس نے تمھیں یہ اندازِ فکر وعمل اور یہ شریعت عطا کی۔ یہ اس کی رحمت اور حکمت ہے کہ اس نے توبہ، بریت اور براءت کے مواقع بہم پہنچائے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ پابندیاں اور ضابطے مقرر نہ کرتا تو معاشرے کا کوئی فرد اپنی عزت وعصمت محفوظ نہ رکھ سکتا۔ بالخصوص عورتوں کے لیے بڑی مشکل بن جاتی۔ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے خفا ہوتا تو فوراً ایسی تہمت لگا کر اسے ختم کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے قسموں کا یہ ضابطہ قائم کر دیا۔

اب ایماندار مرد کے لیے جھوٹی تہمت لگانے کے سارے دروازے بند کر دیے اور عورت کی آبرو اور عزت کی حفاظت کے ساتھ اس کے لیے بھی بچاؤ کا ایک سنہری موقع پیدا کر دیا۔ اگر خاوند فی الواقع بدی پر اتر آیا ہے اور کسی انتقامی جذبے کے تحت وہ جھوٹی قسمیں کھانے کے لیے بھی تیار ہو جائے تو عورت کو بھی اپنی براءت کا موقع دیا کہ وہ بھی اللہ کو گواہ بنا کر چار دفعہ اعلان کرے کہ اس کا مرد جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے تو پھر مجھ پر خدا کا غیظ وغضب نازل ہو۔

انسانی شرافت اور بالخصوص عورت کی عفت اور آبرو کی حفاظت کے لیے اس سے بہتر ضابطہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی ایک فریق دنیا میں رسوائی سے بچنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھا جاتا ہے تو پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ ایسے دھوکا باز اور فریبی انسان کے لیے آخرت میں سخت عذاب مقرر ہے۔

میاں بیوی کے قسمیں کھانے کا یہ عمل لعان وملاعنہ کہلاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس قسم کے چند ایک واقعات پیش آئے۔ خاوند کو بیوی کے خلاف شکایت پیدا ہوئی۔

بعض نے اپنی آنکھوں سے یہ ناخوشگوار حادثات دیکھے۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ ماجرا کہا۔[1]

ان میں سے ایک قصہ عویمر اور اس کی بیوی خولہ کا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے میاں بیوی کو بلایا اور خاوند سے کہا کہ تم اپنی بیوی کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور اس پر تہمت نہ لگاؤ۔ عویمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے سارا واقعہ دیکھا ہے۔ پھر واقعہ کی تفصیلات اور دلائل عرض کیے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے عورت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو اللہ سے ڈر اور اصل واقعہ بیان کر دے۔ اس عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! عویمر بڑا غیور آدمی ہے، اس نے دیکھا کہ شریک دیر تک میری طرف دیکھتا رہا اور باتیں کرتا رہا تو اس کی غیرت نے یہ بات گوارا نہ کی اور اس نے تہمت لگا دی۔ چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے اذان کہی گئی، آپ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی، پھر عویمر سے فرمایا: ''اٹھ، کھڑا ہو کر کہہ کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہرا کر کہتا ہوں کہ خولہ (میری بیوی) زانیہ ہے اور میں سچ کہتا ہوں۔''

اسی طرح چار دفعہ مختلف الفاظ کے ساتھ الگ الگ قسمیں کھائیں اور پانچویں مرتبہ یہ کہا کہ اگر میں (عویمر) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی پھٹکار پڑے۔ بالکل اسی طرح اس کی عورت خولہ کو کھڑا کر کے چار قسمیں لیں اور پانچویں مرتبہ اس سے کہلوایا کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انھیں الگ الگ کر دیا۔[2]

چونکہ اس صورت میں بغیر طلاق کے علیحدگی ہو جاتی ہے، اس لیے مرد پر عورت کی سکونت یا خوراک کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔[3]

لعان کرنے والے میاں بیوی کو ''مُتَلَاعِنَیْن'' کہتے ہیں۔ لعان کے بعد علیحدگی کی ایک صورت یہ ہے کہ حاکمِ وقت انھیں علیحدہ علیحدہ کر دے۔ اس علیحدگی کے بعد پھر وہ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ ''لَا یَتَنَا کَحَانِ أَبَدًا''[4] لعان کرنے والے کبھی آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔

لعان کے لیے یہ ضروری چیزیں ہیں:

---

1. صحیح مسلم: ۱۴۹۳، ۱۴۹۵ و سنن الترمذی: ۱۲۰۲

2. القرطبی والبغوی، التفسیر، النور: ۴۔ ۱۰

3. أحمد بن حنبل، المسند: ۲۱۹۹

4. مالک بن أنس، الموطأ: ۲۰۹۵ و ابن عبد البر، التمہید: ۶/ ۲۰۰

۱۔ چار قسمیں (شہادات باللہ) ۲۔ مسجد

۳۔ نماز عصر کے بعد ۴۔ لوگوں کا اجتماع

لعان سے اور بیسیوں فقہی مسائل پیدا ہوتے ہیں، لیکن وہ سب طلبہ کے زاویۂ نگاہ سے غیر ضروری ہیں۔ ذہین اور فقیہانہ اندازِ فکر رکھنے والے طلبہ تفسیر قرطبی ملاحظہ کریں۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾	جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے، تم میں سے ایک جماعت ہے، اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمھارے لیے اچھا ہے، ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لیے اتنا وبال ہے اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا۔
لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾	جب تم نے یہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا (اور کیوں نہ کہا) کہ یہ صریح طوفان ہے۔
لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾	یہ (افترا پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے (لیے) چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لا سکے تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾	اور اگر دنیا اور آخرت میں خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا (سخت) عذاب نازل ہوتا۔
اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ	جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس

---

[1] القرطبی وابن کثیر، التفسیر، النور:۶ — ۱۲

وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

کا تم کو کچھ علم نہ تھا اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے جبکہ خدا کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

جب تم نے اس کو سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں، (پروردگار!) تو پاک ہے، یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

خدا تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور خدا تمھارے (سمجھنے کے لیے) اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور خدا جاننے والا حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت اور بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا، مگر وہ کریم ہے) اور یہ کہ خدا نہایت مہربان اور رحیم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اے مومنو! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان بے حیائی (کی باتیں) اور برے کام ہی بتائے گا اور اگر تم پر خدا کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہو سکتا تھا، مگر خدا جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے (اور) خدا سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾	اور جو لوگ تم میں صاحبِ فضل (اور صاحب) وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کر دیں، کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

آیات: ۱۱ تا ۲۲۔ تشریح الفاظ

اَلْاِفْكِ: لفظی معنی ہیں اصل حقیقت سے پھیر دینا۔ مراد ہے: انتہائی کذب و افترا، بہتان۔

عُصْبَةٌ: جماعت، گروہ، کم از کم تین آدمی۔

لَا تَحْسَبُوْهُ: ہُ کی ضمیر اِفْك کی طرف ہے۔ تم نہ گمان کرو اسے، نہ خیال کرو اسے۔

اِكْتَسَبَ: کمایا، ارتکاب کیا۔ تَوَلّٰى: اٹھایا، لیا۔

كِبْرَهٗ: اس بہتان کا بڑا حصہ۔ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص جس نے اس غایت درجہ کے افترا اور اتنے بڑے جھوٹ کی اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ لیا یا بہتان پھیلانے میں سب سے زیادہ کوشش کی، اس سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی ہے۔

لَوْلَا: یعنی هَلَّا۔ کیوں نہ۔ مُبِيْنٌ: کھلا ہوا، واضح، بالکل صاف اور نمایاں۔

لَمَسَّكُمْ: (لَ، مَسَّ، كُمْ) لَ جواب شرط بمعنی تو، مَسَّ چھوتا، آلیتا، پہنچتا، كُمْ تمھیں۔

اَفَضْتُمْ: اَفَاضَ يُفِيْضُ اِفَاضَةً، مادہ فیض۔ پہنچایا، اشاعت کی، چرچا کیا۔

تَلَقَّوْنَهٗ: تم اس (بہتان) کو روایت کرتے تھے، ایک دوسرے سے اخذ کرتے یا لیتے تھے۔

بِاَلْسِنَتِكُمْ: (بِ، اَلْسِنَةِ، كُمْ) اَلْسِنَةِ، زبانیں (واحد، لِسَان)۔

اَفْوَاہ: (واحد، فُوْهٌ) منہ۔ هَيِّنٌ: آسان، سہل۔

بُهْتَانٌ: ایسا جھوٹ کہ سننے والا حیران و ششدر رہ جائے، ایسا افترا جو سننے والے کو مبہوت کر دے۔

عَظِيْمٌ: بارِ گناہ بہت بڑا ہے۔ تَعُوْدُوْا: عَادَ يَعُوْدُ۔ تم دوبارہ کرو، پھر کرو۔

يَعِظُكُمْ: وَعَظَ يَعِظُ عِظَةٌ۔ تمھیں نصیحت کرتا ہے، روکتا ہے۔

لِمِثْلِهِ: (لِ، مثل، هٖ) یعنی اس جیسا افترا اور بہتان۔

تَشِيْعَ: ماضی شَاعَ۔ پھیلے، چرچا ہو، ظاہر ہو۔ اَلْفَاحِشَةُ: بے حیائی، بدی، مراد زنا۔

فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: سے مراد پاکباز مومن مرد اور عورتیں۔ لَا تَتَّبِعُوْا: تم پیچھے نہ چلو، پیروی نہ کرو۔

خُطُوٰتِ: (واحد، خُطْوَة) قدم، آثار، نقشِ پا، مراد شیطان کے وسوسے اور مسلک۔

الْفَحْشَآءِ: بے حیائی، بُری باتیں، قول وعمل کی بُرائی۔

الْمُنْكَرِ: ناپسندیدہ باتیں، غیر معقول کام، برائی۔ مَا: نہ، نہیں۔

زَكٰى: پاک ہونا، (زَكَا يَزْكُوْ زَكَاةً)۔ يُزَكِّيْ: پاک کرتا ہے۔

لَا يَأْتَلِ: نہ قسم کھائے، نہ حلف اٹھائے۔ اَلْأَلِيَّةُ بمعنی حلف، قسم۔ مادہ اَلْو۔ اِئْتَلٰى يَأْتَلِي۔ قسم کھانا۔

اُولُوا الْفَضْلِ: اُولُوا (واحد، ذُوْ) بمعنی والے، فضل بمعنی زائد، اضافی یعنی دین میں فضیلت کے مالک، بہت دیندار، ذاتی ضرورتوں سے زائد مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔

السَّعَة: دولت۔ اُولُوا السَّعَةِ، دولت مند، غنی۔ صاحبِ فضل ومال سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اَنْ يُّؤْتُوْا: کے معنی ہیں اَنْ لَّا يُؤْتُوْا کہ نہ دیں۔

اُولِي الْقُرْبٰى: اُولِي اُولُوْ سے نصبی حالت۔ الْقُرْبٰى (یعنی قریب) قرابت دار۔[1]

وَلْيَعْفُوْا: اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں، بخش دیں۔

وَلْيَصْفَحُوْا: اور چاہیے کہ وہ درگزر کریں۔ اَلَا: کیا نہیں۔

تُحِبُّوْنَ: اَحَبَّ يُحِبُّ سے مضارع، جمع مذکر حاضر۔ تم دوست رکھتے ہو، تم پسند کرتے ہو، تم چاہتے ہو۔

شانِ نزول

ان آیات کی شانِ نزول یا پس منظر یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف چند منافقوں نے ایک بہتان تراشا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں یہ آیات نازل فرما کر اُن کی عفت اور پاکدامنی کی شہادت دی۔

اس اجمال کی تفصیل مختصراً خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنیے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب

[1] قُرْبٰی اسم بھی ہوسکتا ہے جیسے یُسْرٰی اور عُسْرٰی۔ (عبدالقاہر جرجانی، درج الدرر فی التفسیر، البقرہ: ۸۳)

رسول خدا ﷺ کسی سفر کے لیے باہر تشریف لے جاتے تو آپ اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا آپ اسے سفر میں ساتھ لے جاتے۔ غزوۂ بنی مُصطلِق (جسے غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں) کے موقع پر قرعہ میرے نام نکلا۔ میں آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ یہ واقعہ آیت حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں بیٹھ گئی اور قافلہ روانہ ہوگیا۔ جب سفر سے واپس آئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو قافلے نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا، پھر کوچ کا اعلان ہوا۔ میں اٹھی اور قضائے حاجت کے لیے لشکر سے باہر نکل گئی۔ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آتے ہی اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرا ہار غائب ہے۔ میں فوراً واپس گئی اور ہار تلاش کرنے لگی۔ ہار تلاش کرتے دیر لگ گئی۔ جب ہار لے کر واپس آئی تو قافلے والے روانہ ہو چکے تھے۔ وہاں کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ قافلے والوں نے میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چلتے بنے۔ اس وقت انھوں نے یہ خیال کیا کہ میں ہودج کے اندر بیٹھی ہوں، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس وقت عورتیں بڑی ہلکی پھلکی اور دبلی پتلی تھیں۔ وہ کھانا بہت ہی کم کھاتی تھیں۔ میں تو تھی ہی نوعمر اور بالکل دُبلی پتلی۔ انھوں نے ہودج اٹھا کر رکھ دیا اور میری غیر حاضری کا انھیں احساس تک نہ ہوا۔ میں اسی جگہ بیٹھ گئی۔ میں نے سمجھا کہ قافلے والے میرا ہودج خالی پا کر مجھے لینے کے لیے جلد واپس آئیں گے۔ بیٹھے بیٹھے نیند غالب آگئی اور میری آنکھ لگ گئی۔

حضرت صفوان بن معطل سُلمی رضی اللہ عنہ کو قافلے کے پیچھے پیچھے رہنے کا حکم تھا، تاکہ گری پڑی چیزیں اٹھا لیا کرے۔ جب رات سفر کرتے کرتے علی الصبح صفوان آیا تو اس نے مجھے پہچان کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر اظہارِ افسوس کیا۔ اس کے اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے فوراً اپنے چہرے کو چادر سے ڈھانپ لیا۔ نہ میں نے کچھ کہا اور نہ اس نے، پھر صفوان نے اپنی اونٹنی زمین پر بٹھا دی اور خود ایک طرف ہو گیا۔ میں اٹھی اور اونٹنی پر بیٹھ گئی۔ صفوان اونٹنی کی مہار پکڑ کر چلنے لگا یہاں تک کہ ہم دوپہر ہوتے ہی قافلے سے جا ملے جبکہ قافلے نے دوپہر کو ستانے کے لیے پڑاؤ ڈالا تھا۔

عبداللہ بن اُبی نے صفوان کو اونٹنی کی مہار پکڑے دیکھ کر طوفان اٹھایا اور ہر اَن کہی اور اَن سنی بات کہہ ڈالی۔ چند لوگ اس کے ہمنوا ہو گئے۔

ہم مدینہ منورہ پہنچے تو میں بیمار ہو گئی۔ لوگ بہتان طرازی کے قصے سنتے سناتے رہے۔ مجھے اس بات کا علم تک نہ ہوا۔ البتہ میں آنحضرت ﷺ کی بے التفاتی دیکھ کر کچھ شک کرنے لگی۔ اس سے پہلے آپ کا لطف و کرم بہت زیادہ تھا۔ اب آپ ﷺ تشریف لاتے، سلام کہتے، پھر فرماتے: ”کہو، کیا حال ہے؟“

اس بے التفاتی سے مجھے شک تو ہوتا لیکن اصلی گڑبڑ کا مجھے علم نہ تھا۔

بیماری نے مجھے لاغر کر دیا تھا۔ میں ایک دن رات کے وقت ام مِسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ باہر نکلی۔ اس نے مجھے قصہ افک سنایا۔ یہ افسانہ سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ میں گھر واپس آئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاج پرسی کی تو میں نے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ میکے پہنچ کر میں نے ماں سے معاملہ دریافت کیا تو اس نے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن میں غم کے مارے نہ تو رات بھر سو سکی اور نہ آنکھوں سے آنسو تھم سکے۔ روتے روتے صبح کر دی۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا۔ حضرت اُسامہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نیکی اور عفت کی گواہی دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ بَریرہ لونڈی سے پوچھا جائے، وہ ٹھیک ٹھیک بات کہہ دے گی۔ جب بریرہ سے پوچھا گیا تو اُس نے حلف اٹھا کر بیان دیا کہ میں نے کبھی کوئی ایسی ویسی بات نہیں دیکھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ ایک کم سن لڑکی ہیں، کبھی آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں تو بکری آ کر کھا جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں دن بھر روتی رہی، پھر رات ہوگئی، وہ رات بھی روتے گزار دی۔ میرے ماں باپ کو یہ خیال ہو چلا تھا کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ والدین میرے پاس بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گزر گیا، مگر میرے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی۔ اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف رکھنے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھا اور فرمایا کہ ''تیرے متعلق مجھے یہ یہ بات پہنچی ہے، اگر تو بے گناہ ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت کر دے گا اور اگر تو کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھی ہے تو اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر۔ اللہ گناہ کے بعد بندوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرما چکے تو میں نے باپ سے کہا: آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں۔ وہ کہنے لگے: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کروں؟ پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ آپ جواب دیں۔ وہ بھی کہنے لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں کیا جواب دوں؟ میں نوعمر تھی، میں نے عرض کیا کہ اگر میں اپنی براءت کروں اور خدا گواہ ہے کہ میں معصوم ہوں تو کون مانے گا؟ میرے لیے تو بس یہی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح یہ کہوں: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾[1] ''میں صبر جمیل کی توفیق چاہتی ہوں اور جو کچھ تم کہتے ہو، اللہ اس معاملے میں میری مدد کرے۔'' تھوڑی دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہے، پھر وہیں

---

[1] یوسف: ۱۲/ ۱۸

یہ آیات نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے میری بریت کا اعلان فرما دیا۔

نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ اے عائشہ! خوش ہو کہ اللہ نے تیری براءت کا اعلان کیا۔ میری ماں بولی: بیٹی! آپ ﷺ کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا کہ میں تو اس خدا کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری براءت میں آیات نازل کی ہیں۔[۱]

اس قصۂ اِفک کو ہوا دینے والوں میں عبداللہ بن اُبی پیش پیش تھا اور چند مخلص صحابہ جیسے حضرت مِسطح بن اُثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم بھی ملوث ہو گئے۔ عبداللہ بن اُبی نے اس معاملے میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔[۲]

مفہوم و مطلب: واقعہ افک پر آیات کا نزول اور احکام کا بیان

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ طوفان باندھا ہے وہ تمھی میں سے چند گنتی کے لوگ ہیں۔ ان کی قبیح حرکت بظاہر فتنہ اور شرارت دکھائی دیتی ہے لیکن اس میں ملّت اسلامیہ کا فائدہ ہے۔ کھرا کھوٹا الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مومن اور منافق کی پہچان ہو جائے گی۔ دوست دشمن کا پتہ چل جائے گا۔ ان میں ہر ایک آدمی اپنے اپنے کرتوت کا بدلہ پائے گا اور عبداللہ بن اُبی جس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے آخرت میں عذابِ عظیم کا مزا بھی چکھے گا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جھوٹے بہتان کی سزا کے طور پر حضرت مِسطح، حسان اور حمنہ رضی اللہ عنہم کو اَسّی اَسّی کوڑے لگوائے۔[۳]

پھر مومن مردوں اور عورتوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے یہ قصہ سن کر فوراً کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ ایمانداروں کو چاہیے تھا کہ اپنی جانوں پر یہ بہتان چسپاں کر کے دیکھتے۔ جب وہ خود ایسی نازیبا اور قبیح حرکت کا ارتکاب نہیں کر سکتے تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی افضل عورت کیسے یہ کام کر سکتی ہیں؟! مومنوں کو حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے تھا۔

---

[۱] صحیح البخاری: ۲۶۶۱، ۴۱۴۱ و صحیح مسلم: ۲۷۷۰

[۲] القرطبی والبغوی، التفسیر، النور: ۱۱

[۳] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/ ۱۸۸۴۔ واقعۂ افک کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۳۰۹-۳۱۷

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی نے یہ خبر سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ انھوں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ تم سے ایسی حرکت سرزد ہوسکتی ہے؟ جواب ملا کہ ہرگز ہرگز نہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری بولے کہ بخدا! عائشہ رضی اللہ عنہا تو تم سے کہیں افضل ہیں۔[1]

ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ جب کسی سچے مسلمان کے خلاف کوئی بہتان سنو تو فوراً اس کی تکذیب کرو اور اس کو ہوا دینے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔

پھر بہتان طرازوں اور قصہ افک کو ہوا دینے والوں کو ڈانٹا کہ اگر حق و صداقت کا کوئی حصہ بھی ان کو نصیب ہوا ہے تو افترا ثابت کرنے کے لیے چار گواہ کیوں پیش نہیں کرتے؟ اگر ان کے پاس کوئی شہادت موجود نہیں اور یقیناً یقیناً نہیں تو پھر سراسر جھوٹے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل و کرم اور بخشش و رحمت ہے کہ اس نے تمھیں مہلت دی، توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھا اور پھر یہ کہ توبہ کو شرف قبولیت بخش کر وہ تمھارے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔ اگر یہ رحمت تمھارے شامل حال نہ ہوتی تو تمھارے کرتوتوں اور بداعمالیوں کا تقاضا یہ تھا کہ تمھیں عذاب عظیم میں مبتلا کر دیا جاتا۔ فرمایا کہ اگر یہ رحمت ایزدی اور فضلِ الٰہی نہ ہوتا تو پھر تمھارے اعمال ہی موجب عذاب بن سکتے تھے۔ تم نے بہتان طرازی کے لیے اپنی زبانوں کو کھلا چھوڑ دیا اور ایک دوسرے کے کانوں میں قصہ اِفک ڈال کر جرم عظیم کا ارتکاب کیا، پھر یہ سمجھتے رہے کہ یہ معمولی بات ہے، حالانکہ بے جانے بوجھے منہ سے بات نکالنا بڑا گناہ ہے۔ مختصر یہ کہ موجب عذاب اعمال یہ ہیں:

۱۔ بہتان اور جھوٹ کو پھیلانا۔

۲۔ بے جانے بوجھے زبان سے بات نکالنا۔

۳۔ بڑے جرم کو حقیر سمجھ کر اس کی اہمیت کو کم کرنا۔

پھر فرمایا کہ جب تم نے یہ قصہ اِفک سنا تو کیوں نہ احتیاط اور دانشمندی سے کام لیا؟ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ایسی باتیں ہمیں زیب نہیں دیتیں۔ سبحان اللہ! یہ تو بڑا اور صریح بہتان ہے۔ تمھاری شانِ ایمان تو یہ ہونی چاہیے تھی کہ تم فوراً بریت کا اظہار کرتے۔ اگر ان بدباطن تہمت طرازوں نے پیغمبر علیہ السلام کی پاکباز زوجۂ عفیفہ پر افترا باندھا تو تمھارے دین، ایمان اور عقل کا تقاضا یہ تھا کہ تم فوراً اس کی تردید کر دیتے۔

---

[1] الطبرانی، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۴۷ و ابن حجر، فتح الباری: ۸/ ۴۷۰

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آئندہ ایسی بات کا اعادہ کرنے سے منع فرمادیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں آداب و اخلاق اور محاسن و فضائل کی تفصیلی اور کھلی ہدایات پیش کرتا ہے تاکہ ایمان والے عبرت پکڑیں۔

اس نصیحت کے ساتھ یہ اعلان فرمادیا کہ جو لوگ مومنوں کے حلقے میں بے حیائی کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ پاکباز مومن مرد اور عورتیں زنا اور بدکاری کا شکار ہو جائیں تو ایسے گروہ کے لیے دنیا میں تو رسوائی، فضیحت، بدنامی اور لعنت کا طوق موجود ہے اور آخرت میں بھی دوزخ کا درد ناک عذاب ان کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ اس آیت کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے تمام کام کاج اللہ کے سپرد کر دو، تم رشد و ہدایت سے بہرہ مند ہو جاؤ گے۔ اپنے پاس سے بے تکی باتیں نہ کہو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی بے پایاں رحمت نہ ہوتی تو تمھیں اس قصۂ افک کی تشہیر کی پاداش میں کسی سخت اور درد ناک عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہوتا۔

اس کے بعد ایمان والوں کو خطاب فرمایا کہ دیکھو! شیطان کے نقشِ پا پر نہ چلو، شیطان تمھارا دشمن ہے۔ اسے دشمن سمجھو، دوست نہ بناؤ اور نہ وہ تمھارا دوست بن سکتا ہے۔ جس راہ پر وہ چلتا ہے اس راہ پر تم نہ چلو۔ شیطان تمھیں برائی کی طرف بلاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمھیں بھلائی کی طرف بلاتے ہیں۔ اللہ اور اس کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعوت اخلاق اور حیا کو زندہ کرنے کی طرف ہے۔ اللہ بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتا ہے اور شیطان بے حیائی اور بُرے کاموں کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتایا کہ میری رحمت اور شفقت ہے کہ تمھاری خطاؤں اور لغزشوں کو مٹانے کے لیے توبہ اور مغفرت کا نظام قائم کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ رحمت و فضل نہ ہوتا تو پھر انسانوں کے لیے گناہوں سے پاک ہونے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی توبہ کا طریقہ بتایا اور خود ہی گناہوں کی مغفرت فرمانے کا وعدہ دیا۔ اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہم پر ہر وقت عذاب مسلط رہتا۔ فی الحقیقت یہ اللہ کی بڑی مہربانی اور رحمت ہے کہ اس نے ہمیں توبہ کرنے کا طریق سکھایا، پھر توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور سب سے بڑی بات یہ کہ توبہ قبول فرما کر ہمیں گناہوں سے پاک صاف کر دیا۔ اگر یہ نظامِ رحمت نہ ہوتا تو پھر کوئی شخص بھی گناہوں سے پاک نہ ہو سکتا تھا۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ کہہ کر آیت کو ختم کیا۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سنتا ہے۔ تم سوچ سمجھ کر بات کہا کرو، کسی پر ہرگز بہتان نہ لگانا۔ وہ خالق و مالک ہے۔ سب کچھ جانتا ہے۔ دلوں کے ارادوں تک سے

واقف ہے، اس لیے گناہ اور بے حیائی کو پھیلانے کا خیال تک بھی دل میں نہ لانا چاہیے۔

قصہ اِفک کی تشہیر کرنے والوں میں ایک شخص مِسطح رضی اللہ عنہ بھی تھا۔ یہ شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قرابت داروں میں سے تھا اور بڑا غریب تھا۔ جنگ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کر چکا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مسطح رضی اللہ عنہ کی قرابت داری اور افلاس کے پیش نظر اس پر نظر شفقت رکھتے تھے اور اس کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں آیات نازل ہوئیں تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح رضی اللہ عنہ سے دست اعانت کھینچ لینے کا حلف اٹھایا۔ یہ ایک طبعی امر تھا کہ وہ انسان جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پاکباز بیٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ عفیفہ کے خلاف تہمت اور بہتان پھیلانے میں اتنا حصہ لے اس کی کسی قسم کی کوئی مدد نہ کی جائے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بتقاضائے بشریت وغیرت حلف اٹھایا کہ آئندہ مسطح کی مدد نہیں کروں گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ﴾[1] یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمھارے گناہوں اور لغزشوں پر خط تنسیخ کھینچ دے تو تم بھی دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرو۔ انسان کتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، اللہ پھر بھی اس کی روزی بند نہیں کرتا۔ اللہ کی صفت ہے بخشنا اور معاف کر دینا۔ اللہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ تم بھی ''تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللهِ''[2] یعنی اللہ کے اوصاف و اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو اور تم میں سے کھاتے پیتے نیک اور مالدار آدمی یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ قرابت داروں، مسکینوں اور مہاجروں کی امداد نہیں کریں گے۔ جو چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح رضی اللہ عنہ کی امداد کرتے رہنے کا پھر سے ارادہ کر لیا۔

اس آیت میں ایمانداروں کو ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ دوسروں کی لغزشوں اور گناہوں سے درگزر کریں، اللہ ان کے گناہ معاف کر دے گا۔ نیز مکارمِ اخلاق اور اوصافِ حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے کہ غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں سے حُسن سلوک کرتے رہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ	جو لوگ پاکباز اور بُرے کاموں سے بے خبر اور
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ	ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ان پر

---

[1] ابن ھشام، السیرۃ النبویہ: ۲/ ۳۰۳ والبیہقی، دلائل النبوہ: ۴/ ۷۱

[2] الغزالی، إحیاء علوم الدین: ۴/ ۹۷

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾	دنیا و آخرت (دونوں) میں لعنت ہے اور ان کو سخت عذاب ہوگا۔
يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾	جس دن (یعنی قیامت کے روز) ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں سب ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔
يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾	اس دن خدا ان کو (ان کے اعمال کا) پورا پورا (اور) ٹھیک بدلہ دے گا اور ان کو معلوم ہوجائے گا کہ خدا برحق (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے۔

آیات: ۲۳ تا ۲۵۔ تشریح الفاظ

اَلْمُحْصَنٰتِ: (واحد، مُحْصَنَةٌ) عفیف اور پاکباز عورتیں۔

اَلْغٰفِلٰتِ: (واحد، غَافِلَةٌ) بے خبر، ناواقف۔ مراد وہ عفیف اور پاک دل عورتیں جنھیں بدکاری اور بے حیائی کے کاموں کی خبر تک نہ ہو۔ جن کے دل و دماغ میں خواہش اور مکروفریب کا گزر تک نہ ہوا ہو۔

لُعِنُوْا: ماضی مجہول، جمع مذکر غائب، بمعنی لعنت کیے جائیں گے، دنیا میں حد لگائے جانے کی وجہ سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں اور اللہ کی رحمت سے محرومی کے باعث۔

تَشْهَدُ: گواہی دیں گے۔ **اَرْجُلُ:** (واحد، رِجْل) پاؤں۔

يَوْمَئِذٍ: اس دن، قیامت کے دن۔ **يُوَفِّيْهِمْ:** پورا پورا دے گا ان کو۔

دِيْنَهُمْ: ان کا بدلہ۔ ان کی جزا، ان کا حساب۔ **اَلْحَقَّ:** ثابت، واجب، پورا، عدل کے ساتھ۔

مفہوم ومطلب: الزام اور بہتان کے گناہ کی خطرناکی

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معصوم اور پاکباز عورتوں پر بہتان اور افترا باندھنا بہت بڑا ظلم ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قذف اور بہتان اُن سات گناہوں میں سے ہے جو ہلاکت خیز ہیں۔[1] قصہ اِفک کی تردید اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے بعد فرمایا کہ جو لوگ عفیف و پاکباز اور بالکل بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان کی دنیا میں تو یہ سزا ہے کہ ان کو شرعی حد لگائی جائے۔ پھر ایسے

[1] صحیح البخاری: ۲۷۶۶

بہتان طراز کو ہر شخص برا کہتا ہے اور اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ کوئی اُس کے حق میں کلمہ خیر نہیں کہتا اور آخرت میں ان کو سخت عذاب ہوگا۔ یہ حکم عام ہے اور یہ سزائے آخرت اس کے لیے ہے جو بہتان پر اصرار کرے اور توبہ نہ کرے۔ مومن اور پاکباز مردوں پر بھی تہمت لگانے والوں کا یہی حکم ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ آخرت کی سزا سے پہلے ان کے خلاف ثبوت اور شہادت کا مرحلہ ہے۔ خود ان کی اپنی زبانیں، ان کے اپنے ہاتھ اور اپنے پاؤں اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔ تمام اعضاء و جوارح بتائیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں۔ یہ قیامت کے دن کا قصہ ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ کسی سے ناانصافی اور ظلم نہیں ہوگا۔ ہر بہتان طراز بالخصوص اور ہر آدمی بالعموم اپنے کیے کا بدلہ پائے گا۔ پھر ان لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں جو وعدے کیا کرتا تھا وہ سارے وعدے بالکل درست نکلے ہیں، ان وعدوں کے حق اور سچا ہونے میں اب کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ دنیا میں تو وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور نہ خدا کے وعدوں پر انھیں اعتبار تھا، اب آخرت میں پہنچ کر انھیں عین الیقین اور حق الیقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور وہ ہر بات کو کھول کر بیان کرتا تھا۔

بعض ائمہ مفسرین (مثلاً زمخشری صاحب الکشاف اور نسفی صاحب المدارک) کی رائے ہے کہ سارا قرآن مجید دیکھ جایئے کہیں بھی کسی جرم کی اتنی شدید مذمت نہیں کی گئی اور نہ اس کے خلاف اتنا سخت رویہ اختیار کیا گیا ہے جتنا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قصۂ اِفک کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پاکباز مومن عورتوں کی عصمت وعفت کا اتنا پاس ہے کہ اس نے آیاتِ قرآنی میں سخت ترین وعید اور خوفناک سزا مقرر کر دی، پھر ڈانٹ پر ڈانٹ، زجر وتوبیخ اور جن لوگوں نے اس تشہیر میں حصہ لیا ان کے اس فعل کو مختلف طریقوں سے بڑا مذموم اور قابلِ نفرت ٹھہرایا گیا۔ آخرت میں ان کے خلاف ان کے ہاتھ، پاؤں اور ان کی زبانیں شہادت دیں گی۔ پھر انھیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾	ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے، یہ (پاکیزہ لوگ) ان (بدلوگوں) کی باتوں سے بری ہیں (اور) ان کے لیے بخشش اور نیک روزی ہے۔

آیت:۲۶۔تشریح الفاظ

اَلْخَبِیْثٰتُ: مؤنث (واحد، خَبِیْثَۃٌ) ناپاک، پلید، بُری۔

لِلْخَبِیْثِیْنَ: مذکر (واحد، خَبِیْثٌ) (لِ، اَلْخَبِیْثِیْنَ) نصبی اور جری حالت، لیکن رفعی حالت میں اَلْخَبِیْثُوْنَ جیسے مومنین اور مومنون۔

اَلطَّیِّبٰتُ: مؤنث (واحد، طَیِّبَۃ) پاک، اچھی، صاف ستھری۔ اَلطَّیِّبِیْنَ: مذکر (واحد، طَیِّبٌ)۔

مُبَرَّءُوْنَ: پاک، بَری، مبرّا۔ کَرِیْمٌ: باعزت، نیک۔

مفہوم و مطلب: برے لوگوں کی بری باتیں اور اچھے لوگوں کی اچھی باتیں

اس آیت میں یہ فرمایا کہ بُرے اور ناپاک لوگ بری باتیں کہتے ہیں۔ ان کے منہ سے ناپاک اور پلید کلمات نکلتے ہیں اور نیک اور پاک لوگوں کے منہ سے نیک اور اچھی باتیں نکلتی ہیں۔ خود قرآن میں یہ تصور ''اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃ'' اور ''اَلْکَلِمَۃُ الْخَبِیْثَۃ'' کہہ کر بیان ہو چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی جیسے منافق لوگ جنھوں نے قصۂ افک کو ہوا دی یہ سب ناپاک اور بُرے لوگ ہیں، ان سے کسی اچھی بات کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ان کے منہ سے بری بات اور خبیث کلمہ ہی نکلے گا۔ لیکن ان بدقماش لوگوں کے مقابل آنحضرت ﷺ کی زوجہ عفیفہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، صحابہ کرام اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ پاکباز لوگوں کی جماعت ہے، ان کی سب باتیں پاکیزہ، نیک اور اچھی ہیں۔ نہ تو ان کے منہ سے کوئی بری بات نکل سکتی ہے اور نہ کسی نازیبا اور پلید بات کو ان کی طرف منسوب کرنا قرین عقل و دانش ہوسکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ پاکباز لوگوں کی جماعت ان بدکردار منافقوں کی باتوں سے بالکل مبرّا اور پاک ہے۔ جو کچھ یہ چند پلید لوگ کہتے ہیں اس سے ان پاکبازوں کو قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ ان نیک لوگوں کے لیے اللہ کے ہاتھ بخشش اور جنت کا وعدہ ہے جہاں انھیں باعزت روزی دی جائے گی۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے ابتدائی حصے کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ پلید اور ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پلید مرد پلید عورتوں کے لیے۔ اسی طرح پاک عورتیں پاک مردوں کے نکاح میں آتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ لیکن مفسرین کی اکثریت نے وہی مفہوم بتایا ہے جو پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔[1]

---

[1] القرطبی، التفسیر، النور:۲۶

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾	مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں) کے گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو، یہ تمھارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لیے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو۔
فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾	اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو، یہ تمھارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو خدا سب جانتا ہے۔
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾	(ہاں!) تم اگر کسی ایسے گھر میں جاؤ جس میں کوئی بستا نہ ہو اور اس میں تمھارا اسباب (رکھا) ہو تم پر کچھ گناہ نہیں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ کرتے ہو خدا کو سب معلوم ہے۔

آیات: ۲۷ تا ۲۹۔ تشریح الفاظ

لَا تَدْخُلُوْا: دَخَلَ يَدْخُلُ سے فعل نہی، جمع مذکر حاضر۔ تم نہ داخل ہو۔

تَسْتَاْنِسُوْا: انس سے اِسْتِئْنَاس باب استفعال، بمعنی اِسْتِئْذان، استعلام۔ تم اجازت مانگو، اِذن لے لو، پوچھ لو۔

بُيُوْتًا: (واحد، بَيْتٌ) گھروں۔

تُسَلِّمُوْا: سَلَّمَ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا سے۔ تم سلام کہو۔

تَذَكَّرُوْنَ: تم نصیحت حاصل کرو۔

لَمْ تَجِدُوْا: وَجَدَ يَجِدُ سے۔ تم نہ پاؤ، نہ دیکھو۔

يُؤْذَنَ: مضارع مجہول۔ اجازت دی جائے۔

حَتّٰى: یہاں تک کہ۔ حَتّٰى مضارع کو نصب دیتا ہے اور اسم کو جر، جیسے حَتّٰى يُؤْذَنَ اور حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

قِيْلَ: قَالَ سے ماضی مجہول۔ کہا جائے، کہا گیا۔

اَزْكٰى: زیادہ پاکیزہ، بہتر۔

اِرْجِعُوْا: رَجَعَ يَرْجِعُ سے فعل امر، جمع مذکر مخاطب۔ تم لوٹ جاؤ، واپس جاؤ۔

جُنَاحٌ: گناہ، حرج۔

مَسْكُوْنَةٍ: آباد۔

غَیْرَ مَسْکُوْنَۃ: بے آباد۔ مَتَاعٌ: سامان۔
تُبْدُوْنَ: تم ظاہر کرتے ہو۔ تَکْتُمُوْنَ: تم چھپاتے ہو۔

مفہوم و مطلب: گھر میں داخل ہونے کے آداب

قرآنِ مجید اسلامی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کرنا چاہتا ہے، اس لیے عبادات وعقائد کے ساتھ اجتماعی، مجلسی اور معاشرتی امور پر بھی بڑی توجہ دیتا ہے۔

اس سورت کی ابتدائی آیات میں پاکدامن، مومن اجنبی عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے لیے ضابطہ مقرر کیا تھا، پھر اپنی بیویوں پر اتہام اور افترا باندھنے والوں کا ذکر کر کے ان کے لیے قواعد مقرر کر دیے۔ بعد ازاں قصہَ اِفک کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرمائی۔ ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کی پاکدامنی اور عفت کے پیش نظر بڑے سخت ضابطے اور قاعدے مقرر کر دیے ہیں اور ایسے قوانین جاری کیے ہیں جن سے عفیف عورت کا مقام معاشرے میں بہت بلند کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت قطعاً پسند نہیں کرتی کہ کسی پاکباز عورت پر کوئی شخص بھی تہمت لگائے یا بہتان تراشے۔ اور اگر کوئی ایسا کرے بھی تو پھر دنیا میں رسوا کن اور توہین آمیز سزا پائے اور آخرت میں سخت عذاب میں گرفتار ہو۔

اس کے بعد چند اور مجلسی آداب اور معاشرتی اخلاق بیان فرمائے تاکہ لوگ ان پر عمل کر کے پاکبازی اور شرافت کی زندگی بسر کر سکیں۔ فرمایا کہ اپنے گھر کے علاوہ جب غیروں کے گھروں میں جاؤ تو گھر کے اندر داخل ہونے سے پہلے اطلاع کرو، پوچھو، اجازت ملے تو گھر کے اندر جاؤ۔ پھر داخل ہوتے ہوئے انھیں السلام علیکم کہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب دوسرے کے گھر جاؤ تو تین بار اجازت کے لیے آواز دو، اگر آواز نہ آئے واپس چلے جاؤ۔''[1] اللہ نے فرمایا کہ یہ اجازت چاہنا اور سلام کہنا بغیر اجازت داخل ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ قرآنِ مجید کے اس قسم کے احکام کا مقصد یہ ہے کہ ایمان والے ان پر عمل کر کے ایک عمدہ اور اچھی زندگی بسر کریں۔

پھر فرمایا کہ گھر میں کوئی آدمی موجود نہیں تو پھر تمھارا گھر کے اندر جانا غیر مناسب ہے۔ البتہ اجازت مل جائے تو پھر داخل ہو سکتے ہو ورنہ نہیں اور اگر گھر والے کہیں کہ لوٹ جاؤ تو پھر تم واپس چلے جاؤ، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزگی اور نفاست کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔

[1] صحیح البخاری: ۶۲۴۵

باقی رہا معاملہ غیر آباد گھروں کا جہاں تمھاری چیزیں پڑی ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ایسے بے آباد گھروں میں داخل ہوتے ہو جہاں تمھاری کچھ چیزیں پڑی ہوں تو تم پر کوئی جرم نہیں۔ البتہ یہ بات یاد رکھو کہ تم جو کام بھی کرتے ہو خواہ چھپ کر کرو یا برسرِ عام، اللہ سے تمھارا کوئی ارادہ اور کوئی کام چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ ہر چیز اور ہر شے کو جانتا ہے۔

ان آیات سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

۱۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر کوئی شخص کسی کے گھر کے اندر جھانکے تو گھر والا اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کی کوئی دیت یا قصاص نہیں ہے۔''[1]

۲۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تین بار اجازت مانگو، کوئی جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔''[2]

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم کسی کے ہاں جا کر آواز دو، وہ پوچھے کون؟ تو اس کے جواب میں اپنا نام بتاؤ۔ یہ نہ کہو کہ میں، میں، یا میں ہوں، میں ہوں۔''[3]

۴۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے۔ ایک نووارد اندر گھسنے لگا تو آپ نے خادم کو بھیجا کہ وہ جا کر اسے اجازت کا طریقہ سکھائے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ السلام علیکم کہہ کر پوچھے کہ اندر آنے کی اجازت ہے؟[4]

۵۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اپنی ماں کو ملنے جاؤ تو بھی اجازت طلب کرو۔'' آپ ﷺ نے تاکیداً تین بار دہرایا۔ پھر فرمایا: ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ اسے عریاں دیکھو؟'' جواب میں عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ اس سے بھی اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیے۔''[5]

﴿غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ﴾ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ گھر جہاں کوئی مکین نہیں، مکان بے آباد ہے یا اجڑ گیا ہے اور تمھارا سامان (مَتاع) اس میں پڑا ہے، ایسے مکان میں داخل ہونے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مکان جو کسی ایک شخص یا خاندان کی رہائش کے لیے نہیں

[1] صحیح البخاری: ۶۸۸۸و صحیح مسلم: ۲۱۵۸

[2] الطبری والقرطبی، التفسیر، النور: ۲۷۔ اس بارے میں دو موقوف روایات بھی ہیں۔ (دیکھیے الالبانی، صحیح الادب المفرد: ۱۰۵۹، ۱۰۶۰)

[3] صحیح البخاری: ۶۲۴۵

[4] صحیح البخاری: ۶۲۵۰

[5] سنن ابی داود: ۵۱۷۷

بلکہ عام لوگوں کے استعمال کے لیے ہے، یعنی کسی فرد واحد کی ذاتی رہائش گاہ نہیں بلکہ وہ عام لوگوں کے فائدے اور استعمال (متاع) کے لیے بنائی گئی ہے۔ مثلاً سرائے، ہوٹل، کالج، یا پھر وہ دکان ہے یا کاروبار کا کوئی مرکز کہ وہاں ہر شخص کو کھلے بندوں آنے جانے کی اجازت ہے اور وہ آنا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے۔

بہر حال اسلام میں اس امر کی سخت تاکید ہے کہ بغیر اجازت کسی شخص کے گھروں میں داخل نہ ہوں تا کہ اس گھر والے کی آزادی اور حقوق محفوظ رہیں۔ اسلام نے جو بات چودہ سو سال پہلے کہی تھی آج یورپ اور متمدن ملک اس پر عمل کرنا انسان کی شرافت اور فخر کا موجب سمجھتے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰	مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ اس سے خبردار ہے۔
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ	اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات کو) ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا (نیز ان غلاموں کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں) یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں

مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾	(ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں (کہ جھنکار کی آواز کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

آیات: ۳۰ تا ۳۱۔ تشریح الفاظ

قُلْ: قَالَ يَقُوْلُ سے فعل امر۔ تو کہہ دے، تم کہو۔ يَغُضُّوا: غَضَّ يَغُضُّ۔ نیچی رکھیں۔

اَبْصَارِ: (بَصَرٌ) نگاہیں، نظریں، یعنی نظریں نیچی رکھیں۔ نظریں نیچی رکھنے سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کو دیکھنا جائز نہیں۔ ان پر نگاہ نہ ڈالیں۔ غَضُّ الْبَصَرِ شرم و حیا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ يَحْفَظُوْا: حفاظت کریں۔

فُرُوْج: شرم گاہیں، (واحد، فَرْج)۔ يَصْنَعُوْنَ: صَنَعَ يَصْنَعُ۔ وہ کرتے ہیں۔

يَغْضُضْنَ: نظریں نیچی رکھیں۔ (مؤنث کے لیے)۔ لَا يُبْدِيْنَ: نہ ظاہر کریں۔

زِيْنَتَهُنَّ: اپنی زینت۔ زینت کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ مختلف اقوال کے لحاظ سے چہرہ، لباس، زیورات، پاؤں کی مہندی، سینہ، پنڈلی، سراپا بدن کے دیگر جاذبِ نظر حصے زینت کے مفہوم میں شامل ہیں۔

مَا ظَهَرَ: جو کچھ کہ ظاہر ہو، کھلا رہے، (بصورت مجبوری و ضروری)۔

وَلْيَضْرِبْنَ: (وَ، لِ، يَضْرِبْنَ) اور چاہیے کہ وہ ماریں یعنی بُکّل ماریں۔[۱]

خُمُرِهِنَّ: (واحد، خِمَار) سر ڈھانپنے والا کپڑا، مراد دوپٹہ، چُنّی، چادر، اوڑھنی۔

جُيُوْب: (واحد، جَيْب) قمیص کا اوپر کا کھلا حصہ جو گردن کے آس پاس ہوتا ہے مراد، گریبان، سینہ، چھاتی، یعنی اپنے دوپٹوں اور چادروں کی بُکّل ماریں۔ بُعُوْلَتِهِ: (واحد، بَعْل) خاوندوں۔

التّٰبِعِيْنَ: (واحد، تَابِع) لفظی معنی پیچھے آنے والا، بعد میں آنے والا، خدمت گزار، ساتھ رہنے والا۔ نیز وہ مرد جو روٹی، کھانا وغیرہ مانگنے کے لیے آجاتے ہیں۔

غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ: غَيْرِ بمعنی بغیر، اُولِي بمعنی والے، الْاِرْبَةِ بمعنی حاجت، ضرورت۔ مراد ہے ایسے لوگ جنھیں جنسی احساسات اور خواہشات نہ ہوں، جیسے بالکل احمق اور پگلا آدمی، بہت ضعیف اور بڈھا کھوسٹ، ہیجڑے، مخنث وغیرہ قسم کے لوگ۔ الرِّجَالِ: (واحد، رَجُل) بمعنی مرد۔

---

[۱] اس کا مطلب ہے اوپر سے نیچے تک اپنے آپ کو اچھی طرح ڈھانپ لیں۔

الطِّفۡلِ: چھوٹے بچے۔ طِفۡل بطور اسم جنس برائے جمع استعمال ہوا ہے۔
لَمۡ یَظۡهَرُوۡا: نہیں واقف ہوئے، نہیں احساس رکھتے، نہیں جانتے۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ چھوٹے بچے جو جنسی تعلقات کی قوت نہیں رکھتے۔ جنسی جذبات اور ان کا احساس ابھی ان میں پیدا نہیں ہوا۔
بِاَرۡجُلِهِنَّ: (بِ، اَرۡجُلِ، هِنَّ) اَرۡجُلِ بمعنی پاؤں (واحد، رِجۡل)۔
یُخۡفِیۡنَ: مضارع، جمع مؤنث غائب۔ وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

مفہوم و مطلب: عفت و پاکدامنی اور عورتوں کے خصوصی احکام

قرآن مجید کی اس سورت میں معاشرتی احکام اور مجلسی آداب بتدریج بیان کیے جا رہے ہیں۔ پہلے چند چیزوں سے روک دیا تھا، پھر غیروں کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے منع فرما دیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ کو حکم دیا کہ اے نبی! مسلمانوں سے کہہ دو کہ اپنی نظروں کو روکیں، محارم پر نگاہ نہ ڈالیں۔ صرف انھیں چیزوں کو دیکھا کریں جن کا دیکھنا جائز ہے۔ اگر غیر مباح چیزوں پر نظر جا بھی پڑے تو فوراً نظروں کو روک لو۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کہ جنسی بُرائیوں اور خرابیوں کی پہلی سیڑھی نگاہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت نے صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے نظروں کو روکنے کی تلقین کرنا بہت ضروری سمجھا۔ شرم و حیا اور نگاہ پر قابو رکھنا نیک اور شریف معاشرے کے لیے بنیادی اور اساسی چیز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

۱۔ ''اگر اچانک نظر جا پڑے تو اسے فوراً پھیر لو۔''[۱]
۲۔ ''غیر ارادی نگاہِ اوّل معاف ہے، لیکن دوسری مرتبہ دیکھنے پر مؤاخذہ اور گرفت ہے۔''[۲]
۳۔ سرِ راہ کھڑے ہونے والوں اور رستے میں بیٹھنے والوں کو منجملہ دیگر ہدایات کیں، ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ''نظروں کو روکو اور نگاہیں نیچی رکھو''[۳] اور شرم و حیا کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔
۴۔ صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''آنکھیں بھی زنا کا ارتکاب کرتی ہیں اور آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے۔''[۴]

اصل بات یہ ہے کہ نگاہ کی حفاظت سے بہت سے اخلاقی فتنوں اور جنسی گمراہیوں کا سدِ باب ہو جاتا ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم: ۲۱۵۹
[۲] سنن أبي داود: ۲۱۴۹
[۳] صحیح البخاري: ۲۴۶۵ و صحیح مسلم: ۲۱۲۱
[۴] صحیح البخاري: ۶۲۴۳ و صحیح مسلم: ۲۶۵۷

نظروں کی تلقین کے بعد فرمایا کہ مومن مردوں کو دوسری احتیاط یہ کرنی چاہیے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں ہر قسم کی احتیاط شامل ہے۔ کوئی غیر محرم دیکھنے نہ پائے، بدکاری سے بچا جائے۔ یہاں تک فرمایا کہ ''اگر اکیلا آدمی کہیں نہائے تو بہتر صورت یہ ہے کہ پردہ کرلے یا کوئی کپڑا پہن لے۔''[1] فرمایا کہ ''جس طرح آدمیوں سے شرم وحجاب ہے اسی طرح اللہ سے بھی شرم و حیا ضروری ہے۔'' بلکہ فرمایا کہ ''اس بارے میں اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اس سے شرم محسوس کریں۔''[2]

پھر فرمایا کہ نگاہیں نیچی رکھنا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ تصورِ حیات ہے۔ اس سے ذہن بڑی اُلجھنوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ سینکڑوں شکوک وشبہات کا احتمال اُٹھ جاتا ہے۔ سکونِ قلب میسر آجاتا ہے۔ افترا، بہتان اور تہمت کے مواقع پیدا نہیں ہوتے۔ لوگوں کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع نہیں مل سکتا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایمان کی پاکیزگی اور دین کی صفائی برقرار رہتی ہے۔

اس آیت کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے خبردار ہے۔ اس سے قلب ونظر کی کوئی حرکت اور اعضاء وجوارح کا کوئی فعل چھپایا نہیں جاسکتا۔ اس لیے احتیاط کی بڑی ضرورت ہے۔

ایمان دار مردوں کو مخاطب فرمانے کے بعد ایمان دار عورتوں کے لیے چند ضروری ہدایات نافذ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں، شرم و حیا سے کام لیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، البتہ جو حصہ مجبوری اور ضرورت سے کھلا رہے تو وہ معاف ہے۔ پھر فرمایا کہ مومن عورتیں اپنی اوڑھنیاں اس طرح لیا کریں کہ ان کے سینے اور قمیص کے گریبان بھی چھپ جائیں اور زینت کی چیزوں کو بھی چھپا کر رکھیں۔ جسم کا ہر وہ حصہ اور ہر وہ لباس اور زیور جو جاذبِ نظر یا باعثِ کشش ہو کر مردوں کے جنسی جذبات ابھارے، چھپائے رکھنا مقصود ہے۔ البتہ چلتے پھرتے، کام کاج کرتے یا خرید وفروخت کے وقت کوئی حصہ زینت کھلا رہے تو اس کی اجازت ہے۔[3]

---

[1] سنن أبي داود: ۴۰۱۷ وسنن الترمذي: ۲۷۶۹

[2] سنن أبي داود: ۴۰۱۲

[3] یعنی اگر کوئی حصہ زینت نادانستہ طور پر اچانک کھل جائے تو معاف ہے۔ عام حالات میں ہاتھ کھلے رہ جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک قول کے مطابق ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت نماز کی حالت میں ہے نہ کہ عام حالات میں، کیونکہ عورت کا سارا جسم قابلِ ستر ہے۔ خاوند کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اُسے دیکھے۔ ہاں کوئی مجبوری ہو جیسے علاج معالجہ تو اس کی اجازت ہے۔ (البیضاوي، التفسیر، النور: ۳۱)

پھر وہ رشتہ دار گن گن کر بتائے جن سے پردے کا اہتمام کرنا مشکل تھا۔ کیونکہ گھروں میں ان کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہے اور ان کا رشتہ اس قسم کا ہے کہ کسی قسم کے خدشے کا احتمال نہیں رہتا۔ ان لوگوں میں گھر کی لونڈیاں، کنیزیں، خادم، نوکر چاکر بھی شامل کر لیے کہ وہاں بھی کسی شک کا احتمال نہیں۔ پھر ایسے مرد جو بڈھے کھوسٹ ہوں یا مخنث وغیرہ کی قسم کے لوگ جو جنسیات کے تصور سے قطعاً محروم ہیں یا ان کے تمام جذبات بالکل ختم ہو چکے ہیں اور کسی قسم کی جنسی خرابی کا امکان نہیں تو ان سے بھی پردہ ضروری نہیں، یا ایسے چھوٹے بچے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے ان سے بھی پردہ نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

آیت: ۳۱ میں عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم الگ دیا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خاص تاکید منظور ہے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں کے لیے شرم و حیا کہیں زیادہ لازمی ہے۔ ہماری زبان کا تو محاورہ ہی بن گیا ہے کہ بہو بیٹی ہے شرم کی۔ شرم و حیا سے عورت کا وقار بڑھ جاتا ہے اور عفت و عصمت کا تصور زیادہ ابھر آتا ہے۔

اسی طرح زیادہ تاکید پیدا کرنے کے لیے عورتوں کو اس آیت میں الگ حکم دیا کہ وہ بھی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔ بے حیائی اور بدکاری سے بچیں۔ پھر ان تمام ذرائع کا سدّباب کر دیا جن سے بے حیائی اور بدکاری کے اُبھرنے اور پھیلنے کے مواقع پیدا ہو سکتے تھے۔ فرمایا کہ دیکھو! جسے تم اپنی اصطلاح میں زینت، بناؤ سنوار اور سج دھج کے نام سے یاد کرتے ہو، اس کا بھی عام اظہار اور نمائش ممنوع ہے۔ یہ بھی فرما دیا کہ بعض اوقات بر بنائے مجبوری کوئی حصہ نہ چھپ سکے یا ان کا چھپانا باعث تکلیف بے جا ہو تو پھر مؤاخذہ نہیں۔ اسی ضمن میں یہ حکم فرما دیا کہ دوپٹہ ہو یا چنّی اس کی بُکّل مار کر رکھو۔ اوڑھنی ہو یا چادر، جو کچھ بھی سر کا لباس ہو اسے اس طرح پہنو کہ اوڑھنی سر کے ساتھ سینے اور گریبان کا حصہ بھی چھپا لے۔

زینت میں کپڑے، شوخ رنگ، زیور، سج دھج، بناؤ سنوار، سب چیزیں شامل ہیں۔ فرمایا کہ زینت کی نمائش اور اظہار ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ البتہ ضرورت اور مجبوری کی بنا پر اگر کوئی حصہ کھلا رہے یا نظر آئے تو وہ قابلِ معافی ہے۔

یہ ہدایت دینے کے بعد فرمایا کہ اوڑھنی اور دوپٹہ اس طرح پہنو کہ سر کے ساتھ سینہ اور گریبان بھی بُکّل میں آ جائے۔ بعض اوقات گریبان کشادہ ہوتا ہے، چاکِ قمیص اتنا بڑا ہوتا ہے کہ گردن کے ساتھ سینے کا بہت سا حصہ نظر آتا ہے تو فرمایا: اوڑھنی اور دوپٹے سے سینے اور گریبان کو بھی ڈھانپ لیا کرو۔ اسلام نے ہر چند ان تمام اسباب کی روک تھام کی ضرورت محسوس کی ہے جن سے جذبات میں تحریک پیدا ہو سکتی تھی۔

بُکّل مارنے اور اوڑھنی لینے کے حکم کے بعد پھر نمائش زینت سے روکا اور تاکید کے ساتھ پھر کچھ لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ذہن ہموار ہوں اور ہوش و حواس برقرار ہوں تو پھر کسی قسم کے خدشے کا ان سے احتمال نہیں۔ بہرحال مقصود فتنے اور شر سے بچنا ہے اور معاشرے کو بے راہ روی اور گمراہی سے دور رکھنا ہے۔

احادیث میں بھی آنحضرت ﷺ نے نمائش زینت سے روکا ہے اور عورت کو پردے کا حکم دیا ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب عورت جوان ہو جائے تو پھر ہاتھوں اور چہرے کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئے۔'' [1] آنحضرت ﷺ نے باریک کپڑے کے بارے میں بھی بڑی احتیاط کا حکم دیا ہے اور ایسا کپڑا تو قطعاً ناپسند فرمایا ہے جس سے جسم نظر آتا ہو، بلکہ ایسے تنگ کپڑوں سے منع فرما دیا جن سے جسم کی بناوٹ اور ضخامت کی غمازی ہوتی ہو۔ [2] احادیث میں ثیابِ رقاق [3] اور لباس مُحاکات سے ممانعت کر دی ہے۔ [4]

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تو اپنی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمان کو باریک دوپٹہ پہننے سے ٹوک دیا کہ اُس سے گردن دکھائی دیتی تھی اور فرمایا: دوپٹہ اتنا موٹا ہونا چاہیے جس سے جسم کو صحیح معنوں میں ڈھانپا جا سکے۔ [5] ہمارے علمائے سلف نے تو چہرے اور ہاتھوں کے بارے میں بھی احتیاط کی روش اختیار کی۔ فرمایا کہ اگر چہرہ اور ہاتھ کسی فتنے اور شر کا موجب بنیں تو انھیں بھی چھپائے رکھو۔

ہر عورت کو معلوم ہے کہ کس کس سے کتنا کتنا پردہ ضروری ہے۔ ماں باپ اور جوان بہن بھائیوں کے مراتب میں فرق ہے۔ پھر وہ عزیز و اقارب جن کا قرآن نے نام لے لے کر ذکر کیا ہے، پردہ کرنے میں سب کے مراتب جُدا جُدا ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ ذمی (عیسائی اور یہودی) عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں نہانے سے منع کر دو۔ [6]

---

[1] سنن أبي داود: ۴۱۰۴
[2] صحیح مسلم: ۲۱۲۸
[3] صحیح مسلم: ۲۱۱۸۔ ثیاب رقاق سے مراد باریک اور تنگ لباس ہے۔
[4] صحیح البخاري: ۵۸۸۵۔ لباس محاکات سے مراد مردوں کے لباس کی عورتوں کے لباس سے مشابہت ہے۔
[5] مالک بن انس، الموطأ: ۵۷۳/۴ والبیہقي، السنن الکبریٰ: ۳۲۶۵
[6] عبدالرزاق، المصنف: ۳۴۳۱/۴ والبیہقي، السنن الکبریٰ: ۱۳۵۴۲

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہودی اور عیسائی عورتیں مسلمان عورتوں کو نہ دیکھیں۔ اسی طرح مشرک عورت کا حکم ہے، بہر حال اس مسئلے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ میں غلام، مملوک اور لونڈیاں سب شامل ہیں۔ اسلام کے جنگی قواعد اور حربی اصولوں میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب جنگ میں کافر قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں تو مسلمان ان جنگی قیدیوں کو اپنے گھروں میں رکھیں اور ان کو کھانے پینے اور پہننے کی تمام سہولتیں دیں۔ ایسے لوگ جب گھر میں رہیں گے اور گھر کے افراد بن کر رہیں گے، پھر انھیں گھر کے کام کاج میں بھی شریک ہونا ہے تو انھیں بھی قریبی رشتہ داروں کا درجہ دیا گیا۔ اسلام کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اُس نے جنگی قیدیوں کو مسلمانوں کے گھروں میں بسایا تاکہ وہ مسلمانوں کے صحیح عقائد اور اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام کے قریب آئیں اور پھر یہ کہ بحیثیت قیدی انھیں جیل میں نہیں ڈال دیا، یا الگ کیمپ میں نہیں رکھا بلکہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ قریب ترین رہ کر مسلمانوں کے عقائد، عبادات اور اخلاق کو دیکھیں۔ بہر حال انھیں بھی مراتب کے لحاظ سے گھر کے آدمیوں میں شامل کیا اور مستثناؤں کی فہرست میں رکھا۔[1]

اسی فہرست میں چھوٹے بچوں کو بھی شامل کیا کہ وہ ابھی جنسی اُونچ نیچ سے واقف نہیں، وہ بھی گھر کے اندر باہر بلاتکلف آجاسکتے ہیں اور وہ لوگ جو جنسی خواہشات سے بالکل محروم ہیں وہ بھی گھروں میں ضرورت سے آجائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ان تمام ہدایات کے بعد ایک اور ضروری امر کی جانب عورتوں کو توجہ دلائی، فرمایا کہ عورتوں کو چاہیے کہ جب چلیں تو چلتے ہوئے پاؤں زمین پر زور زور سے نہ ماریں تاکہ خلخال، پازیب یا کسی دوسرے زیور کی آواز پیدا نہ ہو۔ مقصد یہ کہ نظروں کو روکنے اور عزت و شرافت اور عفت و عصمت کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیا۔ پھر نمائش حُسن و زینت سے منع کر دیا۔ اب چلنے میں زیورات کھنکھنے سے روک دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے معاشرے میں بہت بڑا انقلاب پیدا کیا اور زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کو یک قلم منسوخ و موقوف کر دیا۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں لباس کے باوجود نیم عُریاں پھرتی تھیں۔ ان کے سینے کے حصے، بازو، پنڈلیاں نظر آتی تھیں۔ لباس پہن کر بھی جسم کی ساخت اور بناوٹ دکھائی دیتی تھی۔ اسلام نے نظر بازی اور دعوتِ نظر بازی کے تمام ذرائع مسدود قرار دیے۔

---

[1] قیدیوں کو گھروں میں رکھنے کی یہ حکمت قرآن کے اشارات سے بھی سمجھ آتی ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ ”اگر کوئی مشرک پناہ طلب کرے تو پناہ دو حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔“ (التوبۃ: ۹/ ۶)

آخر میں فرمایا کہ نہ جانے کب اور کون سا گناہ سرزد ہو۔ انسان سے لغزشیں ہو ہی جاتی ہیں۔ کوشش کے باوجود بھی خطاؤں سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے ہر وقت توبہ اور استغفار کرتے رہنا چاہیے اور مومن کی شانِ ایمان یہی ہے کہ وہ خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے۔ اس کا نتیجہ فلاح، کامرانی اور ظفر مندی ہے۔ توبہ کے دو بڑے فائدے ہیں: ایک تو گزشتہ گناہوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا جاتا ہے اور دوسرے آئندہ کے لیے گناہوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ‌ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۳۲﴾

اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا، خدا (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔

وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا‌ ۖ وَّاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ؕ وَلَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّـتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ؕ وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۳﴾

اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ خدا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کر لو اور خدا نے جو مال تم کو بخشا ہے اس میں سے ان کو بھی دو اور اپنی لونڈیوں کو، اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لیے انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرنا اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بے چاریوں) کے مجبور کیے جانے کے بعد خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے تمھاری طرف روشن آیتیں نازل کی ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کی خبریں اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت۔

آیات: ۳۲ تا ۳۴۔ تشریح الفاظ

اَنْكِحُوا: نکاح کر دو، شادی بیاہ کر دو۔ نَكَحَ يَنْكِحُ بمعنی شادی کرنا، نکاح کرنا۔ باب افعال، اَنْكَحَ يُنْكِحُ، کسی کا نکاح کرا دینا۔ اَنْكِحُوْا فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ تم نکاح کرا دو۔

اَيَامٰى: (واحد، اَيِّم) مجرد، مرد اور عورت دونوں کے لیے اَيَامٰى کا لفظ استعمال ہوتا ہے، خواہ وہ کنوارے ہوں یا رنڈوے، عام طور پر رانڈ کے لیے، ایسا مرد جس کی بیوی نہ ہو اور ایسی عورت جس کا خاوند نہ ہو۔

اَلصّٰلِحِيْنَ: (واحد، صَالِحٌ) صلاحیت رکھنے والے، نیک، بیوی کی ضروریات پوری کرنے کے لائق، حقوقِ زوجیت کی اہلیت رکھنے والے۔

عِبَاد: (واحد، عَبْدٌ) غلام، مملوک، نوکر چاکر۔

اِمَاء: (واحد، اَمَةٌ) لونڈیاں، باندیاں۔

وَاسِع: غنی، کشائش کا مالک۔

يُغْنِهِمُ: (يُغْنِ، هِمْ) اَغْنٰى يُغْنِيْ سے جواب شرط يُغْنِ۔ انھیں غنی کر دے گا۔

وَلْيَسْتَعْفِفْ: (وَ، لِ، يَسْتَعْفِفْ) اِسْتِعفَاف باب استفعال، عَفَّ يَعِفُّ سے عَفَاف، عِفَّت اور عفیف استعمال ہوتے ہیں۔ لِ برائے امر ہے اور چاہیے کہ وہ روکیں اپنے آپ کو، رک جائیں، پاکدامنی اور عفت اختیار کریں۔

يَبْتَغُوْنَ: اِبْتِغَاء، چاہنا۔ وہ چاہتے ہیں۔

لَا يَجِدُوْنَ: نہیں پاتے، یعنی وسائلِ نکاح اور مال و زر نہیں رکھتے۔

اَلْكِتَاب: بمعنی مکاتبت، غلام کو آزاد کرنا، آزادی۔

لَا تُكْرِهُوْا: تم مجبور نہ کرو۔

فَتَيَات: (واحد، فَتَاة) لونڈیاں۔

اَلْبِغَآءِ: بدکاری، زنا۔

اَرَدْنَ: اَرَادَ يُرِيْدُ سے جمع مؤنث غائب۔ وہ چاہیں۔

تَحَصُّنًا: عفت۔

تَعَفُّف: بچنا۔

لِتَبْتَغُوْا: تاکہ تم طلب کرو۔

عَرَض: مال و دولت، سامان، مراد ان کی کمائی اور بیع وِلاء۔

مُبَيِّنَاتٍ: مفصلات، ایسی آیات جو حلال و حرام کھول کر بیان کریں۔ شرعی حدود اور احکام کی صراحت کرنے والی۔

مَثَلًا: قصہ، خبر، حالات، وصف۔

خَلَوْا: گزر گئے۔

مفہوم و مطلب: بیواؤں سے نکاح کی فضیلت

گزشتہ آیات میں معاشرے کی ایک خرابی اور برائی کا ذکر کر کے اس کا صحیح علاج تجویز کیا اور جنسی بے راہ روی کے ہر امکان کی روک تھام کا طریقہ بتایا تھا۔ ان آیات میں اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے

اصلاحِ معاشرہ کے لیے ایک اور حکم نازل کیا، فرمایا: عورتیں اور مرد کنوارے ہوں یا بیوہ اور رنڈوے ان کے نکاح کرادو، اسی طرح تمھارے گھروں میں غلام اور لونڈیاں ہوں یا نوکر چاکر اور دیگر ملازمین، مرد ہوں یا عورتیں، جن میں نکاح کی استطاعت ہے اور جو حقوق زوجیت کی اہلیت رکھتے ہیں ان کی شادی بیاہ کا بھی خیال رکھو۔

آیت: ۳۲ میں تجرد کی زندگی سے روکا گیا اور اس کے مقابل ازدواجی زندگی کا حکم دیا گیا، کیونکہ تجرد کی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی برائیوں کے امکانات بہت زیادہ ہیں اور نکاح کے بعد بیشتر حالات میں وہ تمام خطرات اور برائیاں ختم ہو جاتی ہیں جو تجرد کی حالت میں معاشرے کی تباہی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ یہ برائیاں اور گمراہیاں شرفا اور اُونچے طبقے کے لوگوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کا شکار نچلے طبقے کے لوگ بھی ہو جاتے ہیں۔ گھروں میں پرانے وقتوں میں غلام اور لونڈیاں تھیں اور آج کے معاشرے میں نوکر چاکر اور خدام وحشم ہیں۔ ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان کی جنسی ضرورتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ جو لوگ نیک اور شادی بیاہ کے لائق ہوں ان کا بھی نکاح کردو۔

اسلام نے پوری انسانیت کے فطری جذبات، طبعی رجحانات اور جنسی میلانات کا ہر طرح خیال رکھا ہے۔ ذہن اور جسم کی آوارگی صرف اسی صورت میں دور ہوسکتی ہے کہ ہم قرآن مجید کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں اور معاشرے کی تشکیل اسلامی سانچوں کے مطابق کریں۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے نکاح ایسے اہم فریضے کو اتنی پابندیوں اور رسموں میں جکڑ رکھا ہے کہ عام کیا خواص کے لیے بھی اس فریضے کی ادائیگی وبالِ جان بن گئی ہے۔ وہ تقریب جو بڑی سادگی اور نہایت معمولی خرچ کی متقاضی تھی آج ہماری بدذوقی، عاقبت نااندیشی اور غیر اسلامی رواج کی پابندی کی بدولت ہزاروں مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہورہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں نوجوان عورتیں اور مرد نکاح کی غیر اسلامی رسوم ادا نہ کرسکنے کے باعث تجرد کی حالت میں زندگی کا بیشتر حصہ گزار دیتے ہیں جس کی وجہ سے جنسی گمراہی اور بے راہ روی بڑی تیزی اور کثرت سے پھیلتی ہے۔ اسلامی اقدارِ حیات کم ہو جاتی ہیں اور قوم و مِلت کسی نہ کسی عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نکاح کی تقریب کو بڑی سادگی سے ادا کیا جائے اور غیر اسلامی رسم و رواج کو یکسر ختم کردیا جائے اور تکلفاتِ نکاح کو مٹا دیا جائے، تاکہ معاشرہ زندگی اور آسائش کی لذتوں سے بہرہ مند ہوسکے۔

نکاح کی راہ میں اِفلاس و غربت اکثر رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ کشائش، دولت مندی اور

فراخی یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نکاح کے بعد ایسے اسباب مہیا کر دے کہ فقر وافلاس ختم ہو جائے اور میاں بیوی آسودگی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرد آدمی اپنی ساری آمدنی بے احتیاطی اور بے راہ روی میں صرف کر دیتا ہے، لیکن شادی بیاہ کے بعد وہی آمدنی مالداری اور خوشحالی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ انسان کے پاس کتنی ہی دولت کیوں نہ ہو حرام کاری کی وجہ سے برکت اُٹھ جاتی ہے اور صرف حلال میں اللہ تعالیٰ تھوڑے میں بھی برکت اور زیادت پیدا کر دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ لیا ہے کہ وہ اس آدمی کی مدد کرے جو عفاف و پاکدامنی کی خاطر نکاح کرتا ہے۔''[1]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو نکاح کی ذمہ داریوں کو اٹھا نہیں سکتے۔ اتنے مفلس اور قلاش ہیں کہ نہ اپنے کھانے پینے اور پہننے کے لیے کچھ ہے اور نہ بننے والی بیوی کے لیے روٹی کپڑے کی کفالت کر سکتے ہیں تو اس گروہ کے لیے فرمایا کہ یہ لوگ عفاف و پاکدامنی اختیار کریں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''تم میں سے شادی بیاہ کی طاقت رکھنے والے ضرور نکاح کریں، کیونکہ یہ نگاہ اور شرمگاہ کا نگہبان ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھا کرے، کیونکہ روزے سے جذبات نہیں ابھرتے۔''[2]

پھر فرمایا کہ تمھارے غلاموں میں سے جو آزادی چاہیں انھیں آزاد کر دو بشرطیکہ اس میں ان کا بھلا ہو۔

اسلام آزادی کا علمبردار ہے اور غلامی بالخصوص انفرادی غلامی کو یکسر مٹانا چاہتا ہے۔ جب صورت حالات یہ ہو کہ دشمنوں سے جنگ ہوئی، جنگ میں کچھ قیدی ہاتھ آئے، مسلمانوں نے انھیں اپنے گھروں میں رکھا۔ اب کچھ لوگ تو غلاموں کو ازخود آزاد کر دیتے ہیں۔ کچھ غلام گھروں میں رہائش پر قانع ہو جاتے ہیں اور کچھ آزادی پسند طبائع آزاد ہونا چاہتی ہیں۔ ایسی صورت میں فرمایا کہ اگر ان کے لیے آزادی اور غلامی سے چھٹکارا بھلائی اور فائدے کا موجب ہے تو تم انھیں ضرور آزاد کر دو۔ مقصد یہ ہے کہ تمھارے ہاں سے آزاد ہو کر روٹی کما کھانے اور اچھی زندگی بسر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو انھیں ضرور موقع دو۔

اس کا طریقہ یہ تھا کہ غلام کہتا کہ میں اتنی رقم مالک کو دوں گا۔ وہ اُسے اجازت دے دیتا کہ جاؤ کماؤ اور میری رقم بالاقساط ادا کرتے رہو۔ چنانچہ غلام محنت و مزدوری کر کے آہستہ آہستہ مکاتبت کی رقم ادا کر کے سرخرو

---

[1] سنن الترمذی: ۱۶۵۵ وسنن النسائی: ۳۱۲۰

[2] صحیح البخاری: ۵۰۶۵ وصحیح مسلم: ۱۴۰۰

اور آزاد ہو جاتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ”اللہ اس غلام کی مدد کرتا ہے جو آزادی کے لیے رقم کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو۔“[1] ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ جب غلام رقم ادا کر دے تو پھر اس کے ساتھ بھی حُسن سلوک کرو۔ فرمایا کہ مال اللہ کی دین ہے۔ اس میں سے آزاد ہونے والے غلام کو بھی دو۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جب وہ آزادی چاہے تو اس کی رقم میں تم بھی حصے دار بن کر اس کی امداد کرو۔ اسی لیے قرآنِ مجید نے دوسرے مقام پر غلاموں کے لیے زکوٰۃ میں بھی حصہ رکھا ہے۔ اگر مالک رقم مکاتبت میں تخفیف کر دے تو اور بھی بہتر ہے۔

اب ایک اور مسئلہ بیان کیا، فرمایا کہ اگر تمھاری لونڈیاں اور باندیاں عفاف اور پاکبازی کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں تو انھیں دُنیا طلبی کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ عربوں میں دستور تھا کہ لوگ اپنی لونڈیوں کی بدکاری کی کمائی کھاتے تھے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ عبداللہ بن اُبی کی دو لونڈیاں تھیں اور وہ ان کی بدکاری کی کمائی کھاتا تھا اور انھیں بدکاری پر مجبور کیا کرتا تھا۔ اُن لونڈیوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے تاکہ ان کی کمائی کھائیں۔ اسلام نے اس امر قبیح سے روک دیا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس حرام کاری اور حرام مال سے منع کر دیا۔[3]

شرافت اور عفت کا جوہر خدا نے ہر انسان میں ودیعت کر رکھا ہے۔ اگر طبیعت بالکل مسخ نہ ہو جائے اور دل سارا زنگ آلود نہ ہونے پائے تو ہر انسان بُرائی کی قباحت کو ضرور محسوس کرتا ہے۔ یہ لونڈیاں بھی اس گناہ کو گناہ اور جرم سمجھ کر ناپسند کرتی تھیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی مجبوری کی بنا پر یہ گناہ کر بیٹھے تو اسے توبہ کرنی چاہیے، اللہ ایسے مجبور اور حساس لوگوں کو ضرور معاف کر دیتا ہے بلکہ ان کی حالت پر رحم بھی کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تمھاری جانب مسائل کی صراحت اور وضاحت کرنے والی آیات نازل فرمائی ہیں تاکہ تمھیں مجلسی، اجتماعی اور معاشرتی احکام و آداب سے آگاہی ہو، ہم نے گزشتہ قوموں اور لوگوں کے قصے بھی اتارے ہیں تاکہ تم نصیحت اور عبرت حاصل کرو۔

---

[1] سنن الترمذی: ۱۶۵۵ و سنن ابن ماجہ: ۲۵۱۸

[2] صحیح مسلم: ۳۰۲۹

[3] القرطبی و ابن کثیر، التفسیر، النور: ۳۳

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے اور اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف، (ایسا معلوم ہوتا ہے) کہ اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ (بڑی) روشنی پر روشنی ہو رہی ہے، خدا اپنے نور سے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور خدا (جو مثالیں) بیان فرماتا ہے لوگوں کے سمجھانے کے لیے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

آیت: ۳۵۔ تشریح الفاظ

نُوْر: روشنی۔ یہاں نور بمعنی ذُوْنور استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب ہے: ''لِلّٰهِ نُوْرٌ'' مراد یہ ہے کہ اللہ زمین و آسمان یعنی کل مخلوق کا ہادی ہے۔ وہ کل کائنات کا روشن کرنے والا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ: اس کے نور کی مثال۔ مراد ہے کہ وہ دلائل ہدایت اور براہین رہنمائی جو اس نے آفاق میں پیدا کر رکھے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ نورِ ہدایت جو اللہ نے مومن کے دل میں پیدا کر دیا ہے۔

كَمِشْكٰوةٍ: کَ بمعنی طرح، جیسے، مانند، مثال۔ مِشْكَاة: شَكَا يَشْكُوْ شَكْوِی سے مِفْعَلَة کا وزن، بمعنی طاق، چراغ دان، دیا رکھنے کی جگہ۔

مِصْبَاح: (مادہ، صبح)۔ چراغ، دِیا۔

زُجَاجَةٍ: شیشہ، شیشے کی قندیل۔

كَوْكَبٌ: تارا۔

دُرِّيٌّ: چمکتا ہوا، روشن، موتی جیسی چمک رکھنے والا۔

يَكَادُ: كَادَ يَكَادُ۔ قریب ہے۔

يُوْقَدُ: وَقَدَ يَقِدُ بمعنی روشن ہونا، اَوْقَدَ يُوْقِدُ بمعنی روشن کرنا، يُوْقَدُ مجہول۔ روشن کیا جاتا ہے۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ: نہ شرقی نہ غربی۔ مراد یہ ہے کہ اگر صرف شرقی ہو تو آفتاب کی تمازت اور کرنوں سے کسی وقت محروم ہو جائے اور اسی طرح غربی ہو تو پھر بھی وہی کیفیت ہوگی۔ نہ شرقی نہ غربی کہہ کر مراد یہ لی کہ یہ درخت جو ایسی جگہ نشوونما پاتا ہے جو مشرق ومغرب کی قید سے آزاد ہے اور ہر وقت آفتاب کی روشنی سے بہرہ مند ہے اس لیے اس کے تیل کی روشنی زیادہ صاف اور نکھری ہوئی ہے۔

زَيْتُهَا: اس درخت کا تیل۔ زَيَّات: تیلی، تیل بیچنے والا۔ لَمْ تَمْسَسْ: نہ چھوئے۔

يُضِيءُ: اَضَاءَ يُضِيءُ اِضَاءَة، روشن ہو جائے، چمکنے لگے۔ اَلْاَمْثَالَ: (واحد، مَثَل) مثالیں۔

يَضْرِبُ: ضَرَبَ سے مضارع معروف، لفظی معنی مارنا، یہاں مراد ہے بیان کرتا ہے۔

مفہوم ومطلب: اللہ زمین وآسمان کا نور ہے

گزشتہ آیات میں اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں بہت سے احکام دیے اور مجلسی آداب واخلاق سکھائے تھے۔ اب آیت: ۳۵ میں فرمایا کہ جس طرح زمین وآسمان میں نور اور روشنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور جس طرح ساری کائناتِ ارضی وسماوی اس کے نور کی بدولت روشن ہے اسی طرح اُس خالق نے اپنی ہدایات اور دلائل وبراہین نازل فرمائے ہیں، تاکہ دنیا میں اہلِ ایمان ان دلائل کی روشنی میں راہِ عمل پر گامزن ہو سکیں۔

اس آیت میں ایک تمثیل بیان فرمائی کہ دیکھو! ایک چراغ طاق میں رکھا ہوا ہے۔ وہ چراغ شیشے کی قندیل میں ہے۔ شیشہ اتنا چمکدار، صاف اور شفاف ہے جیسے چمکتا ہوا روشن ستارہ، پھر اس چراغ کو روشن کرنے کے لیے جو تیل استعمال کیا جاتا ہے وہ زیتون کے ایک ایسے بابرکت درخت کا ہے جو کسی ایسے اُونچے پہاڑ پر نشوونما پا کر جوان ہوا ہے جہاں سورج کی روشنی کسی وقت بھی غائب نہیں ہوتی۔ وہ جگہ نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں۔ اس مبارک زیتون کا تیل اتنا صاف نکھرا ہوا اور چمکدار ہے کہ بغیر آگ کے روشن اور چمکدار ہے۔ یہ ایک روشنی نہیں بلکہ کئی روشنیاں جمع ہو گئی ہیں۔ یعنی روشن چمکدار تیل کی روشنی، شیشہ قندیل کی روشنی اور دیے کی روشنی۔ اس تمثیلِ قرآنی کی کئی توجیہات اور تاویلات بیان کی جاتی ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کے نور کی مثال دی ہے۔ مومن کے دل میں یہ نور اللہ نے عطا کیا ہے۔ مومن کا دل اس نور کا محل ہے اور مومن اس نور کو اللہ سے پانے والا ہے۔ یہ نور باعث ہدایت اور بتوفیقِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یوں سمجھیے:

الْمِشْكَاةُ: صدر مومن۔ یعنی مومن کا سینہ۔

الزُّجَاجَة: قلبِ مومن۔

اَلْمِصْبَاح: قلب مومن میں نورِ ایمان۔

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ: وحیِ الٰہی کا سلسلہ۔

الزَّيْت: وہ اعمالِ صالح جن سے نورِ ایمان تابندگی اور روشنی حاصل کرتا ہے۔

اس کی توضیح یوں ہوگی کہ مومن کا دل طبعی اور فطری طور پر روشنی سے معمور ہوتا ہے، وہ ہدایت وحی سے پہلے بھی صالح اور موحد ہوتا ہے، پھر وحیِ الٰہی آ کر قلب مومن میں اور روشنی پیدا کرتی ہے۔ یہ نورِ فطرت اور نورِ وحی جمع ہو کر نورٌ علٰی نور بن جاتے ہیں۔

شیشہ قندیل کی مانند قلبِ مومن میں بھی رقت، صفائی اور صلابت (یعنی سختی) موجود ہوتی ہے۔ مومن رحیم و محسن ہوتا ہے، وہ مخلوقِ خدا کی حالت پر رحم کرتا ہے، یہ رقت قلبی ہے۔ مومن کا دل صاف اور پاکیزہ ہے، اس میں مَیل کچیل نہیں۔ حقائق وعلوم کی صورتیں اس کے آئینہ دِل میں منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ مومن کے دل میں صلابت اور سختی بھی ہے۔ وہ میدان جنگ میں دین کے دشمنوں پر سختی کرتا ہے۔ راہِ حق میں اس کو لغزشِ پا کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا اور اللہ کے معاملے میں وہ ٹوٹ کر حق گوئی اور بے باکی کا ثبوت دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس نور کی توفیق بخشتا ہے۔ سب چیزوں کا آغاز وانجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ یہ مثالیں لوگوں کے سمجھنے کے لیے بیان کرتا ہے اور اسے ہر شے کا علم ہے۔

چونکہ سب سے پہلا اور سب سے عظیم مومن پیغمبر ہوتا ہے، اس لیے یہ مثال آنحضرت ﷺ پر بھی صادق آتی ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کا سینہ مبارک مشکاۃ ہے، جس میں دل زُجاجہ یا شیشہ قندیل ہے۔ اس دل میں نورِ نبوت اور وحیِ الٰہی مصباح ہے۔ یہ سلسلۂ وحی اور عقیدۂ توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ ﷺ کے خاندان میں چلا آتا ہے۔ یہ عقیدۂ توحید نہ شرقی ہے نہ غربی، یعنی اس عقیدۂ توحید میں نہ یہودیت کا رنگ ہے اور نہ عیسائیت کی ملاوٹ۔ آپ ﷺ خود نبوت سے پہلے بھی نیک عمل کرتے تھے، وحی والہام نے اور زیادہ نورِ ایمان پیدا کر دیا۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾

(وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کیے جائیں اور وہاں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾	وہ لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت، وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾	تاکہ خدا ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور جس کو چاہتا ہے خدا بے شمار رزق دیتا ہے۔

آیات: ۳۶ تا ۳۸۔ تشریح الفاظ

بُيُوْتٍ: (واحد، بَيْتٌ) لفظی معنی گھروں، مراد مساجد۔ اَذِنَ: حکم دیا۔

تُرْفَعَ: رَفَعَ سے مضارع مجہول، واحد مؤنث غائب۔ بلند کی جائیں، اونچی کی جائیں۔ مساجد کی تطہیر، صفائی، پاکیزگی اور تعظیم وتکریم بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ: لفظی معنی ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے، مراد قرآن مجید کی تلاوت ہے۔

يُسَبِّحُ: سَبَّحَ ماضی۔ تسبیح کرنا، سبحان اللہ کہہ کر اللہ کا ذکر کرنا، مراد ہے نماز پڑھنا۔

بِالْغُدُوِّ: (بِ، الْغُدُوِّ) صبح کے وقت۔ غُدُوٌّ صبح۔ الْآصَالِ: (واحد، اَصِيْلٌ) شام۔

لَا تُلْهِيْهِمْ: نہیں مشغول کرتی ان کو، نہیں غافل کرتی ان کو (لَا، تُلْهِيْ، هِمْ) تُلْهِيْ، مادہ لَهْو، لَهَا يَلْهُوْ لَهْوًا بمعنی غافل ہونا، کسی کام میں لگ جانا، باب اِفعال اَلْهٰى يُلْهِيْ غافل کر دینا۔ مضارع منفی، واحد مؤنث غائب۔

ذِكْرِ اللّٰهِ: ذکر الٰہی، نماز، دعوت ذکر یعنی اَذان بھی مراد ہوسکتی ہے۔

يَخَافُوْنَ: وہ ڈرتے ہیں۔ يَوْمًا: مراد یوم قیامت۔

تَتَقَلَّبُ: پھر جائیں گی، بدل جائیں گی، الٹ جائیں گی۔ يَزِيْدَ: زَادَ يَزِيْدُ۔ زیادہ کرے۔

لِيَجْزِيَهُمْ: (لِ، يَجْزِيَ، هُمْ) تاکہ بدل دے ان کو، جزا دے ان کو۔

يَشَآءُ: شَآءَ ماضی۔ چاہے، چاہتا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کا جملہ ہم روز استعمال کرتے ہیں۔

مفہوم و مطلب: مساجد اور نماز کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نور مسجدوں میں روشن ہوتا ہے۔ مساجد اللہ کے گھر ہیں۔ ان کو پاک صاف رکھو۔ ان مسجدوں میں اللہ کے نیک بندے اپنے دلوں میں نورِ ایمان پیدا کرنے کے لیے بمطابق حکم الٰہی ذکر و فکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ صبح و شام یعنی نماز پنجگانہ مسجدوں میں بطورِ فریضہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ایسے نیک بندے ہیں کہ جب اذان سنتے ہیں تو فوراً مسجد میں حاضری دیتے ہیں اور زکوٰۃ کا وقت آتا ہے تو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ انھیں کوئی کاروبار اور کسی قسم کی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ ان کے دلوں میں خوفِ خدا موجود ہے۔ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں قیامت کے دن ہم گرفتارِ عذاب نہ ہو جائیں۔ قیامت کے ہولناک مناظر ان کے سامنے رہتے ہیں، جبکہ دل اور آنکھیں پھر جائیں گی۔ ان کی نیکی، فرماں برداری اور اطاعت شعاری کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انھیں بڑا اچھا صِلہ اور اجر دے گا، بلکہ ان کے اعمال سے بھی زیادہ دے گا۔ یہ اس کا خاص فضل و کرم ہوگا۔ وہ ایسا بے نیاز اور قدر دان مالک ہے کہ جسے چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

ان آیات میں دو تین چیزوں کی طرف اشارات ہیں:

الف۔ آیت: ۳۵ میں جس نورِ ایمان کا ذکر کیا گیا تھا یہاں اس کے حصول کے ذرائع بتائے ہیں۔ اللہ کے ایسے نیک بندے مسجدوں میں ذکرِ الٰہی، نماز اور تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا تھا کہ صرف ایمان دار ہی مسجدوں کو آباد کرتے ہیں۔[1] ان نیک بندوں کی خوبی ذکر فرمائی کہ وہ صبح ہو یا شام، تھکے ہوئے ہوں یا تر و تازہ، کاروبار میں مشغول ہوں یا سفر میں، ہر حالت میں وہ مسجدوں میں پہنچ کر نمازیں ادا کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی سُستی اور غفلت نہیں کرتے۔ جزا و سزا پر اِن کا ایمان ہے اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرتے ہیں۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں بڑا درجہ اور مرتبہ ہے۔

ب۔ فرمایا کہ مساجد کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ اللہ کے گھر ہیں۔ ان میں گندگی اور غلاظت بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ مسجدوں کو صاف سُتھرا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مسجدوں میں بے ہودہ باتیں اور کاروبار، لین دین بالکل منع ہے۔ یہ تو صرف اللہ کے ذکر اور عبادت کے لیے ہیں۔

احادیث و آثار میں مساجد کی بڑی فضیلت آئی ہے:

[1] التوبہ: ۹/ ۱۸

۱۔ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں۔ جس طرح آسمان کے تارے دنیا والوں کے لیے روشن ہیں اسی طرح مساجد آسمان والوں کے لیے روشن ہوتی ہیں۔ [۱]

۲۔ جس نے اپنے مال سے مسجد بنائی اللہ اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔ [۲]

۳۔ جس نے مسجد کو پاک صاف رکھا اللہ اس کے لیے بھی جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

۴۔ مسجدوں کی صفائی اور تعظیم و تکریم ضروری ہے۔ [۳]

۵۔ بدبودار چیز بالخصوص لہسن و پیاز کھا کر مسجد میں آنا منع ہے۔ [۴]

۶۔ مسجد میں کسی کو بھی ہاتھ یا زبان سے اذیت یا تکلیف نہ پہنچانا چاہیے۔ [۵]

۷۔ مسجدیں صرف نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی کے لیے ہیں۔ [۶]

۸۔ مسجدوں میں لغو اور بے ہودہ باتیں بالکل ناجائز ہیں۔ [۷]

۹۔ مسجدوں میں خرید و فروخت منع ہے۔ [۸]

۱۰۔ اونچی آواز سے بولنا بھی احترامِ مسجد کے منافی ہے۔ [۹]

۱۱۔ مسجدوں میں آنے جانے کے آداب ہیں، انھیں ملحوظ رکھنا چاہیے۔ داخل ہوتے ہوئے: ’’اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ‘‘ (اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔) پڑھے۔ نکلتے ہوئے: ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ‘‘ (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں) پڑھے۔ [۱۰] داخل ہوتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے۔ نکلتے ہوئے پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے۔ [۱۱]

---

[۱] نور الدین، السیرۃ الحلبیۃ: ۱/ ۳۰۶

[۲] صحیح البخاري: ۴۵۰ و صحیح مسلم: ۵۳۳

[۳] سنن أبي داود: ۴۵۵ و سنن الترمذي: ۵۹۴

[۴] صحیح البخاري: ۸۵۳ و صحیح مسلم: ۵۶۱

[۵] صحیح البخاري: ۷۰۷۴ و صحیح مسلم: ۲۶۱۴

[۶] صحیح مسلم: ۲۸۵ و سنن ابن ماجہ: ۵۲۹

[۷] صحیح البخاري: ۷۰۴ و صحیح مسلم: ۲۸۵

[۸] سنن أبي داود: ۱۰۷۹

[۹] صحیح بخاري: ۴۷۰

[۱۰] صحیح مسلم: ۷۱۳ و سنن أبي داود: ۴۶۵

[۱۱] البیہقي، السنن الکبریٰ: ۴۳۲۲ و الالبانی، السلسلۃ الصحیحۃ: ۲۴۷۸

اگر جماعت کھڑی ہونے میں وقت ہو تو دو رکعت پڑھ کر بیٹھے۔[۱]

۱۲۔ مسجدوں میں دیے جلانے اور روشنی کا اہتمام کرنے کا بڑا اجر ہے۔ مسجدوں میں روشنی کرنے والوں کے لیے فرشتوں کی دعائیں اور استغفار شامل حال ہوتا ہے۔[۲]

۱۳۔ مسجد میں نماز باجماعت کا ثواب ستائیس گنا ہے۔[۳]

۱۴۔ مسجد کی طرف ہر قدم کے بدلے درجے ملتے ہیں۔[۴]

۱۵۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد جماعت کا انتظار بھی باعث اجر وثواب ہے۔[۵]

۱۶۔ نماز پڑھنے کے بعد اپنی جگہ پر مسجد میں بیٹھے ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی وجہ سے فرشتے نمازی کے لیے دعا مانگتے ہیں: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْهُ، اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْهِ''[۶] (اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم کر اور اس کی توبہ قبول فرما۔)

۱۷۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مسجدیں متقی لوگوں کا گھر ہیں۔''[۷] یعنی وہ ہر وقت مسجد میں رہتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی) ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور خدا ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا دے اور خدا جلد حساب کرنے والا ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ

یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے بحر عمیق[۸]

۱۔ سنن الترمذی: ۳۱۶

۲۔ الہندی، کنز العمال: ۲۰۷۶۷۔ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔

۳۔ صحیح البخاری: ۶۴۷ و صحیح مسلم: ۶۴۹

۴۔ صحیح البخاری: ۶۴۷ و صحیح مسلم: ۶۵۴

۵۔ صحیح البخاری: ۶۵۱ و صحیح مسلم: ۲۵۱

۶۔ صحیح البخاری: ۴۴۵ و صحیح مسلم: ۶۴۹

۷۔ الہیثمی، مجمع الزوائد: ۲۰۲۶ والالبانی، السلسلة الصحیحة: ۷۱۶

۸۔ یعنی گہرے سمندر میں۔

مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰٮهَا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ﴿۴۰﴾	میں اندھیرے جس پر لہر چلتی ہو اور اس کے اوپر اور (لہر آرہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو، غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک چھایا ہوا، جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ بھی نہ دیکھ سکے، جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں مل سکتی۔

آیات: ۳۹ تا ۴۰۔ تشریح الفاظ

كَسَرَابٍ: كَ بمعنی مانند، سَرَاب جو دور سے مسافر کو پانی دکھائی دیتی ہے۔

بِقِيۡعَةٍ: ب بمعنی میں، قِيۡعَةٍ بمعنی میدان چٹیل میدان۔ الظَّمۡاٰنُ: پیاسا آدمی۔

يَحۡسَبُ: مضارع، واحد مذکر غائب۔ گمان کرتا ہے، سمجھتا ہے۔ بَحۡرٍ: سمندر۔

فَوَفّٰىهُ: (فَ، وَفّٰىهُ) پورا پورا دے دیتا ہے، یعنی اس کے اعمال کا بدلہ اسے پورا پورا دے دیتا ہے۔

كَظُلُمٰتٍ: كَ بمعنی مانند، ظُلُمٰتٍ بمعنی اندھیرے، تاریکیاں (واحد، ظُلۡمَةٌ)۔

لُجِّيٍّ: لُجَّةٌ کی طرف نسبت، یعنی موجوں والا، مراد گہرا، عمیق، جہاں پانی بکثرت ہو، یعنی بحر بے پایاں۔

يَغۡشٰىهُ: غَشِيَ ماضی۔ ڈھانپ لیتا ہے، چھپا لیتا ہے، چھا جاتا ہے۔ سَحَاب: بادل۔

لَمۡ يَكَدۡ: كَادَ يَكَادُ سے۔ نہیں قریب، نہیں ممکن، یعنی اتنا سخت اندھیرا ہے کہ اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا ہے، وہ اپنا ہاتھ بھی دیکھ نہیں پاتا۔

مفہوم ومطلب: کفار کے اعمال رائیگاں ہیں

پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کی حالت بیان فرمائی تھی کہ وہ دُنیا میں اللہ کے نور سے ہدایت پاکر زندگی بسر کرتے ہیں اور آخرت میں اللہ کی رحمت اور فضل وکرم ان کے شامل حال ہوگا۔ اب پیش نظر دو آیتوں میں کفار کا حال بیان کیا، فرمایا کہ ان کے اعمال گھاٹے اور نقصان کا موجب ہیں۔ آخرت میں ان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کی کیفیت وحالت بتانے کے لیے ایک مثال دی، فرمایا کہ صحرا اور چٹیل میدان میں دوپہر کی تپش اور شدت کی گرمی میں ایک آدمی پیاس محسوس کرتا ہے اور وہ پیاسا پانی کی تلاش میں حیران اور

سرگرداں پھرتا ہے۔ کہیں دور فاصلے پر اُسے پانی نظر آتا ہے، جب وہ اُس کے قریب پہنچتا ہے تو کفِ افسوس ملتا ہے کہ یہ تو پانی نہیں بلکہ سَراب ہے۔ اسی طرح کافر اپنے اعمال پر تکیہ کیے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے اعمال ان کی نجات کا ذریعہ بن جائیں گے۔ فرمایا کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ وہ فریب خوردہ پیاسے کی طرح حسرت اور افسوس کریں گے۔

پھر فرمایا: ان کا چھٹکارا یہیں نہیں ہونے کا بلکہ وہ اللہ کا عذاب اپنے سامنے دیکھ لیں گے اور اللہ بھی انھیں چھوڑنے کا نہیں۔ اُس نے جزا و سزا کے جو وعدے کر رکھے ہیں وہ پورے کرے گا اور ہر آدمی کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ اللہ سے کوئی شخص بھی بچ نکلنے کا نہیں۔ وہ جلدی اور تیزی سے حساب لینے والا ہے۔ جو لوگ خُدا کی توحید، آنحضرت ﷺ کی رسالت اور آخرت کے عقیدے پر ایمان نہیں رکھتے وہ اپنے گمان اور خیال میں کتنی بھی نیکیاں کیوں نہ کریں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت سمجھانے کے لیے ایک اور مثال دی کہ جس طرح بڑے گہرے سمندر میں موجیں اُٹھ رہی ہوں، اس ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر میں ایک موج کے اوپر دوسری موج نمودار ہو جاتی ہو، پھر ان موجوں کے اوپر بادلوں کے جُھرمٹ ہوں تو یہ ایک اندھیرا نہیں، بلکہ کئی اندھیرے جمع ہو گئے، ایسے سخت اندھیرے میں آدمی کو اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا بھلا وہ اور کیا چیز دیکھ سکتا ہے؟!

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعمال کو اندھیروں سے تشبیہ دی ہے۔ کافروں کے دل گہرے سمندر ہیں، ان کے دلوں پر جہالت و تعصب اور کفر و شرک کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں۔ ان موجوں کے اوپر گمراہی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اب ان کے دل اتنے گہرے پردوں اور تاریکیوں میں ایمان کی روشنی اور توحید کے نور سے کس طرح بہرہ مند ہو سکتے ہیں؟! کافروں کے حصے میں تین اندھیرے قطعی ہیں: اعتقاد کی تاریکی، قول کی تاریکی اور عمل کی تاریکی۔

بعض کے نزدیک کفار کے لیے قلب و نظر اور کانوں کی تاریکی مراد ہے۔ بہر حال عقیدے اور قول و عمل کی کئی تاریکیاں ہیں جن میں کفار مبتلا ہیں، نور ایمان کی کوئی کرن وہاں تک کیسے پہنچے؟!

آخر میں فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق رفیق حال نہ ہو، ایمان و ہدایت نصیب نہیں ہو سکتے۔ مختصر یہ کہ جس طرح جسمانی زندگی کے لیے روح ضروری ہے اور روح کے بغیر جسم مردہ ہوتا ہے اسی طرح روح اور قلب کی زندگی نور ایمان سے ہے اور نورِ ایمان وحی الٰہی اور اِتباع رسول ﷺ سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لیے قرآن و سنت کی روشنی ناگزیر اَمر ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ﴿۴۱﴾	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں سب خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی؟ سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب خدا کو معلوم ہے۔
وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ﴿۴۲﴾	اور آسمان اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے لیے ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آیات: ۴۱ تا ۴۲۔ تشریح الفاظ

اَلَمۡ تَرَ: اَ بمعنی کیا، حرف استفہام، لَمۡ نفی انکار، بمعنی نہیں۔ تَرَ اصل میں تَرٰی تھا، رَاٰی یَرٰی سے بمعنی دیکھنا۔ تَرٰی، تو دیکھتا ہے، لَمۡ کی وجہ سے ی گرگئی ہے، کیا تو نے غور نہیں کیا۔

يُسَبِّحُ: تسبیح بیان کرتا ہے۔ صَلَاتَهٗ: دعا، نماز، تسبیح۔

اَلطَّيۡرُ: پرندے۔ طَائِرٌ، ایک پرندہ، جمع طُيُوۡر، طَيۡر کا لفظ جمع جنس ونوع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

صٰٓفّٰتٍ: (صَفّ سے) ہوا میں پر پھیلائے ہوئے۔ مُلۡكُ: بادشاہت، حکومت۔

اَلۡمَصِيۡرُ: صَارَ يَصِيۡرُ بمعنی ہو جانا۔ لوٹنا، پھرنا، مرجع۔

مفہوم ومطلب: زمین وآسمان کی ہر مخلوق اللہ کی تسبیح کرتی ہے

گزشتہ آیات میں مومنوں کی حالت بیان کرنے کے بعد کافروں کی حالت بیان کی۔ اب فرمایا کہ آسمانوں میں بسنے والے فرشتے اللہ کے حضور میں تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح زمین پر بسنے والے مومن بھی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں۔ مومنوں کے علاوہ زمین کی ہر شے اور ہر مخلوق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور پرندے جو ہوا میں پر پھیلائے مصروف پرواز ہوتے ہیں وہ بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ہر مخلوق جو تسبیح و صلاۃ کہتی ہے اس نے اپنی تسبیح وصلاۃ کے انداز اللہ تعالیٰ سے سیکھے ہیں۔ ہر مخلوق کو اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ساری کائنات کے کاموں سے خوب واقف ہے۔ کسی مخلوق کا کوئی فعل اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ پوشیدہ کیسے رہ سکتا ہے؟ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق، مالک اور بادشاہ ہے۔ اس کی حکومت اور بادشاہت سے کوئی باہر نہیں ہے اور مرنے کے بعد بھی کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا، بلکہ سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝٤٣	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے اور ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل سے مینہ نکل (کر برس) رہا ہے اور آسمان میں جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے تو جس پر چاہتا ہے اس کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے اور بادل میں جو بجلی ہوتی ہے اس کی چمک آنکھوں کو (خیرہ کر کے) بینائی کو اُچک لیے جاتی ہے۔
يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝٤٤	اور خدا ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے، اہلِ بصارت کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔

آیات: ۴۳ تا ۴۴۔ تشریح الفاظ

يُزْجِيْ: زَجَا يَزْجُوْ سے، اَزْجٰى يُزْجِيْ بمعنی جانور وغیرہ کو نرمی سے ہانکنا، آہستہ چلانا۔ یعنی وہ جس طرف چاہتا ہے بآسانی چلاتا ہے۔

يُؤَلِّفُ: اَلَّفَ يُؤَلِّفُ تَالِيْفًا۔ جمع کرتا ہے، بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا کرتا ہے۔

يَجْعَلُهٗ: اسے بناتا ہے۔ **رُكَامًا:** تہ بہ تہ، ایک دوسرے کے اوپر، اکٹھا، مجتمع، اوپر نیچے۔

الْوَدْقَ: بارش، مینہ۔ **يَخْرُجُ:** نکلتی ہے، باہر آتی ہے۔

جِبَال: (واحد، جَبَل) پہاڑ۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ پہاڑ آسمان میں ہیں۔ دوسروں کے خیال میں بڑے ٹکڑے جو پہاڑوں جیسے لگتے ہیں۔

خِلَالِ: (واحد، خَلَل) درمیان، اندر۔ **بَرَدٍ:** اولے، ژالہ۔

يُصِيْبُ: تکلیف اور نقصان پہنچاتا ہے، یعنی کھیتوں، جانوروں اور مال و دولت کو نقصان پہنچاتا ہے۔

بِهٖ: اولوں کے ذریعے۔ **يَصْرِفُهٗ:** پھیر دیتا ہے اسے، ہٹا دیتا ہے اسے۔

سَنَا: ضو، روشنی، چمک۔ **بَرْقِ:** بجلی۔

يَذْهَبُ بِهٖ: اچک لے جائے، لے جائے۔ **يُقَلِّبُ:** وہ پلٹتا ہے، پھیرتا ہے۔

أُولِي الْأَبْصَارِ: اَهْلُ الْعُقُوْلِ وَالْبَصَائِرِ۔ صاحب عقل وبصیرت۔

مفہوم ومطلب: اللہ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل و براہین ذکر کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو (اور آپ کی وساطت سے ساری اُمت کو) مخاطب فرمایا کہ آپ نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے مینہ برساتا ہے تو یہ بارش کہاں سے آجاتی ہے؟ فرمایا کہ کس قدرت کاملہ کے ساتھ وہ بادل بناتا ہے، سمندروں سے بخارات پیدا کرتا ہے، وہ بخارات بلند ہو کر فضا میں جمع ہونے لگتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ہوا چلاتا ہے جو بادلوں کو آہستہ آہستہ ہانکتی ہے۔ بادلوں کے مختلف ٹکڑوں کو وہی جمع کرتا ہے۔ اسی کے حکم سے بادل اوپر تلے تہ بہ تہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اِن بادلوں سے پانی برستا ہے۔ کبھی اَولے پڑتے ہیں یا پہاڑوں پر برف باری ہوتی ہے۔ بڑے بڑے پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے یوں معلوم ہوتے ہیں کہ پہاڑ برف ہی کے بنے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بارش سے فائدہ پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے نقصان پہنچاتا ہے۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ کبھی بارش باعث رحمت ہوتی ہے اور کبھی باعث ہلاکت وزحمت۔

اللہ کی قدرت ملاحظہ ہو کہ انھی بادلوں سے بجلی اور بجلی کی چمک پیدا ہوتی ہے جسے دیکھنے کی آنکھیں تاب نہیں رکھتیں۔ پانی سے بجلی اور برقی قوت کا پہلا تصور قرآن مجید نے پیش کیا کہ پانی سے بھرے ہوئے بادل بجلی اور برقی قوت پیدا کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری قدرت اور وحدانیت کی یہ دلیل بھی ہے کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے۔ کبھی رات بڑی، کبھی دن بڑا۔ کبھی سردی کا موسم، کبھی گرمی کا۔ یہ سب انقلابات دیدۂ عبرت ہیں اور اہلِ خرد کے لیے سامانِ موعظت ونصیحت رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾	اور خدا ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں سے چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں سے چلتے ہیں، خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت:۴۵۔ تشریح الفاظ

خَلَقَ: مضارع یَخْلُقُ۔ اُس نے پیدا کیا۔

دَآبَّۃ: دَبَّ یَدُبُّ، بمعنی رینگنا، چلنا۔ مراد جاندار، حیوان۔

یَّمْشِیْ: ماضی مَشٰی۔ چلتا ہے۔

بَطْنِ: پیٹ۔

رِجْلَیْنِ: دو پاؤں (واحد، رِجْل)۔

اَرْبَعَ: چار۔

مفہوم ومطلب: قدرت الٰہی پر مزید دلائل

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور توحید پر ایک اور دلیل پیش کی۔ فرمایا کہ تم دُنیا میں مختلف قسم کی مخلوق دیکھتے ہو۔ ان سب کا خالق اللہ ہے اور ان جانداروں کی پیدائش پانی سے ہے۔ اس کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ تمام حیوانات کی پیدائش قطرۂ آب کی رہینِ منت ہے اور اسی نظام کے تحت اللہ تعالیٰ نے نظامِ تخلیق جاری کر رکھا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہماری اور باقی تمام جانداروں کی زندگی میں پانی کو بڑا دخل ہے۔ زندگی کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ ہماری خوراک، ہمارا ساز و سامان، ہمارے کارخانے غرضیکہ ہر چیز جو ہماری اور جانداروں کی زندگی میں ممد و معاون ہے اس کا کوئی نہ کوئی تعلق پانی سے ضرور ہوتا ہے۔[1] پھر پانی دُنیا کی تمام چیزوں سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾[2] ''اس کا عرش پانی پر تھا۔'' بجلی، آگ، ہوا سب کا وجود پانی کا رہینِ منت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف جانداروں کی شکل وصورت کی طرف توجہ دلائی کہ دیکھو! کچھ جاندار ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، ان کی ٹانگیں اور پاؤں نہیں، جیسے سانپ اور مچھلی۔ بعض مخلوق دو ٹانگوں پر چلتی ہے، جیسے انسان، پرندے اور بعض حیوانات چار پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے چوپائے اور درندے۔

پھر فرمایا: اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اس طرح ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑوں اور سطحِ زمین پر یا زیرِ زمین بسنے والی مخلوق کا ذکر فرمادیا۔ اصل مقصود یہ ہے کہ ان سب چیزوں کی پیدائش پر غور کرو اور خالق کائنات کی قدرت، حکمت اور تدبر دیکھو کہ کس طرح مختلف قِسم کی چیزیں پیدا کرتا ہے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا۔ پانی سے مراد نطفہ ہے یا عام پانی، کیونکہ زندگی کا انحصار اس پر ہوتا ہے۔ (البیضاوی، التفسیر، النور:۴۵)

[2] ہود:۱۱/۷

قرآن مجید کا اسلوب ملاحظہ ہو، فرمایا کہ ساری کائنات کا خالق اللہ ہے اور یہ وہ دعویٰ ہے کہ اب تک کسی اور نے نہیں کیا، کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ فلاں فلاں چیز کا خالق اللہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے اور نہ کبھی کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے مخلوقات کا یہ یہ حصہ یا شعبہ بنایا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾	ہم ہی نے روشن آیتیں نازل کی ہیں اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

آیت:۴۶۔ تشریح الفاظ

اَنْزَلْنَا: ہم نے اتاریں۔ جمع متکلم۔ یَهْدِیْ: وہ راہ دکھاتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔

صِرَاطٍ: راستہ۔

مُسْتَقِیْمٍ: سیدھا (مادہ قوم) قَامَ یَقُوْمُ سے باب استفعال اِسْتَقَامَ یَسْتَقِیْمُ۔

مفہوم ومطلب: نزولِ قرآن کا مقصد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ قرآن مجید نازل کیا۔ اس میں واضح دلائل و براہین ہیں۔ اس قرآن میں حلال وحرام کی تمیز کرنے کے لیے مسائل کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ اس مقدس کتاب میں رشد و ہدایت کے احکام بڑی وضاحت کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ اب راہِ حق کی تلاش کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ سے رابطہ قائم کریں، کیونکہ ہدایت کی توفیق بھی وہی دیتا ہے اور اُسے دیتا ہے جو دل میں تڑپ رکھتا ہو۔ یہ سیدھی راہ وہی ہے جس کی توفیق طلب کرنے کا سبق سورۃ الفاتحہ میں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ ''ہمیں سیدھا راستہ دکھا'' کہہ کر سکھایا گیا تھا۔ یہ سیدھی راہ دِین اسلام کی راہ ہے، کتاب وسنت کا طریق ہے اور یہ وہی راستہ ہے جس پر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم گامزن تھے اور یہی راہ کامیابی اور جنت کی ضامن ہے۔

وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾	اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور رسول پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فرقہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ صاحب ایمان ہی نہیں ہیں۔

وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب ان کو خدا اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (رسول خدا) ان کا قضیہ چکا دیں تو ان میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے۔

وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور اگر (معاملہ) حق ہو (اور) ان کو (پہنچتا) ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں۔

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا (یہ) شک میں ہیں یا ان کو یہ خوف ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان کے حق میں ظلم کریں گے؟ (نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب خدا اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور (یہ) خدا کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو (سب) گھروں سے نکل کھڑے ہوں، کہہ دو کہ قسمیں مت کھاؤ، پسندیدہ فرمانبرداری (درکار ہے) بے شک خدا تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

کہہ دو کہ خدا کی فرمانبرداری کرو اور رسول خدا کے حکم پر چلو، اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو ان کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمھارے ذمے ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۵۴﴾ چلو گے تو سیدھا رستہ پالو گے اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکامِ خدا کا) پہنچا دینا ہے۔

آیات: ۴۷ تا ۵۴۔ تشریح الفاظ

اَطَعْنَا: ہم نے اطاعت کی، یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی۔

يَتَوَلّٰى: اعراض کرتا ہے، یعنی منہ موڑ لیتا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے۔

فَرِيْقٌ: ایک گروہ، مراد منافقین۔

دُعُوْا: دَعَا يَدْعُوْ سے ماضی مجہول، جمع مذکر غائب۔ بلائے جاتے ہیں۔

لِيَحْكُمَ: تاکہ وہ (یعنی رسول ﷺ) فیصلہ کرے۔ مُعْرِضُوْنَ: اعراض کرنے والے، منہ موڑنے والے۔

لَهُمْ: ان کے حق میں۔ اَلْحَقُّ: فیصلہ۔

مُذْعِنِيْنَ: اَذْعَنَ يُذْعِنُ اِذْعَانًا، سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے، اطاعت کرتے ہوئے، حکم مانتے ہوئے۔

اَمْ: یا۔ اِرْتَابُوْا: مادہ رَيْب سے باب افتعال۔ شک کیا اُنھوں نے۔

يَحِيْفَ: حَافَ يَحِيْفُ۔ جور و ظلم کرنا، ناانصافی کرنا۔

يَخْشَ: اصل میں يَخْشٰى تھا، خَشِيَ سے مضارع، ی کے گرنے سے يَخْشَ رہ گیا۔ ڈرے (گزشتہ گناہوں کے بارے میں)۔ يَتَّقْهِ: (يَتَّقِ، ہ) اس سے ڈرے (آئندہ نافرمانی کرنے سے)

اَلْفَآئِزُوْنَ: (واحد، فَائِز) کامیاب ہونے والے۔ فَازَ يَفُوْزُ فَوْزًا سے اسم فاعل، یعنی جنت حاصل کرنے والے اور دوزخ سے بچ جانے والے۔

جَهْدَ: انتہائی، مقدور بھر، طاقت بھر، پورے زور سے، یعنی وہ پورے زور سے قسمیں کھاتے ہیں، بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں۔ اَقْسَمُوْا: قسم کھائی اُنھوں نے۔

اَيْمَانِ: (واحد، يَمِيْن) قسمیں۔ اَلْبَلَاغُ: تبلیغ، پہنچا دینا، سنا دینا۔

حُمِّلَ: ماضی مجہول، واحد مذکر غائب۔ حَمَلَ يَحْمِلُ سے بمعنی اٹھانا۔ بوجھ ڈالا گیا (اس پر فرمانبرداری اور اطاعت کا)۔ اَلْمُبِيْنُ: ظاہر، واضح، کھلم کھلا۔

مفہوم و مطلب: منافقین کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: منافق لوگ جان بوجھ کر راہِ ہدایت پر گامزن نہیں ہوتے۔ چونکہ

ان میں صراط مستقیم پر چلنے کی کوئی تڑپ نہیں، اس لیے وہ بھٹکے ہوئے ہیں اور ان کے الفاظ اور اعمال میں تضاد اور اختلاف ہے۔ ان کی زبانیں ان کے دلوں کی ترجمانی نہیں کرتیں۔ زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی۔ اس اقرار کے بعد وہ حق و صداقت کی راہ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقت میں ایمان دار نہیں۔

یہ منافقین کا گروہ ایسا ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسولِ خدا ﷺ ان کے جھگڑوں کو چکانے کے لیے صحیح صحیح فیصلہ کر دیں تو ان میں ایک فریق اعراض اور روگردانی کرتا ہے۔ فرمایا کہ ان منافقوں کا ذہن ملاحظہ کریں کہ اگر فیصلہ ان کے حق میں ہو اور ان کے مخالفوں کے خلاف ہو تو ماننے کے لیے بڑی جلدی تیار ہو جاتے ہیں اور فوراً سر جھکا دیتے ہیں۔ یہ جذبہ اطاعت شعاری پر مبنی نہیں بلکہ خود غرضی اور نفس پرستی پر مبنی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زجر و توبیخ کے لیے استفہامی انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا دین کے معاملے میں شک کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی رسالت و نبوت پر ان کا پورا اور سچا ایمان نہیں؟ یعنی دونوں چیزیں ہیں۔ یہ نفاق کی بیماری میں مبتلا ہیں اور رسالت محمدی پر ایمان بھی نہیں رکھتے۔ یا ان کو ڈر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ان کے ساتھ بے انصافی کریں گے؟ فرمایا کہ نہیں نہیں! اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اللہ کے رسول ﷺ کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان منافقوں نے حق سے اعراض کیا، اس لیے خود ظالم بنے اور عدل و انصاف سے یکسر محروم ہو گئے۔

آیت ﴿وَإِذَا دُعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾ کی شانِ نزول یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک منافق بِشر نامی اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین کے معاملے میں جھگڑا ہو گیا۔ یہودی کہنے لگا کہ آؤ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فیصلہ کرا لیں۔ منافق بد باطن اور جھوٹا تھا، اس نے اس بات سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ کعب بن اشرف سے فیصلہ کرائیں گے۔ بہر حال دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

یہ بھی روایت ہے کہ جب یہودی کے حق میں فیصلہ ہوا تو منافق اس فیصلے پر مطمئن نہ ہوا اور وہ اس یہودی کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ یہودی نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس مقدمے کا فیصلہ رسولِ خدا ﷺ میرے حق میں فرما چکے ہیں لیکن یہ نہیں مانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے پوچھا کہ

[1] القرطبی، التفسیر، النور:۴۸

کیا یہ بات درست ہے؟ وہ بولا: جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو وہاں ٹھہرایا، خود گھر کے اندر گئے، تلوار لاکر منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے پر رضا مند نہیں ہوتا اس کا فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے۔ [1]

منافقوں کے ذکر کے بعد مومنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اطاعت شعار اور فرماں بردار ہیں۔ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ آنحضرت ﷺ ان کا جھگڑا چکا دیں اور ان کے تنازعات کا فیصلہ کر دیں تو وہ اس دعوت کے جواب میں ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' کہتے ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں اور فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں اور پیغمبر خُدا ﷺ کے فیصلے کو مان کر عملی جامہ پہناتے ہیں۔ فرمایا: جن لوگوں میں یہ جذبۂ اطاعتِ رسول موجود ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ کے ہر فیصلے کے سامنے جھک جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے ہر حکم پر عمل پیرا ہوتے ہیں، یہی لوگ فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

پھر اور وضاحت اور تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اور رسول خدا ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں اور کیے ہوئے گناہوں کے سلسلے میں دل میں اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور آئندہ اللہ سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہی لوگ حقیقت میں فائز اور کامیاب ہیں۔ انھیں خوفِ خُدا اور تقویٰ کے بدلے جنت ملے گی۔ جنت کا حصول ہی حقیقی فلاح اور کامیابی ہے اور دوزخ کے عذاب سے انھیں بچا لیا جائے گا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جسے آگ سے بچا لیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔

پھر منافقوں کی طرف توجہ فرمائی اور ان کے کرتوتوں میں سے جھوٹی قسموں کا ذکر فرمایا کہ وہ بہت جھوٹے ہیں۔ بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں۔ پورے زور سے اللہ کا نام لے کر حلف اٹھاتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ ہمیں حکم دیں کہ اعدائے اسلام سے جہاد اور جنگ کے لیے نکلیں تو ہم ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ حلف اٹھانے کی ضرورت نہیں، تمھاری فرمانبرداری جانی بوجھی شے ہے۔ تمھارا عمل تمھارے دعوؤں کی تردید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ ''طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ'' کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ تمھاری قسموں اور خالی دعوؤں کی ضرورت نہیں، بلکہ ضرورت تو تمھاری اطاعت اور فرمانبرداری کی ہے جس سے تم بالکل تہی دامن ہو۔

---

[1] السیوطی، الدر المنثور، النساء: ٦٠۔ اس واقعے کی استنادی حیثیت کمزور ہے۔

اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیں کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کرو۔ کتاب وسنت کی پیروی کرو اور اگر تم نے ماننے سے انکار کر دیا، روگردانی کی اور حق سے پھر گئے تو پھر آپ پر اس کا کوئی بار نہیں۔ اس کا سارا بوجھ تمھاری گردن پر ہوگا۔ نبی ﷺ کو تبلیغ کا حکم ہے، آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام بطریق احسن پہنچا دیا، لیکن تمھارا بھی ایک فرض تھا، وہ یہ کہ تم پیغمبر کی باتوں کو سُنو اور اس پر غور کرو، اکیلے اکیلے اور مل کر۔ اسی طرح تمھاری گردن پر تمھارے اعمال کا بوجھ ہے۔ تم سے بھی سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے پیغمبر ﷺ کی باتوں کو سُن کر دل میں جگہ دی اور ان پر عمل کیا؟ اگر تم اطاعتِ پیغمبر کے جذبے سے تہی دامن ہو تو پھر تمھاری خیر نہیں۔

اس کے بعد کامیابی اور فلاح کا ایک سنہری اصول بیان فرما دیا کہ ﴿اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ یعنی اگر تم نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تو تم ہدایت پالو گے۔ نبی ﷺ کسی پر جبر نہیں کر سکتے اور نہ یہ آپ کے منصب میں داخل ہے۔ آپ تو حق سنا دیتے ہیں صاف اور کھلے لفظوں میں۔ آپ کی رسالت میں اور آپ کے کلام و پیغام میں کوئی جھلک نہیں۔ کھری، صاف اور واضح بات کہہ دینا آپ کا کام ہے، کوئی مانے نہ مانے اس سے آپ کو کوئی تعلق نہیں۔ اگر آپ کی بات مان کر کوئی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے آمادہ ہو جائے تو سبحان اللہ! بالآخر سب لوگ اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے اور وہ سب کے کاموں سے باخبر ہے۔ ہر ایک کا حساب لے کر صحیح صحیح فیصلہ کرے گا۔

ان آیات میں دو چیزوں پر خاص زور دیا:

۱۔ اللہ کے ہاں ایمان اور عمل صالح کی قدر و منزلت ہے۔ زبانی اعتقادات اور خالی دعوے کوئی شے نہیں ہیں۔ منافق لوگ جو کہتے ہیں کرتے نہیں۔ زبان سے اقرار کر لیتے ہیں عمل سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔

۲۔ مومنوں کی روش کو سراہا گیا کہ وہ جذبہ اطاعت رسول ﷺ سے سرشار ہیں اور یہی راز ہے اِن کی کامیابی کا۔

مرکزی نقطہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت موجب فلاح و کامرانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے منصب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا کام کھلے بندوں، واضح الفاظ میں اللہ کے پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ یہ اللہ کا پیغام قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔ اگر کسی شخص نے پیغمبر ﷺ کی

اطاعت کر لی تو اس کی کامیابی اور ہدایت یقینی اور لازمی امر ہے۔ یعنی ہدایت اور فلاح و کامرانی کے لیے اطاعتِ رسول ﷺ کو ضروری ٹھہرا دیا۔ اطاعتِ رسول کے بغیر ہدایت ناممکن ہے اور جب ہدایت حاصل نہ ہو تو پھر کامیابی کیسی؟

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۵۵	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

آیت: ۵۵۔ تشریح الفاظ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ: (لَ، يَسْتَخْلِفَ، نَّ، هُمْ) لَ برائے قسم مضمر، یستخلف، مادہ خلف، استخلف باب استفعال۔ خلیفہ بنائے گا، حکومت عطا کرے گا، سلطنت اور ملک کا وارث ٹھہرائے گا۔ نَّ برائے تاکید بمعنی ضرور۔ یعنی اللہ انھیں ضرور حکومت اور ملک عطا کرے گا۔

وَعَدَ: يَعِدُ، عِدَةً۔ وعدہ کیا۔ مِنْ قَبْلِهِمْ: ان سے پہلے، یعنی بنی اسرائیل۔

لَيُمَكِّنَنَّ: (لَ، يُمَكِّنَ، نَّ) ضرور مضبوطی سے قائم کرے گا۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ: (اس حالت میں کہ) وہ خالص میری عبادت کریں گے۔ الْفٰسِقُوْنَ: نافرمان۔

مفہوم و مطلب: مسلمانوں کا زمین پر خلافت قائم کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدی ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ ان کے ایمان، خلوص اور عمل صالح کی جزا میں اللہ انھیں زمین پر بادشاہت اور حکومت ضرور عطا کرے گا۔ اللہ اس سے پہلے بنی اسرائیل اور دوسری نیک قوموں کو بھی حکومت عطا کرتا رہا ہے۔ دوسرا وعدہ یہ فرمایا کہ اللہ نے اسلام کو بطورِ دین پسند فرمایا ہے اور

یہی دین اُمت محمدی ﷺ کے لیے پسند کیا ہے۔ درحقیقت اللہ کے ہاں ایک ہی دین ہے اور وہ ہے اسلام، تو فرمایا کہ اللہ اپنے پسندیدہ دین کو بھی مضبوطی سے قائم کردے گا اور اس دین کو استحکام اور استقلال بخشے گا۔ یہ دین اسلام رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور مدینے کے مسلمان جو کبھی کبھار خوف محسوس کرتے ہیں یا پہلے کبھی خوف کی زندگی بسر کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن وسلامتی میں تبدیل کردے گا۔

حکومت کا عطا کرنا، دین کا استحکام اور امن و امان کا قیام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ لیکن مسلمانوں پر یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرائیں، نہ عقائد میں، نہ عبادات میں۔ پھر فرمایا کہ ان احسانات اور انعامات کے بعد جو کوئی انکار اور ناشکری کرے گا وہ نافرمان اور دین کی حدود کو توڑنے والا ٹھہرے گا۔

سب سے پہلے اس آیت کے مصداق حضرات صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ کا یہ وعدہ ہمیشہ کے لیے اور ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ہے۔ اللہ نے بارہا یہ وعدہ پورا کیا، لیکن مسلمانوں نے شرائط پوری نہ کیں۔ نافرمان بن گئے اور موعودہ انعامات سے محروم ہو گئے۔ کائنات اور دُنیا کی حکومت کا وعدہ آج بھی قائم ہے بشرطیکہ ہم اپنے عقائد اور اعمال میں ایک انقلاب پیدا کریں اور صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں۔ خالص اللہ کی عبادت کریں۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں تو یہ وعدہ ہم سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔

ایک اعتبار سے اللہ نے وعدہ پورا کیا بھی ہے کہ ہمیں پاکستان عطا کیا، اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم صحیح طور پر مسلمان بن جائیں۔ خالص اللہ کی عبادت کریں اور ہر قسم کے جلی یا خفی شرک کو چھوڑ دیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾	نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾	جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے متعلق اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کر دیں گے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

آیات: ۵۶ تا ۵۷۔ تشریح الفاظ

اَقِيْمُوْا: اَقَامَ يُقِيْمُ سے فعل امر۔ قائم کرو۔

لَا تَحْسَبَنَّ: حَسِبَ یَحْسَبُ سے فعل نہی حاضر۔ تو گمان نہ کر۔

مُعْجِزِیْنَ: عاجز کرنے والے۔ عَجَزَ یَعْجِزُ سے (باب افعال اعجاز ہے)۔ معجزہ اسی سے نکلا ہے۔

مَاْوٰی: اسم ظرف۔ ٹھکانا۔ بِئْسَ: برا۔

مفہوم و مطلب: نماز اور زکوٰۃ کا حکم

ان آیات میں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اللہ کی رحمتوں کے حصول کے ذرائع ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے نبی! کافروں کے متعلق یہ گمان نہ رکھیے کہ وہ اللہ کو عاجز کردیں گے۔ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ نے تو خود انھیں ڈھیل دے رکھی ہے۔ جب یہ چند روزہ زندگی گزار کر آگے جائیں گے تو وہاں ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت ہی بھیانک جگہ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾	مومنو! تمھارے غلام، لونڈیاں اور جو بچے تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے تین دفعہ (یعنی تین اوقات میں) تم سے اجازت لیا کریں، (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے دوپہر کو) جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور تیسرے عشاء کی نماز کے بعد، (یہ) تین (وقت) تمھارے پردے (کے) ہیں، اُن کے (آگے) پیچھے (یعنی دوسرے وقتوں میں) نہ تم پر کچھ گناہ ہے نہ ان پر کہ (کام کاج کے لیے) ایک دوسرے کے پاس آتے رہتے ہو۔ اس طرح خدا اپنی آیتیں تم سے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور خدا بڑا علم والا حکمت والا ہے۔
وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ	اور جب تمھارے لڑکے بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہیے جس طرح ان سے اگلے (یعنی بڑے آدمی) اجازت حاصل کرتے رہے ہیں،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٩﴾	اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے اور خدا بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔
وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٦٠﴾	اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی وہ کپڑے اتار (کر سر ننگا کر) لیا کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں اور اگر اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور خدا سنتا جانتا ہے۔

آیات: ۵۸ تا ۶۰۔ تشریح الفاظ

لِيَسْتَاْذِنْكُمُ: مادہ اِذن بمعنی اجازت، باب استفعال، اِسْتَئْذَنَ يَسْتَئْذِنُ اِسْتِئْذَانًا بمعنی اجازت طلب کرنا۔ اِذن مانگنا۔ لِ برائے امر، چاہیے کہ تم سے اجازت مانگیں۔

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: مِلک یمین، لفظی معنی جن کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہیں۔ مراد غلام اور لونڈیاں۔

لَمْ يَبْلُغُوْا: نہیں پہنچے۔ — اَلْحُلُمَ: بلوغ، جوانی، سن تمیز و عقل۔

مَرّٰتٍ: (واحد، مَرَّةٌ) اوقات، مرتبہ، دفعہ۔ — حِيْنَ: جس وقت، جب۔

تَضَعُوْنَ: وَضَعَ يَضَعُ سے، مضارع، جمع مذکر حاضر۔ تم اتارتے ہو۔

ثِيَابَ: (واحد، ثوب) کپڑے، لباس۔ — اَلظَّهِيْرَةِ: دوپہر (بالخصوص موسم گرما میں)

عَوْرٰتٍ: پردے، یعنی پردے کے اوقات۔ — جُنَاحٌ: گناہ۔

طَوّٰفُوْنَ: آتے جاتے رہتے ہیں، پھرتے پھراتے رہتے ہیں۔

اَلْقَوَاعِدُ: (واحد، قَاعِدٌ) بوڑھی عورتیں، بالخصوص ایسی بوڑھی عورتیں جو ماہواری اور اولاد سے رہ گئی ہوں۔
عربی میں بعض الفاظ تائے تانیث کے بغیر مؤنث استعمال ہوتے ہیں اور ان الفاظ کا اطلاق ان معنوں میں مرد کے لیے نہیں ہوتا، جیسے حاملہ عورت کو حَامِل کہتے ہیں، حائضہ کو حَائِض، اسی طرح قَاعِد ایسی بوڑھی عورت جو جذبۂ جنسیت سے محروم ہوگئی ہو۔

اَلّٰتِيْ: (واحد، اَلَّتِيْ) بمعنی وہ جو۔

یَضَعْنَ: وَضَعَ سے مضارع، جمع مؤنث غائب۔ وہ اتارتی ہیں۔

ثِیَابَهُنَّ: اپنے کپڑے، مراد اوپر کے کپڑے، جیسے دوپٹہ، اوڑھنی، چادر وغیرہ۔

مُتَبَرِّجَاتٍ: زینت، حُسن اور سنگار کی نمائش کرنے والیاں، (واحد، مُتَبَرِّجَةٌ) تبرُّج کے لفظی معنی ہیں کہ جسم کے ان حصوں یا چیزوں کو ظاہر کرنا جنھیں چھپانا مقصود ہے۔ پھر یہ لفظ زینت و آرائش کی نمائش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی وہ بوڑھی عورتیں اگر دوپٹہ یا اوڑھنی وغیرہ سر سے اتار کر الگ رکھ دیں یا کندھوں پر ڈال لیں تو اس سے مقصد نمائش حُسن و جمال اور اظہار زینت و آرائش نہ ہونا چاہیے۔

یَسْتَعْفِفْنَ: (مادہ، عفف) اِسْتِعْفَافٌ سے مضارع، جمع مؤنث غائب۔ وہ بچیں، پرہیز کریں۔ احتیاط کریں۔ یعنی اگر چادر، دوپٹہ یا اوڑھنی وغیرہ اتار پھینکنے سے بچیں تو زیادہ احتیاط کی بات ہے اور اس میں بہتری ہے۔

مفہوم ومطلب: گھر میں داخل ہونے کے آداب

گزشتہ آیات میں مختلف مقامات پر معاشرتی اور مجلسی آداب سکھائے تھے۔ پچھلی آیت میں اللہ کی رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ قیامِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول ﷺ کو قرار دیا۔ ان آیات میں پھر چند ایسے آداب سکھائے جن سے معاشرے کو سکون و راحت اور شرم وحیا نصیب ہوتے ہیں۔

ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمھارے آرام و راحت اور جسمانی و روحانی سکون کے لیے کچھ اوقات مقرر ہیں۔ یعنی نماز فجر سے پہلے، پھر دوپہر کا وقت کہ سخت گرمی کے موسم میں تم دوپہر کے وقت قیلولہ کرتے ہو اور ذرا ستانے کے لیے لیٹ جاتے ہو اور تیسرا وقت نمازِ عشاء کے بعد رات کو سونا چاہتے ہو۔ یہ تین وقت ایسے ہیں جب کہ تم ہر طرح کا سکون اور علیحدگی چاہتے ہو۔ ان اوقات میں تمھارے غلام اور لونڈیاں، نوکر چاکر تمھارے پاس بلا اجازت نہ آنے پائیں۔ اسی طرح تمھارے عزیز واقارب اور دوسرے بچے جو سن بلوغ کو نہیں پہنچے[1] وہ بھی ان اوقات ثلاثہ میں تمھیں ملنے کے لیے اجازت طلب کریں۔ البتہ ان اوقات کے بعد انھیں اجازت لینے کی پابندی نہیں کیونکہ وہ تو بضرورت گھر کے اندر باہر کھلم کھلا آتے جاتے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ وہ جب چاہیں آئیں جائیں، انھیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ ہاں! جب بچے بھی بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اندر آنے کے لیے اجازت مانگا کریں جس طرح کہ دوسرے لوگوں کو

[1] اس سے مراد بڑے بچے ہیں جو بلوغت کو تو نہیں پہنچے لیکن باشعور ہیں۔

اجازت مانگنے کا حکم ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی دیکھو کہ تمھاری سہولت اور آسائش کے پیش نظر وہ ہر بات کھول کر واضح طور پر بیان کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ مہربانی کیا کم ہے کہ اس نے ہماری ہر ضرورت کا خیال رکھا ہے، ہمارے طبعی رجحانات اور جذبات کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ یہ تخلیہ اور پھر سکون تخلیہ کے لیے کتنے اچھے احکام و آداب بتا دیے ہیں اور ہماری معاشرت ہر لحاظ سے مکمل ہو گئی ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن دوپہر کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آرام کر رہے تھے، وہ انصاری جوان آپ کے کمرے میں جا گھسا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ناپسند کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگر اس بارے میں کوئی حکم نازل ہوتا تو بہتر تھا۔[1]

اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی مرشد رضی اللہ عنہا کا ایک جوان نوکر ان کے پاس ایسے وقت آ گھسا جبکہ انھیں اس کا آنا پسند نہ تھا۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے نوکر اور خادم ایسی حالت میں ہمارے پاس آ جاتے ہیں کہ ان کا آنا ہمیں پسند نہیں ہوتا۔[2]

معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں بغیر اجازت داخل ہونے کا عام رواج تھا اور وہ اس بات کی پروا نہیں کرتے تھے کہ کوئی کس حال میں ہے، ملنے کے لیے چلے جاتے۔

قرآن مجید میں یہ آیات نازل فرما کر حکم دیا کہ صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد نوکر چاکر اور سمجھدار لڑکے بھالے بغیر اجازت کمروں کے اندر داخل نہ ہوں۔ جب بچے بھی بالغ ہو جائیں تو وہ بھی عام لوگوں کی طرح گھر میں داخل ہونے کے لیے حسبِ دستور اجازت مانگیں۔

فرمایا کہ چونکہ جوان عورتوں کو گھر کے باہر اور گھر کے اندر بھی پردہ مقصود ہے اس لیے آنے جانے کے اوقات اور اجازت کے آداب بیان فرما دیے۔ اسی ضمن میں یہ فرمایا کہ ایسی بوڑھی عورتیں جو بیاہ شادی کے بالکل قابل نہیں رہیں اور جن کی جنسی حس ختم ہو چکی ہے اپنے گھروں کے اندر اوڑھنی اور دوپٹے کی قسموں کے لباس کو اتار کر الگ رکھ دیں اور مقصد زینت و آرائش کی نمائش نہ ہو تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر احتیاط برتیں تو بہتر ہے۔ اسلام نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ عورتیں لباس اور اظہار آرائش کے معاملے میں بڑی احتیاط برتیں۔ بوڑھی عورتیں بھی محتاط رہیں اور معاشرے میں کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے جس سے

[1] القرطبی والرازی، التفسیر، النور: ۵۸
[2] البغوی، التفسیر، النور: ۵۸

طبیعت مچل سکے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ تمھاری کوئی بات اور کوئی عمل بلکہ نیت تک اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔

معاشرے کی اصلاح کا بہت سا بوجھ اور ذمہ عورتوں پر بھی ڈالا گیا ہے۔ اگر عورتوں کا تعاون حاصل نہ ہو تو پھر ساری اصلاحات اور احکام کی پابندی اکارت چلی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے معاشرتی آداب میں عورتوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے اور انھیں آداب سکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آج بھی ہمارا معاشرہ ﴿ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ﴾ کا شکار ہے اور اس کا مداوا صرف قرآن و حدیث کی اطاعت میں مضمر ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾	نہ تو اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر اور نہ خود تم پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اس گھر سے جس کی کنجیاں تمھارے ہاتھ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (اور اس کا بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا جدا جدا، اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں کو) سلام کیا کرو (یہ) خدا کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے، اس طرح خدا اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

آیت:۶۱۔تشریح الفاظ

لَيْسَ: (فعل ناقص) نہیں ہے۔ الْاَعْمٰى: اندھا۔
حَرَجٌ: گناہ۔لفظی معنیٰ تنگی۔ الْاَعْرَجِ: لنگڑا۔
اَعْمَامِ: (واحد، عَمٌّ) چچا۔ عَمّٰتِ: (واحد، عَمَّةٌ) پھوپھیاں۔
اَخْوَالِ: (واحد، خَالٌ) ماموں۔ خٰلٰتِ: (واحد، خَالَةٌ، خالہ) خالائیں۔
مَفَاتِحَ: (واحد، مِفْتَاحٌ) چابیاں۔ جَمِيْعًا: اکٹھے، مل کر۔
صَدِيْقِ: (جمع اور واحد حتیٰ کہ مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے) دوستوں۔ مراد تمھارے دوستوں کے گھروں سے۔
اَشْتَاتًا: الگ الگ، اکیلے اکیلے، (واحد، شَتّ، شَتِيْت)۔ فَسَلِّمُوْا: (فَ، سَلِّمُوْا) بمعنی سلام کہو۔
عَلٰى اَنْفُسِكُمْ: اپنے گھر والوں پر۔ تَحِيَّةً: تسلیم و دعا، دعا و سلام۔

مفہوم ومطلب: کسی کے گھر کھانا کھانے کے آداب

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[1] (یعنی ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ) نازل فرمائی تو مسلمان عزیز و اقارب کے ہاں سے کھانے پینے میں احتیاط کرنے لگے، اس پر یہ اجازت دے دی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ کسی جنگ کے لیے نکلتے تو بعض اپنے گھروں کی چابیاں معذور یعنی اندھوں، لنگڑوں یا بیماروں کے سپرد کر جاتے۔ یہ معذور لوگ مکانوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتے، لیکن وہاں سے کھانے پینے میں پرہیز کرتے۔ بعض کو تکلیف بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی کہ جو اندھے، لنگڑے اور بیمار معذور ہیں، جنگ میں شرکت نہیں کر سکتے، ان کو اور ہر تندرست و توانا آدمی کو بھی اجازت ہے کہ وہ اپنے گھروں سے، اپنے والدین کے گھروں سے، بھائیوں کے گھروں سے، بہنوں کے گھروں سے، چچاؤں کے گھروں سے، پھوپھیوں کے گھروں سے، ماموؤں کے گھروں سے، خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی وہ رکھوالی کرتے ہیں اور ان گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں یا دوستوں کے گھروں سے کھائیں، اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں۔[2]

---

[1] النساء:۴/۲۹
[2] القرطبی و ابن کثیر، التفسیر، النور:۶۱

قرآنِ مجید نے اس جگہ بیٹوں کے گھروں کا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹے کی ہر چیز باپ کی ہے: ((اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ))[1] یعنی "تو اور تیری ہر چیز تیرے باپ کی ہے۔" اس لیے بیٹے مِنۡ بُیُوۡتِکُمۡ میں داخل ہیں۔

پھر ایک اور رخصت کا ذکر کیا، فرمایا کہ تم پر اس بات میں بھی کوئی تنگی اور گناہ نہیں کہ اگر چاہو تو اکٹھے مل کر کھاؤ اور چاہو تو الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ۔ عرب کے بعض قبائل کی عادت تھی کہ جب تک ساتھ کھانے والا نہ مل جاتا کھانا نہ کھاتے۔ ان کے ہاں اکیلے کھانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مروّت، جوانمردی اور شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ ساتھ کچھ مہمان ضرور ہوں۔ عربوں میں یہ بھی دستور تھا کہ بعض لوگ اندھوں، لنگڑوں اور بیماروں کے ساتھ بیٹھ کر اکٹھے کھانا اچھا نہ جانتے تھے، بلکہ بعض اپنی ذلت سمجھتے۔ قرآنِ مجید عالمگیر کتاب ہے، اس لیے اس نے عالمگیر اصول وضع کیے ہیں۔ رخصت دے دی اور فرمایا کہ چاہو تو اکٹھے کھاؤ اور چاہو تو اکیلے اکیلے، الگ الگ کھاؤ۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک اور ضروری ثقافتی مسئلہ بتایا کہ جب گھروں میں آؤ تو گھر والوں کو سلام کہو، یہ گھر والے تمھارے اپنے ہی تو ہیں۔ تمھاری ہی زندگی کا سہارا ہیں۔ اگر تم گھر والوں کے لیے دعائے رحمت و سلامتی کرتے ہو تو یہ دعائے سلامتی تمھارے اپنے ہی لیے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم اپنے گھر والوں کو سلام کہو، تمھارے گھر میں سلام خیر و برکت کی کثرت کا موجب ہے جس طرح غیروں کو سلام کہنا نیکیوں میں اضافے کا موجب ہے۔ سلام کو اللہ کے ہاں بابرکت اور پاکیزہ قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ اس طرح کھول کھول کر تمھیں آیات بتاتا ہے کہ تم عقل مند بن کر سمجھ سوچ سکو کہ حق بات کیا ہے اور بہتر طریق کون سا ہے اور یہ کہ عقل و خرد تمھارے لیے سعادتِ دارین کا موجب بن سکے۔

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ	مومن تو وہ ہیں جو خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان
وَرَسُوۡلِهٖ وَاِذَا كَانُوۡا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمۡرٍ	لائے اور جب کبھی ایسے کام کے لیے جو جمع ہو کر کرنے
جَامِعٍ لَّمۡ يَذۡهَبُوۡا حَتّٰى يَسۡتَاۡذِنُوۡهُ ؕ اِنَّ	کا ہو پیغمبر خدا کے پاس جمع ہوں تو ان سے اجازت لیے
الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ	بغیر چلے نہیں جاتے (اے پیغمبر!) جو لوگ آپ سے
يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ فَاِذَا	اجازت حاصل کرتے ہیں وہی خدا پر اور اس کے رسول پر

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۱

اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾

پر ایمان رکھتے ہیں، سو جب یہ لوگ آپ سے کسی کام کے لیے اجازت مانگا کریں تو اُن میں سے جسے چاہا کرو اجازت دے دیا کرو اور ان کے لیے خدا سے بخشش مانگا کرو، کچھ شک نہیں کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بے شک خدا کو یہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں۔ تو جو لوگ آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے (ایسا نہ ہو) کہ ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۖ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

دیکھو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے جس (طریق) پر تم ہو وہ اسے جانتا ہے اور جس روز لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو لوگ جو عمل کرتے رہے وہ ان کو بتا دے گا اور خدا ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

آیات: ۶۲ تا ۶۴۔ تشریح الفاظ

إِنَّمَا: (حرف حصر) محض، صرف۔ لَمْ يَذْهَبُوا: نہیں جاتے۔

أَمْرٍ جَامِعٍ: ایسا اہم معاملہ جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے، مثلاً جہاد یا جنگ، کسی دینی مصلحت کے لیے، تدبیر و مشورہ کی خاطر اجتماع وغیرہ۔ أَمْرٍ جَامِعٍ میں نماز و خطبہ جمعہ، خطبہ عید وغیرہ کو بھی بعض نے شامل کیا ہے۔

يَسْتَأْذِنُوهُ: میں ہٗ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں، یعنی (یہاں تک کہ) آپ ﷺ سے اجازت لے لیں۔

شَأْنٍ: کام، ضرورت، حاجت۔ فَأْذَنْ: پس تو اجازت دے۔

لَا تَجْعَلُوْا: تم نہ بناؤ۔ دُعَاء: بلانا، پکارنا۔

يَتَسَلَّلُوْنَ: (مادہ، سَلَلَ) سَلَّ بمعنی چوری کرنا۔ باب تَفَعُّل۔ کھسک جانا، وہ چپکے سے نکل جاتے ہیں۔

لِوَاذًا: (مادہ، لوذ) لَاذَ يَلُوْذُ لِوَاذًا وَلَوْذًا۔ کسی کی اوٹ لے کر، پوشیدہ طور پر، چھپ کر، کسی کی پناہ لے کر۔

فَلْيَحْذَرِ: پس چاہیے کہ وہ ڈریں، بچیں۔

يُخَالِفُوْنَ: نافرمانی کرتے ہیں، مخالفت کرتے ہیں، روگردانی اور اعراض کرتے ہیں۔

عَنْ اَمْرِهٖ: بَعْدَ اَمْرِهٖ۔ آپ کے حکم کی، لیکن بعض مفسرین کا خیال ہے کہ عَنْ زائد ہے۔

تُصِيْبَهُمْ: اَصَابَ يُصِيْبُ سے مضارع، واحد مؤنث غائب۔ اَنْ کی وجہ سے تُصِيْبَ کی ب پر زبر (نصب) آئی ہے، بمعنی پہنچے، آ لے۔

فِتْنَةٌ: فِتْنَةٌ دنیا میں آزمائش، ابتلا، امتحان، مصیبت اور آفت۔

يُصِيْبَهُمْ: مضارع، واحد مذکر غائب۔ چونکہ فاعل فِتْنَةٌ مؤنث ہے، اس لیے اس کا فعل بھی (تُصِيْبَهُمْ) مؤنث آیا ہے۔ عَذَابٌ فاعل مذکر ہے، اس لیے اس کا فعل بھی (يُصِيْبَهُمْ) مذکر آیا ہے۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ: دردناک عذاب (آخرت میں)۔ يُرْجَعُوْنَ: مضارع مجہول۔ وہ لوٹائے جائیں گے۔

فَيُنَبِّئُهُمْ: (فَ، يُنَبِّئُ، هُمْ) پس وہ خبر دے گا ان کو، یعنی اللہ ان لوگوں کو ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرے گا، اس کی سزا دے گا۔

مفہوم ومطلب: مجلس کے آداب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے اُٹھنے کے آداب سکھائے ہیں۔ مومنوں کی یہ خاص صفت بیان فرمائی کہ ایمان والے تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کسی اہم معاملے کے مشورے وغیرہ کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر مجلس سے اُٹھ کر چلے نہیں جاتے۔ فرمایا کہ جو لوگ آپ ﷺ سے اجازت مانگتے ہیں یہی ایمان دار ہیں۔ آپ بھی ان سے ذرا نرمی برتا کریں اور جب کسی کو قومی مشورہ یا ملّی کام چھوڑ کر نجی کام کے لیے جانا ہو اور وہ اجازت مانگے تو آپ اپنی صواب دید کے مطابق جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں۔ ہے تو یہ غیر مناسب بات کہ وہ ملّی اور دینی امور پر ذاتی کاموں کو ترجیح دیں، بہر حال ہر شخص کے حالات الگ ہوتے ہیں اس لیے اجازت کے ساتھ آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت بھی طلب کیا کریں۔

یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ ان لوگوں کی خطاؤں سے درگزر فرما دے گا۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جب کوئی شخص کسی مجلس میں جائے تو سلام کہے اور جب وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو پھر بھی سلام کہے۔''[1]

اس کے بعد ایک اور ادب کی بات بتائی، فرمایا کہ دیکھو! جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بے تکلفی سے اور نام لے کر پکارتے ہو، آنحضرت ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو۔ یہ بات پیغمبر کی شانِ رسالت کے منافی ہے۔ عربوں میں دستور تھا کہ ایک دوسرے کو بلانے اور پکارنے کے لیے اس کا نام لے کر پکارتے تھے، اس طرح بعض آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو ''یا محمد'' کہہ کر بلاتے یا مخاطب کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ فرمایا کہ نبی ﷺ کے آداب اور تعظیم کے خلاف ہے کہ کوئی شخص آپ ﷺ کو یا محمد کہہ کر پکارے۔[2] قرآن مجید نے اور جگہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آداب سکھائے کہ آپ ﷺ کے حضور میں اونچی آواز نہ نکالو۔ آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔[3] اس جگہ فرمایا کہ آپ کی عزت و تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ ''یا محمد'' مت کہو بلکہ نہایت ادب و احترام اور عاجزی کے ساتھ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہہ کر آپ ﷺ کو مخاطب کیا کرو۔

اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ تمھیں کسی اہم مشورے یا ضروری کام کے لیے بلائیں تو آپ کی دعوت کو معمولی سمجھ کر حاضر ہونے میں کوتاہی یا تساہل سے کام نہ لو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے بلانے پر کیا کرتے ہو۔ پیغمبر کا تمھیں بلا بھیجنا تمھارے آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہیں ہے۔ تم میں اور پیغمبر میں مراتب اور درجات کا فرق ہے۔ پیغمبر کی دعوت پر لبیک اور فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔

پھر فرمایا کہ جب تم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ تو ادب اور تعظیم ملحوظ رکھو، چپکے سے کھسکنے کی کوشش نہ کرو۔ بات یہ تھی کہ منافقوں کے لیے خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ بڑی دوبھر تھی۔ ان کے لیے مسجد میں بیٹھنا بڑا گراں تھا۔ چنانچہ وہ آنکھ بچا کر، چھپ کر، ایک دوسرے کی اوٹ لے کر مسجد سے ایک ایک کر کے کھسک جاتے۔ بعض جہاد کے مشوروں میں شرکت سے گھبرا کر چپکے چپکے سے نکل جاتے اور بعض جہاد میں

---

[1] سنن أبي داود: ۵۲۰۸ وسنن الترمذي: ۲۷۰۶

[2] الصالحي، سبل الهدىٰ: ۶/ ۲۸۷ وابن سعد، الطبقات الكبرىٰ: ۱/ ۲۹۴

[3] الحجرات: ۴۹/ ۲

نکلنے سے بچنے کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے کی اوٹ لے کر چپکے سے نکل جاتے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں انھیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں دُنیا میں گرفتارِ مصیبت و ابتلا نہ ہو جائیں، کہیں کسی آزمائش میں نہ پکڑے جائیں یا آخرت کے درد ناک عذاب میں نہ پھنس جائیں۔ اس آیت میں بڑی وضاحت سے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے سرتابی کرنے والوں اور آپ ﷺ کے فرمان کو نہ ماننے والوں کے لیے دنیا میں آزمائش و ابتلا اور امتحان و مصائب ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے دردناک اور تکلیف دینے والا عذاب ہے۔ قرآن مجید کا اسلوب اور انداز بیان ملاحظہ ہو کہ پہلے فرمایا تھا: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾، پھر مختلف انداز میں آداب و اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے اطاعت رسول ﷺ پر پورا زورصرف کر دیا۔[1] آپ ﷺ کی نافرمانی سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

اب سورت کو اس بات پر ختم کیا کہ کان کھول کر سن لو اور خوب یاد رکھو کہ یہ زمین، یہ آسمان، یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی ان سب کا خالق ہے اور وہی سب کا مالک۔ وہ تمھارے ہر کام اور تمھاری ہر بات سے واقف ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ تم کیا کرتے ہو اور اس دن جبکہ ساری مخلوق اس کے حضور میں حاضر ہوگی، وہ انھیں ان کے ہر کام کی خبر دے گا۔ اللہ ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ لوگوں کے اعمال و احوال سے باخبر ہے۔ کسی شخص کا کوئی عمل چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

[1] مراد زورِ کلام، یعنی اطاعت رسول ﷺ کی ترغیب دلائی۔

سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب [1]

تعارف

قرآن مجید کی ترتیب وتلاوت میں سورۃ الاحزاب کا نمبر ۳۳ ہے۔ لیکن ترتیب نزول میں اس کا نمبر ۹۰ ہے اور یہ سورۂ آلِ عمران کے بعد مدینہ منوّرہ میں نازل ہوئی تھی۔ سورۃ الاحزاب میں ۹ رکوع، ۷۳ آیات، ۱۲۸۰ کلمات اور ۵۹۹۰ حروف ہیں۔ سورۃ الاحزاب کی ۳۰ آیات اکیسویں پارے میں اور باقی ۴۳ آیات بائیسویں پارے میں ہیں۔

اس سُورت کا نام احزاب ہے جو حزب کی جمع ہے اور حزب بمعنی گروہ، جماعت اور جتھا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش اور عرب کے قبیلے جتھا بندی کر کے ایک لشکر جرار لے کر مدینے پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے میدان میں لڑنے کی بجائے مدینے کے اردگرد خندق کھود کر اپنا بچاؤ کیا تھا۔ اس واقعہ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے اس سورت کا نام ''الاحزاب'' رکھا گیا۔

یہ سورت کفارِ مکّہ اور منافقین مدینہ کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے شروع ہوئی۔ اس سورت میں اور بھی بہت سے اجتماعی اور معاشرتی مسائل واحکام آ گئے ہیں۔

اِجمالی خاکہ

اس سورت کے مسائل واحکام اور اغراض ومقاصد کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

۱۔ نبی ﷺ کو اللہ سے ڈرنے اور کفار ومنافقین کے بھرّے میں نہ آنے کا حکم۔

۲۔ وحیِ الٰہی کی اِطاعت کی فرضیت۔

۳۔ رسومِ جاہلیت کی بیخ کنی اور استیصال، مثلاً منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کا حکم نہیں رکھتا۔

۴۔ نبی ﷺ کی محبت سب محبتوں پر فائق ہے۔

---

[1] اس سورت کی تفسیر ایف۔اے کے طلبہ وطالبات کے لیے لکھی گئی۔ آج کل یہ ایم۔اے (پرچہ ترجمہ وتفسیر قرآن) میں شامل ہے۔

۵۔ قریبی رشتہ دار ہی قرابت داری کی وجہ سے وراثت کے حق دار ہیں۔ دینی بھائیوں اور مہاجرین کی وراثت کا خاتمہ۔

۶۔ اللہ کی نعمت کی یاد دہانی کہ اس نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں کی امداد فرمائی۔

۷۔ نبی کریم ﷺ کو حکم ملا کہ اپنی ازواج مطہرات کے سامنے دو چیزیں رکھیں: اگر وہ دنیا اور اس کی زینت و آرائش کو پسند کریں تو علیحدہ ہو جائیں اور اگر وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو پسند کریں تو آپ کے ساتھ رہیں۔

۸۔ ازواجِ مطہرات کا مقام بلند اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو انھیں دگنا عذاب ہوگا۔ نیز وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں رہیں اور مذہبی احکام کی پابندی کریں۔

۹۔ خدا اور رسول ﷺ کے فیصلے کی اہمیت اور اس کی اطاعت۔

۱۰۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قصہ۔

۱۱۔ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کی اجازت۔

۱۲۔ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعیین تعداد اور اس کے بعد اور نکاح کی ممانعت۔

۱۳۔ کاشانۂ نبوت میں دعوتِ طعام کے موقع پر آدابِ مجلس کی تلقین۔

۱۴۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے بات چیت کرنے کے آداب۔

۱۵۔ آنحضرت ﷺ کی ازواج و بنات اور مسلم خواتین کے لیے گھر سے باہر جانے کی ہدایات و آداب۔

۱۶۔ منافقین، کمزور ایمان والوں اور جھوٹی خبریں پھیلانے والوں کو قتل اور جلا وطنی کی وعید۔

۱۷۔ قیامت کے بارے میں مشرکین کا سوال اور اس کا جواب۔

۱۸۔ نبی ﷺ کو دکھ پہنچانے کی ممانعت۔

۱۹۔ ایمانداروں کو تقویٰ اور حق گوئی کی تلقین اور اس کے بدلے میں اصلاحِ نفس اور مغفرت کا وعدہ۔

۲۰۔ کائنات میں انسان کا بلند موقف و مقام۔

سُوْرَةُ الْاَحْزَاب
(مع ترجمہ ومطالب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ①	اے نبی (ﷺ)! اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا، بے شک اللہ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔
وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ②	اور پیروی کیے جاؤ اس (کتاب) کی جو وحی کی جاتی ہے تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے، بے شک اللہ تمھارے سب عملوں سے خبردار ہے۔
وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③	اور اللہ پر بھروسا رکھو اور کافی ہے اللہ کارساز۔

آیات: ۱ تا ۳۔ تشریح الفاظ

اِتَّقِ: وَقٰى يَقِيْ سے۔ ڈرو، تقویٰ اختیار کرو۔

لَا تُطِعْ: طَاعَ يَطُوْعُ طَوْعًا سے۔ تو اطاعت نہ کر، کہا نہ مان۔

اِتَّبِعْ: تَبِعَ يَتْبَعُ تَبَعًا سے۔ تو پیروی کر، تابعداری کر۔

رَبِّ: پالنے والا، پروردگار، مالک۔ تَوَكَّلْ: تو بھروسا رکھ، توکل کر۔

مفہوم ومطلب: نبی ﷺ کو اللہ سے ڈرنے کا حکم

ان آیات میں فرمایا: اے نبی! اللہ سے ڈرو، فرائض کی بجا آوری میں ثواب کا خیال رکھتے ہوئے اللہ کی اِطاعت ملحوظ خاطر رکھو۔ اللہ کی معصیت و نافرمانی سے بچو۔ یہ کفارِ مکہ اور منافقینِ مدینہ آپ کو راہِ حق سے بہکانا چاہتے ہیں۔ آپ ان کے دام میں نہ آئیں، ان کی باتوں پر کان نہ دھریں، بلکہ اللہ پر بھروسا رکھتے ہوئے وحی الٰہی کی اطاعت کریں، اللہ بڑا کارساز اور نگران ومحافظ ہے۔ وہ آپ کو تمام دشمنانِ دین سے

بچائے رکھے گا اور آپ کے مشن کو کامیاب بنائے گا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ، شیبہ بن ربیعہ اور دیگر کفارِ مکہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ آپ ہمارے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں اور اپنی دعوت و تبلیغ سے باز آجائیں تو ہم آپ کو اپنے مال و دولت کا آدھا حصہ دے دیں گے۔ ہجرت کے بعد منافقین مدینہ نے بھی پیغام کے ذریعے تبلیغ سے دست کش ہونے کا مشورہ دیا اور مشورہ قبول نہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب فرمایا کہ اے نبی! صرف اللہ کا ڈر رکھو۔ کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آؤ اور خدائے کارساز پر تکیہ کرتے ہوئے وحی الٰہی کے احکام بجالاؤ۔[1]

محدثین کے نزدیک یہ روایت محلِ نظر ہے۔ بہر حال ان آیات میں جناب رسالت مآب ﷺ کے ذریعے تمام اُمت کو حکم دیا گیا کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ کفار و منافقین کی راہ پر گامزن ہونے سے بچیں۔ کسی گروہ یا فرد کی خوشنودی کی خاطر دین کے مفاد کو ترک نہ کریں۔ وحی الٰہی کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہیں اور اسی راہ میں ان کے لیے خدا کا آسرا کافی ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④

اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل پیدا نہیں کیے اور نہ تمھاری بیویوں کو جنھیں تم ماں کہہ بیٹھتے ہو تمھاری ماں بنایا اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے بیٹے بنایا، یہ سب تمھارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تو سچ کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔ پس اگر تم ان کے باپوں کے نام نہیں جانتے تو وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات کے بارے میں جو غلطی سے ہو گئی،

---

[1] السیوطی، الدر المنثور، الاحزاب: ۲

رَّحِيمًا ﴿٥﴾ لیکن وہ گناہ ہے جو تمھارے دل ارادہ کریں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

آیات: ۴ تا ۵۔تشریح الفاظ

جَوْفِ: لفظی معنی پیٹ، اندر۔ یہاں مراد سینہ یا پہلو ہے۔

اَزْوَاجِ: (مفرد، زَوْج) بیوی اور خاوند دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے انگریزی میں spouse۔ یہاں مراد بیویاں ہیں۔

تُظٰهِرُوْنَ: تم ظِہار کر بیٹھتے ہو، تم ماں کے برابر سمجھتے ہو۔[1]

اَدْعِيَآء: (مفرد، دَعِیّ) منہ بولا بیٹا۔ متبنّٰی، لے پالک۔

اَفْوَاه: (مفرد، فُوْه) منہ۔ اُدْعُوْا: دَعَا يَدْعُوْ دُعَاءً سے۔ تم پکارو۔

مَوَالِيْ: (مفرد، مَوْلٰی) دوست۔

مفہوم ومطلب: ظِہار اور متبنّٰی کا حکم

فرمایا کہ جس طرح ایک سینے میں دو دل نہیں ہوتے اسی طرح ایک دل میں دو متضاد باتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ بیک وقت خدا کا خوف اور غیراللہ کا خوف ایک دل میں سما نہیں سکتا۔ اسی طرح کفر و ایمان یا ہدایت و گمراہی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ بتایا کہ حقیقت اور مجاز میں فرق ہے۔ اس کی توضیح یوں فرمائی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ دے تو وہ اس کی ماں نہیں بن سکتی۔ ماں تو وہ ہے جس نے جنم دیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تمھاری بیوی تمھاری ماں بن جائے۔ اسی طرح منہ بولا بیٹا بھی حقیقی بیٹا نہیں ہوسکتا۔ ایک آدمی اس کا باپ ہوسکتا ہے، دو نہیں ہوسکتے۔ اگر کوئی اس قسم کی باتیں منہ سے نکالتا ہے تو ان باتوں کو حقیقت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بات سچی اور حق پر مبنی ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ سچی بات اور سیدھی راہ یہی ہے کہ بیوی ماں نہیں ہوسکتی، وہ بیوی ہی ہے اور بیٹے کو حقیقی باپ کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔ یہی بات عدل و انصاف پر مبنی ہے اور قرین دانش بھی۔ اگر تمھیں ان کے باپ

[1] ظہار یہ ہے کہ کوئی شخص غصے میں بیوی کو خود سے علیحدہ کرنے کے لیے یہ کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو۔ جاہلیت میں یہ طلاق کا طریقہ تھا۔ اسلام نے یہ طریقہ ختم کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے تو اس کا کفارہ ادا کرکے بیوی کے پاس جاسکتا ہے۔ (البیضاوی، التفسیر، الاحزاب: ۴)

کا علم نہیں تو پھر وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ جو کچھ ہو چکا وہ معاف ہے، اب آئندہ احتیاط چاہیے۔ اگر بھول سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں لیکن جو دلی ارادے سے کرو وہ جرم ہے اور اس پر گرفت ہوگی۔

عربوں میں دستور تھا کہ جب بیوی سے بگڑتے تو کہتے کہ تو میری ماں ہے۔ یہ کہنے سے بیوی سے تعلقات تو ٹوٹ جاتے لیکن اس سے نہ تو علیحدگی کی صورت پیدا ہوتی اور نہ صلح کی۔ قرآن مجید نے اس بات سے منع کر دیا۔ نیز عربوں میں رواج تھا کہ کسی کے لڑکے کو اپنا بنا لیتے اور پھر اس کو حقیقی بیٹے کے حکم میں لے آتے۔ قرآن نے اس ذہنیت کو بھی غلط قرار دیا۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ نبی کریم ﷺ نے نبوت سے پہلے ایک چھوٹے بچے زید بن حارثہ کی پرورش کی تو لوگ اس کو زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارنے لگے۔ چنانچہ بتایا کہ آنحضرت ﷺ زید کے باپ نہیں ہیں۔ اس کا باپ حارثہ ہے۔[1] ان آیات میں زمانۂ جاہلیت کی رسموں اور ذہنیتوں کو ختم کر کے نئے ذہن اور نئے معاشرے کی بنیاد ڈالی گئی۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝	نبی (ﷺ) مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہے اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور قریبی رشتہ دار آپس میں کتاب الٰہی کی رو سے مومنوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ مگر یہ (اور بات ہے) کہ تم اپنے دوستوں سے اچھا سلوک کرو۔ یہ (حکم) کتاب (قرآن) میں لکھا ہوا ہے۔

آیت:۶۔ تشریح الفاظ

اَوْلٰی: زیادہ حقدار۔ اُمَّهَاتُ: (مفرد، اُمّ) مائیں۔

کِتَابِ اللّٰہ: اس سے مراد قرآن بھی ہے اور لوحِ محفوظ بھی۔ مَعْرُوْف: نیکی، احسان، اچھا سلوک۔

مَسْطُوْرًا: سَطَرَ یَسْطُرُ سَطْرًا سے۔ لکھا گیا، لکھا ہوا۔

---

[1] صحیح البخاری: ۴۷۸۲ و صحیح مسلم: ۲۴۲۵

مفہوم و مطلب: نبی اکرم ﷺ کی فضیلت اور شان

پچھلی آیت میں توضیح فرمائی کہ لے پالک اپنے اصلی باپ کا بیٹا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے باپ نہیں۔ اس توضیح میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ جسمانی تعلق کے لحاظ سے کسی فردِ خاص کے باپ نہیں بلکہ ساری امت کے روحانی باپ ضرور ہیں اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات امت کی مائیں ہیں۔ اس روحانی رشتے اور تعلق کی وجہ سے نبی کریم ﷺ تمام مسلمانوں کو ہر چیز بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔ چنانچہ اسی کی تشریح اس حدیث میں ملتی ہے جہاں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)) [1]

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز اور پیارا نہ سمجھے۔“

مختصر یہ کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے لیے اتنے شفیق اور خیر خواہ ہیں کہ آپ کی شفقت اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایماندار آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب سمجھے۔ نیز آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اپنی عزت و حرمت کی وجہ سے اُمت کی مائیں ہیں۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا کہ صرف رشتہ اور قرابت ہی معیار وراثت ہے۔ اس توضیح کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو آپ نے انصار و مہاجرین کو بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ بھائی چارہ خون کے رشتے پر مقدم سمجھا جانے لگا اور ایک مہاجر اپنے انصاری بھائی کی جائیداد کا وارث ٹھہرایا گیا۔ [2] جب حالات بہتر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنین اور مہاجرین کی نسبت قرابت والے وراثت کے زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ دینی بھائیوں سے احسان اور حسن سلوک کرنے والوں کے لیے وصیت اور خیرات میں گنجائش رکھ دی۔ مگر آخر میں بتا دیا کہ یہ حکم کہ قرابت دار وراثت کے زیادہ حق دار ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقررہ اور اٹل ہے۔ کوئی وقتی مصلحت اور ہنگامی حکمت عملی اس قانون وراثت کو بدل نہیں سکتی۔ طرزِ بیان یوں اختیار کیا کہ یہ حکم وراثت کتابِ الٰہی میں لکھا ہوا موجود ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۱۵

[2] صحیح مسلم: ۲۵۲۹ و سنن أبي داود: ۲۹۲۱ — ۲۹۲۴

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ۙ۷	اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور آپ (ﷺ) سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابنِ مریم (علیہم السلام) سے اور ہم نے ان سب انبیاء سے عہد بھی پکا لیا۔
لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸	تاکہ وہ سوال کرے سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں اور اس نے کافروں کے لیے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آیات: ۷ تا ۸۔ تشریح الفاظ

مِيْثَاق: وعدہ، عہد۔ نیز بمعنی قسم۔ وَثَقَ يَثِقُ ثِقَةٌ سے۔ وثوق اور وثیقہ نویس ہماری زبان میں عام استعمال ہوتے ہیں۔ نبیوں کے میثاق وعہد سے مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ سب فرداً فرداً آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائیں گے اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی نصرت و تائید کریں گے۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جملہ انبیاء اللہ کی عبادت کی طرف بلائیں گے۔ آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت کا اعلان بھی اس عہد میں شامل نظر آتا ہے۔

مِنْكَ: تم سے، مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ غَلِيْظًا: پختہ، پکا، مضبوط۔

الصّٰدِقِيْنَ: سے مراد انبیاء اور صِدْقِهِمْ سے مراد تبلیغ رسالت بھی ہو سکتی ہے۔

اَلِيْمًا: دکھ دینے والا۔

مفہوم ومطلب: اولوالعزم انبیاء سے اللہ کا میثاق

ان آیات میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے تبلیغ رسالت اور عبادت الٰہی کا عہد لیا اور ساتھ ہی پانچ اولوالعزم اور مشہور صاحب شریعت پیغمبروں کے نام لیے (یعنی حضرت محمد ﷺ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام)۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سب سے پہلے لیا، حالانکہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اس سے مراد بھی آپ کی عزت و تعظیم اور فضیلت اور بلند مرتبہ کا اظہار ہے۔ پکا عہد یہ لیا گیا تھا کہ سب پیغمبر اللہ کے دین کی اشاعت کریں گے اور اس کے احکام کو

لوگوں تک پہنچائیں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ معاملہ دنیا ہی میں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس میثاق انبیاء کے بارے میں قیامت کے دن بھی باز پرس ضرور ہوگی۔ انبیائے کرام سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے تبلیغ رسالت کی؟ اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمھارے پاس خدا کا پیغام پہنچایا گیا؟ نیک اور سچے لوگوں کو ان کی سچائی اور نیکی کے صلے میں جنت کے باغ ملیں گے اور کافروں کو انکار کی سزا میں دوزخ کا دردناک عذاب چکھنا ہوگا۔

میثاقِ انبیاء کی یاد دہانی اس لیے کرائی گئی تاکہ ایک طرف تو آنحضرت ﷺ کو اپنے فرائض کا احساس رہے اور دوسری طرف کفار و منافقین پر اتمام حجت ہو جائے کہ رسول ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ آپ تو وحی الٰہی کے تابع ہیں۔ جو حکم و ہدایت ملے اسے لوگوں تک پہنچا دینا آپ ﷺ کا فرضِ منصبی ہے۔ نیز یہ بتایا کہ نبی کا انکار معمولی بات نہیں، اس کی سزا دردناک عذاب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر جب تم پر لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان کے خلاف ہوا (یعنی آندھی) اور لشکر بھیجے جنھیں تم نہیں دیکھتے تھے اور جو کچھ تم کرتے تھے اللہ دیکھ رہا تھا۔
اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰	جب وہ تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (دہشت سے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ پر کئی طرح کے ظن کرنے لگے۔
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱	وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔
وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲	اور جب کہنے لگے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے مگر جھوٹا۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬	اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا: اے یثرب کے لوگو! تمھارے لیے کوئی مقام نہیں پس واپس لوٹ چلو اور ان میں ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا یہ کہتے ہوئے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے، وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔
وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ⑭	اور اگر فوجیں مدینے کے اطراف سے آداخل ہوتیں تو پھر ان سے فتنہ وفساد کو کہا جاتا تو وہ ایسا کر گزرتے اور اس میں بہت تھوڑا توقف کرتے۔
وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ⑮	حالانکہ وہ اس سے پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کی ضرور باز پرس ہوگی۔

آیات: ۹ تا ۱۵۔ تشریح الفاظ

جُنُوْدٌ: (مفرد، جُنْدٌ) لشکر، فوجیں۔ جُنُوْدًا سے مراد فرشتوں کے لشکر۔

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ: آنکھوں کا پتھرا جانا، سخت خوف یا حیرت سے گڑ جانا۔

الْحَنَاجِرَ: (مفرد، حَنجَرَة) گلا، حلقوم۔ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ سے مراد ہے کہ دل سخت گھبرا گئے، بے چین اور مضطرب ہو گئے۔

تَظُنُّوْنَ: تم گمان کرنے لگے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی نصرت اور فتح کی امید لگائے بیٹھے تھے اور منافق اِس کے برعکس۔

غُرُوْر: باطل، جھوٹ، دھوکا۔

مُقَامَ: قَامَ يَقُوْمُ قَوْمًا سے۔ ٹھہرنے کی جگہ۔[1]

فَارْجِعُوْا: پس تم پھر جاؤ، یعنی گھروں کو لوٹ جاؤ۔

يَسْتَاْذِنُ: اذن یا اجازت مانگنا۔

عَوْرَةٌ: کھلے ہوئے، یعنی غیر محفوظ ہیں۔

تَلَبَّثُوْا: ٹھہرتے، توقف کرتے۔

---

[1] لَا مُقَامَ یعنی لَا اِقَامَةَ وَلَا مَكَانَةَ۔ نہ کوئی اقامت اور نہ جگہ۔ (تفسیر جلالین، الاحزاب: ۱۳)

اَلْفِتْنَةَ: فساد، آزمائش، یعنی اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ مسلمانوں کے خلاف فساد بپا کرو تو ذرا دیر نہ لگاتے۔
ایک مفہوم ''جنگ'' بھی ہے، یعنی دشمن مدینہ کے اندر داخل ہو جاتا اور ان سے جنگ کے لیے کہا جاتا تو یہ لوگ وہاں بالکل نہ ٹھہر سکتے بلکہ فوراً ہلاک ہو جاتے۔

یَسِيْرًا: تھوڑا، معمولی۔ اَدْبَار: (مفرد، دُبُرٌ) پیٹھ۔

مفہوم ومطلب: غزوۂ خندق میں اللہ کی نصرت

ان آیات میں غزوۂ خندق کا ذکر ہے۔ غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ بہت سی جماعتوں نے مل کر لشکر کشی کی تھی۔

واقعات اِس طرح ہیں کہ یہودِ مدینہ شوال ۵ ھ میں قریش مکہ کے پاس وفد لے کر گئے اور ان کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے اُکسایا۔ چنانچہ بہت سے قبائل عرب جمع ہو کر مدینے پر ہلہ بولنے کے لیے چل دیے۔ ان قبیلوں میں قریش، بنو اَسد، غَطفان، بنو عامر، بنو سُلَیم، بنو نضیر (یہودی) اور بنو قُریظہ (یہودی) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دشمنانِ دین دس ہزار کا لشکر لے کر مدینے پہنچے۔ قریش وغیرہ مشرق کی سمت کے بالائی حصے سے آئے [1] اور بنو قریظہ مغربی نشیبی حصے سے نمودار ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مدینے کے گرد خندق کھود کر شہر کی حفاظت کی جائے۔[2]

چنانچہ آنحضرت ﷺ چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور شہر کے اطراف و جوانب میں ان مقامات کا معائنہ فرمایا جو جنگ اور محاصرے میں اہمیت رکھتے تھے۔ اب خندق کھودنے کا کام شروع ہوا۔ آپ ﷺ اپنا گھر چھوڑ کر خندق کے متصل ایک خیمے میں اس جگہ قیام فرما ہوئے جہاں اب مسجد ذُباب ہے۔ تین ہزار مہاجرین و انصار مل کر خندق کھودنے لگے۔ حضرت رسول کریم ﷺ بھی اپنے مبارک ہاتھوں سے خندق کی کھدائی کرتے رہے۔ کئی کئی دن فاقوں سے گزر رہے تھے۔ مگر مضبوط ارادے اور ہمتیں بلند تھیں۔ شمالی اور مشرقی حصوں کو خندق کھود کر محفوظ کر لیا گیا۔ اتنے میں دشمن نے آکر شہر کا

---

[1] قریش بئر رومہ پر مدینہ کے شمال مغرب میں وادی العقیق میں خیمہ زن ہوئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۹/ ۱۹۳)

[2] خندق کھودنے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب آپ کو غطفان، یہود اور قریش کے گٹھ جوڑ کی اطلاعات ملنا شروع ہوئیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹/ ۷)

محاصرہ کر لیا۔ عرب خندق کے طریقوں سے آشنا نہ تھے۔ مدینے کے گرد خندق دیکھ کر دشمن بڑے حیران ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو چھوٹے چھوٹے قلعوں اور گڑھیوں میں محفوظ کر دیا اور خود پوری فوج کے ساتھ سَلَع پہاڑ پر جہاں اب مسجد فتح ہے، ڈیرے ڈال دیے۔ آپ ﷺ اپنے خیمے میں الگ بیٹھ کر دشمنوں کی نقل وحرکت کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ مسلمانوں کے فوجی دستے باری باری خندق کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے تھے۔ مسلمانوں کو خدا کا آسرا تھا اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تمھارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ محاصرہ لمبا ہوتا چلا گیا۔ ادھر نُعیم بن مسعود غطفانی رضی اللہ عنہ جیسے نومسلم کو مقرر کیا گیا کہ وہ یہود اور قریش میں پھوٹ ڈلوائیں، ادھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر کے ساتھ بڑے زور کی آندھی بھیجی جس نے کفار کے لشکر کو سخت پریشان کیا۔ وہ ٹھنڈی رات میں سخت تیز اور ٹھنڈی ہوا سے بڑے گھبرائے۔ کفار کی آگ بُجھ گئی۔ ہانڈیاں اوندھی ہوگئیں، خیمے گر پڑے۔ اس پریشانی کے عالم میں انھیں مجبوراً محاصرہ اٹھا کر ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔[1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس نصرتِ الٰہی اور نعمت ربانی کی یاد دہانی کرائی ہے۔ فرمایا کہ اللہ کا یہ بڑا احسان وانعام تھا کہ جب دشمن ہر بلندی وپستی سے تم پر چڑھ آئے تھے تو اللہ نے ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ یہ بڑا نازک مقام تھا۔ دہشت اور خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ دشمنوں کی کثرت سے دل دہل گئے تھے۔ ایمان والوں کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ منافق لوگ بدظنی پھیلانے اور افواہیں نشر کرنے میں بڑے سرگرم تھے۔ کچھ کمزور لوگ حیلے بہانے سے گھروں میں بیٹھ کر جنگ سے فرار کی صورت پیدا کر رہے تھے اور منافق (جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا) پھر شرک میں واپس چلے جانے کے لیے موقع کے انتظار میں تھے حالانکہ یہ سب لوگ نہ بھاگنے کا عہد کر چکے تھے۔ قرآنِ مجید نے ان لوگوں کو بتایا کہ ﴿وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا﴾ یعنی ان سے پوچھا جائے گا کہ انھوں نے اللہ سے ایفائے عہد کیا یا نہیں۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ	کہہ دو کہ فرار تم کو ہرگز نفع نہیں دے گا۔ اگر تم بھاگتے
الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ	ہو موت سے یا قتل سے اور تب تم فائدہ نہیں اٹھاؤ گے

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲/ ۲۱۵۔ غزوۂ خندق کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۳۲۷۔۴۸۶

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾	مگر تھوڑا۔
قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾	کہہ دو: کون ہے وہ جو اللہ سے تمھیں بچا سکے اگر وہ تمھیں تکلیف پہنچانی چاہے یا وہ تم پر رحم کرنا چاہے؟ اور وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ پائیں گے اور نہ مددگار۔

آیات: ۱۶ تا ۱۷۔ تشریح الفاظ

فِرَار: فَرَّ يَفِرُّ سے۔ بھاگنا۔ ذَا: وہ۔

تُمَتَّعُوْنَ: تم فائدہ اٹھاؤ گے۔ مادہ ہے متع۔ لفظ متاع اسی سے نکلا ہے۔

يَعْصِمُ: بچاتا ہے۔ مادہ ہے: عصم۔ لفظ معصوم، عاصم اور عصمت اسی سے نکلے ہیں۔

سُوْٓءًا: تکلیف، برائی، دکھ۔ مراد ہے مال و جان کا نقصان، بیماری، قحط سالی، ہلاکت وغیرہ۔

رَحْمَةً: رحم، مہربانی۔ مراد ہے فتح و نصرت، صحت و عافیت اور خوش حالی و فراوانی مال۔

يَجِدُوْنَ: وہ پائیں گے۔ وَجَدَ يَجِدُ سے۔ لفظ واجد اِسی سے نکلا ہے۔

مفہوم و مطلب: موت سے بھاگنا ممکن نہیں

موت سے ڈرنے والوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اگر تمھاری موت کا وقت آ پہنچا ہے تو پھر راہِ فرار اختیار کر کے تم موت سے بچ نہیں سکتے۔ یہ بھی فرمایا کہ برائی یا بھلائی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس معاملے میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ موت و حیات تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے سوا نصرت اور مدد بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾	اللہ تم میں سے روکنے والوں کو جانتا ہے اور اپنے بھائی بندوں کو کہنے والوں کو کہ ہماری طرف آ جاؤ اور وہ لڑائی میں نہیں آتے مگر کم۔
اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ	تمھارے معاملہ میں بخیل ہیں، پھر جب خوف آئے تو آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ تمھاری طرف دیکھتے ہیں۔

اَعۡیُنُهُمۡ كَالَّذِیۡ یُغۡشٰى عَلَیۡهِ مِنَ	ان کی آنکھیں پھرتی ہیں جیسے کسی شخص کو موت سے غشی
الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ	آرہی ہو۔ پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں سے
بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَیۡرِ ؕ اُولٰٓئِكَ	تم پر زبان درازی کرتے ہیں نیک کاموں میں بخل
لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ	کرتے ہوئے، یہ لوگ (درحقیقت) ایمان نہیں لائے
وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیۡرًا ﴿۱۹﴾	پس اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیے اور یہ بات
	اللہ پر آسان ہے۔

آیات: ۱۸ تا ۱۹۔ تشریح الفاظ

اَلۡمُعَوِّقِیۡنَ: منع کرنے والے، روکنے والے (مفرد، مُعَوِّق) مادہ عوق۔ مراد منافق ہیں۔

هَلُمَّ: آؤ۔ اہل حجاز جمع، مذکر اور مونث سب کے لیے هَلُمَّ استعمال کرتے ہیں۔

اَلۡبَاۡسَ: جنگ، لڑائی۔

اَشِحَّةً: بخل کرنے والے (مفرد، شَحِیۡحٌ) یعنی تمھارے ساتھ مل کر جنگ کی تیاری کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرنے اور خندق کھودنے میں ہاتھ بٹانے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

سَلَقُوۡا: سَلَقَ یَسۡلُقُ سَلۡقًا سے۔ بدگوئی کرنا، زبان درازی کرنا۔

اَلۡسِنَةٍ: زبانیں (مفرد، لِسَان)۔ **حِدَادٍ:** تیز (مفرد، حَدِیۡد)۔

اَلۡخَیۡرِ: نیک کام، بھلائی، نیز مال۔ یعنی بھلائی کے کاموں میں شریک نہیں ہوتے یا راہِ حق میں مال خرچ کرنے میں بخیل ہیں۔ **اَحۡبَطَ:** ضائع کر دیا، برباد کر دیا۔

مفہوم و مطلب: غزوۂ خندق میں منافقین کی حالت

قرآنِ مجید نے منافقوں کی کمینہ خصلتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ منافق مسلمانوں کو مختلف حیلے بہانوں سے بہکانے اور پھسلانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ وہ نیک کاموں اور مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے تیاری میں حصہ نہ لیں۔ اللہ ان یہودیوں کو بھی خوب جانتا ہے جو ان منافقوں کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہودی اور منافق آپس میں بھائی بند ہیں۔ یہ لوگ بزدل ہیں۔ جنگ میں شرکت سے بچنا چاہتے ہیں حالانکہ ان منافقوں نے رسول اکرم ﷺ سے وعدہ کیا

تھا کہ ہم آپ کے ساتھ شریک جنگ ہوں گے۔ یہودیوں نے بھی ہجرت کے پہلے سال میں آنحضرت ﷺ سے میثاقِ مدینہ کے موقع پر یہ شرط تسلیم کی تھی کہ مسلمان اور یہودی سب مل کر بیرونی حملہ آور کے مقابلہ پر لڑائی کریں گے اور اخراجات جنگ برداشت کریں گے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی ذہنیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا کہ خوف و ہراس کے وقت تو ان کی نظریں آپ کی طرف اٹھتی ہیں کہ آپ ان کی مدد کریں، لیکن جب خوف دور ہو جاتا ہے تو بدگوئی اور زبان درازی پر اُتر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ لوگ بخیل بھی ہیں۔ نیک کاموں اور ملکی ضرورتوں کے وقت خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ سب عیب اس لیے پیدا ہو گئے ہیں کہ یہ لوگ حقیقت میں ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔ ایمان کی دولت سے محرومی کا بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ ان منافقوں کے سب اعمال اکارت چلے گئے ہیں۔ عملوں کی قبولیت کا دارو مدار تو ایمان پر ہے۔ جب ایمان کی پونجی سے دامن خالی ہے تو کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ ایمان سے محروم لوگوں کے اعمال کو مردود ٹھہرا دینا اللہ کے لیے قطعاً مشکل نہیں ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲۰	منافق خیال کرتے ہیں کہ فوجیں واپس نہیں گئیں اور اگر لشکر (پھر) آجائیں تو وہ آرزو کریں کہ کاش! دیہاتیوں میں بادیہ نشین ہوتے اور تمھاری خبریں پوچھا کرتے اور اگر تمھارے درمیان ہوں تو لڑائی نہ کریں مگر کم۔

آیت: ۲۰۔ تشریح الفاظ

يَحْسَبُوْنَ: حَسِبَ يَحْسَبُ سے۔ وہ خیال کرتے ہیں۔

الْاَحْزَاب: (مفرد، حِزْبٌ) جماعتیں، گروہ۔ مراد کفار کی فوجیں اور لشکر۔

يَوَدُّوْا: وَدَّ يَوَدُّ سے۔ وہ تمنا کرتے ہیں، چاہتے ہیں۔

بَادُوْنَ: بَدَا يَبْدُوْ بَدَاوَةً سے۔ (مفرد، بَادِیْ) صحرا نشین، بادیہ نشین۔

اَعْرَاب: (مفرد، اَعْرَابِیٌّ) بدو، دیہاتی۔ اَنْبَاءِ: (مفرد، نَبَأٌ) خبریں۔

قٰتَلُوْا: لڑائی کریں۔ قَاتَلَ سے باب مفاعلہ۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۵۰۱

مفہوم و مطلب: منافقین کی بزدلی

اس آیت میں منافقوں کی بُزدلی اور خوف و دہشت کا ذکر کیا گیا ہے۔ بتایا کہ یہ لوگ اتنے سہمے ہوئے اور خوف زدہ ہیں کہ کفار کے لشکروں کے چلے جانے کے بعد بھی یہی خیال کر رہے ہیں کہ وہ لشکر ابھی تک نہیں گئے۔ منافق ہمت کے اتنے بودے ہیں کہ اگر دوبارہ کفار لشکر لے کر چڑھائی کریں تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ کاش! صحرا میں جاکر بدوؤں کے ساتھ رہتے تاکہ یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور وہیں بیٹھے مسلمانوں کی خبریں پوچھا کرتے۔ اس طرح میدانِ جنگ کو آنکھوں دیکھنے سے بچے رہتے۔ چونکہ اِن منافقوں میں نہ دینی غیرت ہے اور نہ وطن کی محبت، اس لیے اگر تمھارے ساتھ جنگ میں شریک بھی ہوتے تو ایسے بددل ہو کر لڑتے کہ لڑنا اور نہ لڑنا برابر ہوتا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾	یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

آیت:۲۱۔تشریح الفاظ

اُسْوَةٌ: نمونہ، مثال، نیز پیروی کرنا۔ (مادہ اسی ہے)۔ **حَسَنَةٌ:** نیک، اچھا، عمدہ، بہترین، صالحہ۔

يَرْجُوْا: امید رکھنا۔ رَجَا يَرْجُوْ رجاء سے۔ ڈر اور خوف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تب اس کا ترجمہ یہ ہوگا: ''جو اللہ اور یومِ آخرت سے ڈرتا ہے۔''

مفہوم و مطلب: نبی ﷺ کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے

منافقوں کی بُزدلی، بخل اور کنجوسی پر عتاب کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، جو اللہ کی رحمت اور بخشش کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، جو بیک وقت اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف دلوں میں موجود رکھتے ہوئے اللہ کو بکثرت یاد کرتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے کسی حالت میں بھی اس کی یاد سے غافل نہیں رہتے، ہر وقت ذکرِ الٰہی زبان پر جاری رہتا ہے ان لوگوں کے لیے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی میں ایک نیک اور صالحہ نمونہ ہے۔ اس مقام پر خاص طور پر رسولِ خدا ﷺ کے نمونہ صالحہ سے مراد یہ ہے کہ لڑائی کی تیاری،

خندق کا کھودنا، شہر کی حفاظت، فوجوں کی ترتیب و تربیت، محاذ جنگ کی نگرانی سب امور میں آنحضرت ﷺ کا صبر و استقلال، ہمت د پامردی اور جرأت و شجاعت قابل اتباع ہے۔ ان تمام مصروفیتوں میں آپ ﷺ ایک لمحہ کے لیے بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں ہوئے۔ پھر اس خاص مقام کو ہر زمان و مکان کے لیے عام کر دیا کہ رہتی دنیا تک آنحضرت ﷺ مومنوں کے لیے زندگی کے ہر گوشہ میں نیک اور مکمل نمونہ ہیں۔ جو شخص آپ کی پیروی کرے گا اس کو اللہ کی محبت نصیب ہوگی۔ اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوگا۔ وہ ہر وقت خدا کی یاد میں رطب اللسان رہے گا، یہی مقصد دوسری جگہ بھی فرمایا:

﴿قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ﴾[1]

''اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، پھر اللہ بھی تم سے محبت رکھے گا۔''

وَلَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ ۙ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۚ وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا ﴿۲۲﴾

اور جب مومنوں نے (کفار کے) لشکر دیکھے تو کہنے لگے: یہ وہی ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے سچ کہا تھا اور نہ زیادہ کیا ان کو مگر ایمان اور تسلیم و رضا میں۔

مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۳﴾

مومنوں میں سے کتنے مرد ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اللہ سے کیا تھا، پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی نذر کو پورا کیا اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور انھوں نے (اپنے عہد کو) نہیں بدلا۔

لِّيَجۡزِىَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيۡنَ بِصِدۡقِهِمۡ وَيُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ اِنۡ شَآءَ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۴﴾

تاکہ اللہ صادق لوگوں کو سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

---

[1] آل عمران: ۳/۳۱

آیات: ۲۲ تا ۲۴۔ تشریح الفاظ

تَسْلِيْمًا: (مادہ، سَلِمَ)۔ اطاعت، فرماں برداری۔
قَضٰی: پورا کرنا۔
نَحْبَ: نذر، عہد، وعدہ۔ نیز موت، قتل۔
يَنْتَظِرُ: نَظَرَ سے۔ انتظار کرنا۔
يَتُوْبُ عَلٰی: توبہ قبول کرنا، معافی دینا۔ تَابَ يَتُوْبُ تَوْبَةً سے، تَابَ اِلٰی کے معنی ہیں معافی مانگنا، توبہ کرنا۔

مفہوم ومطلب: جنگ خندق کے موقع پر مومنین کے ایمان کا بلند ہونا

منافقوں کے ذکر کے بعد مومنوں کا حال بتایا کہ جب مومنوں نے دشمنوں کے لشکر جرار دیکھے تو ان کا ایمان اور اسلام بڑھ گیا۔ ان میں جذبۂ اطاعت وتسلیم اور زیادہ ہوگیا۔ انھوں نے اقرار کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پہلے ہی سے اس آزمائش اور تکلیف کی خبر دے رکھی تھی اور بتا دیا تھا کہ آخرکار اسلام کی فتح ہوگی۔ یہ بھی فرمایا کہ مومنوں کی شان ملاحظہ ہو کہ انھوں نے اللہ سے جو اقرار جہاد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ انھوں نے عہد کیا کہ خدا کی راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہوجائیں گے۔ یہ عہد بھی پورا کیا۔ بعض نے جان کی بازی لگائی مگر شہادت نصیب نہ ہوئی۔ اب بھی وہ اپنے عہد پر قائم ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کب اس سعادت سے بہرہ مند کرتا ہے۔ یہ سچے ایماندار ہیں، مصائب وتکالیف کا مقابلہ کرتے اور ہر آزمائش و ابتلا میں ثابت قدم رہتے ہیں اور ایسے ہی لوگ جنت کے حق دار ہیں۔ آزمائش کھرے اور کھوٹے، مخلص اور منافق، سچے اور جھوٹے میں امتیاز قائم کر دیتی ہے۔ آزمائش کا مقصد یہی ہے کہ ایمانداروں اور منافقوں کا پتہ چل جائے۔ یہ بھی بتایا کہ اللہ کے رحم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ گناہ گاروں کو معافی کا موقع دے، توبہ کرنے والوں کو معاف کر دے اور جو توبہ نہ کرے اسے عذاب دے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

اور اللہ نے کافروں کو لوٹا دیا وہ غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ وہ کوئی بھلائی نہ پا سکے اور لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہے اور اللہ طاقتور (اور) غالب ہے۔

آیت: ۲۵۔ تشریح الفاظ

رَدَّ: واپس کر دینا، پھیر دینا، لوٹا دینا۔
غَيْظ: غصہ، غیظ وغضب۔

خَيْرًا: فائدہ، بھلائی، نفع۔

مفہوم و مطلب: غزوۂ خندق میں اللہ کی غیبی مدد

اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا انعام اور احسان تھا کہ اس نے فرشتوں کے لشکر اور آندھی کے طوفان بھیج کر مسلمانوں کی عزت رکھ لی۔ خدا نے اپنے رسول ﷺ کی دعاؤں کو قبول فرمایا۔ دشمنوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ جب کفار نے حملہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ مُنَزِّلَ الْكِتَابِ ، سَرِيْعَ الْحِسَابِ ، اهْزِمِ الْاَحْزَابَ ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ))[1]

”اے اللہ! جس نے قرآن اتارا، جو جلدی حساب لینے والا ہے، دشمنوں کو شکست دے۔ اے اللہ! ان کو ہرا دے اور ہلا دے۔“

چنانچہ قرآن مجید نے کفار کی شکست کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو واپس پھیر دیا۔ انھیں دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع نہ ملا۔ غصے میں بھرے ہوئے ناکام لوٹ گئے۔ وہ اپنی ناکامی پر دانت پیس رہے تھے۔ اس مہم میں ان کو کوئی کامیابی اور فائدہ نہ ہوا بلکہ الٹا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ سفر کی تکالیف اور لشکر کے اخراجات نے ان کی کمر توڑ دی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کو جنگ کی مصیبتوں سے بچا لیا۔

کفار کی اس شکست کے بعد نبی کریم ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ ”اس کے بعد قریش حملہ کرنے کی کوشش نہ کرسکیں گے۔ اب تو یہ ہوگا کہ مسلمان ان پر چڑھائی کریں گے۔“[2] چنانچہ تاریخ نے اس اعلان کو سچ کر دکھایا۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ	اور (اللہ نے) اہل کتاب میں سے جنھوں نے (کافروں کی) مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ تم ایک گروہ

---

[1] صحیح البخاری: ۲۹۳۳، ۴۱۱۵ و صحیح مسلم: ۱۷۴۲۔

[2] صحیح البخاری: ۴۱۰۹، ۴۱۱۰۔

وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾	کو قتل کرتے اور ایک کو قیدی بناتے تھے۔
وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ	اور (اللہ نے) تمھیں وارث بنا دیا ان کی جاگیروں
وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ	کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مال کا اور اس
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾	سرزمین کا جہاں تم نے قدم بھی نہیں رکھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیات: ۲۶ تا ۲۷۔ تشریح الفاظ

ظَاهَرُوْ: مدد کرنا، اعانت کرنا۔ ظَهَرَ سے۔ هُمْ سے مراد ہے کفار، یعنی یہود بنی قریظہ نے کفار کی پشت پناہی کی۔

صَيَاصِيْ: (مفرد، صِيْصَةٌ) قلعے۔ قَذَفَ: ڈال دیا۔

فَرِيْقًا: گروہ، جماعت۔ پہلے فریق سے جنگجو مراد ہیں اور دوسرے فریق سے عورتیں اور بچے وغیرہ۔

تَأْسِرُوْنَ: تم اسیر کرتے ہو، تم قید کرتے ہو۔ اَسَرَ سے۔ لفظ اسیر اسی سے نکلا ہے۔

اَوْرَثَ: وَرِثَ سے باب افعال۔ وارث بنایا۔

اَرْضَ: لفظی معنی زمین، مراد جاگیریں اور باغات۔ دِيَارَ: سے مراد گھر، مکانات اور قلعے۔

اَمْوَالَ: سے مراد زیورات، ہتھیار، نقدی، مال مویشی، گھر کا سامان وغیرہ۔

تَطَـُٔوْ: تم پامال کرتے ہو، پاؤں رکھتے ہو۔ وَطِئَ يَطَأُ وَطْأً سے۔ لَمْ نفی کے معنی دیتا ہے اور فعل کو ماضی بناتا ہے۔ نفی کی وجہ سے معنی ہوں گے: تم نے پاؤں نہیں رکھا۔

مفہوم ومطلب: بنو قریظہ کے یہود کا انجام

جب کفارِ مکہ جنگِ خندق میں میدان چھوڑ کر ناکام و نامراد گھروں کو واپس چلے گئے اور آنحضرت ﷺ شہر میں واپس تشریف لے آئے تو ابھی ہتھیار کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا کہ یہودیوں کو بدعہدی اور غداری کی سزا دو، کیونکہ یہودیوں نے معاہدۂ صلح کے باوجود قریش مکہ سے ساز باز کی اور جنگِ خندق میں ان کا ساتھ دیا۔[1]

[1] صحیح البخاری: ۴۱۱۷۔ غزوۂ بنو قریظہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/۴۹۱۔۵۲۷

جب یہودیوں کو سزا دینے کا حکم پہنچا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ’’ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے بنوقُریظہ کے علاقے میں پہنچ جائے‘‘[۱] جو مدینے سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ آپ ﷺ اعلان فرماتے ہی فوراً روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر یہودی ڈر گئے اور عہد شکنی اور غداری کی معافی مانگنے لگے۔ مگر سزا کا حکم آجانے کے بعد معافی کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ مسلمانوں نے تقریباً پندرہ اور بقول بعض پچیس دن تک بنوقریظہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار یہودیوں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور فیصلہ کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا۔ چنانچہ انھوں نے تورات کے حکم کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ چنانچہ تقریباً سات سو یہودی قتل ہوئے اور اتنے ہی بچے اور عورتیں قید ہوئیں۔[۲]

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت: ۲۶، ۲۷ میں فرمایا کہ وہ بنوقُریظہ جنھوں نے قریش و غطَفان کے لشکروں کی اعانت کی تھی اللہ نے انھیں ان کے قلعوں سے نیچے اُتارا۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا۔ مسلمانوں نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ ان کی زمینیں، ان کے گھر اور مال و دولت مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ یہ تمام کامیابی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ظہور میں آئی اور ساتھ ہی پیش گوئی کر دی کہ ایسے علاقے بھی مسلمانوں کو عطا کیے جائیں گے جہاں انھوں نے قدم بھی نہیں رکھا۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾	اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو: اگر تم چاہتی ہو آسائش دنیا اور اس کی زینت تو آؤ میں تمھیں مال و سامان دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ	اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور آخرت کے گھر کو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے

---

۱ صحیح البخاری: ۹۴۶ و صحیح مسلم: ۱۷۷۰

۲ صحیح البخاری: ۴۱۲۲ و صحیح مسلم: ۱۷۶۸۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۵۰۳۔ ۵۱۳

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾	لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ	اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح گناہ کرے
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ	تو اس کے لیے دو چند عذاب ہے اور اللہ کے لیے یہ
ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾	بات آسان ہے۔

آیات: ۲۸ تا ۳۰۔ تشریح الفاظ

تُرِدْنَ: اَرَادَ يُرِيْدُ اِرَادَةً سے۔ تم چاہتی ہو۔

اَلْحَيٰوةَ الدُّنْيَا: لفظی معنی ہیں دنیا کی زندگی، مراد ہے دنیوی زندگی کی آسائش و راحت اور آسودگی۔

زِيْنَتَ: سے مراد مال و متاع، زیورات اور عمدہ کپڑے ہیں۔

تَعَالَيْنَ: عَلَا يَعْلُوْا عُلُوًّ سے۔ تم آؤ۔[1] مُّبَيِّنَةٍ: کھلی، صریح (مادہ، بین)۔

اُمَتِّعْكُنَّ: میں تمھیں مال و متاع دوں (مادہ، متع)۔

يَاْتِ بِ: اَتٰى يَاْتِيْ سے۔ آئے، ارتکاب کرے۔

فَاحِشَةٌ: بُری بات، بُرا کام، نافرمانی، گناہ، تکلیف دہ گفتگو، ناجائز مطالبہ وغیرہ۔

مفہوم و مطلب: ازواجِ مطہرات اور واقعہ تخییر

جب کفار مکہ کو شکست ہو چکی اور یہود بنی قریظہ کو ختم کر دیا گیا تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ سمجھ لیا کہ اب مال و دولت کی فراوانی اور حکومت اسلامی کا استحکام یہ چاہتا ہے کہ ازواجِ مطہرات تن آسانی اور شاہانہ ٹھاٹھ کی زندگی بسر کریں۔

صحیح مسلم اور سنن نسائی میں روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف فرما تھے۔ دونوں حضرات کو اندر آنے کی اجازت ملی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے ہیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات بھی آپ کے گرد بیٹھی ہوئی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بات پا گئے اور کہنے لگے کہ ایسی بات کہنی چاہیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دے۔ پھر کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی نے مجھ سے پیسے مانگے تو میں نے

[1] تَعَالَ کی اصل عَلُوٌّ سے ہے، پھر کثرت استعمال سے ترغیب و تخصیص کے معنی میں استعمال ہوا۔ یہ لفظ صرف امر میں استعمال ہوتا ہے۔ (حسن عز الدین، معجم و تفسیر لغوی لکلمات القرآن: ۳/ ۱۵۷)

اس کی گردن مروڑ دی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ ''یہ بھی پیسے مانگنے کے لیے میرے گرد بیٹھی ہیں۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے انھیں روک دیا۔[1] اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی جاہ وحشمت اور زینت وآرائش کی زندگی چاہتی ہو تو پھر میں تمھیں عمدگی سے رخصت کرنے کو تیار ہوں۔ میرے ہاں دنیا کی آسائشیں اور ٹھاٹھ کی زندگی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ میں دنیا جمع کرنے نہیں آیا۔ میرا منصب تو اخلاق سنوارنا اور پاکیزہ زندگی کی تعلیم دینا ہے۔ البتہ اگر تم کو خدا، خدا کا رسول اور آخرت کی زندگی عزیز ہے تو اس کا بڑا اجر ملے گا۔

جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو سب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہا کہ یارسول اللہ! ہمیں دنیا قطعاً عزیز نہیں، ہمیں تو آپ کی رفاقت پسند ہے۔[2] اس کے بعد آپ ﷺ نے انھیں ان کے منصب بلند سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہونے کی حیثیت میں تمھاری زندگی تو ایک مثالی زندگی ہے۔ تمھاری زندگی دنیا کی عورتوں کے لیے نمونہ ہے۔ تمھاری زندگی نہایت سادہ، اعلیٰ، پاکیزہ اور ہر لحاظ سے مثالی ہونی چاہیے۔ اسلامی آئین میں کوئی شخصیت قانون سے بالاتر نہیں۔ اگر تم بھی گناہ کا ارتکاب کروگی تو بایں رفعتِ مقام اور بلندی مرتبہ سزا سے بچ نہیں سکتیں، بلکہ تمھارے لیے دگنا عذاب ہے اور اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

آیت: ۳۰ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی بزرگی، پاکیزگی، بلندی اور سرفرازی کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ امہات المومنین سے بے حیائی یا گناہ سرزد نہ ہوگا۔ امام قرطبی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ﴿فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ سے مراد گناہِ قبیحہ نہیں بلکہ خاوند کی نافرمانی اور گھر میں بگاڑ مراد ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا مفہوم عام گناہ ہیں۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے زنا اور بے حیائی کا تصور بھی نہیں، البتہ وہ ایمان واطاعت میں کوتاہی کی مرتکب ہوسکتی ہیں۔[3]

---

[1] صحیح مسلم: ۱۴۷۸ والنسائی، السنن الکبریٰ: ۹۱۶۴

[2] صحیح البخاری: ۴۷۸۶۔ اس واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۹/ ۴۴۷ ۔ ۴۵۰

[3] القرطبی، التفسیر، الاحزاب: ۳۰

وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ ۙ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾	اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اسے دگنا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔

آیت: ۳۱۔ تشریح الفاظ

يَقۡنُتۡ: قَنَتَ يَقۡنُتُ قُنُوۡتًا سے۔ سر تسلیم خم کر دینا، جھک جانا، فرماں برداری کرنا، اطاعت کرنا، حکم ماننا۔ قَانِت فرماں بردار کو کہتے ہیں۔

نُؤۡتِ: ہم دیں گے (مادہ، اَتٰی)۔

رِزۡقًا كَرِيۡمًا: عزت والا رزق، باعزت روزی، مراد ہے جنت کی نعمتیں۔

مفہوم و مطلب: ازواج مطہرات کی خصوصی فضیلت

اس آیت میں ازواج النبی ﷺ کی عزت و بزرگی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کے بعد اعمال صالحہ کا سرمایہ جمع کریں گی ان کے لیے اللہ کے ہاں دو چند اجر کے علاوہ باعزت روزی اور جنت کی نعمتیں ہیں۔ پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ نافرمانی اور گناہ کا عذاب دُگنا ہوگا اور یہاں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور عمل صالح کا اجر بھی دو چند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی بیویوں کو نمونہ بنایا ہے۔ ایمان والی خواتین انھی کی راہ اختیار کریں گی، اس لیے جزا و سزا دُگنی مقرر کی۔

مقصد یہ ہے کہ اے ازواجِ نبی! تم دنیاوی جاہ و حشمت کا خیال نہ کرو۔ تمھارا منصب اور بزرگی بہت بلند ہے۔ تمھاری زندگی امت کی عورتوں کے لیے نمونہ اور مثال بن جائے گی۔ دنیا میں تمھارے لیے یہی عزت بہت ہے کہ تم حرمِ نبی ﷺ میں نورِ نبوت اور سرچشمہ ہدایت و حکمت سے بہرہ مند ہو۔ تمھارے لیے آخرت میں حقیقی آسائش اور بلندیِ درجات مقدر ہو چکی ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِيۡ فِيۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ	اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو، پس نرم آواز سے بات نہ کرو مبادا کہ طمع کرے وہ شخص جس کے دل میں روگ ہے اور

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾	اچھی معقول بات کہو۔
وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾	اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور نہ بناؤ سنگار دکھاتی پھرو پہلی جاہلیت کی طرح اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (گناہوں کی) آلودگی دور کردے۔
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾	اور یاد رکھو اس چیز کو جو تمھارے گھروں میں پڑھی جاتی ہے۔(یعنی) اللہ کی آیات اور سنت (رسول ﷺ) بے شک اللہ باریک باتوں کو جاننے والا خبردار ہے۔

آیات: ۳۲ تا ۳۴۔ تشریح الفاظ

تَخْضَعْنَ: خَضَعَ سے۔ نرمی سے بات کرنا، ملائم لفظ بولنا۔

مَرَضٌ: بیماری، روگ، مراد ہے شک وشبہ، فسق و فجور، منافقت وغیرہ۔

مَعْرُوْفًا: نیک، اچھی، معقول، بھلی، نیز دستور کے مطابق۔

قَرْنَ: قَرَّ يَقِرُّ قَرَارًا سے۔ تم ٹھہری رہو۔[1] بُیُوْت: (مفرد، بَيْت) گھر۔

تَبَرُّج: بناؤ سنگار دکھانا، زینت و آرائش کو ظاہر کرنا، زیبائشِ حسن کی نمائش۔

الرِّجْسَ: نجاست، گندگی، ناپاکی۔ مراد ہے گناہ کی آلودگی، نافرمانی کی کدورت۔

اَهْلَ الْبَيْتِ: گھر والے۔ مراد نبی ﷺ کی بیویاں۔ (بعض کے نزدیک حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔)[2]

اٰيٰتِ اللّٰهِ: سے مراد قرآن مجید اور اَلْحِكْمَةِ: سے مراد سنت و حدیثِ نبوی ہے۔

---

[1] قَرْنَ اصل میں اِقْرَرْنَ تھا، قَرَّ يَقَرُّ از باب علم یعلم سے۔ پہلی ر کو تخفیف کے لیے حذف کیا، قاف کو حرکت دینے سے ہمزہ وصلی حذف ہوئی۔ (مجموعۃ من العلماء بالازہر، التفسیر الوسیط: ۸ / ۱۷۹)

[2] سنن الترمذی: ۳۲۰۵

مفہوم ومطلب: ازواجِ مطہرات کے خصوصی احکام

ان آیات میں پھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ان کا منصب بلند یاد دلا کر چند سماجی اور اجتماعی آداب سکھائے۔ ازواجِ مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، تمھارا مقام اور مرتبہ سب عورتوں سے بلند و بالا ہے۔ کوئی دوسری عورت فضیلت اور بزرگی میں تمھاری ہم پلہ نہیں ہے۔ تمھارے دلوں میں اللہ کا تقویٰ بستا ہے۔ تم نورِ الٰہی کی روشنی میں اجر کی امید پر خدا اور رسول کی اطاعت کرتی ہو اور خدا کے عذاب سے ڈر کر گناہ اور معصیت کے کاموں سے بچتی ہو۔ اب تمھیں چاہیے کہ جب کسی غیر مرد سے بات چیت کی ضرورت آن پڑے تو دب کر نرمی سے بات نہ کرو بلکہ تمھاری گفتگو میں وقار، دبدبہ اور رعب پایا جائے تاکہ کسی روگی دل والے کو بُرا خیال بھی پیدا نہ ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ تمھاری ہر بات معقول ہو۔

غیروں سے اندازِ گفتگو سکھانے کے بعد ہدایت فرمائی کہ تم اپنے گھروں کی چار دیواری کے اندر رہو اور بغیر ضرورت وحاجت باہر نہ نکلو، کیونکہ بن سنور کر گلی بازار میں پھرنا زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کا دستور تھا۔ اسلامی نظامِ حیات میں اس کی اجازت نہیں۔ اسلام میں جاہلیت کے رسوم و آداب کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے تم بھی جب ضرورت سے باہر نکلو تو بن سنور کر مت نکلو۔ گھر میں رہو اور نماز روزہ کی پابندی کرو۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سرگرم رہو۔ اے نبی ﷺ کی گھر والیو! اللہ تعالیٰ کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی پاکیزگی سے بہرہ وافر عطا کرے۔ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اس نے تمھیں کاشانۂ نبوت میں جگہ دی، جہاں آیات کی تلاوت کی جاتی ہے، جہاں وحی نازل ہوتی ہے، جہاں احکامِ خداوندی اترتے ہیں اور حدیث وسنت کا ہر وقت ذکر رہتا ہے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر مصلحت کو خوب سمجھتا ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

مفسرین نے تَبَرُّج کے مختلف معانی بیان کیے ہیں: بعض کے نزدیک تَبَرُّج کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کا چھپانا بہتر ہے اسے ظاہر کیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا لباس جس سے عورت کا جسم ننگا ہو۔ اس لفظ میں وہ باریک لباس بھی شامل ہے جو جسم کو ڈھانپ نہ سکے۔ امام شوکانی کے نزدیک حسن وتجمل کی ایسی نمائش جس سے دیکھنے والے کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہو۔[1]

امام راغب نے مفردات میں ایک معنیٰ "بے ضرورت گھر سے باہر نکلنے" کے بھی لکھے ہیں۔[2] امام علی بن

---

[1] الطبری وابن عطیہ والشوکانی، التفسیر، الاحزاب: ٣٣

[2] الاصفہانی، المفردات، ص: ١١٥

طلحہ نے ''محاسن ظاہر کرنا'' بیان کیا ہے۔ امام مراغی کے نزدیک اس کا مطلب غیروں کے سامنے زینت و حسن کی نمائش ہے۔[۱]

ان آیات میں ازواج مطہرات کی وساطت سے عام مسلم عورتوں کو بھی ہدایت فرمائی کہ معاشرہ میں وہ کس طرح زندگی بسر کریں اور عام طور پر ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ عورت زینتِ کاشانہ ہے، رونقِ محفل نہیں۔ ان کا اوّلین فرض یہ ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت کر کے نیک اور مفید معاشرہ تعمیر کریں۔ عورتوں کی دینداری اور خدا پرستی کا اثر سارے معاشرے پر پڑتا ہے۔ اگر عورتیں گھروں میں صوم وصلوٰۃ کی پابند ہوں تو یقیناً ساری قوم پر اچھا اثر پڑے گا۔ گھر میں سب بچے بھی نماز روزے کی پابندی کریں گے اور اس کے فوائد سے بہرہ مند ہو کر ایک صالح معاشرہ پیدا کر سکیں گے۔

اے نبی ﷺ کی بیویو! زندگی کا یہ طور طریقہ اس لیے بتایا گیا تا کہ تمھارا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ تمھارے گھروں میں ہر وقت قرآن وسنت کے چرچے رہتے ہیں۔ قرآن وحدیث کو یاد رکھنے کا اہتمام کرتی رہو، کیونکہ اسی میں امت کی نجات مضمر ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۳۵

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

---

[۱] المراغی، التفسیر، الاحزاب: ۳۳

آیت: ۳۵۔ تشریح الفاظ

مُسْلِمٌ: سے مراد وہ شخص جو اسلام کو مان لے یعنی (۱) کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا دل اور زبان سے اقرار کرے، (۲) نماز پنجگانہ ادا کرے، (۳) زکوٰۃ دے، (۴) حج کرے، (۵) ماہِ رمضان کے روزے رکھے۔

مُؤْمِنٌ: وہ شخص ہے جو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے پیغمبروں پر، روزِ آخرت پر ایمان لائے۔[1]

قَانِت: سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کی عبادت جذبۂ اطاعت کے ساتھ کرے۔

مفہوم ومطلب: نیکیوں میں مرد اور عورت برابر ہیں

اس آیت میں بیان فرمایا کہ وہ مرد اور عورتیں جن کے دلوں میں اسلام، ایمان، اطاعت وعبادت گزاری کے جذبات موجود ہیں، وہ صادق جن کے قول وفعل میں ہم آہنگی اور مطابقت ہے، جو مشکلات کا مقابلہ کرتے، عبادات میں تکلیف برداشت کرتے اور دل پر پتھر رکھ کر گناہوں سے بچتے ہیں۔ جن میں حضور قلب اور عجز ونیاز موجود ہے، جو صدقہ خیرات کرتے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں، جو عفیف و پاکباز ہیں، جو برائی اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جو اللہ کو بکثرت یاد کرتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجرِ عظیم مقرر کر دیا ہے۔ یہ اوصاف گناہوں کی معافی اور اجرِ عظیم کو مستحق ٹھہراتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶	اور کسی مومن مرد کو جائز نہیں اور نہ مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے معاملہ میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔
وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ	اور (اے نبی ﷺ!) جب تم کہتے تھے اس شخص کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم نے بھی اس پر انعام

---

[1] تقدیر پر ایمان بھی ضروری ہے۔

وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

کیا، اپنے پاس رکھ اپنی بیوی کو اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں چھپاتے تھے وہ بات جو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، پھر جب زید نے اس سے قطع تعلق کر لیا تو ہم نے اسے تمھارے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جبکہ وہ ان کو طلاق دے دیں اور اللہ کا حکم (پورا) ہو کر رہنا تھا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۨ ﴿۳۸﴾

نبی (ﷺ) پر اس بات میں کوئی حرج نہیں جو کہ اللہ نے ان کے لیے فرض کر دی ہے، اللہ کا (یہ) دستور ان لوگوں میں (بھی) رہا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور یہ اللہ کا طے شدہ حکم تھا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

وہ لوگ جو اللہ کے پیغام پہنچاتے اور اس ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ بہت کافی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

(حضرت) محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

آیات: ۳۶ تا ۴۰۔ تشریح الفاظ

مَا كَانَ: جائز نہیں، حق نہیں، زیب نہیں دیتا۔ اَلْخِيَرَةُ: اختیار۔

اَلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ: سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کی نعمت سے

سرفراز اا ور نبی کریم ﷺ نے انھیں غلامی سے آزادی دلوا کر ان پر احسان کیا۔

زَوْجَكَ: اپنی بیوی، مراد ہیں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔

تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ: کے مفہوم اور تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین اس کا مخاطب آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خواہش تھی کہ زید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ چونکہ یہ نکاح آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہوا تھا، قدرتی طور پر آپ چاہتے تھے کہ دونوں میاں بیوی آپس میں نباہ کرتے رہیں۔ آپ کے دل میں یہ خدشہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی تو لوگ باتیں کریں گے اور کہیں گے کہ ان کا نباہ نہیں ہو سکا۔ آپ ﷺ ان کے تعلقات کی کشیدگی اور اَن بَن کو لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا کہ طلاق ہو جائے تاکہ اس سے تکمیل دین کا ایک پہلو نکل سکے۔

قَضٰى وَطَرًا: حاجت پوری کرنا، قطع تعلق کرنا۔ سُنَّةَ اللّٰهِ: اللہ کا طریق، دستور۔

زَوَّجْنٰكَهَا: ہم نے اسے (زینب کو) تیرے عقد نکاح میں دے دیا۔ یہ تکمیل دین کی خاطر تھا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ آخری نبی تھے، آپ کے بعد شریعت اور نبوت کا دروازہ بند کرنا مقصود تھا، اس لیے معاشرے کی ایک ایک برائی کو دور کر کے تکمیل دین مقصود تھی۔

حَسِيْبًا: کافی، نیز حساب لینے والا۔ لفظی معنی ''کافی ہے اللہ بطور کفایت کرنے والے کے'' یعنی اللہ بہت کافی ہے۔ اگر دوسرے معنی لیے جائیں تو پھر ترجمہ یہ ہوگا: ''اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔''

خَاتَمَ: آخری، جس کے بعد کوئی دوسرا نہ ہو۔ وہ جس کے ساتھ کسی چیز کو ختم کر دیا جائے، یعنی نبیوں کے سلسلے کو آپ ﷺ کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔

مفہوم و مطلب: سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اِن آیات کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے لے پالک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ بات پسند نہ تھی۔ ان کے ذہن میں اپنی خاندانی شرافت، بزرگی کا تفوق اور برتری کا احساس موجود تھا۔ وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو غلام سمجھ کر انھیں ناپسند کرتی تھیں۔ نکاح کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہو کر شکایت کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا سلوک اچھا نہیں۔[1] آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور طلاق کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ جب میاں بیوی کے تعلقات میں کشیدگی بہت بڑھ گئی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ پھر چند رسومِ جاہلیت اور اوہامِ باطلہ کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے عقدِ نکاح میں لے لیا۔ اس زمانے میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا تصور کیا جاتا تھا اور لے پالک کی مطلقہ بیوی سے شادی نکاح جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ خدا نے اس غلط ذہن کو ختم کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کرا دیا۔[2]

چنانچہ ان آیات میں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے سامنے چون و چرا کرنا کسی مومن مرد یا عورت کے لیے جائز نہیں۔ اللہ اور رسول کی نافرمانی کرنا کھلی گمراہی ہے۔

جب نکاح کا تذکرہ ہوا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ بات پسند نہ آئی، مگر جب یہ آیات سنیں تو وہ حضرت زید سے نکاح کے لیے آمادہ ہوگئیں۔ لیکن ذہن میں نسلی اور خاندانی تفوق سمایا ہوا تھا۔ بن نہ آئی۔ کچھ دیر حضرت زید بحکم نبوی نباہ کرتے رہے لیکن آخر طلاق ہوگئی تو خدا کے حکم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوگئیں۔ اس نکاح کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ ایمان والوں کے لیے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہ رہے۔ پھر بتایا کہ یہ نکاح اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ اللہ کے احکام کی تابعداری میں لے پالک کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے میں نبی ﷺ کے لیے کوئی حرج نہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے پہلے بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مقصد یہ کہ یہود مدینہ جو اس بات کو ہوا دے رہے ہیں ان کے اپنے گھر میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ہاں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ضرور پالا پوسا ہے لیکن آپ ﷺ ان کے حقیقی باپ نہیں ہیں۔ البتہ بحیثیت نبی آپ ﷺ ساری امت کے

---

[1] حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں بتایا: اے اللہ کے رسول! میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا لیکن وہ اپنے خاندانی شرف کی وجہ سے مجھ پر عظمت جتاتی ہیں اور مجھے اپنی زبان سے تکلیف دیتی ہیں۔ (مختصر تفسیر بغوی، الاحزاب: ۳۷)

[2] صحیح البخاری: ۴۷۸۷۔ اس نکاح مبارک کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۲۵۵- ۲۷۲

روحانی باپ ہیں اور اس قسم کے روحانی باپ کہ آپ ﷺ کے بعد امت محمدیہ کا اور کوئی روحانی باپ نہیں بن سکتا اور آپ کی ازواجِ مطہرات امت کی مائیں ہیں۔ آپ ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ قرآن آخری کتاب ہے اور یہ امت آخری امت ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں۔ ختم نبوت کے متعلق احادیث میں بڑی وضاحت ہے۔ بقولِ امام قرطبی امت کے تمام فرقوں کا اس عقیدے پر اتفاق رہا ہے: ''لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ ﷺ''[1] یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کو بہت یاد کرو۔
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾	اور اس کی تسبیح کرو صبح و شام۔
هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾	وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے۔
تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾	جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کی دعا (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگی اور اللہ نے ان کے لیے عزت والا اجر تیار کر رکھا ہے۔

آیات: ۴۱ تا ۴۴۔ تشریح الفاظ

ذِكْرًا كَثِيْرًا: مراد ہے کہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

تَسْبِيْح: سے مراد ہے سبحان اللہ کہنا، یعنی اللہ کی پاکیزگی بیان کرنا۔ احادیث میں ذکر الٰہی کے سلسلے میں بکثرت اذکار اور اوراد مذکور ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پڑھنے کا بھی بڑا ثواب اور اجر ہے۔[2]

يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ: اللہ تم پر صلاۃ یعنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتوں کی صلاۃ مومنوں کے حق میں دعائے مغفرت اور استغفار ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ٦١٩٤ و سنن ابن ماجہ: ١٥١٠

[2] صحیح البخاری: ٦٦٨٢

ظُلُمٰتِ: (مفرد ، ظُلْمَۃٌ) تاریکیاں، اندھیرے۔ مراد ہے نافرمانی اور گمراہی کی تاریکیاں، گناہوں کی تاریکیاں، عقائد باطلہ کی تاریکیاں۔ اسی طرح نُوْر سے مراد ہے اطاعت و ہدایت کی روشنی، صحیح عقائد اور نیکی کی روشنی۔

تَحِیَّۃٌ: (مادہ، حیّ) دعائے ملاقات۔

مفہوم و مطلب: ذکر الٰہی کا حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے وہ لوگو جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہو اور جنھوں نے اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے اور جنھوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کی تصدیق کی ہے! تم اللہ کو بہت یاد کیا کرو۔ صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو کیونکہ اس نے تم پر بڑا احسان کیا۔ تم کو امتِ محمدیہ میں شامل ہونے کی توفیق ارزاں کی۔ رات بھر سونے کے بعد صبح کے وقت تمھیں نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔ اس کے شکریے میں تم نمازِ فجر ادا کرتے ہو۔ دن بھر کے کام کاج میں بھی یادِ الٰہی سے غافل نہ رہو۔ جب شام کو روزی کمانے کے دھندوں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر اپنے رب کو یاد کرو۔ اسلام میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ اللہ کا ذکر ہر وقت وردِ زبان رہے۔ قرآنِ مجید اور احادیث میں بکثرت مذکور ہے کہ ذکر الٰہی بکثرت کیا کرو۔ ذکرِ الٰہی اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ تم پر صبح و شام ہر وقت رحم کرتا ہے۔ اس کے فرشتے بھی تمھارے لیے رحم اور مغفرت کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾[1] نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ ہمیشہ ہر بھلائی میں ہمیں بھی شریک کیا کرتا تھا، یہاں ہمیں رحمت سے کیوں محروم کر دیا؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ اس نے ہمیں کفر کی تاریکیوں اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی اور ایمان کا نور عطا کیا اور گمراہی کے بدلے ہدایت دی۔ اس کی رحمت یہیں ختم نہیں ہوتی، وہ قیامت کے دن بھی ایمان والوں کو اپنے سایۂ رحمت میں لے کر ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے گا۔ جب ایمان دار لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے سلام بھیجیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان داروں کے لیے جنت کی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو باعث عزت و تکریم ہوں گی۔ نبی کریم ﷺ نے ان نعمتوں کا ذکر

[1] الاحزاب: ۳۳/۵۶

[2] السیوطی، لباب النقول، ص: ۱۶۰

کرتے ہوئے فرمایا کہ ”وہ ایسی نعمتیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔“[1] ان نعمتوں کا حصول اللہ کے رحم و کرم کی بدولت ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۴۵	اے نبی (ﷺ)! ہم نے بھیجا تم کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔
وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝۴۶	اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور روشن کرنے والا سورج۔
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝۴۷	اور مومنوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔
وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۴۸	اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو اور ان کی ایذا کی پروا نہ کرو اور اللہ پر بھروسا رکھو اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔

آیات: ۴۵ تا ۴۸۔ تشریح الفاظ

شَاهِدًا: گواہ۔ آنحضرت ﷺ اپنے تصدیق کرنے والوں اور تکذیب کرنے والوں کی بابت گواہی دیں گے، نیز اس بات کی گواہی کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو تبلیغ دین کی، پھر شَاهِد بمعنی نمونہ بھی آتا ہے۔

دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ: سے مراد ہے توحید، ایمان اور عمل صالح کی دعوت دینے والا۔

سِرَاجًا مُّنِيْرًا: سے مراد ایسا روشن کرنے والا سورج جس کے سامنے سب چراغ ماند پڑ جاتے ہیں۔ اس کا یہ بھی مفہوم ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ ایسا چراغ ہدایت یعنی قرآن لائے ہیں جو تاریک دلوں میں اجالا کردیتا ہے اور چراغِ راہ بن کر صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

دَعْ: لفظی معنی ہیں چھوڑ دے۔ وَدَعَ يَدَعُ سے۔ لفظ الوداع اسی سے نکلا ہے۔ یعنی ان کی ایذارسانی کو نظر انداز کردو، خاطر میں نہ لاؤ۔

---

[1] صحیح البخاری: ۳۲۴۴

مفہوم ومطلب: نبی اکرم ﷺ کے فضائل ومناقب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے منصب کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا: اے نبی ﷺ! ہم نے تمھیں اپنی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ان کے اعمال واحوال کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ آپ قیامت کے روز ان کی تصدیق وتکذیب کے بارے میں شہادت دیں گے۔ آپ کا یہ بھی منصب ہے کہ آپ ایمان والوں کو خوشخبری سناتے ہیں کہ نیک اعمال کے بدلے ان کو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی۔ آپ کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ آپ بُرے لوگوں کو ان کی برائیوں کے نتائج سے آگاہ کرتے ہیں۔ آپ ان کو بتاتے ہیں کہ بداعمالیوں کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ آپ کے منصب جلیل کے بہت سے پہلو ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ حکم الٰہی سے لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں، تاکہ لوگ ایک خدا کو مان کر اسی وحدہٗ لاشریک کی اطاعت وعبادت کریں۔ اسی کی ذات کو حاضر ناظر جان کر اسی کا ڈر اور اسی کی محبت پیدا کریں۔ آپ لوگوں کے لیے چراغ راہ ہیں۔ جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں اور شرک وکفر کے اندھیروں میں آپ کے نورِ نبوت کو دیکھ کر لوگ رشد وہدایت حاصل کرتے ہیں۔

اے نبی ﷺ! ایمانداروں کو خوشخبری سنا دو کہ یہ اللہ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نے تمھیں ساری امتوں پر فضیلت عطا کی، تمھیں امت محمد ﷺ میں شامل کیا۔ تمھیں ایمان وعمل صالح کا وارث بنایا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم جنت کے باغوں میں مزے کرو گے۔ پھر فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آیئے۔ ان کی اذیتوں کی پروانہ کیجیے۔ تبلیغ کی راہ میں تمام مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہوئے اللہ پر بھروسا رکھیے، کیونکہ اللہ بہترین کارساز ہے۔ جو آدمی اس پر بھروسا کرتا ہے اور اسی کو کارساز سمجھتا ہے وہ اس کے تمام کام پورے کر دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے
الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ	عقد نکاح کرو، پھر تم انھیں طلاق دے دو قبل اس کے
تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ	کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ تو تمھیں کوئی حق نہیں کہ تم ان کی
تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ	عدت کے دن گنو، پس ان کو مال ومتاع دنیا اور دے
سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾	دلا کر بہت اچھی طرح رخصت کرو۔

آیت: ۴۹۔ تشریح الفاظ

تَمَسُّوْ: تم چھوؤ، یعنی ہاتھ لگاؤ۔
هُنَّ: سے مراد عورتیں ہیں جن سے تم نے عقدِ نکاح کیا ہے۔
عِدَّةٍ: لفظی معنی گنتی، مراد عدت کے دن۔
تَعْتَدُّوْنَهَا: جسے تم گنتے ہو، جسے تم شمار کرتے ہو۔

مفہوم و مطلب: مطلقہ کی عدّت

کچھ آیات پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قصے میں اس بات کا اشارہ تھا کہ جب عقد نکاح کے بعد مرد اور عورت میاں بیوی بن کر رہیں تو طلاق کی صورت میں عدت پوری کرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح ہوگا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح عدّت کے بعد ہوا۔ اب اس آیت میں ایک دوسری صورت بیان فرماتے ہوئے ایمان والوں کو مخاطب کیا کہ جب عقد نکاح کے بعد طلاق ہو جائے اور عورت اور مرد کو میاں بیوی بن کر اکٹھا رہنے کا موقع نہ ملا ہو تو پھر عدّت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں طلاق کے فوراً بعد دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھو کہ اس علیحدگی کے وقت بھی تم اچھے اخلاق اور اعلیٰ ذہنیت کا ثبوت دو۔ مرد کو چاہیے کہ حسبِ استطاعت عورت کو کپڑے اور زیور وغیرہ دے دِلا کر اچھی طرح رخصت کرے۔ ایسے نازک مرحلے پر تلخی کا امکان ہوسکتا ہے، لیکن فرمایا کہ ﴿سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ یعنی گھروں سے نکالتے وقت نہایت نرمی سے بات کرو، کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ نکالو جو فریقین کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ بتایا کہ اگر میاں بیوی کی نبھ نہ سکے تو نہ سہی، الگ الگ ہو جاؤ، لیکن طبیعتوں میں تیزی نہ آنے پائے۔ بدزبانی اور سخت کلامی پر نہ اتر آؤ۔ ایسے نازک موڑ پر بھی انسانی شرافت اور اخلاقی بلندی کا عمدہ نمونہ یہی ہے کہ مرد حسن سلوک کرے اور میٹھی زبان سے الوداع کہے ؎

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے　　نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ

اگر آج ہم اس حکمِ الٰہی پر کاربند ہو جائیں تو ہمارے معاشرے میں اخلاقی بلندی اور اِنسانی شرافت پھر پیدا ہو جائے۔

فقہی مسائل

اس آیت میں کئی اہم فقہی باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ نکاح کا لفظ یہاں محض عقدِ نکاح کے لیے استعمال ہوا ہے۔

دوم یہ کہ میاں بیوی کے ملنے سے پہلے بھی طلاق ہو سکتی ہے۔ سوم یہ کہ اس صورت میں عدت کی کوئی قید نہیں۔ چہارم یہ کہ طلاق کی صورت عقدِ نکاح کے بعد پیدا ہوتی ہے، نکاح سے پہلے طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پنجم یہ کہ علیحدگی کے وقت حسنِ سلوک کرنا چاہیے۔ البتہ اگر حق مہر مقرر ہو چکا ہو تو پھر صورت بالا میں حق مہر کا نصف ادا کرنا ہوگا۔[1]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰

اے نبی! ہم نے تمھارے لیے جائز کر دی ہیں تمھاری وہ بیویاں جنھیں تم نے مہر دے دیے ہیں اور وہ جن کا تمھارا دایاں ہاتھ مالک ہوا ان میں سے جو اللہ نے آپ کو (کفار سے) بطور مال غنیمت دلوادیں اور تمھارے چچا کی بیٹیاں اور تمھاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمھارے ماموں کی بیٹیاں اور تمھاری خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے تمھارے ساتھ ہجرت کی اور جو مومن عورت اپنے تئیں نبی (ﷺ) کو بخش دے بشرطیکہ نبی (ﷺ) اس سے نکاح کرنا چاہیں، یہ اجازت خالص آپ کے لیے ہے عام مومنوں کے لیے نہیں۔ ہم کو معلوم ہے جو کچھ ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے بارے میں فرض کیا ان کے بارے میں جن کے ان کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت: ۵۰۔ تشریح الفاظ

اَحْلَلْنَا: ہم نے حلال کر دیا، جائز ٹھہرا دیا۔

اُجُوْر: (مفرد، اَجر) حق مہر۔

اَفَآءَ: (فَیٔ سے) بطور مال غنیمت دلایا۔

خَالِصَةً: خاص۔ صرف۔

---

[1] البقرہ: ۲/ ۲۳۷

مَافَرَضْنَا: جو کچھ ہم نے فرض کیا۔ مراد یہ ہے کہ عام مومنوں کے لیے نکاح کی کچھ شرطیں ہیں، مثلاً عورت کا ولی، دو گواہ اور حق مہر وغیرہ۔

مفہوم ومطلب: نبی ﷺ کے لیے ازدواجی احکام

اس آیت میں فرمایا: اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کے لیے آپ کی سب ازواج مطہرات کو جائز ٹھہرایا، کیونکہ آپ کی غرض نکاح محض دینی ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی تعیین کر دی گئی تو قدرتی طور پر چار سے زائد والوں کو چھوڑنی پڑیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے لیے یہ حکم خاص ہے کہ آپ کے حرم میں جس قدر بیویاں ہیں وہ سب آپ کے لیے جائز ٹھہرائی گئی ہیں۔ آپ ﷺ کو اس چار والی تعیین سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ پھر ازواجِ مطہرات کی اقسام وانواع بیان فرمائیں کہ ان میں ایک قسم ان کی ہے جن کے حق مہر آپ نے ادا کر دیے ہیں۔ عام طور پر آپ ﷺ پانچ سو درہم بطور حق مہر دیتے تھے۔[1] البتہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کو چار سو دینار ملے کیونکہ نجاشی (شاہ حبش) نے یہ مہر مقرر کرکے آپ ﷺ کی طرف سے خود ادا کر دیا تھا۔[2]

دوسری قسم میں دشمن کی وہ عورتیں شامل ہیں جو میدان جنگ میں آپ ﷺ کے ہاتھ آئیں۔ دشمن کی قیدی عورتوں کو مال غنیمت میں شمار کیا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا کو، جو جنگ خیبر میں قید ہو کر آئی تھیں، آزاد کر کے عقدِ نکاح میں لے لیا اور اس آزادی کو حق مہر ٹھہرایا۔[3] اسی طرح بنی مُصطلق کے قیدیوں میں حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا آئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو روپے دے کر انھیں آزاد کرا دیا، پھر ان کو عقد نکاح میں لے لیا۔[4] یہی آزاد کرانا حق مہر ٹھہرایا۔ حضرت

[1] سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۶۔ ازواجِ مطہرات کے حق مہر کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۱۰/ ۴۰۵۔۴۸۰

[2] سنن أبي داود: ۲۱۰۸۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۸/ ۲۸۷۔۲۹۷

[3] صحیح البخاري: ۳۷۱ و صحیح مسلم: ۱۳۶۵۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۸/ ۴۲۳۔۴۲۵

[4] دراصل یہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں اور انھوں نے ان سے مکاتبت کر لی، پھر یہ اس کے تعاون کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو مکاتبت کی ادائیگی کر کے انھیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (صحیح البخاري: ۳۹۳۲)

جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے اتنی بابرکت ثابت ہوئیں کہ ان کی وجہ سے بنی مصطلق کے سو خاندان کے جنگی قیدی آزاد کر دیے گئے۔[1]

اس کے بعد فرمایا کہ یہ رشتے دار عورتیں بھی نبی ﷺ کے عقدِ نکاح میں آسکتی ہیں: چچا کی لڑکیاں، پھوپھیوں کی لڑکیاں، ماموں کی لڑکیاں، خالاؤں کی لڑکیاں جنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت سیدہ امّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کی دل جوئی کے لیے نکاح کا مشورہ دیا تو انھوں نے رسالت مآب ﷺ سے معذرت کی کہ میں بوڑھی اور کثیر الاولاد ہوں۔[2]

نکاح کے بارے میں اسلام نے بڑی اعتدال کی راہ اختیار کی۔ عیسائی قریبی رشتہ داروں سے نکاح جائز نہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک نکاح کے لیے کم ازکم سات پشتوں میں کسی رشتہ داری کا نہ ہونا ضروری تھا۔ اس کے مقابلے پر یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے بہن اور بھائی کی لڑکیوں سے نکاح کرتے تھے۔[3] اسی طرح ہندوؤں بالخصوص برہمنوں میں یہ رسم ہے کہ اپنے رشتہ داروں میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ اسلام نے اس افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی لڑکی سے آنحضرت ﷺ کے لیے نکاح جائز قرار دیا، بشرطیکہ انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ البتہ امت کے لیے یہ شرطِ ہجرت نہیں رکھی۔

ان رشتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے یہ بھی اجازت مرحمت فرمائی کہ اگر کوئی مومن عورت آنحضرت ﷺ سے نکاح کے لیے درخواست کرے اور آپ ﷺ کا ارادہ نکاح ہو تو آپ ﷺ اس کو حق مہر کے بغیر اپنے عقد نکاح میں لے سکتے ہیں۔ موہوبہ عورت سے اجازتِ نکاح بغیر حق مہر خاص آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے لیے ہی ہے۔ عام مسلمانوں کو اس قسم کے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اس آیت میں یہ نکتہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے لیے کافر عورت سے نکاح جائز نہ تھا، اس لیے مومنہ کی شرط لگا دی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس قسم کی کوئی موہوبہ عورت آپ ﷺ کے عقدِ نکاح میں نہ آئی تھی جس کو آپ ﷺ نے حق مہر

[1] سنن أبي داود: ۳۹۳۱۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۲۸۵۔ ۲۸۶

[2] الذہبي، سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۳۱۴ والمقریزي، إمتاع الأسماع: ۶/ ۱۰۴

[3] تفسیر مظہری، النساء: ۲۸

نہ ادا کیا ہو۔[1]

اس کے بعد فرمایا کہ امت کے لیے ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ عقد نکاح کے لیے حق مہر مقرر کیا جائے اور گواہوں کی موجودگی میں ولی یا سرپرست کی زیر نگرانی نکاح پڑھا جائے۔ نیز منکوحہ عورتوں کی تعداد چار سے بڑھنے نہ پائے۔ البتہ جنگ میں قید ہونے والی عورتوں سے نکاح بوقت ضرورت جائز ہے۔ اس صورت میں چار کی تعداد کی پابندی اٹھ جاتی ہے، کیونکہ اس میں ایک قومی اور ملکی مصلحت مدنظر ہے۔[2]

پھر فرمایا کہ نکاح کے سلسلے میں وہ پابندیاں اور شرائط جو عام امت کے لیے ہیں، آپ ﷺ ان سے مستثنیٰ ہیں اور یہ اس لیے کہ آپ ﷺ پر خواہ مخواہ بار نہ پڑے۔ یہ خاص رعایت دینی، سیاسی اور اجتماعی مصلحتوں کے پیش نظر دی گئی اور یہ رعایت اللہ کی کرم نوازی اور رحمت کے سبب ہے۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَ لَا یَحْزَنَّ وَ یَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾

(تم کو اختیار ہے کہ) ان میں سے جسے چاہو پیچھے رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس جگہ دو اور جسے تم (چاہو) طلب کرو جن کو تم نے چھوڑ دیا ہے، تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کریں اور وہ سب راضی رہیں اس پر جو تم انھیں دو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے (اور) بردبار ہے۔

آیت: ۵۱۔ تشریح الفاظ

تُرْجِیْ: رَجی سے باب اِفعال۔ تم پیچھے رکھو، تم علیحدہ رکھو، تم الگ کر دو۔

تُئْوِیْ: اَوٰی یَاْوِی سے باب اِفعال۔ تم پناہ دو، پاس رکھو۔

---

[1] اس سے مراد لونڈیوں سے تمتع ہے۔ اسلام نے اس کی کوئی حد بندی مقرر نہیں کی۔ لونڈی سے مراد شرعی جہاد کے نتیجے میں قید ہونے والی عورتیں ہیں، جن کو امیر کی اجازت سے مجاہدین میں بطورِ کنیز تقسیم کیا جاتا ہے۔ لونڈی سے صرف اس کا مالک بغیر نکاح کے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اگر مالک اس کی شادی کسی دوسری جگہ کر دے تو پھر اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ لونڈیوں کے احکام کی تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۲/۱۴، ۵۲۸، عنوان: غلامی۔

[2] القرطبی وابن کثیر، التفسیر، الاحزاب: ۵۰۔ اس سے مراد لونڈی سے نکاح کے بغیر تمتع ہے۔

عَزَلْتَ: تم نے چھوڑ دیا، الگ کر دیا۔ معزول اسی سے نکلا ہے۔ جُنَاح: گناہ۔

تَقَرَّ: قَرَّ سے۔ ٹھنڈی ہوں۔ قُرَّةُ الْعَيْن: آنکھ کی ٹھنڈک۔

يَحْزَنَّ: حزن سے۔ وہ عورتیں غم کریں۔

يَرْضَيْنَ: وہ عورتیں راضی ہوں۔ رَضِيَ يَرْضٰى سے۔ رضا اور راضی اسی سے نکلے ہیں۔

مفہوم و مطلب: بیویوں سے متعلق نبی ﷺ کو خصوصی اختیار

نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ ازواجِ مطہرات کے پاس باری باری جاتے تھے۔[1] اللہ تعالیٰ نے حالات کے پیش نظر اس پابندی کی زحمت سے آنحضرت ﷺ کو بچا لیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دے دی کہ آپ جب چاہیں کسی بیوی کی باری کو چھوڑ دیں اور اس کی بجائے دوسری کے پاس چلے جائیں۔ آپ کو اختیار دیا گیا کہ آپ جس بیوی کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔ آپ ﷺ کو اس بات کی بھی اجازت دی گئی کہ آپ ان ازواج مطہرات میں سے بھی جس کو چاہیں بلا لیں جنھیں آپ ﷺ نے باری سے معزول فرما دیا تھا۔ فرمایا کہ باری سے معزول بیویوں کو اپنے پاس بلانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس کی حکمت اور مصلحت یہ بیان فرمائی کہ جب ازواج مطہرات کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ باری باندھنے میں آپ پر کوئی پابندی نہیں رہی، بلکہ آپ ﷺ کو ہر طرح کا اختیار دے دیا گیا ہے اور جب آپ اپنے اختیار سے ان کے واسطے باری مقرر فرما دیں گے تو وہ خوش رہیں گی اور آپ کے اخلاقِ حسنہ اور احسان کی معترف ہوں گی کہ آپ نے مجبوری کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی مرضی اور خوشی سے ہر ایک کو اپنی رفاقت اور مصاحبت سے سرفراز فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا حسن سلوک، عدل و انصاف اور اختیار و پسند ان کی دل جوئی، خوشی اور مسرت کا موجب ہوگا۔ اس طریق کار سے کسی کا دل نہ دکھے گا۔ پھر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تمھارے دل کس طرف زیادہ مائل ہیں۔ چونکہ وہ علیم اور حلیم ہے، اس لیے اس کے علم اور حلم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر بات کو جانے اور ہر شخص کو مہلت دے اور بردباری سے کام لے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ فرمایا کہ ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے۔“ عرض کی گئی کہ مردوں میں سے؟ فرمایا: ”ان کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے۔“[2]

---

[1] صحیح البخاری: ٥٠٦٧ و سنن أبي داود: ٢١٣٨

[2] صحیح البخاری: ٣٦٦٢ و صحیح مسلم: ٢٣٨٤

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِیۡبًا ﴿۵۲﴾	(اے نبی ﷺ!) اس کے بعد اور عورتوں (سے نکاح) تمھارے لیے جائز نہیں اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم ان کی جگہ اور بیویاں کرلو اگرچہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو سوائے اس کے جو تمھارا دایاں ہاتھ مالک ہو چکا ہے اور اللہ ہر شۓ پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

آیت:۵۲۔ تشریح الفاظ

یَحِلُّ: حلال ہونا، جائز ہونا۔ تَبَدَّلَ: تو تبدیل کرلے، بدل لے۔

اَعۡجَبَ: پسند آنا، اچھا لگنا، بھانا۔ رَقِیۡب: نگہبان، محافظ، نگران۔ جس سے کوئی چیز اوجھل نہ رہے۔

مفہوم و مطلب۔ بیویوں کی تعداد کی حد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر پابندی لگادی کہ اس کے بعد آپ کسی اور عورت سے نکاح نہیں کرسکتے اور نہ موجودہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ کسی ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری عورت کو بیوی بنا سکتے ہیں، خواہ وہ کتنی ہی دل پسند اور خوبصورت کیوں نہ ہو۔ اللہ ہر ارادے کو جانتا ہے۔ ہر چیز اس کی نظروں میں ہے۔

اس آیت کریمہ میں ایک فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ نکاح سے پہلے مرد کے لیے اجازت ہے کہ اگر ممکن ہو تو بننے والی بیوی کو دیکھ لے۔[1] احادیث میں بھی اس امر کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر ہو سکے تو بیوی کو دیکھ لیا جائے۔'' اس کا مقصد یہ ہے کہ بعد میں پیدا ہونے والی قباحتوں اور برائیوں سے انسان بچ سکتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے انصار میں منگنی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بہتر یہ ہے کہ لڑکی کو دیکھ لو، کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔''[2]

بعض محدثین نے کہا کہ انصاری عورتوں کی آنکھیں نیلگوں ہوتی تھیں۔ بعض نے گربہ چشم بتایا، کسی نے کہا کہ چھوٹی ہوتی تھیں اور بعض نے کہا کہ ان کی آنکھوں میں گِد آجاتی تھی۔[3] ان ہدایات کا مقصد صرف

---

[1] سنن أبي داود:۲۰۸۲

[2] صحیح مسلم:۱۴۲۴

[3] النووي، شرح مسلم:۹/۲۱۰؛ ابن حجر، فتح الباري، الحدیث:۵۱۲۵

یہ ہے کہ دیکھ لینے کے بعد محبت و الفت مضبوط و محکم ہو جاتی ہے اور انفرادی اور ذاتی ذمہ داری پیدا ہونے والی الجھنوں کو دور کر کے زندگی کو خوشگوار بنا دیتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ داخل ہو نبی (ﷺ) کے گھروں میں مگر یہ کہ اجازت دی جائے کھانے کے لیے، نہ انتظار کرتے ہوئے اس کے پکنے کا۔ لیکن جب تمھیں بلایا جائے تو داخل ہو، پھر جب کھانا کھالو تو اپنے ہاں چل دو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ۔ یقیناً یہ بات نبی (ﷺ) کے لیے باعث تکلیف تھی مگر وہ تم سے حیا کرتے تھے اور اللہ حق بات کہنے میں کوئی شرم نہیں کرتا اور جب تم کوئی چیز ان (ازواجِ مطہرات) سے مانگو تو پردے کے پیچھے سے ان سے مانگو۔ یہ بات تمھارے دلوں کے لیے اور ان کے دلوں کے لیے بڑی پاکیزگی کی ہے اور تمھیں جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ کہ آپ ان کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح کرو، بے شک یہ بات اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔
اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾	اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا چھپاؤ اس کو تو یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

آیات: ۵۳ تا ۵۴۔ تشریح الفاظ

اِنٰىهُ: وقت، یعنی کھانے کا وقت یا کھانا پکنے کا۔ اَنٰى يَاْنِيْ اَنَاةً سے۔ آنٍ واحد اسی سے نکلا ہے۔ ہُ کی ضمیر کھانے کی طرف ہے۔ نٰظِرِيْنَ: انتظار کرتے ہوئے۔

فَانْتَشِرُوْا: نشر سے باب افتعال۔ فَ بمعنی پھر، تب۔ اِنْتَشِرُوْا۔ تم منتشر ہو جاؤ، متفرق ہو جاؤ، الگ الگ

ہو جاؤ، اٹھ کر اپنی اپنی راہ لو۔ یَسْتَحْیِ: (حَیَا سے) شرم کرنا، حیا کرنا۔

مُسْتَاْنِسِیْنَ: اَنِسَ یَاْنَسُ سے باب استفعال۔ دل لگاتے ہوئے، آپس میں جی لگا بیٹھو، شوق کرتے ہوئے (باتوں کا) یعنی باتیں سننے کے شوق میں نہ بیٹھ رہو۔ مَتَاعًا: کوئی چیز، کوئی شے۔

مفہوم ومطلب: دعوت کے آداب اور مسئلہ حجاب

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نقل کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنے عقد نکاح میں لے لیا تو آپ ﷺ نے دعوت ولیمہ کا انتظام فرمایا۔ صحابہ کو دعوت طعام دی گئی۔ لوگ آئے اور دعوت ولیمہ کھا کر چلے گئے۔ البتہ تین آدمی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ انتظار کرتے رہے کہ یہ لوگ کب اٹھ کر جاتے ہیں۔ [1]

چنانچہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مجلسی آداب اور اجتماعی اخلاق سکھاتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے گھروں میں بے ضرورت مت جاؤ۔ جب آپ ﷺ تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دیں تو وقت مقررہ پر جاؤ۔ پہلے معلوم کر لو کہ کھانا تیار ہے یا نہیں۔ کھانا تیار ہو تو اجازت لے کر اندر جاؤ۔ وقت مقررہ سے بہت پہلے جا کر بیٹھ رہنا اور کھانا تیار ہونے کا انتظار کرتے رہنا غیر مناسب ہے۔ جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو خواہ مخواہ بیٹھے نہ رہو بلکہ اٹھ کر اپنے گھروں کو چلے جاؤ، تمھارا وہاں دیر تک بیٹھنا اور باتیں کرنا آنحضرت ﷺ کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ آپ شرم وحیا کی وجہ سے کچھ کہتے نہیں اور تکلیف اٹھانا گوارا فرما لیتے ہیں لیکن اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔

اس کے بعد دوسرا ادب یہ سکھایا کہ جب تمھیں ازواجِ مطہرات یا دوسری مسلمان عورتوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر اچھا برا آدمی امہات المومنین کے سامنے آ جاتا ہے۔ کاش کہ وہ پردے میں رہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ گھر کے اندر بے دھڑک اور بلا اجازت داخل ہونے سے روک دیا۔ فرمایا کہ نبی ﷺ کے گھر میں امہات المومنین کے سامنے بے دھڑک چلے جانا بے ادبی اور بدتمیزی کے مترادف ہے۔ یہ طریقہ ان کو ناگوار گزرتا ہے اور ان کے دل کو مکدّر کر دیتا ہے۔ ان کے دلوں کے تکدّر سے تمھارے دل بھی برا محسوس کریں گے۔ اس لیے

[1] صحیح البخاری: ۴۷۹۳ وصحیح مسلم: ۱۴۲۸

پاکبازی اور دلوں کی صفائی کی بہترین صورت یہی ہے کہ تم پسِ پردہ رہ کر مسئلہ پوچھو یا کوئی ضرورت کی چیز مانگو، اس سے کسی کے دل میں میل نہیں آئے گا۔

پھر فرمایا کہ مسلمانوں کو ہر اس بات سے بچنا چاہیے جس سے نبی ﷺ کو اذیت اور تکلیف پہنچے۔ ایمان والوں کو زیب نہیں کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جو آنحضرت ﷺ کی ناراضی اور رنج کا موجب ہو۔ اس آیت میں نبی ﷺ کا ادب واحترام سکھایا کہ آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز نہ نکالو۔ ادب واحترام سے پیش آؤ۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ایمان والوں کی مائیں ہیں، اس لیے آپ ﷺ کے بعد آپ کی کسی بیوی سے کوئی امتی نکاح نہیں کرسکتا۔ نبی ﷺ کو اذیت وتکلیف دینا اور آپ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا اللہ کے ہاں بڑا بھاری جرم ہے۔ اللہ سے کوئی نیت اور کوئی عمل چھپا ہوا نہیں۔ وہ تو آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھیدوں تک سے واقف وآگاہ ہے۔ تم جو کچھ چھپاتے یا ظاہر کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٥٥﴾	ان پر کوئی گناہ نہیں اپنے باپوں کے بارے میں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے اور نہ اپنی بہنوں کے بیٹوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی باندیوں اور غلاموں کے بارے میں اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

مفہوم ومطلب: کن مردوں سے پردہ لازم نہیں؟

جب ماہِ ذوالقعدہ ۵ھ میں آیتِ پردہ (۵۳) نازل ہوئی تو ازواجِ مطہرات کے والدین اور قریبی رشتہ داروں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم بھی پس پردہ بات چیت کیا کریں؟[1] اس پر یہ آیت نازل کرکے استثنا فرمایا گیا کہ باپ، بیٹا، بھائی، بھائیوں اور بہنوں کی اولاد، مومن عورتیں، مِلکِ یمین (غلام اور باندیاں) یہ سب گھر کے اندر آجاسکتے ہیں۔ باپ خواہ نسبی ہو یا رضاعی، اسی طرح بیٹا بھی۔ (بعض مفسرین کے نزدیک

[1] الطبری والقرطبی، التفسیر، الاحزاب: ۵۵

چچا اور ماموں بھی باپ کے تحت آ جاتے ہیں) ان لوگوں سے پردہ کرنے میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہے، اس لیے ان کو مستثنیٰ کر دیا۔[1] نِسَآئِهِنَّ کہہ کر اپنی عورتوں کی طرف توجہ پھیری۔ ازواجِ مطہرات کی اپنی عورتیں مسلم خواتین ہی ہیں۔ علمائے احناف کے نزدیک جو عورتیں بے پردہ باہر پھرتی ہیں اگرچہ وہ مسلمان ہی کہلاتی ہوں ان سے پردہ نہ کرنا مکروہ ہے۔[2] شافعی علماء کا خیال ہے کہ گھر میں کام کاج کرتے وقت جس قدر بدن کھلتا ہے اس کے دیکھنے میں کافر عورت کو مضائقہ نہیں ہے۔[3] پھر فرمایا کہ اللہ کا تقویٰ ہر وقت دلوں میں جاگزیں رہنا چاہیے، کیونکہ ہر چیز اس کی نظر میں ہے۔ اس کے علم ونظر سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٥٦﴾	بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو۔

مفہوم ومطلب: نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم

نبی کریم ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں ادب و احترام سکھانے کے بعد فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے منصبِ بلند اور آپ کی شفقت ومحبت، عنایت ومہربانی اور رحم وکرم کا تقاضا یہ ہے کہ سب ایمان والے آپ پر درود وسلام بھیجا کریں۔ یہ آنحضرت ﷺ کا شرف اور فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ اللہ کا درود تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت آنحضرت ﷺ پر رحمت نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے مغفرت مانگتے اور آپ کے درجات میں ترقی کی دعا کرتے ہیں۔

درود شریف کی بڑی برکتیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ تو خود رحمت عالم ہیں۔ آپ ﷺ کو ہمارے درود وسلام کی کیا ضرورت ہے؟ یہ صرف بہانہ اور طریقہ بتایا ہے تاکہ ہماری نیکیاں بڑھتی رہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''میری امت میں سے جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود وسلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود وسلام بھیجتا ہے۔'' آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''تمھارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''[4] نیز صحیح مسلم اور صحیح بخاری

---

[1] نیز ان سے نکاح بھی نہیں ہو سکتا اس لیے پردے کی ضرورت نہیں۔

[2] کتاب الکراهة عین الهدایه اور فتاوی هندیه

[3] امام نووی

[4] صحیح مسلم: ۴۰۸ وسنن أبی داود: ۱۵۳۰، ۲۰۴۲

میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہی درود پڑھو جو نماز میں پڑھتے ہو:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ))[1]

''اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی، بے شک تو بہت تعریف اور بزرگی والا ہے۔
اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو بہت تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

اس درود میں زیادہ برکت اس لیے بھی ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔

درود کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض بزرگوں کے نزدیک درود کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ بعض نے درود شریف کو افضل ترین عبادت قرار دیا ہے، کیونکہ خدا، اس کے فرشتے اور بندے سب اس میں شریک ہیں۔ درود شریف کی برکت ملاحظہ ہو کہ ہر وہ دعا جس کے شروع میں اور آخر میں درود پڑھا جائے، قبول ہو جاتی ہے۔ بزرگانِ دین نے آزما کر دیکھا ہے کہ درود پڑھنے سے ان لوگوں نے بڑے مدارج پائے اور فائدے اٹھائے۔ ائمہ دین نے درود کی بدولت بڑا نام اور کمال حاصل کیا۔ درود پڑھنے سے آنحضرت ﷺ سے محبت بڑھ جاتی ہے اور آپ ﷺ کے فیوض سے بہرہ مندی کا شرف ملتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴿۵۷﴾	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا میں اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا﴿۵۸﴾	اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے انھوں نے کچھ کیا تو ایسے لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری: ۳۳۷۰

آیات:۵۷ تا ۵۸۔تشریح الفاظ

لَعَنَ: لعنت کرنا، رحمت سے دور کر دینا۔ مُھِیْنًا: (مادہ ھَوْن)۔ذلیل کرنے والا۔

اِکْتَسَبُوْا: کَسَبَ سے باب افتعال۔انھوں نے کمایا، جرم کیا۔

اِحْتَمَلُوْا: حَمَلَ سے باب افتعال۔انھوں نے بوجھ اٹھایا (حِمل بوجھ، حَمَّال مزدور، قُلی)۔

مفہوم ومطلب: اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کو ایذا دینے کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا اور تکلیف دینے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔اللہ کو اذیت پہنچانے کے مفہوم میں شرک کے علاوہ یہ بھی داخل ہے کہ آدمی زمانے کو گالی دے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ’’اولادِ آدم نے زمانے کو گالی دے کر مجھے ایذا دی۔ کیونکہ جس کو وہ زمانے سے تعبیر کرتے ہیں وہ میری ہی ذات ہے۔گردشِ لیل ونہار میرے ہاتھ میں ہے۔‘‘[1] رسولِ خدا ﷺ کو ایذ دینے سے مراد کفار مکہ اور دشمنانِ اسلام کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ معاذ اللہ جادوگر، شاعر، مجنون یا کاہن تھے۔اذیت کے مفہوم میں اللہ اور آنحضرت ﷺ کی نافرمانی بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان باندھنے سے روک دیا۔فرمایا کہ ان کو یوں ایذا دینے والے صریح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ہر اس بات سے احتراز لازمی ہے جو ایک مومن کو دکھ پہنچائے۔حدیث میں مسلمان کی نشانی یہ بتائی کہ دوسرے مسلمان اس کے ہاتھوں اور زبان سے محفوظ رہیں۔[2]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

اے نبی (ﷺ)! تم اپنی بیویوں سے اور بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں، یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انھیں ایذا نہ پہنچے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

---

[1] صحیح مسلم:۲۲۴۶

[2] صحیح البخاری:۱۰

لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ لَنُغۡرِیَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَكَ فِیۡهَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۰﴾	اگر باز نہ آئیں منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑاتے ہیں تو ہم تمھیں ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ اس شہر میں تمھارے پڑوس میں نہ رہیں گے مگر تھوڑے (دن)۔
مَّلۡعُوۡنِیۡنَ ۚۛ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا ﴿۶۱﴾	(وہ بھی) پھٹکارے ہوئے۔ جہاں کہیں پائے جائیں، پکڑے جائیں اور بری طرح قتل کیے جائیں۔
سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا ﴿۶۲﴾	(یہ) اللہ کا دستور ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔

آیات: ۵۹ تا ۶۲۔ تشریح الفاظ

یُدۡنِیۡنَ: دَنَا یَدۡنُوۡ دُنُوًّا سے باب افعال، اَدۡنٰی یُدۡنِیۡ۔ لفظی معنی ہیں قریب کرلیں، لٹکالیں۔ مراد ہے اوڑھ لیں۔

جَلَابِیۡب: (مفرد، جِلۡبَاب) یہ کپڑا عام طور پر دوپٹہ اور اوڑھنی سے بڑا ہوتا ہے اور لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک جِلۡبَاب چادر کو کہتے ہیں۔ اہل لغت کے نزدیک جِلۡبَاب سے مراد ہر وہ لمبا چوڑا کپڑا ہے جو سارے جسم کو چھپا لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس چادر کو یوں سر پر ڈالیں کہ سارا جسم بالخصوص چہرے کا اکثر حصہ اور سینہ چھپ جائے۔[1] اگر آنکھیں نہ بھی چھپیں تو چنداں مضائقہ نہیں۔ مدینے کی انصار عورتیں عام طور پر سیاہ چادریں اوڑھتی تھیں۔[2]

اَدۡنٰی: زیادہ قریب، زیادہ مناسب ہے۔

یُعۡرَفۡنَ: یعنی چادروں سے ان کی شناخت ہو جائے گی کہ وہ معزز اور شریف خواتین ہیں۔

یَنۡتَهِ: نَهۡی سے باب افتعال، اِنۡتَهٰی یَنۡتَهِیۡ، لَمۡ کے آنے سے یَنۡتَهِیۡ کی یٔ گرگئی۔ معنی باز رہنا۔

[1] القرطبی وابن کثیر، التفسیر، الاحزاب: ۵۹

[2] ابن کثیر، التفسیر، الاحزاب: ۵۹

لَنُغْرِيَنَّكَ: (لَ، نُغْرِيَنَّ، كَ) لَ جواب شرط بمعنی تو۔ نُغْرِيَنَّ میں نّ ثقیلہ تاکید کے لیے۔ غَرِيَ يَغْرٰى سے باب افعال، أَغْرٰى يُغْرِي، ب بطور صلہ، بمعنی مسلط کر دینا، بطور حاکم کسی قوم پر مقرر کر دینا۔ یہ معنی صحیح بخاری، معجم غریب القرآن، قرطبی، شوکانی اور عربی لغات میں موجود ہیں۔

مفہوم ومطلب: عورتوں کو بڑی چادر اوڑھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ اپنی ازواج مطہرات اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ جب گھروں سے باہر نکلیں تو چادریں اور اوڑھنیاں سر پر لے لیا کریں تاکہ وہ باندیوں اور نچلے طبقے کی عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور ان کے وقار وعزت کے پیش نظر کسی کو چھیڑ چھاڑ کرنے کی جرأت نہ ہونے پائے۔ چادر یا اوڑھنی لے کر باہر نکلنے کو شریف زادیوں اور معزز خواتین کی نشانی قرار دیا اور فائدہ یہ بتایا کہ بدقماش لوگ ان عورتوں کی شرافت وعزت پہچان لیں گے۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب کوئی مسلمان عورت کسی کام سے باہر نکلے تو سر پر دوپٹہ، چادر یا اوڑھنی لے کر نکلے اور اس حکم کو اللہ نے اپنی رحمت ومغفرت میں شامل کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمان عورتوں کو تین گروہوں سے ایذا پہنچنے کا امکان ہے۔ ان میں سے ایک منافق ہیں جو زبان سے اسلام اور ایمان پکارتے ہیں لیکن ان کے دل نورِ ایمان سے خالی ہیں، کچھ بعید نہیں کہ یہ لوگ مسلمان عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے ان کی بے عزتی کریں۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جن کے دل روگی ہیں اور ان پر فسق وفجور اور خواہشاتِ نفسانی کا بھوت سوار ہے۔ تیسرا گروہ ان بدکرداروں کا ہے جو جھوٹی افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کو پریشان کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی بدکرداریوں سے باز نہ آئے تو پھر ہم آپ ﷺ کو ان پر مسلط کر دیں گے، تاکہ آپ ان کا قلع قمع کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر یہ بدقماش لوگ مدینہ منورہ میں نہ رہنے پائیں گے۔ اگر کوئی تھوڑے دن رہا بھی تو ذلت وخواری کی ایسی زندگی بسر کرتا ہوگا کہ اسے جینا محال ہوگا۔ جہاں کہیں نظر آئیں، گرفتار کر لیے جائیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر دیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا قدیم دستور یہی ہے جو پہلی اُمتوں میں جاری تھا۔ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اس اندازِ بیان کو اختیار کر کے مسلمان عورتوں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والوں کو سمجھایا کہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں، ورنہ ان کا انجام جلاوطنی، گرفتاری اور قتل ہے۔

یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾	لوگ تم سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں، تم کہہ دو اس کا علم صرف اللہ کو ہے اور تمھیں کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہو؟!
اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾	بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾	جس میں وہ کافر ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کوئی دوست پائیں گے نہ مددگار۔
يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾	جس دن ان کے منہ آگ میں الٹائے جائیں گے، وہ کہیں گے: کاش کہ ہم اللہ کی اطاعت کرتے اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے۔
وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾	اور وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی، پس انھوں نے ہمیں راہ سے گمراہ کر دیا۔
رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾	اے ہمارے ربّ! انھیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت لعنت کر۔

آیات: ۶۳ تا ۶۸۔ تشریح الفاظ

اَلسَّاعَة: گھڑی، وقت یعنی قیامت۔ لَعَلَّ: شاید۔ (یہ امید اور توقع ظاہر کرتا ہے۔)

تُقَلَّبُ: الٹ پلٹ کیے جائیں گے، اوندھے کیے جائیں گے۔

سَادَةَ: (مفرد سَائِد) مادہ سود، فعل سَادَ يَسُوْدُ سِيَادَةً۔ سرداران قوم، حکام، افسر۔

كُبَرَآءَ: (مفرد، كَبِيْر) بڑا (خواہ عمر میں یا عہدہ میں)۔

اَلرَّسُوْلَا: سے مراد حضرت محمد ﷺ۔ اَلسَّبِيْلَا: سے مراد اسلام کا طریقہ، اللہ اور رسول کا راستہ۔

مفہوم ومطلب: قیامت کا تذکرہ

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کو عذاب سے ڈرایا تو پوچھنے لگے کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ عین ممکن ہے کہ قیامت قریب ہی ہو۔

پھر فرمایا کہ کافروں کو قیامت میں بڑا عذاب ہوگا۔ یہ اللہ کی رحمت سے دور ہوں گے اور ان کے جلانے کے لیے جہنم سوزاں تیار ہے۔ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے۔ وہاں کوئی بھی آگ سے بچانے والا نہ ملے گا۔ جب ان کے چہرے آگ میں جھلستے ہوئے الٹ پلٹ ہوں گے تو اس وقت ان کو قدرے عافیت معلوم ہوگی۔ پھر وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہم اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے۔ انھیں اپنے کفر اور ضد پر افسوس ہوگا، لیکن اس وقت افسوس کچھ کام نہ آسکے گا۔ البتہ وہ یہ کہیں گے کہ اے اللہ! ہماری بربادی اور نامرادی کے ذمہ دار ہمارے سردار اور راہنما ہیں۔ ہم ان کے بھرّے میں آکر گمراہ ہو گئے۔ انھی بڑے بڑے لوگوں نے ہمیں راہِ ہدایت سے دور رکھا۔ یا اللہ! اب ان کو اپنی رحمت سے بہت دور کردے اور ان کو ہم سے دو چند عذاب دے، کیونکہ ایک تو یہ خود گمراہ تھے، دوسرا انھوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی، پس اللہ نے اسے بری کیا اس سے جو وہ کہتے تھے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک عزت آبرو والا تھا۔

آیت: ۶۹۔ تشریح الفاظ

بَرَّاَ: بریت کی، بری کیا۔

وَجِيْهًا: (وَجْهٌ سے) مرتبے والا، آبرو والا، بزرگی اور شان والا، عظیم الشان، بلند مرتبے والا۔

مفہوم ومطلب: اپنے رسول ﷺ کو ایذا نہ دو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی، حالانکہ وہ جلیل القدر اور صاحبِ وجاہت پیغمبر تھے۔ اے مسلمانو! تم بھی بنی اسرائیل کی طرح اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے باعثِ اذیت نہ بنو اور ان سے کوئی ایسی بات نہ کہو جو ان کو دکھ دے۔ آپ ﷺ کی

رفعتِ منزل اور جلالت قدر کو ہمیشہ ملحوظ رکھو اور کبھی گستاخی یا بے ادبی سے نہ بولو۔ آپ ﷺ کی شان میں بدظنی کرنا آپ کو اذیت اور تکلیف پہنچانا ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کے خلاف گامزن نہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ بات بھی آپ ﷺ کے لیے موجب اذیت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچی بات کہو۔
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾	اللہ تمھارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

آیات: ۷۰ تا ۷۱۔ تشریح الفاظ

سَدِيْدًا: حق، سچی، صدق، درست۔ فَازَ: فَازَ يَفُوْزُ فَوْزًا۔ کامیابی حاصل کی، مراد کو پہنچا۔

مفہوم ومطلب: مسلمانوں کو تقویٰ کا حکم

ان آیات میں سچی اور حق بات کہنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ سچ بولنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تم کو اعمالِ صالحہ کی توفیق ارزاں کر دے گا اور تمھارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ پھر فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا بذاتِ خود بڑی کامیابی ہے۔ پھر فرمانبرداری کے نتائج کتنے خوشگوار اور شاندار ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نافرمانی سے بچنا درحقیقت آپ ﷺ کو اذیت دینے سے بچنا ہے۔ مسلمان کی نجات اس میں ہے کہ وہ اپنے قول وعمل میں راست باز ہو۔ قول وعمل کی یہ سچائی اور ہم آہنگی نجات کا ذریعہ ہے۔ پھر لطف یہ کہ ان سب کی بنیاد اللہ کا تقویٰ اور خوفِ الٰہی ٹھہرایا۔ اگر دل میں خدا کا ڈر ہو تو زبان سے حق بات نکلتی ہے، اچھے اعمال سرزد ہوتے ہیں اور خدا کی مغفرت سایہ فگن ہو کر کامیابی کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا	ہم نے پیش کیا امانت کو آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو انھوں نے انکار کیا کہ وہ اس کا بوجھ

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾	اٹھائیں اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے۔
لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾	تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول کرلے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیات: ۷۲ تا ۷۳۔ تشریح الفاظ

اَلْاَمَانَةَ: جملہ مفسرین کے نزدیک امانت سے مراد اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور وہ فرائض ہیں جن کو ادا کرنے سے ثواب اور ترک کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔ امام قرطبی کے نزدیک امانت کا مفہوم ہے: دین وشریعت کے احکام کی بجا آوری۔[1]

اَبَيْنَ: انکار کیا۔ اَبٰی یَاْبٰی سے جمع مؤنث غائب۔

حَمَلَ: حَمَلَ یَحْمِلُ حَمْلًا۔ اٹھایا، اہل لغت نے حَمَلَ یَحْمِلُ کے معنی ''خیانت کرنا'' بھی لکھے ہیں۔[2]

مفہوم ومطلب: شریعت ایک امانت ہے جو انسان کے سپرد ہوئی

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نام شریعت اور دین ہے۔ خدا اور نبی ﷺ کی اطاعت کی اہمیت اور عظمت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اس بارِ گراں کا متحمل صرف انسان ہی ہوسکتا تھا۔ آسمان و زمین اور پہاڑ اپنی مضبوطی، افادیت، رعنائی اور عظمت کے باوجود شریعت کے احکام اور دین کے فرائض کو بجالانے کے لائق نہ تھے۔ انسان اپنی خامیوں کے باوجود ایسی عقل و دانش، علم وحکمت اور نفسیاتی اسباب کا مالک ہے کہ یہ امانتِ شریعت اور امانتِ فرائضِ دین کا بار اسی کے کندھوں پر ڈالا گیا۔ جو لوگ فرمانبرداری کرتے ہیں وہ اجرِ عظیم کے مستحق ہیں اور جو نافرمانی کرکے ظلم و جہالت کا طوق گردن میں ڈال لیتے ہیں وہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں، نیز مشرک مرد اور مشرک عورتیں اللہ کے عذاب کا شکار ہوں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے بڑا مہربان اور درگزر کرنے والا ہے۔ وہ ان کے تھوڑے

---

[1] ابن کثیر والطبری والقرطبی، التفسیر، الاحزاب: ۷۲

[2] لسان العرب، شوکانی بحوالہ زجاج

کاموں پر بھی اجرِ عظیم دے گا اور اگر لغزشیں اور گناہ ہوئے تو ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت بخش کر مومنوں کو جنت میں داخل کرے گا۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امانت فرائض شریعت کو اہل زمین، اہلِ سماوات اور اہل جبال یعنی انسانوں، فرشتوں اور جنّوں کے سامنے پیش کیا۔ انسان کے سوا اس میدان میں کوئی اور نہ کُود سکا۔ وظائف دین اور شریعت کے لیے صرف انسان ہی موزوں و مناسب ثابت ہوا۔

اس آیت کا ایک اور مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کائنات کی ہر مخلوق کو اس کی ذمہ داریاں اور فرائض سونپ دیے گئے ہیں۔ زمین و آسمان اور پہاڑوں تک نے اپنے حقوق و فرائض کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ لیکن انسان نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت سے کام لیا تو جاہل ٹھہرا اور کوتاہی عمل کے باعث اس نے اپنی جان پر ظلم کمایا۔ بالفاظِ دیگر اس نے اپنے فرائض بجالانے میں خیانت سے کام لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض کو بھول کر جاہل ہوگیا اور عدل و انصاف کے ترازو کو چھوڑ کر ظالم بن بیٹھا۔ باوجود اس کے کہ ایمان والوں کے لیے موقع ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں۔ اس صورت میں یہاں حَمَلَ یَحْمِلُ کے معنی ''اٹھانا'' نہیں بلکہ ''خیانت کرنا'' ہو جائے گا۔ یعنی زمین و آسمان اور پہاڑوں نے اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں خیانت کرنے سے اِنکار کر دیا۔ انسان نے خیانت کر کے ظلم اور جہالت کا ثبوت دیا۔[1] اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بھیج کر رحمت و کرم فرمائی کا ثبوت دیا تاکہ ایمان والے توبہ کر کے نجات حاصل کرلیں۔

سُوْرَةُ الْقَدْرِ [1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ①	تحقیق نازل کیا ہم نے قرآن کو بیچ رات قدر کے۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ②	اور کیا جانے تو کیا ہے رات قدر کی؟
لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③	رات قدر کی بہتر ہے ہزار مہینے سے۔
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ④	اُترتے ہیں فرشتے اور روح پاک (جبریل) بیچ اس کے ساتھ حکم پروردگار اپنے کے واسطے ہر کام کے۔
سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤	سلامتی ہے وہ یہاں تک کہ طلوع نہ ہو فجر۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس میں پانچ آیات ہیں۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورۂ عبس کے بعد نازل ہوئی تھی۔

آیات: ۱ تا ۵۔ تشریح الفاظ

اِنَّآ: بے شک ہم۔ اَنْزَلْنَا: ہم (یعنی اللہ) نے اتارا۔

ہٗ: اسے یعنی قرآن کو۔ مَا: کیا۔

اَدْرٰكَ: تو جانے۔ لَيْلَةٌ: رات۔

الْقَدْرِ: تقدیر، قسمت، اندازہ، قدر و منزلت، شرف و عظمت۔

مِنْ: سے۔ اَلْفِ: ہزار۔

شَهْرٍ: مہینہ۔ تَنَزَّلُ: اترتے ہیں۔

---

[1] سورۃ القدر سے آگے سورت الناس تک اٹھارہ سورتیں میٹرک اسلامیات اختیاری کے لیے لکھی گئیں۔ آج کل یہ درجہ اوّل تا ہشتم مختلف کلاسوں میں شاملِ نصاب ہیں۔

اَلْمَلٰٓئِکَۃُ: فرشتے۔ اَلرُّوْحُ: جبریل علیہ السلام (فرشتہ)۔

بِ: ساتھ، سے۔ اِذْنِ: حکم۔

اَمْرٍ: کام، چیز، حکم۔ سَلٰمٌ: سلامتی۔

حَتّٰی: تک، یہاں تک۔ مَطْلَعِ: طلوع۔

مطلب ومفہوم: قرآن اور لیلۃ القدر کی شان وعظمت

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت اور بلند شان کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ اس قرآن کے نزول کی برکت سے وہ رات بھی بڑی بابرکت اور بزرگی وعظمت کی رات ہے جس میں قرآن مجید کے نزول کی ابتدا ہوئی تھی۔ نازل ہونے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ پہلی وحی نازل ہوئی۔ دوسرا مفہوم یہ ہے اس بابرکت رات میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں ایک دم نازل ہوا، پھر ۲۳ برس کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے رحمت وہدایت اور نور و چراغِ راہ ہے۔

شب قدر کو خیر وبرکت اور عظمت و بزرگی نزول قرآن کی وجہ سے ملی۔ اس رات مسلمانوں کا فرض ہے کہ خدا کا شکر بجا لائیں کہ اس نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو احسان و اِنعام سے نوازا۔ انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ فرشتے اور جبریل امین جو یہ پیغام رحمت لائے تھے وہ بھی اس شرف و عظمت کے احساس سے خدا کا شکر بجا لاتے ہیں اور خدا کے احکام کی اطاعت وفرماں برداری کرتے رہتے ہیں۔ شبِ قدر کی عظمت بتائی کہ یہ رات سرِشام سے پَو پھٹنے تک خیر و برکت اور امن وسلامتی کا پیغام لیے رہتی ہے۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①

نہ تھے وہ لوگ جو کافر ہوئے اہل کتاب میں سے اور مشرکین سے باز رہنے والے (اپنے کفر سے) یہاں تک کہ آئے ان کے پاس روشن دلیل۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ②

(یعنی) پیغمبر خدا (ﷺ) کی طرف سے کہ پڑھتا ہو صحیفے پاکیزہ۔

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③

جن میں درست مضامین لکھے ہوں (یا اس میں کتابیں ہیں ثابت رکھنے والی دین کو)۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④

اور نہ متفرق ہوئے وہ لوگ جو دیے گئے تھے کتاب مگر پیچھے اس کے کہ آئی ان کے پاس دلیل ظاہر۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤

اور نہیں حکم کیے گئے مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی خالص کر کے واسطے اس کے دین کو یکسو ہو کر، اور قائم رکھیں نماز کو اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے دین قیم (یا دین قائم رہنے والے لوگوں کا)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥

بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے، وہ لوگ بہترین مخلوق ہیں۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ⑧	ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے والی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے۔ یہ (صلہ) اُس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔

یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں ۸ آیات ہیں۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سورت سورۃ الطلاق کے بعد اتری تھی۔ اس کا ایک نام ''سُورۃ القَیِّمَۃ'' بھی ہے۔

آیات: ۱ تا ۸۔ تشریح الفاظ

اَهْلُ الْكِتٰبِ: کتاب والے، مراد یہودی اور عیسائی۔ الْمُشْرِكِيْنَ: بُت پرست۔

مُنْفَكِّيْنَ: (اِنْفَكَّ سے) چھوڑنے والے، باز رہنے والے، الگ ہونے والے۔

الْبَيِّنَةُ: واضح دلیل، برہانِ قاطع، یہاں مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

صُحُفًا: (جمع صَحِيْفَه کی) کتاب، مراد قرآن مجید۔

مُطَهَّرَةً: پاک یعنی جھوٹ، گمراہی اور لوگوں کی دخل اندازی سے پاک۔ كُتُبٌ: جمع کتاب کی۔

قَيِّمَةٌ: حق وصداقت کا پیغام لانے والی اور جھوٹ و باطل سے کوئی سروکار نہ رکھنے والی۔ كُتُبٌ قَيِّمَةٌ سے مراد احکامِ الٰہی یا قرآن مجید کی سورتیں بھی ہو سکتی ہیں اور قدیم صحیفے بھی جو مختلف پیغمبروں کو ملے تھے۔ مُخْلِصِيْنَ: اخلاص نیت کے ساتھ۔

الدِّيْنَ: مِلّت، عبادت، فرماں برداری۔ اخلاص دین کا مطلب ہے شرک سے بچ کر۔

حُنَفَآءَ: (جمع حَنِيْف کی) بت پرستی سے بیزار، اسلام کی طرف مائل۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو۔

دِيْنُ الْقَيِّمَةِ: اس سے مراد ''كُتُبٌ قَيِّمَةٌ'' کا بنایا ہوا دین، نیز دین قیم یعنی صحیح اور درست دین۔ ان لوگوں کا دین جو خدا کی توحید پر قائم ہیں۔ الْبَرِيَّةِ: مخلوق، کائنات، خلق۔

جَنّٰتُ: سرسبز و شاداب، درختوں والے باغات۔

عَدْنٍ: رہنے والے، ہمیشہ قائم رہنے والے۔ خَشِيَ: ڈر گیا، خوف کھایا۔

مطلب ومفہوم: یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین کو اسلام کی دعوت

یہودی، عیسائی اور عرب کے بُت پرست اپنے کفر پر قائم تھے۔عناد اور تعصب کے پردے ان کی آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے عقائد کو چھوڑنے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے انھیں حق وصداقت اور توحید کی طرف بلایا۔آپ نے ان لوگوں کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ کچھ لوگ پیغامِ حق سُن کر ایمان لے آئے اور کچھ اپنی ضد پر قائم رہے۔ جب پڑھے لکھے اہل کتاب کا یہ حال ہو کہ تعصّب اور دشمنی کی بنا پر دینِ اسلام سے روگردانی کریں تو پھر جاہل اور بے عقل بت پرستوں کی کیا کیفیت ہوگی۔[1]

اہل کتاب نے یہ نہ سوچا کہ انھیں کیا سمجھایا گیا تھا؟ شرک سے بچنا، ایک خدا کی عبادت کرنا، خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنا اور خوشی کے ساتھ زکاۃ ادا کرنا سب انھی کے فائدے کے لیے تھا۔ اس میں ان کے لیے دین ودنیا کی بہتری اور کامیابی پنہاں تھی، مگر وہ یہ راز نہ سمجھنے پائے۔

انکار کرنے والوں کی سزا دوزخ کی آگ میں جلنا ہے۔ ایمان لانے کے بعد نیک کام کرنے والوں کا صلہ بہشت کے باغات اور نہریں ہیں جہاں بڑے مزے اور آسائش کی زندگی ہوگی۔

[1] تاہم اہل کتاب اپنے علم اور کتاب دانی کی وجہ سے محروم رہے اور جاہلیت کے دلدادہ فوراً اسلام کی طرف لپکے اور اکثریت انھی کی تھی۔

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ①	جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی۔
وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ②	اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③	اور (اس حالت کو دیکھ کر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا؟
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④	اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی۔
بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤	اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔
يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥	اس دِن لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (حساب کے بعد) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے نتیجہ) کو دیکھ لیں۔
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦	جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا۔
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧	اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

یہ سورت مدینے شریف میں نازل ہوئی۔ اس میں ۸ آیات ہیں۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورۃ النساء کے بعد اُتری۔ اس کو ''سورۃ الزَّلْزَلَة'' بھی کہتے ہیں۔

آیات: ۱ تا ۸۔ تشریح الفاظ

اِذَا: جب۔ زُلْزِلَت: ماضی مجہول، واحد مؤنث۔ ہلائی جائے، زلزلہ پیدا کیا جائے۔

اَلْاَرْضُ: زمین۔ زِلْزَالَ: زور سے ہلانا، جنبش دینا، سخت جھٹکا دینا۔

هَا: اپنی۔ (زمین کے لیے استعمال ہوئی ہے)

اَخْرَجَتِ: باہر نکال دے۔ اَثْقَالَ: (واحد، ثِقْل) بوجھ، مراد زمین کے دفینے، خزانے، مُردے۔

قَالَ: کہے۔(قَوْل سے) مَا: کیا۔
یَوْمَئِذٍ: اس دن۔ تُحَدِّثُ: بیان کرے گی۔
اَوْحٰی: وحی کی، حکم دیا۔ یَصْدُرُ: واپس آئیں گے۔
النَّاسُ: لوگ۔ اَشْتَاتًا: (واحد، شَتٌّ) متفرق، الگ الگ، اکیلے اکیلے۔
لِ: تاکہ۔ یَرَوْا: دیکھیں۔
مِثْقَالَ: برابر۔

مطلب و مفہوم: قیامت کے دن اعمال کی جزا و سزا

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے دو مقصد بیان فرمائے ہیں:

۱۔ قیامت کے دن زمین کو بھونچال کے شدید جھٹکوں سے بڑے زور سے ہلایا جائے گا۔ انسان تو انسان زمین جیسی جامد اور ٹھوس چیز پر خوف اور دہشت سے کپکپی طاری ہوگی۔

۲۔ سب لوگ خدا کے حضور میں حساب دینے کے لیے پیش ہوں گے اور اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔

قیامت کے دن کی دہشت اور خوف کا بیان فرمایا کہ زمین شدید جھٹکوں سے زور زور سے ہلنے لگے گی۔ زلزلے کی شدت سے زمین میں شگاف پیدا ہو جائیں گے۔ پھٹ جانے کے بعد زمین اپنے تمام دفینے یعنی مردے، پانی، آتش فشاں پہاڑ اور معدنیات سب کچھ باہر اگل دے گی۔ انسان اس حالت کو دیکھ کر حیران رہ جائے گا اور حیرت کے عالم میں پوچھے گا کہ آج زمین کو کیا ہوا۔

اس دن زمین اپنی ساری داستانِ انقلاب کہہ سنائے گی اور وہ اپنا ماجرا سنانے پر اس لیے مجبور ہوگی کہ اسے حکم الٰہی ملا ہے۔

اس دن نیک لوگ اپنی نیکیوں کا صلہ پائیں گے اور بدلوگ اپنی برائیوں کی سزا بھگتیں گے۔

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ①	قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔
فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ②	پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔
فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③	پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں۔
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④	پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ⑤	پھر (دشمنوں کے) لشکر میں جا گھستے ہیں۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥	بے شک (کافر) آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔
وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ⑦	اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے۔
وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ⑧	اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔
اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ⑨	کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ جب زندہ کیے جائیں گے جتنے مُردے قبروں میں ہیں؟
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ⑩	اور آشکارا کیا جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔
اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ⑪	بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس میں ۱۱ آیات ہیں اور سورۃ العصر کے بعد نازل ہوئی تھی۔

آیات: ۱ تا ۱۱۔ تشریح الفاظ

وَ: قسم کے لیے ہے۔

اَلْعَادِيَاتِ: عَدَا يَعْدُوْ عَدْوًا سے، جمع عَادِيَةٌ کی۔ بمعنی دوڑنے والے گھوڑے۔

ضَبْحًا: ہانپتے ہوئے۔ ضَبْح کے لفظی معنی ہیں دوڑتے وقت گھوڑوں کے سانس کی آواز۔

الْمُوْرِيَاتِ: (مُوْرِيَةٌ کی جمع) دوڑتے وقت زمین یا پتھر پر سم مار کر آگ نکالنے والے گھوڑے۔ اَوْرٰی یُوْرِیْ اِیْرَاءٌ بمعنی چقماق، رگڑ کر آگ نکالنا سے اسم فاعل مذکر مُوْرٍ۔

قَدْحًا: آگ نکالنے کے لیے (پتھر پر) مارنا۔ فَ: پھر۔

الْمُغِيْرٰتِ: (جمع مُغِيْرَة کی) اَغَارَ يُغِيْرُ اِغَارَةً، سے بمعنی دشمن کو قتل کرنے یا گرفتار کرنے یا لوٹنے کے لیے اچانک حملہ کرنا، تاخت و تاراج کرنے والے گھوڑے، دشمن پر ہلّہ بولنے اور حملہ کرنے والے گھوڑے۔ صُبْحًا: (ظرف) صبح کے وقت۔

اَثَرْنَ: فعل ماضی مؤنث، جمع غائب۔ غبار کا اڑانا۔ وَسَطْنَ: درمیان اور وسط میں جا پہنچنا۔

بِهٖ: (ب، ہ) وہاں، لفظی معنی اس میں یعنی وادی میں۔ کنایہ ہے وادی سے جہاں گھوڑے دوڑتے ہیں۔

نَقْعًا: غبار، یعنی وادی میں تیز دوڑنے سے غبار اڑاتے ہیں۔

جَمْعًا: (ظرف) لشکر، جماعت۔ لَ: تاکید کے لیے استعمال ہوا ہے۔

كَنُوْدٌ: ناشکرا، نعمتوں کو بھول جانے والا اور مصیبتوں کا شکوہ کرنے والا۔ کفرانِ نعمت کرنے والا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ ''كَنُوْد وہ شخص ہے جو اکیلا کھائے، اپنے غلام اور نوکر کو پیٹے اور کسی سے بھلا نہ کرے۔''[1] لِ: واسطے، لیے، کی وجہ سے۔

شَهِيْدٌ: زبانِ حال سے اپنی ناشکری کا معترف اور گواہ ہے۔ حُبِّ: محبت، چاہت۔

الْخَيْرِ: مال و دولت، مال ڈھور، گھوڑے۔

شَدِيْدٌ: مضبوط، سخت، بخیل، کنجوس یعنی مال کی محبت کے باعث بڑا بخیل ہے۔ راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔

اَفَلَا: کیا نہیں، الف استفہام اور سوال کے لیے ہے مگر یہاں اِستفہام میں جھڑکی اور زجر و توبیخ مقصود ہے۔

يَعْلَمُ: (فعل مضارع) وہ جانتا۔ اِذَا: (اسم ظرف) جب، جس وقت۔

بُعْثِرَ: فعل ماضی مجہول۔ اٹھایا جانا، دوبارہ زندہ کیا جانا۔ مَا: بمعنی اَلَّذِیْ، وہ جو۔

الْقُبُوْرِ: (جمع قَبْر کی) قبریں۔

حُصِّلَ: ماضی مجہول، حَصَّلَ يُحَصِّلُ تَحْصِيْلًا سے۔ ظاہر کیا جانا، آشکارا کیا جانا۔

الصُّدُوْرِ: سینے، دل، یعنی دلی ارادے اور نیتیں۔

لَخَبِيْرٌ: لَ برائے تاکید۔ بے شک، تحقیق۔ خَبِيْرٌ، خبردار، آگاہ۔

---

[1] الطبرانی، المعجم الکبیر: ۸/۷۷۷ والالبانی، السلسلۃ الضعیفہ: ۵۸۳۳

مطلب ومفہوم: انسان کی ناشکری اور گھوڑوں کی وفاداری کی مثال

انسانی نفسیات سے بحث کرتے ہوئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت بیان فرمائی کہ کُفرانِ نعمت انسان کی طبیعت اور فطرت میں داخل ہے۔ آدمی اللہ کے ہزاروں اور لاکھوں انعامات کا ذکر اور شکر ادا نہیں کرتا، لیکن معمولی تکلیف اور عارضی مصیبت کا ہر وقت شکوہ کرتا رہتا ہے۔ انسان کو بذات خود اس بات کا اِحساس ہوتا ہے کہ وہ ناشکری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ خدا کی نعمتوں کا دل ہی دل میں احسان مند ہے لیکن حرفِ شکر زبان پر نہیں لاتا۔ خدا کے دیے میں سے اس کی راہ میں غریبوں اور محتاجوں کو نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کی غلط محبت نے اسے بخیل اور کنجوس بنا دیا ہے۔ انسان کو دولت تو اس لیے ملی تھی کہ وہ خدا کی راہ میں خرچ کرے اور بنی نوع اِنسان کو فائدہ پہنچائے۔ مگر انسان نے اس مال کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اِنسان کتنا بے وقوف ہے کہ حقیقت کو جانتا ہے اور پھر چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

بھلا مال و دولت کے انبار کس کام آئیں گے؟! کیا انسان کو یہ تلخ حقیقت یاد نہیں کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اُس خدا کے حضور میں پیش ہونا اور حساب دینا ہے جو سینوں کے بھید اور دلوں کی نیت سے خوب آگاہ ہے۔ جس کے سامنے اعمال بھی ہیں اور نیت بھی۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر روپے پیسے کو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے خدا کا شکر بجالانا چاہیے تاکہ قیامت کے دن نیکیوں کا پلّہ بھاری ہو اور سرخروئی حاصل ہو سکے۔

اس فطرت انسانی کا اِظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بطور شہادت قسم کھائی ان تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جو تیز دوڑتے وقت ہانپنے لگتے ہیں۔ جن کے ٹاپ پتھر پر پڑنے سے آگ کے شعلے پیدا ہوتے ہیں۔ جو صبح کے وقت دشمنوں پر ہلہ بولتے ہیں تاکہ انھیں قتل کریں، قیدی بنائیں اور ان کا مال و دولت لوٹ لیں۔ جو تیز دوڑتے ہوئے غبار اڑاتے ہیں اور دشمنوں کی صفوں کو چیر کر نکل جاتے اور دشمنوں کو تتر بتر کر دیتے ہیں۔

جس طرح غازیوں کے ان گھوڑوں کے کارناموں سے انکار نہیں اسی طرح اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ انسان طبعاً ناشکرا ہے۔

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اَلْقَارِعَةُ ①	وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔
مَا الْقَارِعَةُ ②	کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③	اور آپ کیا جانیں کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟
یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ④	جس دن لوگ پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤	اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین روئی کی طرح ہو جائیں گے۔
فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ⑥	پھر جس شخص (کے ایمان اور نیکیوں) کا پلّہ بھاری ہوگا۔
فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ⑦	تو وہ مزے اور آرام کی زندگی بسر کرے گا۔
وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ⑧	اور جس کا پلّہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا۔
فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ⑨	تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ⑩	اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے؟
نَارٌ حَامِیَةٌ ⑪	دہکتی ہوئی آگ ہے۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس میں ۱۱ آیات ہیں۔ سورۂ قریش کے بعد نازل ہوئی تھی۔

آیات: ۱ تا ۱۱۔ تشریح الفاظ

اَلْقَارِعَةُ: قیامت کا ایک نام ہے۔ لفظی معنی ہیں کھڑکھڑا دینے والی، ہلا دینے والی۔ قیامت کا دن اتنا ہولناک ہوگا کہ دل دہل جائیں گے۔ مَا الْقَارِعَةُ: مَا (استفہام کے لیے) کیا؟ قیامت کی حقیقت کی طرف توجہ دلا کر اس کے ہول اور دہشت کا اندازہ بتانا مقصود ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ: اور آپ (ﷺ) کو کیا معلوم؟ روزِ قیامت کے حادثہ عظیمہ کی طرف توجہ منعطف کرنے کے لیے۔

یَوْمَ: (ظرف) اس دن۔ یَكُوْنُ: كَانَ یَكُوْنُ كَوْنًا۔ ہو جائیں گے۔

كَالْفَرَاشِ: (كَ، اَلْفَرَاشِ) كَ بمعنی مانند، طرح، جیسے۔الفراش جمع فَرَاشَةٌ کی، پتنگے، پروانے جو رات کو روشنی پر گرتے ہیں۔

النَّاسُ: لوگ، آدمی۔

الْمَبْثُوْثِ: متفرق، منتشر، پریشان، بکھرے، حیران۔

الْجِبَالُ: (جمع جَبَل کی) پہاڑ۔

كَالْعِهْنِ: (كَ، الْعِهْنِ) كَ طرح، مانند۔العِهْنِ (جمع عِهْنَة کی) رنگین اُون، سرخ صوف۔

الْمَنْفُوْشِ: دھنی ہوئی، دھنکی ہوئی۔

اَمَّا: البتہ، جہاں تک کہ۔

مَنْ: جو شخص۔

ثَقُلَتْ: فعل ماضی۔ بھاری ہوا۔

مَوَازِيْنُهٗ: (جمع مِيْزَان کی) ترازو، پلّہ۔ ہٗ اس کا۔

فَ: پس۔

هُوَ: وہ۔

عِيْشَةٍ: زندگی، گزران۔

رَاضِيَةٍ: پسندیدہ، خاطر خواہ، عمدہ۔

خَفَّتْ: ہلکا ہوا۔

اُمُّهٗ: (اُمُّ، ہٗ) اُمُّ لفظی معنی ماں، مراد ٹھکانا، منزلِ مقصود، انجام۔ ہٗ اس کا۔

هَاوِيَةٌ: هَوٰى يَهْوِى هَوِيًّا۔ انتہائی پستی، قعرِ بعید، عمیق گڑھا، مراد دوزخ، جہنم۔ نیز یہ جہنم کا نام ہے۔

مَاهِيَهْ: (مَا، هِيَهْ) مَا: بمعنی کیا (استفہام تعجب) اور هِيَهْ یہ۔

حَامِيَةٌ: گرم، دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی، شعلہ زن۔

نَارٌ: آگ۔

مطلب ومفہوم: قیامت کے دن اعمال کا بدلہ

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ہولناک منظر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس دن دل دہل جائیں گے۔ عقل وخرد انسان کو جواب دے جائے گی۔ آدمیوں کی حالت ان پتنگوں اور پروانوں کی طرح ہوگی جو رات کے وقت روشنی دیکھ کر بے سوچے سمجھے اس پر گرتے ہیں اور موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ لوگ قیامت کے دن حیران و پریشان ہوں گے۔ انھیں کوئی بات نہ سوجھے گی۔ پریشانی اور بے ہوشی کے عالم میں ایک دوسرے پر اوندھے منہ گر رہے ہوں گے۔

پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی کہ وہ دھنکی ہوئی روئی کے رنگین ذرات کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں گے۔ جب پہاڑوں جیسی محکم اور مضبوط چیز کا یہ حال ہوگا تو بھلا انسان کس شمار میں ہے؟ اس کے خوف و ہراس اور پریشانی و بے بسی کا اندازہ خود کرلو۔

قیامت کے روز ہر شخص کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ عیش کی زندگی بسر کرے گا اور جس کی برائیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ①	کثرت (مال) کی حرص نے تم کو غفلت میں ڈال دیا۔
حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ②	یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔
كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③	ہرگز نہیں، تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④	پھر ہرگز نہیں، تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔
كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤	ہرگز نہیں، کاش! تم یقینی طور پر جانتے۔
لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥	یقیناً تم دوزخ کو دیکھ لوگے۔
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦	پھر اس کو یقین کی آنکھ سے ضرور دیکھو گے۔
ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧	پھر اس دن تم سے نعمتوں کی بابت ضرور پوچھا جائے گا۔

یہ سورت مکی ہے۔ اس میں ۸ آیات ہیں۔ سورۃ الکوثر کے بعد نازل ہوئی تھی۔

آیات: ۱ تا ۸۔ تشریح الفاظ

اَلْهٰى: اَلْهٰى يُلْهِىْ اِلْهَاءً۔ غافل کر دیا، غفلت میں ڈالا۔ كُمْ: تمھیں۔

التَّكَاثُرُ: مال کی کثرت پر فخر کرنا، ایک دوسرے سے بڑھ کر مال کی کثرت چاہنا۔

زُرْتُمْ: زَارَ يَزُوْرُ۔ زیارت کرنا۔ تم نے زیارت کی، یعنی تم (قبروں میں) جا پہنچے۔

الْمَقَابِرَ: (جمع مَقْبَرَة کی) قبریں۔ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ، یعنی تم مر گئے۔ حَتّٰى: یہاں تک کہ۔

كَلَّا: ہرگز نہیں، کچھ نہیں، (جھڑکی و تنبیہ کے لیے استعمال ہوا ہے)۔ سَوْفَ: عنقریب، جلدی۔

تَعْلَمُوْنَ: تم جان لوگے۔ لَوْ: کاش! (حرفِ تمنا)۔

لَتَرَوُنَّ: لَ تاکید کے لیے ہے۔ آخری نَّ بھی تاکید کے لیے ہے۔ رَاٰى يَرٰى۔ دیکھنا۔ تم یقیناً دیکھو گے۔

لَتُسْـَٔلُنَّ: تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ عَنْ: بابت، بارے میں۔
النَّعِیْمِ: نعمتیں، دنیا کی آسائشیں۔

مطلب ومفہوم: انسان کو دنیا کی حرص نے آخرت سے غافل کر دیا

اس سورت میں اللہ نے فرمایا کہ انسان بڑا غافل ہے۔ ساری زندگی غفلت میں گزار دیتا ہے۔ مال و دولت کی کثرت کی خواہش کو زندگی کا نصب العین قرار دے لیا ہے اور اسی حالت میں دنیا سے چل دیتا ہے۔ اسے آخرت اور عاقبت کی کوئی فکر نہیں۔

عنقریب غافل آدمی کو معلوم ہو جائے گا کہ غفلت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد اسے قطعی یقین آ جائے گا کہ آخرت کی زندگی برحق ہے۔ کاش کہ انسان زندگی میں عاقبت کی فکر کرتا اور نیک اعمال کو اپنے لیے زادِ راہ بناتا۔

دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے پتہ چلے گا کہ غفلت کتنی مہنگی اور گراں پڑی ہے۔ غفلت کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ اس دن انسان کو افسوس ہوگا کہ اس کو کتنی نعمتیں اور آسائشیں حاصل تھیں لیکن اس نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور سامانِ آخرت نہ بنایا، نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کیا۔ اب وہ نعمتیں اس کے لیے وبالِ جان اور موجبِ عذاب بن گئی ہیں۔

سُوْرَۃُ الْعَصْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
وَالْعَصْرِ ①	قسم ہے زمانہ کی۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ②	کہ انسان بڑے گھاٹے میں ہیں۔
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③	مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے رہے۔

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ۳ آیات ہیں۔ سورۂ الم نشرح کے بعد اتری تھی۔

آیات: ۱ تا ۳۔ تشریح الفاظ

وَ: قسم کے لیے۔ الْعَصْرِ: زمانہ، نماز عصر کا وقت، زمانے کے انقلابات۔

الْاِنْسَانَ: یہاں بطور جمع استعمال ہوا ہے۔ انسان کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

لَفِيْ: لَ تاکید کے لیے ہے۔ فِيْ حرف جر بمعنی میں۔

خُسْرٍ: گھاٹا، خسران، نقصان۔ اِلَّا: مگر، سوا (حرف استثنا)۔

اٰمَنُوْا: ایمان لائے۔ (فعل ماضی) عَمِلُوْا: عمل کیے، کام کیے۔ (فعل ماضی)

الصَّالِحَاتِ: اچھے، نیک۔ تَوَاصَوْا: (فعل ماضی) ایک دوسرے کو نصیحت کی۔

الْحَقِّ: امر ثابت، ناقابل انکار حقیقت، ہر قسم کی نیکی اور بھلائی۔

مطلب و مفہوم: اخروی خسارے سے بچنے کے چار اصول

اس مختصر سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان سراسر گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔ اس کی شہادت کے لیے فرمایا کہ زمانے کو دیکھو اور زمانے کے انقلابات کا جائزہ لو تو تمھیں یقین ہو جائے گا کہ بنی نوع انسان کی اکثریت اپنے اعمال اور وطیرے کے اعتبار سے گھاٹے کی طرف جا رہی ہے۔ انسان کی تمام کوششیں دنیا تک

محدود ہیں۔ اس کا مطمحِ نظر چند روزہ فائدے ہیں۔ اس کا مقصودِ حیات چند عارضی آسائشیں ہیں۔ البتہ وہ لوگ جن میں مندرجہ ذیل چار صفات موجود ہیں وہ گھاٹے سے بچ سکتے ہیں:

۱۔ اِیمان: اللہ اور اس کے رسولوں، فرشتوں، کتابوں اور یومِ آخرت پر عقیدہ رکھنا، زبان سے اقرار کرنا اور دل سے ماننا۔[1]

۲۔ عملِ صالح: ہر کام جو خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبے سے کیا جائے نیک اور اچھا ہے۔ نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، ہمسایوں سے نیک سلوک کرنا، غریبوں کی امداد کرنا، محتاجوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، ماں باپ کی خدمت وفرماں برداری، تحصیلِ علم، جہادِ فی سبیل اللہ کے لیے فوجی تربیت، رفاہِ عام کے کام، قومی اداروں کی خدمت وامداد وغیرہ سب عملِ صالح میں داخل ہے۔

۳۔ حق کی نصیحت: دین کی باتوں پر قائم رہنے کی تلقین کرنا، عملِ صالح کی اشاعت کرنا، نیکی کی تبلیغ کرنا۔

۴۔ صبر کی نصیحت: ایک دوسرے کو یہ تلقین کرنا کہ نیک کاموں پر جمے رہو اور دین کے احکام بجالانے میں تمام تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو۔

مختصر یہ کہ صحیح اعتقاد کے بعد نیک عمل، پھر ایک دوسرے کی خیرخواہی نجات کا موجب ہے۔

---

[1] ارکانِ ایمان چھ ہیں۔ پانچ کا یہاں ذکر ہوا اور چھٹا تقدیر پر ایمان ہے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١	بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو عیب نکالنے والا اور طعنہ دینے والا ہو۔
الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢	جو مال جمع کرتا ہو اور اسے بار بار گنتا ہو۔
يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝٣	وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا۔
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤	ہرگز نہیں (رکھے گا)۔ وہ شخص ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥	آپ کو کیا معلوم ہے کہ حطمہ کیا ہے؟
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦	وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے۔
الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧	جو دلوں تک جا پہنچے گی۔
اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝٨	وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی۔
فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩	(اس طرح کہ وہ لوگ آگ کے) بڑے بڑے ستونوں میں (گھرے) ہوں گے۔

یہ سورت مکی ہے۔ اس میں ۹ آیات ہیں۔ سورۃ القیامہ کے بعد نازل ہوئی۔

آیات:۱ تا ۹۔ تشریح الفاظ

وَيْلٌ: تباہی، ہلاکت، بربادی، خرابی، عذاب، ذِلّت۔ لِكُلِّ: ہر شخص کے لیے۔

هُمَزَةٍ: ۃ (آخری) مبالغہ کے لیے ہے۔ پیٹھ پیچھے عیب نکالنے والا، چغلی کھانے والا، لفظی معنی توڑنا۔

لُمَزَةٍ: طعنہ دینے والا، غیبت کرنے والا، روبرو عیب کرنے والا۔

عَدَّدَهٗ: اس نے اسے (مال کو) گن گن کر رکھا۔ يَحْسَبُ: خیال کرتا ہے، سمجھتا ہے۔

اَخْلَدَهٗ: وہ (اس کا مال) اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

كَلَّا: ہرگز ایسا نہیں! جھڑک کر کہا کہ یہ خیال غلط ہے۔

لَيُنْبَذَنَّ: نَبَذَ يَنْبِذُ سے فعل مضارع مجہول۔ لَ اور آخری نَّ تاکید کے لیے ہیں۔ وہ ضرور پھینکا جائے گا۔

الْحُطَمَةِ: ایسی آگ جو ہر چیز کو توڑ کر چکنا چور کر دے گی۔

نَارُ: آگ۔ یہ لفظ عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

الْمُوْقَدَةُ: جلائی ہوئی۔ اَوْقَدَ يُوْقِدُ اِيْقَادًا، روشن کرنا۔ وَقُوْد ایندھن۔

تَطَّلِعُ: چڑھ جاتی ہے، پہنچ جاتی ہے۔ عَلَى: پر، تک۔

الْاَفْئِدَةِ: (جمع فُؤَاد کی) دل۔ اِنَّهَا: هَا آگ کے لیے ہے۔

مُّؤْصَدَةٌ: اٰصَدَ يُؤْصِدُ اِيْصَادًا سے۔ دروازہ بند کرنا۔ ڈھکی ہوئی، بند۔

عَمَدٍ: (جمع عَمُوْدٌ کی) ستون۔ مُّمَدَّدَةٍ: کھینچے ہوئے، مراد بڑے بڑے، لمبے لمبے۔

مفہوم و مطلب: مالدار بد اخلاق کو آگ کی وعید

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مالدار آدمی اپنے مال و دولت کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا اور اِتراتا ہے۔ مال میں اضافہ اس کے فخر و غرور میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ وہ اتنا مغرور اور دولت کے نشے میں اتنا سرشار ہے کہ لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ان کی عیب جوئی کرتا ہے اور تمسخر سے پیش آتا ہے۔ یہ مغرور انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ دولت اسے موت سے بچا لے گی۔ وہ حقیقت سے بے خبر ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کی دولت اس کی بربادی کے سامان پیدا کر رہی ہے۔

بالآخر اسے مر کر خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس دن اس کی جھوٹی عزت اور دولت کا غرور خاک میں مل جائے گا۔ اسے بڑی حقارت اور ذلت کے ساتھ پکڑ کر ریزہ ریزہ کر دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ وہاں اسے معلوم ہو جائے گا کہ دولت کے نشے میں لوگوں پر نکتہ چینی کرنا ہلاکت کو مول لینا تھا۔ یہ آگ اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوگی اور اس مغرور متکبر انسان کے لیے عذاب سے نکل بھاگنا ممکن نہ ہوگا۔

سُوْرَةُ الْفِيْلِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ①	کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟
اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ②	کیا ان کی تدبیر کو بے کار اور غلط نہیں بنا دیا؟
وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ③	اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے۔
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ④	جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ⑤	پس اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح (پامال) کر دیا۔

یہ سورت مکی ہے۔ اس میں ۵ آیات ہیں۔ سورۃ الکافرون کے بعد نازل ہوئی ہے۔

آیات: ۱ تا ۵۔ تشریح الفاظ

اَ: کیا؟ (استفہام تقریری)۔ لَمْ: نہیں (نفی کے لیے)۔

تَرَ: تو نے دیکھا۔ رَاٰی یَرٰی سے۔ لَمْ کی وجہ سے (ی حذف ہوئی اور) تَرَ رہ گیا۔ رَاٰی یَرٰی کے تین مصدر آتے ہیں: رَأْیٌ بمعنی رائے، رُؤْیَةٌ بمعنی آنکھوں سے دیکھنا اور رُؤْیَا خواب میں دیکھنا۔ یہاں معنی یہ ہیں: کیا آپ کو معلوم نہیں یعنی آپ خوب جانتے ہیں۔

کَیْفَ: کیسے، کس طرح (استفہام توبیخی)۔ فَعَلَ: کیا۔ فعل ماضی۔

رَبُّكَ: تیرے رب نے۔ یَجْعَلْ: بنا دینا، کر دینا۔

بِاَصْحَابِ: بِ بمعنی ساتھ، اَصْحَاب بمعنی ساتھی، مالک، والے (مفرد، صاحب)۔

اَلْفِیْلِ: ہاتھی۔ فارسی لفظ پیل سے عربوں نے فِیْل بنالیا ہے۔

كَيْدَ: كَادَ يَكِيْدُ كَيْدًا سے۔ داؤ، مکر، تدبیر، فریب۔ تَضْلِيْلٍ: بے کار، باطل اور غلط کر دینا۔

اَرْسَلَ: بھیجے۔فعل ماضی، اَرْسَلَ يُرْسِلُ اِرْسَالًا۔

عَلَيْهِمْ: ان پر، مراد اصحابِ فیل یعنی ہاتھی والوں پر۔ طَيْرًا: (جمع طَائِر کی) پرندے۔

اَبَابِيْلَ: غول کے غول، جھنڈ کے جھنڈ، قطار اندر قطار۔ یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں۔

تَرْمِيْهِمْ: تَرْمِيْ، رَمٰى يَرْمِيْ سے، بمعنی پھینکنا، مارنا۔ هِمْ ان پر۔

حِجَارَةٍ: (حَجَر کی جمع) پتھر۔

سِجِّيْلٍ: پتھر کی طرح سخت مٹی، کنکریاں۔ یہ لفظ بھی فارسی سنگ ‌گل سے بنایا گیا ہے۔

كَعَصْفٍ: كَ بمعنی مانند، طرح۔ عَصْفٍ بھوسا۔ مَاْكُوْلٍ: اَكَلَ يَاْكُلُ سے مفعول۔ کھایا ہوا۔

مفہوم ومطلب: بیت اللہ کی حفاظت کا تاریخی واقعہ

یمن کا حبشی بادشاہ اَبْرَہہ عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔ اس نے قریش کے اقتدار اور خانہ کعبہ کی عظمت کو ختم کرنے کے لیے مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بیت اللہ کے وقار و احترام کو ختم کرنے کے لیے ابراہیمی کعبہ کو مٹا کر ایک نیا کعبہ بنایا جائے تاکہ عرب بھی اَبْرَہہ کے بنائے ہوئے گرجا کو اپنا کعبہ بنا لیں۔

چنانچہ کعبہ شریف کو منہدم کرنے کی غرض سے اَبْرَہہ ایک لشکر جرار لے کر مکے پر حملہ آور ہوا۔ عربوں اور بالخصوص قریش کو مرعوب کرنے اور دہشت زدہ کرنے کے لیے وہ اپنے ساتھ ہاتھی بھی لایا۔

اس وقت کعبہ کی پاسبانی اور حاجیوں کی خدمت کا کام حضرت رسول اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد تھا۔ ہاتھی والوں کا لشکر پیش قدمی کرتے ہوئے مکہ کے قریب ایک مقام مُغَمَّس پر آ پہنچا۔ حملہ آوروں نے عبدالمطلب کے تقریباً دو سو اونٹ پکڑ لیے۔ عبدالمطلب نے اپنے اونٹ تو واپس مانگے مگر کعبہ کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کیا بلکہ کہا کہ اونٹ تو میرے ہیں، اس لیے میں ان کا تقاضا کر سکتا ہوں۔ باقی رہا بیت اللہ شریف، سو جس کا گھر ہے وہ جانے اور تم۔ اللہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔

چنانچہ اہل مکہ پہاڑوں میں جا چھپے۔ دوسرے دن اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے جھنڈ بھیجے۔ وہ پرندے سمندر کی طرف سے آئے تھے اور کنکریاں اٹھائے ہوئے تھے جنھیں وہ دشمنانِ کعبہ پر مارتے تھے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایسی وبا بھیجی کہ ابرہہ کی فوج کا اکثر حصہ وہیں کھیت رہا۔[1]

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۳۲ وابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۹۰

یہ واقعہ ۵۷۱ء میں پیش آیا۔ اس سال کو عام الفیل (یعنی ہاتھیوں کا سال) کہتے ہیں۔ یہ واقعہ عرب میں بڑا مشہور تھا اور عربوں کے ہاں اس اہم واقعہ کو کیلنڈر کی اہمیت حاصل تھی۔ وہ اپنی تاریخ اسی واقعہ کی نسبت سے لکھتے تھے۔

اللہ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟

اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ہمارے پیارے حبیب ﷺ! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جب ہاتھی والوں نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے بیت اللہ کو مسمار کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور ان کی تدبیر کو باطل ٹھہرایا۔ ان کو اپنی قوت اور بل بوتے پر ناز تھا۔ وہ ہاتھی کو ناقابل تسخیر سمجھ کر ساتھ لائے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے ان کی ہلاکت کا سامان بہم پہنچا کر ان کے تمام منصوبوں کو غلط کر دکھایا۔

اس سورت میں لفظ ''رَبُّكَ'' بڑا مطلب خیز ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ وہ مالک الملک جس نے اتنے بڑے لشکر کو چشم زدن میں حرف غلط کی طرح مٹا کر اپنے گھر کی حفاظت کی، اسی طرح وہ اپنے حبیب پاک ﷺ کی حفاظت کرے گا۔ دشمنانِ اسلام آپ ﷺ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔ ابرہہ کی فوج کی طرح خود نیست و نابود ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ اے حبیب ﷺ! تمھارا رب بڑی قدرتوں والا ہے۔ اس نے کعبہ کی حفاظت اس لیے کی تھی کہ اس میں ایک خدا کا نام بلند ہو۔ یہ کعبہ اور مکہ بالآخر آپ کے قبضے میں آجائیں گے۔

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں۔

اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ② (یعنی) سردی اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ تو ان کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں۔

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④ جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔

یہ سورت مکی ہے۔ اس میں ۴ آیات ہیں۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورۃ التین کے بعد اُتری تھی۔

آیات: ۱ تا ۴۔ تشریح الفاظ

لِاِيْلٰفِ: (لِ، اِيْلَافِ) لِ بمعنی چونکہ، بسبب، کی وجہ سے۔ اِيْلٰفِ، آلَفَ يُؤْلِفُ اِيْلَافًا سے۔ بمعنی خوگر ہونا، چاٹ لگنا، الفت دلانا۔

قُرَيْشٍ: عرب کا مشہور قبیلہ جو مکہ مکرمہ میں آباد تھا اور حضرت رسول اکرم ﷺ کا خاندان تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ تجارت کی وجہ سے اس خاندان کو قریش کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش سمندر میں رہنے والا بہت بڑا جانور ہے جو دوسرے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ چونکہ یہ خاندان سارے عرب میں بڑا امتیاز اور سب کا سردار تھا اس لیے لوگوں نے اس کا نام قریش رکھا۔

اِيْلَافِهِمْ: اِيْلَاف پہلے ایلاف کا بَدَل ہے۔ هِمْ قریش کے لیے آیا ہے۔

رِحْلَةَ: سفر، کوچ۔ الشِّتَآءِ: سردی، جاڑا۔

وَ: اور۔ الصَّيْفِ: گرمی۔

فَلْيَعْبُدُوْا: فَ بمعنی پس، تو۔ لِ امر اور حکم کے لیے، چاہیے۔ يَعْبُدُوْا، وہ عبادت کریں۔

رَبَّ: مالک۔
هٰذَا: اس۔
الْبَيْتِ: گھر، مراد خانہ کعبہ۔
الَّذِيْ: جس نے (رب کے لیے)۔
اَطْعَمَ: اَطْعَمَ يُطْعِمُ اِطْعَامًا۔کھانا دیا۔
هُمْ: ان کو۔
مِنْ: سے، میں۔
جُوْع: بھوک۔
اٰمَنَهُمْ: امن دیا ان کو۔
خَوْفٍ: خَافَ يَخَافُ خَوْفًا۔ڈر۔

مفہوم ومطلب: قریش پر اللہ کے انعامات

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش سارے عرب میں اس لیے معزز اور محترم ہیں کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی اور پاسبان ہیں۔ حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ کعبہ کی پاسبانی کے علاوہ چاہِ زمزم کے پانی کی تقسیم اور حاجیوں اور زائرین بیت اللہ کی ضیافت کا اہتمام بھی قریش کے سپرد ہے۔

قریش تجارت کے لیے دور دراز علاقوں میں سفر کرتے ہیں۔ موسم سرما میں یمن اور حبشہ کے گرم ملک میں جا کر تجارت کے ذریعے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ قریش کے قافلے امن و امان سے آتے جاتے ہیں۔ سارے عرب میں ان کی عزت اور احترام ہے۔ بیت اللہ کی برکت سے قریش ایک پہاڑی علاقے میں جہاں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی بڑی عزت اور عیش و ثروت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب قریش کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اس کی عبادت کریں۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ①	کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے؟
فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ②	یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③	اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو) ترغیب نہیں دیتا۔
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④	پھر ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے۔
الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤	وہ جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥	وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔
وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦	اور برتنے کی چیز مانگے نہ دیں۔

یہ سورت مکی ہے۔ اس میں ۷ آیات ہیں۔ سورۃ التکاثر کے بعد نازل ہوئی تھی۔

آیات: ۱ تا ۷۔ تشریح الفاظ

اَ: کیا؟ (ہے تو استفہام، لیکن اس میں تنبیہ ہے) مراد کیا نہیں۔ رَاَيْتَ: تو نے دیکھا، یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ يُكَذِّبُ: كَذَّبَ يُكَذِّبُ تَكْذِيْبًا۔ جھٹلاتا ہے۔

الدِّيْنِ: حساب و جزا۔ ذٰلِكَ: وہ۔

يَدُعُّ: دَعَّ يَدُعُّ دَعًّا۔ دھکے دیتا ہے، جھڑکتا ہے۔ الْيَتِيْمَ: (جمع: يَتَامٰى) جس کا باپ مر جائے۔

يَحُضُّ: ترغیب دیتا ہے، اکساتا ہے، رغبت دلاتا ہے۔

سَاهُوْنَ: سَهَا يَسْهُوْ سَهْوًا، جمع سَاهٍ کی۔ بے خبر، بھلا دینے والے، غافل۔ اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو نماز بے وقت پڑھتے ہیں۔ اوّل وقت ٹال کر پڑھتے ہیں۔ نماز میں سستی کرنے والے، نماز کو پورے خشوع و خضوع اور دل جمعی سے نہ پڑھنے والے بھی سَاهُوْنَ میں داخل ہیں۔

يُرَآءُوْنَ: ریا کاری کرتے ہیں، دکھلانے کو کام کرتے ہیں۔

يَمْنَعُوْنَ: منع کرتے ہیں، روکتے ہیں، نہیں دیتے۔

الْمَاعُوْنَ: برتنے کی چیزیں۔ ایسی چیزیں جن کو مالدار اور فقیر سب ایک دوسرے سے مانگ لیتے ہیں اور جو کوئی دینے سے انکار کرے اسے کمینہ اور بد مزاج کہتے ہیں، مثلاً پانی، آگ، دیا سلائی، نمک، چاقو، چھری، کلہاڑی، کاغذ کا ٹکڑا وغیرہ۔ بعض مفسرین نے اَلْمَاعُوْنَ کے معنی زکاۃ بھی لکھا ہے۔

مطلب و مفہوم: انکارِ آخرت کے اخلاق پر بُرے اثرات

اس سورت میں فرمایا کہ جو شخص روزِ جزا و سزا پر ایمان نہیں رکھتا اس میں تکبر و غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ غریبوں اور یتیموں کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہے۔ مال کی محبت اس میں کنجوسی اور بخل پیدا کر دیتی ہے۔ یہ اتنا تنگ دل انسان ہے کہ خود بھی خرچ کرنا نہیں جانتا اور دوسروں کو ترغیب بھی نہیں دیتا کہ محتاجوں اور غریبوں کو روٹی کھلائے۔

نیز وہ نمازی جو نماز پڑھنے کا پورا حق ادا نہیں کرتے، خرابی اور تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ ان کے اعضا دل کا ساتھ نہیں دیتے اور ان کا دل ان کے اعضا اور جوارح کا ساتھ نہیں دیتا۔ خود نماز پڑھ رہے ہیں لیکن دل کہیں اور مصروف ہے۔ یہ لوگ ریا کاری اور دکھلاوے کے لیے نیک کام کرتے ہیں۔ ان میں نمائش کا جذبہ زیادہ ہے، خلوص کم۔ بے مروتی اور بد مزاجی کی یہ کیفیت ہے کہ معمولی معمولی چیزیں بھی مانگے نہیں دیتے۔

اس کے برعکس روزِ جزا پر ایمان رکھنے والے رحم دل اور انصاف پسند ہوتے ہیں۔ خدا کی راہ میں خرچ کر کے خوش ہوتے ہیں۔

اس سورت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو روزِ جزا اور یومِ حساب پر ایمان رکھنا چاہیے۔ اس کے روحانی فائدوں کے علاوہ دنیاوی اور بالخصوص اقتصادی و اجتماعی فوائد بھی ہیں۔ یہ عقیدہ معاشرہ میں ناتوانوں اور کمزوروں کو سربلند کرتا ہے۔ یتیم اور بے کس لوگ جن کا کوئی والی وارث نہیں اور جن کے لیے گزران کی کوئی صورت نہیں، ان کی روزی کا اہتمام اور معاشرہ میں انھیں بہ نظر عزت و توقیر دیکھنے کا ذمہ دار ہے۔

نیز یہ کہ (بے روح) نمازوں میں زندگی پیدا کرنی چاہیے۔ محض رسمی نماز کوئی چیز نہیں۔ خدا کے دربار میں پنجگانہ حاضری بہت بڑی شے ہے۔ اس کے فائدوں سے بہرہ ور ہونا چاہیے۔

ہمارے اعمال ریا کاری اور نمائش سے پاک ہوں۔ ہمارے کاموں میں خلوص ہونا چاہیے۔ معاشرہ کی بہتری اس میں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے کام آئیں اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کو ضروریاتِ زندگی کی معمولی چیزیں دینے سے دریغ نہ کریں۔

سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ①	بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔
فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ②	سو آپ اپنے رب کی نماز پڑھیے اور قربانی دیجیے۔
اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③	تحقیق آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

یہ سورت مکی سورت ہے۔ اس میں ۳ آیات ہیں۔ سورۃ العادیات کے بعد نازل ہوئی۔ اس کا ایک نام سُوْرَۃُ النَّحْرِ بھی ہے۔

آیات: ۱ تا ۳۔ تشریح الفاظ

اِنَّآ: اصل میں اِنَّنَا تھا، یعنی اِنَّ، اِنْ نَّ اور نَا، تین نُون اکٹھے ہو گئے ہیں، اس لیے اختصار کی خاطر ایک نُون حذف کر دیا گیا ہے۔ اِنَّ بمعنی تحقیق، بالیقین۔ نَا ہم نے یعنی خدا نے۔ قرآن مجید میں اِنَّنَا اصلی صورت میں بھی استعمال ہوا ہے: ﴿وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾[۱] یہاں (یعنی اِنَّآ اَعْطَیْنَا میں) اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عربوں میں دستور تھا کہ سردار یا بادشاہ اپنے لیے جمع کا لفظ بولتا تھا۔ قرآن مجید نے عربوں کے محاورے کا خیال رکھا ہے۔

اَعْطَیْنَاکَ: (اَعْطٰی، نَا، کَ) اَعْطٰی بمعنی دیا، عطا کیا۔ فعل ماضی، نَا بمعنی ہم نے۔ کَ بمعنی تجھے۔

اَلْکَوْثَر: مفسرین نے مختلف معنی بیان کیے ہیں:

۱۔ الکوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ اس نہر کے کنارے سنہری ہیں۔ اس میں سنگریزوں کی جگہ موتی اور مرجان ہیں۔ مشک کی خوشبو پائی جاتی ہے۔ اس کا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں و میٹھا ہے۔ ایک مرتبہ پانی پی لینے کے بعد عمر بھر پیاس نہ لگے گی۔

۲۔ خیرِ کثیر، بے شمار انعامات۔

---

[۱] المائدہ: ۵/۱۱۱۔ ترجمہ: ''اور اس بات پر گواہ رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔''

۳۔ کثرتِ اُمت۔

۴۔ قرآنِ مجید۔

۵۔ نبوت۔

۶۔ دینِ حق اور رُشد و ہدایت، اِسلام۔

۷۔ دنیا اور آخرت کی برکت وسعادت۔

۸۔ علم وحکمت۔

فَصَلِّ: فَ بمعنی پس، سو، اس لیے۔ صَلِّ بمعنی نماز پڑھ۔ صَلّٰی یُصَلِّی صَلَاۃً سے صَلِّ فعل امر ہے۔

لِرَبِّكَ: (لِ، رَبِّ، كَ) لِ بمعنی لیے، واسطے، کی۔ رَبِّ بمعنی مالک، پروردگار۔ كَ بمعنی تیرا یعنی اپنے۔

وَانْحَرْ: نَحَرَ یَنْحَرُ نَحْرًا سے فعل امر۔ وَ بمعنی اور، پھر۔ اِنْحَرْ بمعنی قربانی کر۔ قربانی کا جانور ذبح کر۔

اِنَّ: بے شک، یقیناً، تحقیق، (تاکید کے لیے)۔

شَانِئَكَ: (شَانِئَ، كَ) تیرا دشمن، آپ سے بیر اور بغض رکھنے والا۔

هُوَ: وہ، وہی۔

الْاَبْتَرُ: دُم کٹا جانور، دُم بُریدہ، لاولد، بے نام ونشان، جس کا صلبی بیٹا نہ ہو۔ نیز حقیر و ذلیل۔

مفہوم ومطلب: نبی اکرم ﷺ کو خیر کثیر کی بشارت

دشمنانِ اسلام طعنہ دیتے تھے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ نعوذ باللہ آپ ﷺ کے بعد آپ کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا، آپ ﷺ کا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا کہ یہ لوگ جو صلبی اولاد اور بیٹوں پر فخر کرتے ہیں انھیں کیا معلوم کہ ان کا اپنا نام لیوا کوئی نہیں رہے گا۔ ان کا نام ونشان حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا، لیکن رسول خدا ﷺ کا نام مبارک ابد تک قائم رہے گا۔ اگر آپ کا صلبی بیٹا نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی اولاد بصورتِ امت اس کثرت سے عطا کی ہے کہ جس کی گنتی اور شمار ممکن نہیں۔

قیامت تک ہر زمانے میں کروڑوں اِنسان ہر وقت آپ ﷺ کا ذکرِ جمیل کرکے اور درود شریف پڑھ کر نام بلند کرتے رہیں گے۔ آپ ﷺ کو کوثر عطا ہوا۔ رُشد و ہدایت کا سرچشمہ یعنی قرآن مجید ملا۔ دینِ حق اور

نبوت سے آپ ﷺ کو سرفراز کیا۔ دین و دنیا کی برکتوں اور سعادتوں سے آپ ﷺ کا دامن بھر دیا گیا۔ علم و حکمت سے بہرہ وافر عطا کیا گیا۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کے اِنعامات ہیں۔ اِن انعامات کے شکریے میں نمازِ عید ادا کرو۔ کثرت امت اور فدایانِ محمد ﷺ کی تعداد کا اندازہ عید کے اجتماع سے لگاؤ۔ عید قربان یا عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرنے کے بعد قربانی کے جانور ذبح کرو۔ اس آیت سے قربانی کی فرضیت بھی ثابت ہے۔[1]

[1] محمد بن کعب رحمہ اللہ کہتے ہیں: لوگ غیر اللہ کے لیے نماز پڑھتے اور غیر اللہ کے لیے قربانی کرتے تھے، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اللہ عزوجل کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ (مختصر تفسیر بغوی، الکوثر: ۲) امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے دن قربانی سنت مؤکدہ ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خوشحال مقیم پر قربانی واجب ہے۔ (ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۱/ ۴۲۹)

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ①	(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اے کافرو!
لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ②	میں نہیں پوجتا اس چیز کو جسے تم پوجتے ہو۔
وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ③	اور نہ تم پوجنے والے ہو اسے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ④	اور نہ میں پوجنے والا ہوں اس چیز کو جسے تم نے پوجا۔
وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ⑤	اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ⑥	تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس میں ٦ آیات ہیں۔ سورۃ الماعون کے بعد نازل ہوئی تھی۔

آیات: ۱ تا ٦۔ تشریح الفاظ

قُلْ: فعل امر ہے قَالَ يَقُوْلُ قَوْلًا سے۔ کہہ دو۔ يٰاَيُّهَا: (يَا، اَيُّ، هَا) حرف ندا بمعنی اے۔

الْكَافِرُوْنَ: كَفَرَ يَكْفُرُ كُفْرًا سے۔ (جمع كَافِر کی) انکار کرنے والے، منکر۔

اَعْبُدُ: فعل مضارع، واحد متکلم، عَبَدَ يَعْبُدُ سے۔ میں پوجتا ہوں یا پرستش کروں گا۔

مَا: جس کو، یعنی بت۔ لَا: نہیں، نہ (نفی اور انکار کے لیے)۔

تَعْبُدُوْنَ: تم پوجتے ہو۔ اَنْتُمْ: تم۔

عَابِدُوْنَ: (جمع عَابِدٌ کی) اسم فاعل۔ پوجنے والے، پرستش کرنے والے، عبادت کرنے والے۔

اَعْبُدُ: میں پوجتا ہوں، عبادت کرتا ہوں۔ یہ فعل حضرت رسول اکرم ﷺ کا ہے۔

اَنَا: میں۔ تلفظ اَنَ، الف آخر نہیں پڑھا جاتا۔ مَا: جسے یعنی اللہ کو۔

عَبَدْتُّمْ: تم نے پوجا۔ فعل ماضی، جمع مذکر مخاطب۔ اصل میں یہ عَبَدْ، تُمْ تھا، د اور ت تقریباً ہم آواز ہونے کی وجہ سے دال کا تاء (ت) میں اِدغام ہوا اور اسی لیے تُمْ کی ت پر (ّ) ڈالی گئی ہے۔

دِيْن: طریقہ، راہ، بدلہ و جزا۔

مفہوم و مطلب: سورۂ کافرون کا تاریخی پس منظر

جب حضرت رسول اکرم ﷺ نے قریش مکہ کو اسلام کی طرف بلایا اور ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی تو وہ بوکھلا گئے اور سمجھ نہ پائے کہ بات کیا ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر قریش نے آپ ﷺ کو ایک پیشکش کی اور کہا کہ ہم آپ کو سب سے زیادہ مالدار بنانے کو تیار ہیں۔ جونسی عورت سے چاہیں شادی کر دیں گے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو پھر ایک سال تک ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور اس کے بعد ایک سال تک ہم آپ کے دین پر چلیں گے۔ قریش نے اس طرح ایک سمجھوتا کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما کر فیصلہ کن حکم صادر فرما دیا کہ اسلام اور کفر کی راہیں الگ الگ ہیں۔ عقائد و عبادات میں سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔

مسلمانوں کو کفار کے معبودوں سے لاتعلقی کا حکم

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بت پرست کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کا بتوں کو پوجنا اور حضرت رسول اکرم ﷺ کا ایک اللہ کی عبادت کرنا برابر ہے اور یہ کہ دونوں کا مقصد محض روحانی تسکین ہے۔ بت پرستوں کے اس خیال کی تردید فرما دی اور اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا کہ وہ کافروں کو مخاطب کر کے کہہ دیں کہ اے کافرو! تمھارا طریقہ اور میرا طریقہ دونوں مختلف ہیں۔ تمھاری راہ الگ ہے، میری راہ الگ۔ تم بتوں کے پجاری ہو، میں خدائے واحد لاشریک کا۔ ہمارے معبود الگ، ہماری عبادت الگ، میرا معبود اللہ ہے، جس کی کوئی نظیر اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ تمھارے معبود اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مٹی اور پتھر کی مورتیاں ہیں۔ تمھاری عبادت اور میری عبادت کیسے برابر ہوسکتی ہے؟! میرا اور تمھارا اختلاف محض نظری نہیں عملی بھی ہے۔ مجھے اپنی راہ چلنا ہے، تمھیں اپنے راستہ پر گامزن رہنا ہے۔

بعض کی رائے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنی نیکیوں کا صلہ مل جائے گا، تمھیں اپنی برائیوں کی سزا ملے گی۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''رات کو سوتے وقت یہ سورت پڑھ لینے سے انسان شرک سے بچا رہتا ہے۔'' آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب رات کو بستر پر لیٹتے تو سورۃ الکافرون پڑھ کر سوتے تھے۔[1]

---

[1] سنن أبي داود: ۵۰۵۵

سُوْرَةُ النَّصْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ①	جب خدا کی مدد اور فتح (مکہ) آپہنچے۔
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ②	اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو جوق در جوق داخل ہوتے اللہ کے دین میں۔
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③	پس اپنے رب کی تسبیح وحمد بیان کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، تحقیق وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یہ سورت مدینہ منورہ میں اتری۔ اس میں ۳ آیات ہیں۔ سورۃ التوبہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس کو سورۃ الفتح بھی کہتے ہیں۔

آیات: ۱ تا ۳۔ تشریح الفاظ

إِذَا: جب (اسم ظرف)۔
جَآءَ: فعل ماضی، جَاءَ يَجِيْئُ جَيْئًا۔ آیا۔
نَصْرُ: مدد، تائید، اعانت۔
الْفَتْحُ: فتح، نیز مدد، فیصلہ وحکم۔ مراد فتح مکہ۔
رَاَيْتَ: رَاٰى يَرٰى۔ دیکھا، تَ تو نے۔
النَّاسَ: لوگوں کو۔
يَدْخُلُوْنَ: داخل ہوتے۔
فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ: اللہ کے دین میں۔
اَفْوَاجًا: (جمع فَوْج کی) فوج درفوج، قطار اندر قطار، گروہ در گروہ۔
فَ: پس۔
سَبِّحْ: تسبیح پڑھ۔ نیز بمعنی نماز پڑھ۔
وَاسْتَغْفِرْهُ: اور استغفار کر اس سے، یعنی اللہ سے بخشش اور معافی مانگ۔
اِنَّهٗ: (اِنَّ، هٗ) بے شک اللہ۔
كَانَ: ہے۔
تَوَّابًا: توبہ قبول کرنے والا، لوٹ آنے والا، بندوں کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔

مفہوم ومطلب: خوشی کے موقع پر شکر گزاری کا حکم

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر خوشی اور انعام کے موقع پر خدا کا شکر بجالانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام اور فضل ہے کہ اس نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ اسلام کا بول بالا ہوا۔ کفار اور مشرکین مکہ کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس عظیم الشان فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ دین اسلام میں قبیلوں اور جماعتوں کی شکل میں داخل ہونے لگے۔ اَفراد نے نہیں بلکہ جماعتوں اور گروہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ دین اسلام نے ایک عوامی تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ لوگ انبوہ در انبوہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

فرمایا کہ اس فضل الٰہی کے شکریے میں خدا کی تسبیح و تقدیس اور حمد وثنا بیان کرو۔ اس کا شکر بجالاؤ کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تمام دشمنوں کے مقابلے پر اسلام کو غلبہ عطا کیا۔

وعدۂ الٰہی پورا ہونے میں کچھ تاخیر ہوگئی تھی۔ لوگ فتح ونُصرت کے منتظر تھے۔ اس انتظار نے بے چینی کا عالم پیدا کردیا۔ خدا تعالیٰ کو یہ بے چینی اور اِضطراب پسند نہیں۔ اس لیے لوگوں کے اس قصور کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی کی درخواست کرو تاکہ وہ مسلمانوں کے درجات بلند کرے۔

یہ تعلیم بھی دی کہ خوشی ومسرت اور فتح مندی وکامرانی کے عالم میں ایک مسلمان کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ وہ خدا کو نہ بھولنے پائے، بلکہ خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے۔ اس کی حمد وتعریف اور تسبیح وتقدیس بیان کرے اور اِستغفار پڑھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو استغفار بہت پسند ہے۔ نیز شکریے کے بعد وہ انعامات زیادہ کرتا ہے۔

سُوْرَةُ اللَّهَبِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جونہایت رحم والا مہربان ہے۔
تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ①	ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔
مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ②	نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔
سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③	عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا۔
وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④	اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اٹھا کر لاتی ہے۔
فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤	اس کی گردن میں خوب بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس میں ۵ آیات ہیں اور سورۃ الفتح کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس کو سورۂ تَبَّتْ اور سورۃ المَسَدِ بھی کہتے ہیں۔

آیات: ۱ تا ۵۔ تشریح الفاظ

تَبَّتْ: فعل ماضی تَبَّ یَتِبُّ تَبًّا۔ ٹوٹ گئے۔ برباد ہوئے، ہلاک ہوئے۔ یہاں مراد ہے ٹوٹ جائیں (بطور بددعا کے) تَبَّتْ کے آخر میں تائے تانیث ہے، کیونکہ عربی میں یَدٌ (بمعنی ہاتھ) مؤنث ہے۔

يَدَا: دونوں ہاتھ۔ اصل میں یہ یَدَانِ تھا، مضاف ہونے کی صورت میں نِ کو حذف کر دیا گیا اور یَدَا باقی رہ گیا۔

اَبِيْ لَهَبٍ: اصل میں ابولہب تھا۔ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو کر اَبِیْ لَهَبٍ بن گیا۔ ابولہب کا نام عبدالعزّٰی تھا (یعنی عزّٰی بت کا بندہ)۔ یہ عبدالمطلب کا بیٹا ہونے کے سبب سے حضرت رسول اکرم ﷺ کا چچا تھا، لیکن یہ اور اس کی بیوی آپ ﷺ کے دشمن تھے۔

ہاتھ طاقت اور قوت کا مظہر ہیں۔ ہاتھوں کی تباہی سے مراد اس کی شخصی بربادی ہے۔

تَبَّ: وہ برباد ہو گیا۔ یعنی اوپر کی بددعا قبول ہوگئی۔ **مَا:** نہ، نہیں۔

اَغْنٰی عَنْهُ: فعل ماضی، اَغْنٰی یُغْنِیْ اِغْنَاءً۔ کام آیا اس کے، بے نیاز کیا اس کو، فائدہ پہنچایا اسے۔

مَالُهٗ: مال اس کا، یعنی اس کا سرمایہ، دولت۔

کَسَبَ: اس نے کمایا، مَا کَسَبَ: جو کچھ اس نے کمایا۔ مراد نفع بھی ہو سکتا ہے اور اس کا دنیاوی اقتدار اور اثر و رسوخ بھی۔ کمائی سے مراد اس کا بیٹا بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''آدمی کا بیٹا اس کی کمائی ہے۔''[1]

سَیَصْلٰی: (س، یَصْلٰی) سَ بمعنی عنقریب، جلد ہی۔ اس میں تاکید بھی ہے۔ یعنی مرنے کے بعد ضرور بالضرور۔ صَلِیَ یَصْلٰی۔ پڑے گا، چکھے گا، داخل ہوگا۔

نَارًا: ایک آگ۔ ذَاتَ: والی۔

لَهَبٍ: شعلہ، یعنی شعلوں والی آگ، شعلہ زن، شعلے مارتی ہوئی۔

وَامْرَاَتُهٗ: اور بیوی اس کی۔ اُمِّ جمیل ابولہب کی بیوی تھی اور حرب بن امیہ کی بیٹی۔

حَمَّالَةَ: لانے والی، لادنے والی، اٹھانے والی۔ حَمَلَ یَحْمِلُ سے، یہ صیغہ مبالغہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ عورت روزانہ بطور معمول و عادت کے اٹھا کر لاتی تھی۔

الْحَطَبِ: لکڑیاں، ایندھن۔ فِیْ: میں، بیچ۔

جِیْدِهَا: (جید، هَا) جِیْد عورت کی گردن کو کہتے ہیں۔

هَا: (بمعنی اس کی) ابولہب کی بیوی کے لیے ہے۔ حَبْلٌ: رسّی۔

مَسَدٍ: مانجھی، بٹی ہوئی رسی، چھال سے بٹی ہوئی مضبوط رسی۔ آتشی رسّی۔ مفسرین کا یہ بھی خیال ہے کہ دوزخ میں ابولہب کی بیوی کی گردن میں آگ کی رسّی ڈالی جائے گی۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد آنحضرت ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھانے والی بھی ہے۔ نیز محاورے میں لگائی بجھائی کرنے والی، چغلی کھانے والی اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے والی عورت کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابولہب کی بیوی لکڑیوں کے گٹھے میں کانٹے بھی باندھ لیا کرتی تھی اور وہ کانٹے حضرت رسول اکرم ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کی راہ میں پھینک دیتی تھی تاکہ آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو اذیت پہنچے۔

[1] سنن أبي داود: ۳۵۲۹ و سنن الترمذي: ۱۳۵۸

مطلب و مفہوم: سورۂ لہب کا تاریخی پس منظر

ابولہب حضرت رسول خدا ﷺ کا چچا اور عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ اسلام دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ توحید اور اسلام کی طرف لوگوں کو بلانے کی وجہ سے حضرت رسول اکرم ﷺ کا بدترین دشمن بن بیٹھا۔ آپ تبلیغ کے لیے جہاں تشریف لے جاتے یہ بد بخت انسان بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہولیتا اور جب آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تو یہ کہتا کہ لوگو! میرے بھتیجے کی بات پر کان نہ دھرو۔ اسی طرح ایک دن آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا کہ ''اگر میں تمھیں یہ بتاؤں کہ پہاڑ کی پچھلی جانب سے تمھارا دشمن حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات سچ مان لو گے؟'' سب نے کہا: ہاں! کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ''لوگو! ایک خدا پر ایمان لاؤ اور آنے والے عذاب سے بچ جاؤ۔'' اس پر ابو لہب غضبناک ہو کر بولا کہ ''تَبًّا لَكَ'' تو برباد ہو جائے (العیاذ باللہ)! کیا ہمیں اسی لیے یہاں بلایا تھا؟ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔[1]

ابولہب کی بیوی آنحضرت ﷺ کی راہ میں بکثرت کانٹے بچھا دیتی تھی۔ نیز آپ ﷺ کے خلاف اپنے خاوند اور بیٹے کو اکساتی رہتی تھی۔ اسی لیے فرمایا کہ ابولہب کے ساتھ اس کی رُو سیاہ بیوی بھی جہنم کا ایندھن بنے گی اور دونوں اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

ابولہب کی اسلام دشمنی اور اس کا انجام

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام دشمنی کا نتیجہ بتایا اور فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کے سامنے برباد و ہلاک ہوں گے۔ ابولہب اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا، اس کا نام لے کر سارے دشمنانِ اسلام مراد لیے۔ پھر قرآن مجید نے پیش گوئی کی کہ تمام دشمنانِ اسلام اور تبلیغ حق کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والے یقینی طور پر ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کی بربادی قطعی ہے۔ ان کے معاون اور ساتھی بھی ان کے ساتھ جہنم کی آگ میں عذاب کا مزا چکھیں گے۔

خدا کے ہاں ان دشمنانِ اسلام کا مال و دولت، اثر و رسوخ، اولاد، دنیاوی اقتدار اور اسلام کے خلاف ان کی کوششیں انھیں کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ خدا کی گرفت بڑی سخت ہے۔ یہ لوگ اپنے دنیاوی ساز و سامان کے باوجود خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۴/ ۲۸۳۔ ۲۸۹

یہ سورت اسلام کے اقتدار اور غلبہ وسطوت کی خبر دیتی ہے اور مخالفین اسلام کی بربادی کا پیغام سناتی ہے۔

علاوہ ازیں اِس سورت میں تین پیش گوئیاں ہیں:

۱۔ ابولہب ذلت اور بربادی کی موت مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگِ بدر کے سات روز بعد وہ چیچک سے مرا۔ قریش چیچک سے بہت ڈرتے تھے۔ ابولہب تین روز تک مرا پڑا رہا۔ کسی نے اس کو دفن نہ کیا۔ آخر لوگوں نے اس کی نعش پر پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کو توپ دیا۔

۲۔ وہ اپنے مال اور اولاد سے پھل نہ پائے گا۔ چنانچہ دنیا میں اس کو مال اور اولاد سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

۳۔ ابولہب اور اس کی بیوی دونوں جہنم کا ایندھن ہیں اور اس کی بیوی کی گردن میں آتشی رسی ہوگی۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①	آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔
اَللّٰهُ الصَّمَدُ ②	اللہ بے نیاز ہے۔
لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③	نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④	اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

یہ سورت مکی ہے۔ اس میں ۴ آیات ہیں۔ سورۃ الناس کے بعد اُتری تھی۔ اس سورت کے بہت سے نام ہیں جو اس کی اہمیت کا پتہ دیتے ہیں۔ سورۃ الاخلاص کے علاوہ اس کو سورۃ الصَّمَد، سورۃ التوحید، سورۃ التَّفرِید، سورۃ الجمال، سورۃ الایمان وغیرہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

آیات: ۱ تا ۴۔ تشریح الفاظ

قُلْ: فعل امر ہے قَالَ يَقُوْلُ قَوْلًا سے۔ کہہ دیجیے۔ مخاطب حضرت رسول اکرم ﷺ ہیں۔

هُوَ: وہ۔ **اَحَدٌ:** واحد، ایک، اکیلا۔

الصَّمَدُ: وہ ذات جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کی محتاج نہ ہو۔ جس کی طرف سب لوگ اپنی حاجات اور ضرورتیں لے جائیں۔ بے نیاز۔ نیز اس کے معنی ہیں: (۱) سب سے بڑا سردار جو مرجع عوام ہو۔ (۲) جو کھاتا نہ ہو۔ (۳) مخلوق کی موت کے بعد خود باقی رہنے والا۔

لَمْ يَلِدْ: لَمْ نفی کے لیے۔ يَلِدْ، وَلَدَ يَلِدُ سے، پیدا ہوا، جنا۔ اس نے کسی کو نہیں جنا۔ اس کی کوئی اولاد نہیں۔

لَمْ يُوْلَدْ: نہ وہ جنا گیا، یعنی وہ کسی کی اولاد نہیں۔ **يَكُنْ:** ہے۔ كَانَ يَكُوْنُ سے۔

كُفُوًا: جوڑ، برابر، ہمسر، اس جیسا، نظیر، مثل۔

مفہوم ومطلب: سورۂ اخلاص کا تاریخی پس منظر

مشرکین نے حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اپنے رب کی تعر بتائیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

سورۂ اخلاص کی فضیلت

احادیث میں سورۂ اخلاص کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔''[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے سورۂ اِخلاص کو پڑھ کر اس پر غور وفکر کیا اور مطالب و معانی کو ذہن نشین کر لیا، اس نے اسلامی توحید کو اچھی طرح سمجھ لیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قرآن مجید میں تین بنیادی چیزوں کی تعلیم دی ہے:

۱۔ اللہ کی توحید۔

۲۔ اَعمال کی حدود کا تقرر یعنی شریعت۔

۳۔ موت کے بعد کے حالات وکوائف۔

اس اعتبار سے سورۂ اخلاص قرآن مجید کے بنیادی پیغام کا ایک تہائی حصہ ہے۔

اس سورت کی بے شمار فضیلتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے صبح و شام اس سورت کے پڑھنے کی تلقین فرمائی[2] تاکہ خدا کی توحید ہر وقت تازہ رہے۔

سورۂ اخلاص میں ہر قسم کے شرک کی تردید

اس چھوٹی سی سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے شرک کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، سب اُس کے محتاج ہیں۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے نظریوں کی تردید کی کہ یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں غلط ہے اور اسی طرح عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں غلط ہے۔ اللہ کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ باپ۔ وہ ان تعلقات اور آلائشوں سے بالکل پاک ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر اور نظیر بھی نہیں ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۵۰۱۳

[2] سنن أبی داود: ۵۰۸۲

سُوْرَۃُ الْفَلَقِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①	آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔
مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ②	تمام مخلوقات کے شر سے۔
وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③	اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ آ جائے۔
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ④	اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے۔
وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤	اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس میں ۵ آیات ہیں۔ سورۃ الفیل کے بعد نازل ہوئی تھی۔

آیات: ۱ تا ۵۔ تشریح الفاظ

قُلْ: فعل امر۔ (اے نبی کریم ﷺ!) آپ کہہ دیجیے۔

اَعُوْذُ: فعل مضارع، واحد متکلم۔ میں پناہ لیتا ہوں۔

بِ: ساتھ، کی۔ رَبِّ: مالک۔

الْفَلَقِ: پو پھٹنا، صبح۔ مِنْ: حرف جر بمعنی سے۔

شَرِّ: بدی، برائی۔ شر ضد ہے خیر کی۔ مَا: جو کچھ، اس چیز کی جو۔

خَلَقَ: فعل ماضی۔ خَلَقَ یَخْلُقُ خَلْقًا، خَالِقٌ۔ (اللہ نے) پیدا کیا۔

غَاسِقٍ: رات کا اندھیرا، اندھیری رات، تاریکی، اندھیرا۔

وَقَبَ: (اندھیرا) چھا جائے، غروب آفتاب کے بعد روشنی زائل ہو جائے۔ وَقَبَ یَقِبُ وَقْبًا۔ نیز آفتاب غروب ہو جائے۔ (بقول امام بخاری رحمہ اللہ)۔

النَّفّٰثٰتِ: (جمع نَفَّاثَۃٌ کی) مؤنث۔ پھونکیں مارنے والی عورتیں، جادوگر عورتیں۔ نَفَثَ سے بمعنی پھونکنا۔

بعض کے نزدیک النَّفَّاثَۃُ کی ت مؤنث کی علامت نہیں بلکہ صیغہ مبالغہ ہے عَلاَّمَۃ کی طرح ، اس لیے ان کے نزدیک النَّفَّاثَۃُ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔

الْعُقَدِ: (جمع ، عُقْدَۃٌ کی) گرہیں۔ مراد جادوگر عورتیں جب جادو پڑھ کر گرہ باندھ کر اس پر پھونکیں۔

حَاسِدٍ: اسم فاعل۔ حسد کرنے والا۔

حَسَدَ: فعل ماضی۔ حَسَدَ یَحْسُدُ حَسَدًا۔ حسد کیا۔ اِذَا حَسَدَ، جب حسد کرے۔ اِذَا اسم ظرف ، غیر معین عرصے کے لیے۔

مفہوم ومطلب: جادو ٹونے سے اللہ کی پناہ پکڑنے کا حکم

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جان وتن کی حفاظت کا طریقہ سکھایا کہ انسانوں کا ملجا و ماویٰ خدا ہے۔ اسی کے ہاں سب کو پناہ ملتی ہے۔ مخلوقات میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی۔ بروں کے شر سے بچنا چاہیے اور بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی پناہ لی جائے۔ جس طرح وہ تاریکی وظلمت سے صبح کا اُجالا پیدا کرتا ہے، اسی طرح مایوسی کی تاریکیوں میں امید کی کرن اور روشنی بھی اللہ کے سایۂ رحمت میں میسر آتی ہے۔

برائیوں کی اقسام کے ذکر میں رات کے اندھیرے کا ذکر فرمایا، کیونکہ اکثر برائیوں کا ارتکاب رات کی تاریکی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح جادو اور سحر سے بچنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ حاسدوں کے حسد سے بھی بچانے والا اللہ ہی ہے۔

اس سورت میں یہ تعلیم دی کہ ہر بدی سے بچنے کے لیے اور مصیبت وتکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اپنی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کو اس کے سامنے رکھنا چاہیے۔ مومن کی شان بتائی کہ ہر حالت میں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار رہتا ہے۔

سُوۡرَةُ النَّاسِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①	آپ کہہ دیجیے کہ میں پناہ لیتا ہوں لوگوں کے مالک کی۔
مَلِكِ النَّاسِ ②	لوگوں کے بادشاہ کی۔
اِلٰهِ النَّاسِ ③	لوگوں کے معبود کی۔
مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِ ④	وسوسہ ڈالنے، پیچھے ہٹ جانے والے (یعنی شیطان) کے شر سے۔
الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ⑤	جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔
مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥	خواہ وہ (وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس میں ٦ آیات ہیں۔ سورۃ الفلق کے بعد اُتری تھی۔

آیات: ا تا ٦۔ تشریح الفاظ

رَبّ: مالک، پروردگار۔

النَّاس: لوگ۔ امام لغت ونحو سیبَوَیہْ کے قول کے مطابق النَّاس اصل میں اَلْاُنَاس تھا، اُنَاس کے الف کو تخفیف اور آسانیِ قراءت کی خاطر حذف کر دیا، ناس رہ گیا۔ النَّاس جمع اور واحد دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مَلِك: بادشاہ۔ مَلِك کہنے میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک شخص مالک تو ہوتا ہے لیکن مَلِك (بادشاہ) نہیں ہوتا۔ مگر مَلِك ہمیشہ مالک بھی ہوتا ہے۔ لٰہذا لفظِ مَلِك میں بادشاہت اور ملکیت و قبضہ دونوں شامل ہیں۔

اِلٰہِ: معبود۔ وہ ذات جس کے سامنے مخلوق اپنی حاجتوں کو پیش کرے۔ جس سے لو لگائیں، جس کی پرستش کریں، جس سے مرادیں مانگی جائیں۔ لائقِ عبادت ذات۔

اَلْوَسْوَاسِ: اِبلیس، شیطان، وسوسہ ڈالنے والا، خیال ڈالنے والا۔ وِسْوَاسُ مصدر ہے بمعنی وسوسہ ڈالنا۔

الْخَنَّاسِ: پیچھے ہٹنے والا۔ چھپ جانے والا۔

الَّذِیْ: جو۔

یُوَسْوِسُ: وَسْوَسَ یُوَسْوِسُ وِسْوَاسًا۔ وسوسہ ڈالتا ہے، خیال پیدا کرتا ہے۔

صُدُوْرِ: (جمع صَدْر کی) سینوں، دلوں۔

الْجِنَّۃِ: (جمع جِنِّی کی) جنّ کے لفظ میں پوشیدگی اور چھپنا یا آنکھوں سے اوجھل ہونا شامل ہے۔ جُنَّۃٌ ڈھال۔ جَنَنٌ قبر کہ مردے کو چھپا لیتی ہے۔ جَنِیْنٌ وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو، نیز قبر میں مدفون۔ جَنَان: دِل۔ جِنّ کو بھی جِنّ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ نظر نہیں آتا۔

مطلب ومفہوم: شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ پکڑنے کا حکم

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ انسان کو بہکانے اور پھسلانے کے لیے کئی قوتیں کارفرما ہیں۔ کچھ قوتیں تو نظر آتی ہیں اور کچھ آنکھوں سے اوجھل رہتی ہیں۔ انسان اپنی مخالف قوتوں کا بہت جلد شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بہکانے والے انسان بھی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو ورغلاتے اور راہِ راست سے ہٹاتے رہتے ہیں اور نظر نہ آنے والی مخلوق بھی ہوسکتی ہے، جسے جِنّ کے نام سے پکارتے ہیں۔ خود انسان کی اپنی خواہشاتِ نفسانی بھی ہیں جو غیر شعوری طور پر اس کو گناہوں پر اُکساتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے حوالے سے ہمیں یہ سکھایا کہ تم اپنے تعلقات اس ذات سے خوب استوار رکھو جو انسانوں کا رب اور مالک ہے۔ سب چیزیں اِس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہی لوگوں کا بادشاہِ حقیقی ہے۔ اُسی کی ذات عبادت کے لائق ہے۔ جب تم ایسے وسیع اختیارات والے رب سے لَو لگالو گے تو پھر تم ہر برائی سے بچے رہو گے۔ کوئی شخص تمھیں بہکا نہ سکے گا۔ تمھارے عقائد وافکار ہر طرح سے محفوظ رہیں گے۔

مختصر یہ کہ ہر کام میں اللہ کی مدد اور اِعانت حاصل کرنے کا جذبہ صحیح نظریۂ زندگی ہے۔ جب یہ مقام

حاصل ہو جائے تو انسان تمام اعتقادی برائیوں اور خیالاتِ بد سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے بارے میں تاکید فرمائی ہے کہ ان سورتوں کو صبح و شام پڑھنا چاہیے۔[1] ان سورتوں کے پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ انسان جسمانی و عملی اور ذہنی و فکری گمراہیوں سے بچا رہتا ہے۔

[1] سنن الترمذی: ۳۵۷۵ و سنن النسائی: ۵۴۲۸

ضمیمہ جات

یہ ضمیمے موجودہ دور (سن ۲۰۲۲ء ومابعد) کے اسلامیات لازمی واختیاری (اوّل تا ایم اے)
کے طلبہ وطالبات کے نصابات کی تکمیل کے لیے شامل کیے گئے۔

سُوْرَةُ الْحُجُرَات [1]

یہ مدنی سورت ہے۔ سورت کا نام اس میں مذکور لفظ ''حجرات'' سے لیا گیا ہے۔ اس سورت میں مسلمانوں کو چند اہم آداب اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی گئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

مومنو! (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے نہ بول اُٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ②

اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے رُوبرو زور سے نہ بولا کرو، (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لیے آزما لیے ہیں۔ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④

جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

---

[1] اس سورت کے مختلف حصے مختلف جماعتوں کے نصاب

وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰى تَخۡرُجَ اِلَيۡهِمۡ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ⑤ اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

آیات: ۱ تا ۵۔ تشریح الفاظ

تَحۡبَطَ: حَبِطَ يَحۡبَطُ سے واحد مؤنث غائب (لفظ اعمال جمع استعمال ہونے کی وجہ سے یہ تَحۡبَطَ مؤنث استعمال ہوا)۔ اعمال ضائع ہو جائیں۔

يَغُضُّوۡنَ: غَضَّ يَغُضُّ سے جمع مذکر غائب۔ وہ پست کرتے ہیں۔

امۡتَحَنَ: واحد مذکر غائب فعل ماضی۔ (امتحان اسی سے ہے) آزما لیا۔

يُنَادُوۡنَكَ: نَادٰى يُنَادِيۡ سے جمع مذکر غائب، كَ ضمیر مخاطب۔ وہ آپ کو پکارتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی تعظیم سے متعلق چند آداب

اے ایمان والو! کسی بھی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے قبل کسی معاملے میں قطعی فیصلہ نہ کرو۔[1]

نبی ﷺ سے کلام کے وقت اپنی آواز ہلکی رکھو۔ یہ آیت بعض دیہاتی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اللہ کے رسول کی عزت وتوقیر کی پہچان نہ رکھتے تھے۔ اللہ نے ڈرایا کہ ایسا نہ ہو کہ رسول ﷺ کی بے ادبی کرنے سے تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں یعنی کفر لاحق ہو جائے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنی آواز پست رکھتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں میں تقویٰ کو خالص کیا ہے۔[2]

امام بیضاوی کہتے ہیں کہ عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس بنو تمیم کا وفد لے کر آئے تو ظہر کے وقت آوازیں لگانے لگے: اے محمد! باہر ہمارے پاس آؤ۔ اللہ نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا کہ ایسے لوگ عقل نہیں رکھتے، یعنی عقل تو بڑے لوگوں سے مخاطب ہونے کا ادب سکھاتی ہے اور یہ اس ادب سے محروم ہیں۔[3]

---

[1] تفسیر بیضاوی، الحجرات: ۱

[2] تفسیر ابن کثیر، الحجرات: ۳

[3] تفسیر بیضاوی، الحجرات: ۴۔ اس واقعے کی تفصیل دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۲۴۶، ۹/ ۲۱۶

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥	مومنو! اگر کوئی بدکردار تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو، پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ⑦	اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں وہ تمھارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمھارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔ یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑧	(یعنی) اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔
وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑨	اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو، اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع لائے۔ پس جب وہ رجوع لائے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

آیات: ٦ تا ٩۔ تشریح الفاظ

فَتَبَيَّنُوْٓا: فَ، پس، تَبَيَّنَ سے فعل امر۔ پس تحقیق کرو۔

لَعَنِتُّمْ: عَنَتَ سے فعل ماضی، جمع مذکر حاضر۔ تم مشکل میں پڑو۔

کَرَّہَ: فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ بیزار کیا، نفرت دلائی۔

بَغَتْ: بَغٰی یَبْغِیْ سے، فعل ماضی، واحد مؤنث غائب۔ بغاوت کرے، زیادتی کرے۔

تَفِیْٓءَ: فَآءَ یَفِیْءُ سے، مضارع معلوم، واحد مؤنث غائب۔ وہ رجوع کرے، لوٹے۔

فاسق آدمی کی خبر کی تصدیق کا حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان خبروں کی تصدیق اور جانچ پڑتال کا حکم دے رہے ہیں جو کسی فاسق آدمی کے ذریعے موصول ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کمزور خبر کی بنیاد پر کسی قبیلے پر حملہ کیا جائے جو بعد میں افسوس اور ندامت کا سبب بنے۔ مفسرین نے اس آیت کے سبب نزول میں اس طرح کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے۔[1]

اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ تمھاری کمزور باتوں پر اعتماد کر کے تمھارے پیچھے لگ جائیں تو تم گناہ گار بھی ہو گے اور غلط نتائج کے ذمہ دار بھی، لیکن اللہ تمھیں کمزوریوں سے محفوظ کرتا ہے۔ اس نے تمھارے دلوں میں ایمان کو محبوب بنایا اور کفر و عصیان کو ناپسندیدہ بنایا۔[2]

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ دو لڑنے والے مومن گروہوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے رہے ہیں۔ اگر کسی غلط فہمی یا ناراضی کے سبب دو گروہ لڑائی کی تیاری کریں تو صلح کی بھرپور کوشش کرو۔ اگر ایک ظالم اور باغی ہو تو سب مل کر اس ظالم اور باغی کے خلاف لڑائی کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اور ظلم سے باز آ جائے۔

لڑائی کے سد باب کے بعد دونوں گروہوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔ امام بیضاوی کہتے ہیں: ایک دفعہ اوس اور خزرج کے درمیان جوتوں اور چھڑیوں سے مار پٹائی چھڑ گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ باغی بغاوت کے باوجود مومن کہلائے گا اور لڑائی سے باز آ جائے تو اسے کچھ نہ کہا جائے اور مصالحت اور خیر خواہی کی پوری کوشش کی جائے۔[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، الحجرات:۶

[2] تفسیر جلالین، الحجرات:۷

[3] تفسیر بیضاوی، الحجرات:۸

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑩	مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ⑪	مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ⑫	اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

آیات: ۱۰ تا ۱۲۔ تشریح الفاظ

إِخْوَةٌ: أَخٌ کی جمع۔ بھائی۔

فَأَصْلِحُوا: أَصْلَحَ يُصْلِحُ سے، فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ صلح کراؤ، درست کراؤ۔ اصلاح بھی اس سے ہے۔

لَا تَلْمِزُوا: لَمَزَ يَلْمِزُ سے فعل نہی، نہ عیب لگاؤ۔

لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ: فعل نہی حاضر معلوم۔ القاب لقب کی جمع ۔ نہ بُرے نام رکھو۔

لَا تَجَسَّسُوْا: جَسَّسَ یُجَسِّسُ سے فعل نہی حاضر، نہ تجسس کرو، جاسوسی اسی سے ہے۔

لَا یَغْتَبْ: اِغْتَابَ یَغْتَابُ فعل نہی غائب، نہ غیبت کرے۔

مومنوں کے باہمی حقوق

تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اسلام اور دین کی اخوت نسب کی اخوت سے زیادہ طاقتور ہے، لہٰذا ناراض بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈر کر اس کے احکام کی پابندی کرو تا کہ اللہ کی رحمت یعنی اس کی رضا اور جنت نصیب ہو۔

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا تمسخر نہ اڑاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں کوئی معتبر ہو اور تم اس کا مذاق اڑاؤ۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''کئی بکھرے بالوں والے اور غبار آلود سر والے ایسے ہیں کہ وہ اللہ پر کوئی قسم ڈال دیں تو اللہ ضرور اس کی لاج رکھے۔''[1] یہ حدیث غرباء اور فقراء کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان لانے کے بعد فسق کا ارتقاب بہت برا ہے۔ امام بیضاوی کہتے ہیں: برے القاب سے پکارنا فسق ہے۔[2]

اے ایمان والو! برے گمانوں سے بچو۔ ایک دوسرے کے عیب نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیونکہ یہ مردہ بھائی کے گوشت کھانے کی طرح ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾	لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔
قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ	دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ (یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے اور

---

[1] صحیح مسلم: ۲۶۲۲

[2] تفسیر بیضاوی، الحجرات: ۱۱

الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴﴾

ایمان تو ابھی تک تمھارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمھارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۵﴾

مومن تو وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے۔ یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾

ان سے کہو کہ تم اللہ کو اپنی دینداری جتلاتے ہو؟ اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے اور اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کا رستہ دکھایا، بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے۔

آیات: ۱۳ تا ۱۷۔ تشریح الفاظ

أَتْقَاكُمْ: اسم تفضیل از باب اِتَّقٰی یَتَّقِی، خلافِ قیاس۔ تم میں زیادہ پرہیزگار، زیادہ ڈرنے والا۔[1]

لَا يَلِتْكُمْ: لَاتَ يَلِيتُ سے فعل مضارع منفی معلوم، واحد مذکر غائب۔ نہیں وہ کمی کرے گا تم سے۔

لَمْ يَرْتَابُوا: اِرْتَابَ يَرْتَابُ سے فعل نفی جحد معلوم، جمع مذکر غائب۔ وہ شک میں نہ پڑیں۔

يَمُنُّونَ: مَنَّ يَمُنُّ سے فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ وہ احسان جتلاتے ہیں۔

[1] ابن عاشور، التحریر والتنویر، الحجرات: ۱۳

عزت کا معیار فقط تقویٰ ہے

اللہ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم سب آدم اور حوا کی اولاد ہو۔ تمھارے قبیلے، قومیں محض تعارف کے لیے ہیں، ایک دوسرے پر فخر و غرور کا ذریعہ نہیں اور اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

بنو اسد قبیلے کے کچھ دیہاتی آئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے دلوں سے تصدیق کر کے ایمان لائے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ''ہم ایمان لائے'' نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے، کیونکہ اسلام ظاہری فرمانبرداری کو کہتے ہیں اور ایمان ابھی مکمل طور پر دلوں میں داخل نہیں ہوا، البتہ اس کی توقع قائم ہوگئی۔[1]

اللہ نے فرمایا کہ اگر تم ایمان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمھارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ سچے مومن وہ ہیں جو ایمان کے بعد شک وشبہ کا شکار نہیں ہوتے اور جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ وہ محض ایمان کا دعویٰ نہیں کرتے۔

اللہ نے فرمایا کہ تم اللہ کو اپنے دین کے متعلق خبر دیتے ہو حالانکہ وہ زمین و آسمان میں موجود سب کچھ جانتا ہے۔ وہ دیہاتی کہتے تھے کہ ہم جنگ و جدل کے بغیر ایمان لائے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اسلام قبول کرنے کے ساتھ احسان جتلاتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ وہ ایمان کے لیے ہدایت دیتا ہے۔[2]

---

[1] تفسیر جلالین، الحجرات: ۱۴۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۱۰ / ۱۹۲

[2] تفسیر بغوی، الحجرات: ۱۸

سُوْرَةُ الصَّفِّ [1]

سورۂ صف مدنی سورت ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر مشتمل ہے۔ اس سورت کے نام سے مراد دشمن کے مقابلے میں صف باندھ کر لڑنا ہے، جس کی فضیلت کا تذکرہ سورت کے اندر موجود ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

جو لوگ اللہ کی راہ میں (ایسے طور پر) پرے جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں، وہ بے شک اللہ کے محبوب ہیں۔

آیات: ۱ تا ۴۔ تشریح الفاظ

سَبَّحَ: فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ اس نے تسبیح کی۔

مَقْتًا: مَقَتَ يَمْقُتُ سے اسم مصدر۔ ناراض ہونا، غصہ کرنا۔

بُنْيَانٌ: فُعْلَان کے وزن پر اسم جامد ہے۔ دیوار، عمارت۔

مَّرْصُوْصٌ: رَصَّ يَرُصُّ سے اسم مفعول۔ سیسہ پلائی ہوئی۔

---

[1] اس سورت کے مختلف حصے مختلف جماعتوں کے نصاب میں شامل ہیں۔

ایمان کا دعویٰ عمل سے مشروط ہے

سورت کے آغاز میں اللہ نے فرمایا کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔ صحابہ کرام نے خواہش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں افضل ترین عمل بتائیں تو ہم اس پر عمل کریں۔ اللہ نے سب سے افضل عمل ایمان اور جہاد قرار دیا۔ جہاد کے احکام نازل ہوئے۔ بعض نے اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں لٹایا لیکن بعض پر جہاد بڑا شاق گزرا تو اللہ نے یہ سورت نازل کی اور فرمایا کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔[1]

اس کے علاوہ قرآن و حدیث میں وفائے عہد کی بڑی تلقین کی گئی اور نقضِ عہد کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔[2]

اس کے بعد بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہت پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں۔ یعنی نہایت مضبوط دیوار کی طرح پختہ اور ثابت قدم رہتے ہیں۔[3]

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، تو جب ان لوگوں نے کجروی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس تمھارے اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے

---

[1] تفسیر طبری و ابن کثیر، الصف: ۲، ۳

[2] صحیح مسلم: ۱۰۸

[3] تفسیر جلالین، الصف: ۳

جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝	جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں۔ (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝	اور اس سے بڑا ظالم کون کہ بلایا تو جائے اسلام کی طرف اور وہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔
يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝	یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝	وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔

آیات: ۴ تا ۹۔ تشریح الفاظ

اَزَاغَ: فعل ماضی، اَزَاغَ یَزِیْغُ سے۔ ٹیڑھا کر دیا۔

مُصَدِّقًا: صَدَّقَ یُصَدِّقُ سے اسم فاعل۔ تصدیق کرنے والا۔

مُبَشِّرًا: بَشَّرَ یُبَشِّرُ سے اسم فاعل۔ خوشخبری سنانے والا۔

اَظْلَمُ: ظَلَمَ یَظْلِمُ سے اسم تفضیل۔ سب سے بڑا ظالم۔

یُدْعٰی: دَعَا یَدْعُوْا سے فعل مضارع مجہول۔ وہ بلایا جاتا ہے۔

لِیُطْفِئُوْا: اَطْفَاَ یُطْفِیُٔ سے فعل مضارع، جمع مذکر غائب۔ تا کہ وہ بجھا دیں۔

لِیُظْهِرَهٗ: اَظْهَرَ یُظْهِرُ سے فعل مضارع، واحد مذکر غائب، ہٗ ضمیر۔ تا کہ وہ غالب کرے اس کو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دین کی خاطر محنتیں

جب اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ذکر کیا تو یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی دعوت توحید تھی اور انھوں نے اللہ کی راہ میں تکالیف برداشت کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ

میں اللہ کا رسول ہوں، پھر مجھے کیوں اذیت دیتے ہو؟ اللہ نے فرمایا کہ وہ جب حق سے منحرف ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ہدایت سے دور کر دیا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کو حق کی دعوت دی اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بشارت دی۔ انھوں نے آپ ﷺ کو احمد نام سے پکارا۔ آپ کا یہ نام مختلف احادیث سے بھی ثابت ہے۔[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی واضح معجزات دکھائے لیکن انھوں نے معجزات کو جادو قرار دیا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اپنے نبی کو جادوگر کہے اور اللہ کی نشانیوں کو جادو قرار دے۔ اسی طرح عرب کے مشرکین اللہ کے نور یعنی اسلام اور دین محمدی کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں جبکہ اللہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی پیش گوئی کی کہ میری امت مشرق و مغرب میں پھیل جائے گی۔[2]

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾	مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں عذاب الیم سے مخلصی دے۔
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَ أَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾	(وہ یہ کہ) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ اگر سمجھو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾	وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغ ہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔
وَأُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ	اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمھیں

---

[1] تفسیر ابن کثیر، الصف: ۶ و صحیح البخاری: ۳۵۳۲

[2] تفسیر جلالین و بیضاوی، الصف: ۹ و صحیح مسلم: ۲۸۸۹

فَتۡحٌ قَرِيۡبٌ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ⑬	اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح (عن) قریب (ہوگی) اور مومنوں کو (اس کی) خوشخبری دو۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَكَفَرَتۡ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰى عَدُوِّهِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِيۡنَ ⑭	مومنو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے حواریوں سے کہا کہ (بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ آخر الامر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔

آیات: ۱۰ تا ۱۴۔ تشریح الفاظ

تُنۡجِيۡكُمۡ: أَنْجَى يُنْجِي سے فعل مضارع، واحد مذکر حاضر، کُمْ ضمیر۔ وہ نجات دے تم کو۔

مَسَاكِنَ: سَكَنَ يَسْكُنُ اسم ظرف، جمع مکسر۔ گھر۔

لِلۡحَوَارِيّٖنَ: جمع مذکر سالم، حواری کی جمع۔ نہایت قریبی ساتھی، مخلص دوست۔

فَاَيَّدۡنَا: اَيَّدَ يُؤَيِّدُ سے فعل ماضی جمع متکلم۔ ہم نے تائید کی، قوت بخشی۔

مومنوں کی جان و مال کے بدلے جنت کی تجارت

سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جہاد پر ابھارنے کے لیے ایک تجارتی معاہدہ پیش کیا۔ فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے جان و مال سے جہاد کرو۔ اللہ تمھیں عذاب سے نجات دے گا، تمھارے گناہ معاف کرے گا، جنتوں میں داخل کرے گا اور تمھیں دنیا میں بھی نصرت و فتح نصیب ہوگی۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: نصرت اور فتح سے مراد فارس اور روم کی فتح ہے۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے۔[1]

[1] الشوکانی، فتح القدیر، الصف: ۱۰

ایمان والو! اللہ کے دین کی مدد کرو، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اللہ کے دین کی مدد کی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا کون مددگار ہے تو وہ ۱۲ مخلص پیروکار آگے بڑھے اور دین کے دست و بازو بنے۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سے کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور باقی لوگوں نے کفر کیا تو اللہ نے ایمان والوں کو کفر کرنے والوں پر حجت و برہان کے اعتبار سے غالب کر دیا۔[1] ایک معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عیسائیوں کو یہودیوں پر جنگ میں غالب کر دیا۔[2] ایک معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ کہنے والے یعنی امتِ محمدیہ ان پر غالب آ گئے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔[3]

۱۔ الصابونی، صفوۃ التفاسیر، الصف: ۱۴

۲۔ تفسیر بیضاوی، الصف: ۱۴

۳۔ تفسیر ابن کثیر، الصف: ۱۴

سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ[1]

یہ مدنی سورت ہے۔ اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ دوستی اور دشمنی اللہ کی خاطر اختیار کی جائے دنیوی یا مادّی بنیادوں پر نہیں۔ یہ سورت سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے مخصوص واقعے کے تناظر میں نازل ہوئی۔ اس سورت کو ممتحنہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں مہاجر خواتین سے امتحان لینے کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①	مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے (مکے سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم تو ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمھارے پاس آیا ہے منکر ہیں اور اس باعث سے کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں، تم ان کی طرف پوشیدہ پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے اور جو کوئی تم میں ایسا کرے گا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔
اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ②	اگر یہ کافر تم پر قدرت پالیں تو تمھارے دشمن ہو جائیں اور ایذا کے لیے تم پر ہاتھ (بھی) چلائیں اور زبانیں (بھی) اور چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔

---

[1] برائے میٹرک، اسلامیات لازمی۔

آیات: ۱ تا ۲۔ تشریح الفاظ

لَا تَتَّخِذُوْا: اِتَّخَذَ یَتَّخِذُ سے فعل نہی مضارع، جمع مذکر حاضر۔ نہ بناؤ، نہ پکڑو۔

اَوْلِيَآءَ: صفت مشبہ جمع مکسر، وَلِیٌّ کی جمع۔ دوست، سرپرست، متولی۔

تُسِرُّوْنَ: اَسَرَّ يُسِرُّ سے فعل مضارع، جمع مذکر حاضر۔ تم چھپا کر پیغام بھیجتے ہو۔

يَّثْقَفُوْكُمْ: ثَقِفَ يَثْقَفُ سے مضارع، جمع مذکر غائب، فعل ثلاثی مجرد، كُمْ ضمیر۔ وہ جنگ میں قدرت پالیں تم پر۔

وَدُّوْا: وَدَّ يَوَدُّ سے فعل ماضی، جمع مذکر غائب۔ وہ چاہتے ہیں، پسند کرتے ہیں۔

اللہ کے دشمنوں سے دوستی منع ہے

اس سورت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کی تیاری کی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو ایک خط لکھ کر خبر دی کہ اللہ کے رسول ﷺ تم سے لڑنے آ رہے ہیں، لہٰذا تم اپنی حفاظت کرلو۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا خط ایک عورت لے کر جا رہی تھی۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی خبر کر دی، چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دو صحابہ کو اس عورت سے خط لانے کا کہا۔ خط لایا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے جواب طلبی کی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں جلد بازی نہ کریں۔ میں نے یہ حرکت دین سے مرتد ہو کر یا کفر کی وجہ سے نہیں کی۔ میں فقط یہ چاہتا تھا کہ قریش میرے اس احسان کے بدلے میں میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں جو مکہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا اور یہ سورت نازل ہوئی۔[1]

یہاں دشمنوں سے مراد کفار ہیں۔ اہل ایمان کو کفار سے دوستی لگانے سے منع کیا گیا۔ تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو یعنی انھیں مسلمانوں کے راز بتاتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دین اور قرآن کے منکر ہیں۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ اور مومنین کو مکہ میں اتنی اذیتیں دیں کہ انھیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا، حالانکہ ان کا اس کے سوا کوئی قصور نہ تھا کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائے۔

فرمایا کہ اے مومنو! اگر تم نے میری خاطر ہجرت کی ہے اور میرے راستے میں جہاد کے لیے نکلے ہو تو

---

[1] تفسیر قرطبی، الممتحنۃ: ۱؛ وصحیح البخاری: ۴۸۹۰۔ اس واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۹/ ۶۵۔۷۰

پھر میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ لگاؤ۔ تم ان سے خفیہ دوستی لگاتے ہو حالانکہ میں تمھارے ظاہر اور باطن کو جانتا ہوں۔ جو شخص اللہ کے دشمنوں سے دوستی لگائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے راز افشا کرے وہ سیدھے راستے سے ہٹ گیا۔

اللہ نے فرمایا کہ تم ان سے کیسے دوستی لگا سکتے ہو حالانکہ وہ تمھاری دشمنی میں کسی طرح لچک نہیں رکھتے۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمھیں کبھی معاف نہ کریں، تمھیں زدوکوب کریں اور قتل کر دیں۔ ان کی خواہش بلکہ پوری کوشش ہے کہ تم ان جیسے کافر ہی رہو۔ ان سب باتوں کے باوجود تم ان سے دوستی کرتے ہو؟[1]

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

قیامت کے دن نہ تمھارے رشتے ناتے کام آئیں گے اور نہ اولاد۔ اس روز وہی تم میں فیصلہ کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④

تمھیں ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے جب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں۔ (اور) تمھارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی، ہاں ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر بھروسا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں تیرے ہی حضور میں (ہمیں) لوٹ کر آنا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر، الممتحنہ: ۱، ۲

آیات: ۳ تا ۴۔ تشریح الفاظ

اَرۡحَامُکُمۡ: رح م سے اسم جامد جمع مکسر، کُمۡ ضمیر۔ تمھارے رحموں، مراد تمھارے رشتہ داروں۔

بُرَءٰٓؤُا: بَرِئَ یَبۡرَئُ سے صفت مشبہ، جمع مکسر، بَرِیۡءٌ کی جمع۔ الگ تھلگ، لاتعلق۔

بَدَا: بَدَا یَبۡدُوۡ، فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ ظاہر ہوگیا۔

اَنَبۡنَا: اَنَابَ یُنِیۡبُ، فعل ماضی، جمع متکلم۔ ہم متوجہ ہوئے، ہم نے رجوع کیا۔

قیامت کے دن قرابت داری اور دوستی کام نہ آئے گی

تمھارے بیوی بچے جن کی خاطر تم کافروں سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو، تمھارے کسی کام نہ آئیں گے، لہٰذا بیوی بچوں کی خاطر مسلمانوں کے راز فاش نہ کرو اور نہ مسلمانوں سے خیانت کرو۔ اللہ قیامت کے دن مسلمانوں اور کافروں کا فیصلہ کرے گا۔ مسلمانوں کو جنت سے نوازے گا اور کفار کو جہنم میں داخل کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ

تمھارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے کہ انھوں نے بتوں سے برأت کا اعلان کیا اور بت پرستوں کے دین اور طریقے کا انکار کیا۔ انھوں نے کہا: ہمارے اور تمھارے درمیان قیامت تک بغض وعداوت قائم رہے گی۔ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان لاکر توحید اختیار نہ کرو، اس اکیلے کی عبادت نہ کرو اور بتوں کی عبادت اور شرک نہ چھوڑو، تم ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بت پرست والد کو کہا تھا کہ میں تمھارے لیے بخشش کی دعا کروں گا اور وہ اس کی ہدایت کی امید پر بخشش کی دعا کرتے رہے لیکن جب ان کا والد کفر اور شرک پر فوت ہوا تو وہ اس دعا سے بھی باز آ گئے۔[1]

رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۵﴾	اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کے ہاتھ سے عذاب نہ دلانا اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف فرما، بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔

---

[1] تفسیر جلالین، التوبہ: ۱۱۴

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡهِمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿۶﴾	تم (مسلمانوں) کو (یعنی) جو کوئی اللہ (کے سامنے جانے) اور روزِ آخرت (کے آنے) کی اُمید رکھتا ہو اُسے ان لوگوں کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے اور جو روگردانی کرے تو اللہ بھی بے پروا اور سزا وارِ حمد (وثنا) ہے۔
عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۷﴾	عجب نہیں کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کردے اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
لَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۸﴾	جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمھارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
اِنَّمَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قَاتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَاَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَظَاهَرُوۡا عَلٰٓى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹﴾	اللہ انھی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔

آیات: ۵ تا ۹۔ تشریح الفاظ

فِتۡنَة: فَتَنَ يَفۡتِنُ سے اسم مصدر۔ آزمائش۔

يَتَوَلَّ: تَوَلّٰى يَتَوَلّٰى سے جزمی حالت، فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ دوست بنائے۔

عَادَيۡتُمۡ: عَادٰى يُعَادِىۡ، فعل ماضی، جمع مذکر حاضر۔ تم دشمنی رکھتے ہو۔

ظَاهَرُوۡا: ظَاهَرَ يُظَاهِرُ، فعل ماضی، جمع مذکر غائب۔ انھوں نے ایک دوسرے کی مدد کی۔

غیر جانب دار کافروں سے نیکی اور انصاف کرنا

اہل ایمان دعا بھی کرتے ہیں کہ اللہ! ہمیں کفار کے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا کہ وہ ہمیں ہمارے دین سے ہٹا دیں۔ تو غالب ہے، تیری مدد کا طالب کبھی خوار نہیں ہوتا۔ تو حکیم ہے، تیرا کوئی فعل خیر ومصلحت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان والو! تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ تکرار مبالغہ اور تاکید کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مشرکوں سے دوستی لگانے سے روکنے کے بعد یہ امید بھی دلائی کہ ہوسکتا ہے کہ تمھارے یہ دشمن اسلام قبول کرلیں اور پھر تمھارے درمیان محبت کا رشتہ دوبارہ استوار ہو جائے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ کئی کفار مسلمان ہو گئے۔ اللہ کا امید دلانا اللہ کا وعدہ ہوتا ہے جو پورا ہو کر رہتا ہے۔

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کافروں سے نیکی اور انصاف کرنے کی اجازت دے رہے ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑتے ہیں، نہ انھیں ان کے گھروں سے نکالتے ہیں۔ یہ کفار بنو خزاعہ کے لوگ تھے۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدۂ صلح کیا کہ وہ آپ سے نہ لڑیں گے اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔[1] اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کو اپنی مشرک ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا۔[2]

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ	مومنو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر
الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ	آئیں تو ان کی آزمائش کرلو (اور) اللہ تو ان کے ایمان
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ	کو خوب جانتا ہے۔ سو اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو
مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ	ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ ان کو حلال ہیں
لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ	اور نہ وہ ان کو جائز اور جو کچھ انھوں نے (ان پر) خرچ
وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	کیا ہو وہ ان کو دے دو اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان
اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ	عورتوں کو قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس دے دو)

---

[1] تفسیر رازی، الممتحنۃ:۹

[2] تفسیر ابن کثیر، الممتحنۃ:۹

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩

اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا ہو تم ان سے طلب کر لو اور جو کچھ انھوں نے (اپنی عورتوں پر) خرچ کیا ہو وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا حکم ہے جو تم میں فیصلہ کیے دیتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

اور اگر تمھاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمھارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے (اور اس کا مہر وصول نہ ہوا ہو) پھر تم ان سے جنگ کرو (اور ان سے تم کو غنیمت ہاتھ لگے) تو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں ان کو (اس مال میں سے) اتنا دے دو جتنا انھوں نے خرچ کیا تھا اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اے پیغمبر! جب تمھارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ شرک کریں گی، نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی، نہ نیک کاموں میں تمھاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیات: ۱۰ تا ۱۲۔ تشریح الفاظ

بِعِصَمِ: اسم جامد جمع مکسر، عصمت کی جمع۔ عصمتیں۔ پاکدامنی، ناموس۔

الْكَوَافِرِ: كَفَرَ يَكْفُرُ سے اسم فاعل جمع مکسر۔ كَافِرَةٌ کی جمع۔ کافر عورتیں۔

فَعَاقَبْتُمْ: عَاقَبَ یُعَاقِبُ سے فعل ماضی، جمع مذکر حاضر۔ تم بدلہ لو، تعاقب کرو۔
یَفْتَرِیْنَهٗ: اِفْتَرٰی یَفْتَرِیْ فعل مضارع جمع مؤنث غائب، ہٗ ضمیر۔ جسے وہ گھڑتی ہیں، باندھتی ہیں۔

مہاجر خواتین کا امتحان لینے کا حکم

صلح حدیبیہ میں طے ہوا کہ مکہ والوں کے پاس مدینہ کا جو مسلمان بھاگ کر آئے گا وہ اسے واپس نہ کریں گے اور جو مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے گا مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ اس معاہدے کے بعد ایک مرتبہ سیدہ ام کلثوم بنت عتبہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آ گئیں۔ ان کے بھائی انھیں لینے کے لیے پیچھے آئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''ہمارا معاہدہ صرف مردوں کے حوالے سے تھا، عورتوں کے حوالے سے نہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی عورتوں کا امتحان لو، یعنی ان سے پوچھو کہ کیا وہ واقعی اللہ اور دین اسلام کی محبت میں ہجرت کر کے آئی ہیں یا ان کے کوئی دنیوی اغراض و مقاصد ہیں؟ اللہ نے حکم دیا کہ ایمان والی مہاجر خواتین کو واپس نہ کرو۔ اب وہ اپنے مشرک خاوندوں کے لیے حلال نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ مشرک خاوندوں نے اپنی بیویوں پر جو حق مہر کے سلسلے میں خرچ کیا تھا وہ انھیں واپس کرو تا کہ انھیں مالی خسارہ نہ ہو۔[2]

اس آیت کی روشنی میں فقہاء نے یہ بھی جائز قرار دیا کہ مہاجر خواتین مسلمانوں سے اپنا نیا نکاح کر سکتی ہیں، کیونکہ اسلام نے ان کے سابقہ خاوندوں سے نکاح کالعدم قرار دے دیے ہیں۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کی کوئی کافر بیوی مکہ میں موجود ہو تو اختلاف دارین کی وجہ سے وہ اس کی بیوی نہ رہے گی بلکہ آزاد ہو جائے گی۔[3]

جب اختلاف دارین کی وجہ سے زوجین کے درمیان علیحدگی ہو گی تو حق مہر کا بھی تبادلہ ہوگا۔ چنانچہ کافر بیوی کا حق مہر اس کا مسلمان خاوند طلب کرے گا اور مسلمان بیوی کا حق مہر اس کے کافر خاوند کو لوٹایا جائے گا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔[4]

---

[1] صلح حدیبیہ کے معاہدے کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۸/ ۸۴ — ۱۴۰
[2] تفسیر ابن کثیر، الممتحنۃ:۱۰
[3] تفسیر قرطبی، الممتحنۃ:۱۰
[4] تفسیر جلالین، الممتحنۃ:۱۱

رسول اللہ ﷺ کا مومن عورتوں سے بیعت لینا

فتح مکہ کے موقع پر کچھ عورتیں نبی ﷺ کے پاس بیعت کے لیے حاضر ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سے چھ باتوں کی پابندی کا عہد لیا جائے: شرک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، بچوں کو بھوک اور افلاس کے ڈر سے قتل نہ کریں، پرائے بچے کو خاوند کی طرف منسوب کرکے بہتان نہ تراشیں، نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہ کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے خواتین سے بیعت لی لیکن کسی خاتون کا ہاتھ نہ تھاما بلکہ زبانی بیعت لی۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی بیعت کرنے والی خواتین میں شامل تھیں۔[1]

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾	مومنو! ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو (کیونکہ) جس طرح کافروں کو مُردوں (کے جی اٹھنے) کی امید نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں۔

آیت: ۱۳۔ تشریح الفاظ

لَا تَتَوَلَّوْا: فعل نہی جمع مذکر حاضر۔ نہ دوستی کرو تم، نہ پھرو تم۔

يَئِسُوْا: فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ وہ مایوس ہو گئے، ناامید ہو گئے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ تاکید کی کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ وہ لوگ آخرت کے ثواب سے ایسے مایوس ہیں جیسے مرنے کے بعد اٹھنے کا منکر اپنے مردوں کی دوبارہ زندگی سے مایوس ہوتا ہے۔ کافر لوگ اپنے مردوں پر کہتے تھے کہ اب یہ دوبارہ کبھی زندہ نہ ہوں گے۔[2]

---

[1] تفسیر جلالین، الممتحنہ: ۱۲۔ بیعت کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۹/ ۱۴۹۔۱۵۱

[2] تفسیر بغوی، الممتحنہ: ۱۳

منتخب آیات کا ترجمہ وتشریح (حصہ اوّل) [1]

(۱)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾	مومنو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔
یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾ [2]	وہ تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔

تشریح الفاظ

سَدِیْدًا: سَدَّ یَسُدُّ سے صفت مشبہ۔ سیدھی۔

ذُنُوْبَكُمْ: ذَنْبٌ کی جمع (مکسر)، اسم جامد، كُمْ ضمیر۔ تمھارے گناہ۔

سچی بات کا اجر

تمام عبادات کا مقصد تقویٰ ہے، یعنی برائی سے رکنا اور اچھائی پر عمل کرنا۔ تقویٰ کا ایک مفہوم قول اور قرار کی اصلاح ہے۔ سچی اور کھری بات سے انسانی معاملات درست ہوتے ہیں۔ اللہ انھیں قبول فرماتا ہے۔ اللہ کی مغفرت نصیب ہوتی ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے۔ [3]

(۲)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [4]	تم کو اللہ کے پیغمبر کی پیروی کرنی بہتر ہے۔

[1] برائے ایف۔اے اسلامیات لازمی

[2] الاحزاب: ۷۰-۷۱

[3] تفسیر جلالین، احزاب: ۸۰

[4] الاحزاب: ۲۱

تشریح الفاظ

اُسْوَۃٌ: مہموز الفاء، ناقص واوی، اسم جامد، واحد مؤنث۔ نمونہ۔

اُسوۂ حسنہ

نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ زندگی کے ہر شعبے اور پہلو کے اعتبار سے ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور سیاسیات ہوں یا مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ، ہر انسان اور اس کی زندگی کے حوالے سے رہنمائی موجود ہے۔ آپ کا اُسوہ تاریخی اعتبار سے محفوظ بھی ہے اور اخلاقی اعتبار سے کامل و اکمل بھی۔ یہ محض قدیم دور ہی کے لیے نہیں بلکہ آج بھی واجب العمل ہے۔[۱]

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جہاد کے موقع پر آپ سے پیچھے رہ گئے تھے۔[۲] تاہم عموم کے اعتبار سے زندگی کے ہر شعبے کے لیے ہے۔

(۳)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا[۳]	اور سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن کو) مضبوطی سے پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔

تشریح الفاظ

اِعْتَصِمُوْا: اِعْتَصَمَ يَعْتَصِمُ سے، فعل امر جمع مذکر۔ مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ اعتصام اسی سے ہے۔

فرقہ بندی حرام ہے

اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا قرآن ہے۔ حدیث شریف اس کی تشریح و تفصیل ہے اور سیرت طیبہ اس کا عملی نمونہ۔ قرآن و حدیث تمام تر اختلاف اور تفرقوں کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام فرقے اور گروہ قرآن و سنت پر اکٹھے ہو جائیں اور اپنے اختلافات ختم کر دیں۔

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس

۲۔ نواب صدیق حسن، فتح البیان، الاحزاب:۲۱

۳۔ آل عمران:۳/۱۰۳

یہ ایک جامع اصول ہدایت ہے۔ لَا تَفَرَّقُوْا کا مطلب ہے کہ اگر باہمی کوئی اختلاف رائے ہو بھی جائے تو تعصب اختیار نہ کریں بلکہ دین اور ملت کے مفاد کی خاطر جماعت سے جڑے رہیں۔[۱]

---

(۴)

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ[۲]	اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

عزت کا معیار

اسلام میں رنگ، قوم، نسل، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ عزت و شرف کا دارومدار تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ سب سے زیادہ عزت والا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور غیر متقی کے لیے کوئی فضل و کرم نہیں، اگر چہ وہ عالی نسب کیوں نہ ہو۔[۳]

---

(۵)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾[۴]	بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تخلیق کائنات عقل کی میزان پر

انسان کا سب سے بڑا امتیاز اس کی عقل ہے۔ عقل ہی سے انسان کائنات کے عجائبات پر غور وفکر کرتا ہے۔ اس کے نظم وضبط، حسن و جمال، توافق و تناسب کو پہچانتا ہے اور ایک بالاتر ہستی کے ماتحت ہونے کو دریافت کرتا ہے۔ اس آیت میں غور وخوض کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔[۵]

---

[۱] ابن کثیر، التفسیر، آل عمران: ۱۰۳۔ نیز دیکھیے: سید سلیمان ندوی، رسالہ اہل سنت والجماعت، دار المصنفین اعظم گڑھ
[۲] الحجرات: ۴۹/۱۳
[۳] محمد امین شنقیطی، اضواء البیان، الحجرات: ۳
[۴] آل عمران: ۱۹۰
[۵] ابن کثیر و ابی سعود و بیضاوی، التفسیر، آل عمران: ۱۹۰

(٦)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ [١]

(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کردو گے کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔

تشریح الفاظ

لَنۡ تَنَالُوۡا: نَالَ یَنِیۡلُ سے نفی، حرف تاکید کی وجہ سے ی کو الف سے بدل دیا۔ ہرگز حاصل نہیں کر سکتے تم۔

نیکی کی پہچان

مطلب یہ ہے کہ ایمان والو! تم نیکی کی حقیقت کونہیں پہنچ سکتے اور نہ نیکوکار لوگوں میں شامل ہو سکتے ہو اور نہ اللہ کی رحمت، ثواب اور رضا کو حاصل کر سکتے ہو جب تک اللہ کی راہ میں اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔ [٢]

اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی قیمتی ترین اشیاء، مال اور جائیداد اللہ کی راہ میں صدقہ کردیں۔ [٣]

(٧)

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا [٤]

سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔

تشریح الفاظ

فَانۡتَهُوۡا: اِنۡتَهٰى يَنۡتَهِىۡ سے فعل امر، جمع مذکر۔ تم باز رہو۔

اطاعتِ رسول

یہ آیت مالِ فے کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی وہ مال جو جنگ لڑے بغیر ہاتھ آ جائے۔ اس کی تقسیم پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ہے، آپ جسے چاہیں دیں جسے چاہیں نہ دیں، تاہم اس آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[١] آل عمران:٩٢

[٢] اِسماعیل حقی، روح البیان، آل عمران:٩٢

[٣] تفسیر ابن کثیر، آل عمران:٩٢

[٤] الحشر:٧

کی عمومی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہ آیت اصول و فروع اور ظاہر و باطن تمام امور کو شامل ہے۔[1]

---

(۸)

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ[2]	کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

تشریح الفاظ

تَنْهٰى: نَهٰى يَنْهٰى سے فعل مضارع واحد مؤنث غائب، روکتی ہے، باز رکھتی ہے۔

نماز کا مقصد

نماز میں تکبیر، تحمید، تسبیح، دعائیں، استغفار اور سورۂ فاتحہ کی قراءت یہ سب باتیں اللہ کے قریب کرتی ہیں۔ نافرمانی سے دور کرتی ہیں اور اللہ کے غضب سے روکتی ہیں۔ ان باتوں سے انسان فحاشی اور منکرات سے بھی دور ہوتا ہے۔ اسی طرح رکوع و سجود اللہ کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار ہے۔ اسی طرح نماز کے قلبی اعمال جیسے نیت اور اللہ کے سامنے حاضری کا احساس انسان کو بری باتوں سے روکتا ہے۔ پھر دن بھر میں بار بار نماز پڑھنا یہ سب چیزیں انسان کے لیے نصیحت ہیں کہ گناہ چھوڑ دو۔[3]

---

(۹)

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[4]	اور جو کوئی (برا) کام کرتا ہے تو اس کا ضرر اُسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

تشریح الفاظ

وَازِرَةٌ: وَزَرَ يَزِرُ سے اسم فاعل، واحد مؤنث۔ بوجھ اٹھانے والی۔

---

[1] تفسیر سعدی، الحشر: ۷

[2] العنکبوت: ۴۵

[3] ابن عاشور، التفسیر، العنکبوت: ۴۵

[4] الانعام: ۶/ ۱۶۴

انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے

قیامت کے دن ہر انسان کو اپنے اعمال کا جواب خود دینا ہوگا اور کوئی شخص کسی کے اعمال کا ذمہ دار ہوگا نہ جوابدہ۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: ''اے فاطمہ! مجھ سے میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو لیکن میں تمھیں اللہ سے نہ بچا سکوں گا۔''[1]

---

(۱۰)

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى[2]	اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔

تشریح الفاظ

اِيْتَآئِ: اٰتٰى يُؤْتِيْ سے اسم مصدر، مہموز الفاء، ناقص یائی۔ دینا۔

عدل و احسان

ظلم عدل کی ضد ہے۔ ظلم و ناانصافی سے عقائد و اعمال خراب ہوتے ہیں۔ فرد، معاشرہ اور حکومت کمزور ہوتے ہیں اور زوال و انتشار کا شکار ہوتے ہیں، جبکہ عدل و انصاف سے اعمال کی اصلاح ہوتی ہے اور معاشرتی ترقی و استحکام نصیب ہوتا ہے۔ احسان عدل سے اگلا مقام ہے، یعنی برابری کے بجائے نیکی کرنا، ہمدروی، رواداری، درگزر اور فیاضی اختیار کرنا۔ عدل استحکام کی بنیاد ہے جبکہ احسان فرد، معاشرے اور حکومت کے معاملات میں حسن و خوبی کا کمال ہے۔ اللہ نے صرف عدل کا حکم نہیں دیا بلکہ احسان کا بھی حکم دیا ہے۔ رشتہ داری نبھانا، ان کے اور دیگر لوگوں کے حقوق ادا کرنا احسان کی ایک خاص شاخ ہے۔[3]

---

(۱۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ	مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم

---

[1] صحیح البخاری: ۲۷۵۳

[2] النحل: ۱۶/ ۹۰

[3] تفسیر بیضاوی والرازی، النحل: ۹۰

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ [۱]	سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

تشریح الفاظ

الصِّيَامُ: صَامَ يَصُوْمُ سے اسم مصدر، صوم کی واؤ کو ی سے بدلا۔ روزہ رکھنا۔

روزے کا مقصد

اس آیت میں رمضان کے روزوں کی فرضیت بیان ہوئی ہے۔ روزہ صرف کھانے پینے سے رکے رہنے کا نام نہیں بلکہ تمام گناہوں سے اجتناب کا نام بھی ہے۔ حدیث شریف میں روزہ رکھنے کی بے پناہ فضیلت آئی ہے۔ روزہ رکھنے سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ تقویٰ کا مطلب ہے کہ انسان اپنی ساری زندگی اللہ کی فرمانبرداری میں گزارے۔ [۲]

(۱۲)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾ [۳]	بے شک یہ نصیحت (کتاب) ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

حفاظتِ قرآن

اس آیت میں بیان ہوا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ ہی اس کا محافظ ہے۔ قرآن کو سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے بصورت تحریر و حفظ جمع کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع و تدوین ہوئی۔ اس کے بعد ہر دور میں قرآن کے بے شمار حافظ، قاری اور عالم اسے اپنے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ قرآن آج بھی بغیر کسی تحریف و تبدیلی کے محفوظ ہے۔ [۴]

---

۱ البقرہ:۲/ ۱۸۳

۲ تفسیر جلالین وسعدی، البقرہ:۱۸۳

۳ الحجر:۱۵/ ۹

۴ أبوزہرہ مصری، زہرۃ التفاسیر، الحجر:۹

منتخب آیات کا ترجمہ وتشریح (حصہ دوم)[1]

(۱)

وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾[2]	اور (لوگو!) تمھارا معبود اللہ واحد ہے۔ اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عقیدۂ توحید کی اہمیت

عقیدۂ توحید اسلام کی بنیاد ہے۔ اس عقیدے کے تین پہلو ہیں:

توحید ربوبیّت: یعنی کائنات کو بنانے اور چلانے والا ایک اللہ ہے۔

توحید الوہیّت: معبود حقیقی بھی فقط ایک اللہ ہے، ہر طرح کی عبادت صرف اسی کے لیے ہے۔

توحید اسماء وصفات: اللہ اپنے ناموں اور صفتوں میں یکتا ہے۔ کوئی اس کی مثل نہیں۔

عقیدۂ توحید اعمال صالحہ کی بنیاد ہے۔ اس سے فرد اور معاشرے کے دنیوی واخروی امور ومعاملات پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ہر نبی کی بنیادی دعوت یہی تھی۔ مشرکین مکہ بتوں کو پوجتے تھے، اللہ نے آخری نبی ﷺ کے ذریعے سے ان کو توحید کی تعلیم دی۔

(۲)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾	وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ	وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بادشاہ (حقیقی)، پاک ذات (ہر عیب سے)، سلامتی

[1] اسلامیات اختیاری برائے ایف۔اے

[2] البقرۃ: ۲/ ۱۶۳

الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾	امن دینے والا نگہبان، غالب زبردست بڑائی والا۔ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔
هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٤﴾ [1]	وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

تشریح الفاظ

الشَّهَادَة: شَهِدَ يَشْهَدُ سے اسم مصدر، واحد مؤنث۔ گواہی، شہادت۔

الْحُسْنٰى: حَسُنَ يَحْسُنُ سے اسم تفضیل۔ اسماء جمع کی واحد سے حُسنٰی مؤنث آیا ہے۔ اچھے، خوبصورت۔

اللہ تعالیٰ کی چند اہم صفات کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔ ان صفات کے حوالے سے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ تمثیل اور تحدید سے پاک ہیں۔ ان کی مکمل کیفیت سمجھنا بھی انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ اللہ کی بادشاہت لامحدود اور زمان و مکان سے ماورا، کلی، ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہے۔ اسی طرح قدوس، السلام کی صفات ہیں۔ ہر صفت ایک گہرا ادراک بخشتی ہے اور ذہن اور شخصیت پر گہرے اثرات رقم کرتی ہے۔

صفتوں کی طرح اللہ کے نام بھی بہت عظیم اور بلند ہیں۔ ''اللہ'' اور ''رحمن'' اللہ کے دو ذاتی نام ہیں جبکہ دیگر ۹۷ نام صفاتی ہیں۔

(۳)

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ	کہو کہ اے اللہ! (اے) بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل

[1] الحشر: ۵۹ / ۲۲ - ۲۴

بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ [۱]	کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریح الفاظ

تَنْزِعُ: نَزَعَ يَنْزِعُ سے فعل مضارع، واحد مذکر حاضر۔ تو چھین لیتا ہے۔

اللہ کی بادشاہت مطلق ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کی صفت بیان ہوئی۔ اللہ کی بادشاہت ذاتی، مطلق اور حقیقی ہے جبکہ اس کے علاوہ تمام بادشاہ اللہ کی عطا سے بادشاہ ہیں، ذاتی طور پر بادشاہ نہیں۔ ان کی بادشاہت محدود بھی ہے اور مجازی بھی ہے۔ اسی طرح عزت و ذلت کا مالک بھی فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ بادشاہت کا تعلق مخصوص صاحب جلال و اقتدار لوگوں سے ہے جبکہ عزت و ذلت کا تعلق ہر فرد و بشر سے ہے۔ بادشاہت بھی اللہ کے حکم سے عطا ہوتی ہے اور عزت و ذلت بھی اسی کی طرف سے ملتی ہے۔

(۴)

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾	اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے (اور) جاننے والا ہے۔
رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾	اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور (پروردگار!) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔
رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انھی میں سے ایک

[۱] آل عمران: ۳/ ۲۶

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ [1]	پیغمبر مبعوث کیجیو، جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

تشریح الفاظ

اَلْقَوَاعِدَ: ق ع د سے ثلاثی مزید فیہ، جمع مکسر۔ بنیادیں۔

مَنَاسِكَنَا: نَسَكَ يَنْسُكُ سے مصدر میمی، جمع مکسر۔ ہمارے حج کے طریقے۔

حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعائیں

ان آیات میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا تذکرہ ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا تاریخ کے عظیم ترین نبی تھے، جن کی نسل سے بالترتیب بنی اسرائیل کے انبیاء اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دونوں نبیوں کی تمام دعاؤں کو قبول فرمایا۔ خاص طور پر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابراہیمی دعا بھی قبول ہوئی۔ ان آیات میں آخری نبی کے اوصاف بھی مذکور ہوئے جو یہ ہیں: تلاوت آیات، تعلیم الکتاب والحکمہ اور تزکیہ۔

تلاوت سے مراد قرآن پڑھ کر سنانا ہے۔ تعلیم سے مراد قرآن کی آیات کی توضیح وتشریح ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے بھی حاصل ہوتی ہے اور عمل سے بھی۔ حکمت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے اور دین کی روشنی میں عقل مندی کے عام امور بھی۔ اسی طرح تزکیہ سے مراد لوگوں کو کفر وشرک اور ظلم و معصیت سے دور کرنا اور توحید واخلاق حسنہ سے آراستہ کرنا ہے۔[2]

---

(۵)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا	اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھی میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ

---

[1] البقرہ:۲/ ۱۲۷۔۱۲۹

[2] تفسیر ابن کثیر وجلالین، البقرہ:۱۲۹

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ [1]	پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

تشریح الفاظ

ضَلٰلٍ: ضَلَّ يَضِلُّ سے اسم مصدر، ثلاثی مجرد۔ گمراہی۔

نبی اکرم ﷺ کے فرائض منصبی

اس آیت میں ایک تو یہ بیان ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ اس امت پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کے فرائض منصبی بیان ہوئے جن کے تحت آپ کے معلم و مربی ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس سے اسلام میں تعلیم و تربیت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے لوگوں کو عقائد، اعمال صالحہ، سنن و اخلاق کی تعلیم دی۔ ان کی تربیت کی اور انھیں اقوام عالم کے مقابلے میں عدل، امن اور سچائی کا عظیم معلم، داعی اور مربی بنایا۔ ان آیات کی کچھ تشریح پچھلی آیات میں بھی گزر چکی ہے۔ [2]

(۶)

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾	(لوگو!) تمھارے پاس تم میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے (اور) تمھاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ [3]	پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں (اور نہ مانیں) تو کہہ دو کہ اللہ مجھے کفایت کرتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میرا بھروسا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

[1] آل عمران: ۳/ ۱۶۴

[2] ابن کثیر و جلالین، التفسیر، آل عمران: ۱۶۴

[3] التوبہ: ۹/ ۱۲۸-۱۲۹

تشریح الفاظ

عَنِتُّمْ: عَنِتَ یَعْنَتُ سے فعل ماضی، جمع مذکر حاضر۔ تم تکلیف میں پڑے۔

حَرِیْصٌ: حَرَصَ یَحْرِصُ سے صفت مشبہ واحد مذکر۔ حریص، بہت طلب رکھنے والا۔

نبی اکرم ﷺ کے اوصاف

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی چار خاص صفات بیان ہوئی ہیں:

۱۔ آپ اپنی قوم کے فرد ہیں اور ان میں ایک زندگی گزار چکے ہیں۔

۲۔ اپنے صحابہ اور پیروکاروں کے لیے نہایت مشفق ہیں۔

۳۔ ان کی خیر خواہی اور نفع رسانی کے لیے تڑپ رکھتے ہیں۔

۴۔ مومنوں کے لیے نہایت مہربان اور رحیم ہیں۔

یہ چاروں صفات نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے باہمی خوبصورت اور مضبوط تعلق پر بہت گہری روشنی ڈالتی ہیں۔[1]

---

(۷)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دینِ حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور حق ظاہر کرنے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ

محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل، (اے دیکھنے والے!) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ (کثرتِ) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں

---

[1] تفسیر بغوی، التوبہ:۱۲۸

اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ [1]	(مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

تشریح الفاظ

بِالْهُدٰى: هَدٰى يَهْدِىْ سے اسم مصدر۔ ہدایت۔

اَشِدَّآءُ: شَدَّ يَشُدُّ سے۔ شَدِيْدٌ کی جمع۔ صفت مشبہ جمع مکسر۔ بہت سخت ہیں۔

رُحَمَآءُ: رَحِمَ يَرْحَمُ سے رَحِيْم کی جمع، صفت مشبہ جمع مکسر۔ بڑے رحم دل ہیں۔

رُكَّعًا: رَكَعَ يَرْكَعُ سے اسم فاعل، رَاكِع کی جمع۔ رکوع کرنے والے۔

سُجَّدًا: سَجَدَ يَسْجُدُ سے اسم فاعل، سَاجِدٌ کی جمع۔ سجدہ کرنے والے۔

سِيْمَاهُمْ: اسم جامد، اجوف واوی۔ واحد مؤنث، هُمْ ضمیر۔ ان کی پہچان، شناخت، نشان۔

فَاسْتَغْلَظَ: غ ل ظ، فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ وہ موٹی ہوئی۔

شَطْاَهٗ: ثلاثی مجرد، مہموز اللام، اسم جامد، هٗ ضمیر۔ اپنی کونپل، سوئی۔

فَاٰزَرَهٗ: مہموز الفاء، هٗ ضمیر۔ اس کو مضبوط کیا۔

سُوْقِهٖ: اجوف واوی، اسم جامد واحد مذکر، هٖ ضمیر، اپنے تنے، نال۔

الزُّرَّاعَ: زَرَعَ يَزْرَعُ سے اسم فاعل، زَارِعٌ کی جمع۔ کسان، کھیتی باڑی کرنے والے۔

دین اسلام کا علمی و عملی غلبہ

ان آیات میں دین اسلام کی دیگر ادیان پر غلبے کی پیش گوئی کی گئی اور یہ غلبہ حجت و برہان کے ساتھ

[1] الفتح: ٤٨/ ٢٨-٢٩

علمی اور عملی بھی ہے۔اسی طرح ان آیات میں صحابہ کرام کے بنیادی اوصاف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ وہ آپس میں نرم اور کفار پر سخت ہیں۔ وہ محض اپنی قوت پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اللہ کی رحمت اور مدد کے امیدوار ہوتے ہیں اور دن رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ کثرتِ رکوع وسجود سے ان پر ایک لطیف نور اور چمک ہوتی ہے۔کھیتی کی مثال کے ذریعے اسلام کے غلبے کی خوشخبری بھی سنائی گئی۔[1]

(۸)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ [2]	محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کردینے والے ہیں) اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

تشریح الفاظ

خَاتَمَ: خَاتَم۔تاء کی فتح کے ساتھ۔مہر،جس کے ساتھ اختتام ہو۔

نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں

اس آیت میں ذکر ہوا کہ آپ ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں۔آپ کی نرینہ اولاد بچپن ہی میں فوت ہوگئی۔اس کے علاوہ آپ کو ختم نبوت نصیب ہوئی۔اللہ نے آپ کے ذریعے نبوت کا سلسلہ ختم کردیا۔[3]

(۹)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾	اے پیغمبر! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔
وَ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ [4]	اور اللہ کی طرف بلانے والا ہے اس کے حکم سے اور چراغ روشن۔

[1] تفسیر بیضاوی،الفتح:۲۸

[2] الاحزاب:۳۳/۴۰

[3] تفسیر جلالین،احزاب:۴۰

[4] الاحزاب:۳۳/۴۵-۴۶

نبی اکرم ﷺ کے چند اہم اوصاف

ان آیات میں آپ ﷺ کے کئی بڑے وصف ذکر ہوئے: شاہد یعنی حق کا گواہ۔ امت کے بارے میں اللہ کے ہاں قیامت کو گواہی دینے والے کہ اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا گیا تھا۔ انبیاء کے حق میں گواہی دینے والے کہ انبیاء نے اپنا اپنا فریضہ ادا کیا۔ یہ آخری گواہی آپ قرآن میں مذکور واقعات کی بنیاد پر دیں گے۔[1]

اسی طرح مُبَشِّرًا "نیکی پر جزا کی خوشخبری سنانے والا"، نَذِيْرًا "برائی پر سزا سے ڈرانے والا" اور سراج منیر "ہدایت کے روشن چراغ" کے اوصاف ذکر ہوئے۔

---

(۱۰)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾[2]	مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔

تشریح الفاظ

مَلٰٓئِكَتِهٖ: اس میں صرفیوں کا اختلاف ہے۔ بعض اسے مہموز الفاء، (اَلوکۃ، پیغام) کہتے ہیں اور بعض مہموز العین (لاَک) کہتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ مُلْكٌ سے مشتق ہے اور اس کی جمع ملائکہ آتی ہے۔

ایمانیات خمسہ کا تعارف

اس آیت میں اللہ پر سچا ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اللہ پر ایمان کا مطلب ہے کہ اس کی ذات وصفات، ربوبیت والوہیت اور توحید پر مکمل یقین ہو۔ اللہ کے بعد اس کے تمام نبیوں خصوصاً آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے برحق ہونے پر ایمان بھی ضروری ہے۔ اسی طرح آخری کتاب اور سابقہ تمام کتب پر ایمان بھی

---

[1] تفسیر ابن کثیر، الاحزاب:۴۵

[2] النساء:۴/ ۱۳۶

عقیدہ کے واجبات میں سے ہے۔ آخر میں موت و آخرت کا بیان ہے۔ یوں یہ آیت پانچ ایمانیات کی جامع ہے۔ ایمان کا چھٹا رکن تقدیر پر ایمان ہے جو الگ سے مختلف آیات و احادیث میں بیان ہوا ہے۔

---

(۱۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ①	جب آسمان پھٹ جائے گا۔
وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ②	اور جب تارے جھڑ پڑیں گے۔
وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ③	اور جب دریا بہہ (کر ایک دوسرے سے مل) جائیں گے۔
وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④	اور جب قبریں اُکھیڑ دی جائیں گی۔
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ⑤	تب ہر شخص معلوم کر لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔
يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ⑥	اے انسان! تجھ کو اپنے ربِ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟
الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ⑦	(وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور (تیرے) اعضاء کو ٹھیک کیا اور (تیری قامت کو) معتدل رکھا۔
فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ⑧	اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔
كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ⑨	مگر ہیہات (ہرگز نہیں) تم لوگ جزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔
وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ⑩	حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔
كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ⑪	عالی قدر (تمھاری باتوں کے) لکھنے والے۔
يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑫	جو تم کرتے ہو وہ اُسے جانتے ہیں۔
اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ⑬	بے شک نیکوکار نعمتوں (کی بہشت) میں ہوں گے۔
وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ⑭	اور بدکردار دوزخ میں۔
يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ⑮	(یعنی) جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ اور اس سے چھپ نہیں سکیں گے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ اور تمھیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ پھر تمھیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ [۱] جس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا۔

تشریح الفاظ

كِرَامًا: كَرُمَ يَكْرُمُ سے صفت مشبہ، كَرِيْمٌ کی جمع۔ عزت دار، بزرگ۔

الْاَبْرَار: بَرَّ يَبَرُّ سے صفت مشبہ جمع مکسر، نیک لوگ۔

الْفُجَّار: فَجَرَ يَفْجُرُ سے جمع مکسر۔ گنہگار، بدکار لوگ۔

يَصْلَوْنَهَا: صَلِيَ يَصْلٰى سے فعل مضارع، جمع مذکر غائب۔ وہ آگ میں داخل ہوں گے۔

اَدْرٰىكَ: اَدْرٰى يُدْرِيْ سے فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ كَ ضمیر مخاطب۔ آپ کو معلوم کرایا۔

عقیدۂ آخرت کی جامع آیات

یہ عقیدۂ آخرت کی جامع سورت ہے۔ سب سے پہلے قیامت کے انقلاباتِ عالم کا ذکر ہوا۔ پہلی تین آیات میں قیامت کا پہلا مرحلہ بیان ہوا کہ کائنات کا موجودہ نظام ختم ہو جائے گا۔ دوسرے مرحلے میں صورِ اسرافیل سے تمام مردے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ تیسرے مرحلے میں اعمال کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگلی آیات میں انسان کو اس کی ناشکری پر زجر و توبیخ کی گئی۔ آخری آیات میں جنت دوزخ کا مرحلہ بیان ہوا۔ نیک لوگ جنت میں جائیں گے اور بدکار جہنم میں جائیں گے۔

(۱۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ا۔ ل۔ م۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى یہ کتاب (قرآنِ مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ

[۱] الانفطار: ۸۲/۱-۱۹

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

کتاب اللہ ہے، اللہ سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ
يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

اور جو کتاب (اے محمد!) آپ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں آپ سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

یہی لوگ اپنے پروردگار (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ
ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

جو لوگ کافر ہیں انھیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لانے کے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ
وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۷﴾

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

یہ (اپنے پندار میں) اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا اللہ نے ان کا

مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩	مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫	دیکھو! یہ بلاشبہ مُفسِد ہیں لیکن خبر نہیں رکھتے۔
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں: بھلا جس طرح بیوقوف ایمان لے آئے ہیں اُسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سُن لو کہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔
وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ [1]	اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ تمھارے ساتھ ہیں اور (پیروانِ محمد ﷺ سے) تو ہم ہنسی کیا کرتے ہیں۔

تشریح الفاظ

يُوْقِنُوْنَ: اَوْقَنَ يُوْقِنُ سے فعل مضارع، جمع مذکر غائب، باب افعال۔ وہ یقین رکھتے ہیں۔

اَنْذَرْتَهُمْ: اَنْذَرَ يُنْذِرُ فعل ماضی، واحد مذکر حاضر، هُمْ ضمیر۔ آپ ڈرائیں ان کو، نصیحت کریں۔

غِشَاوَةٌ: اسم جامد، واحد مونث، ثلاثی مزید فیہ۔ پردہ۔

يُخَادِعُوْنَ: خَادَعَ يُخَادِعُ سے فعل مضارع، جمع مذکر غائب۔ وہ دھوکا دیتے ہیں، چکما دیتے ہیں۔

[1] البقرۃ: ۲/ ۱۔۱۴

مَرَضٌ: مرض سے اسم جامد واحد مذکر۔ بیماری۔

السُّفَهَاءُ: سَفِهَ يَسْفَهُ سے صفت مشبہ جمع مکسر۔ بے وقوف۔

لَقُوْا: لَقِيَ يَلْقٰى سے فعل ماضی، جمع مذکر غائب۔ وہ ملتے ہیں۔

مومن، کافر اور منافق میں فرق

ان آیات میں سب سے پہلے قرآن کا تعارف ہے۔ اس کے بعد حقیقی اہل ایمان والوں کی صفات بیان ہوئی ہیں ۔ متقی لوگوں کے اوصاف بھی ذکر ہوئے۔ یعنی ایمان بالغیب، اس سے مراد اللہ کی ذات، فرشتوں، جنت اور دوزخ پر ایمان لانا ہے۔ اسی طرح نماز کی پابندی، زکوٰۃ وصدقات، کتابوں پر ایمان اور آخرت پر یقین بھی متقین کی صفات ہیں۔[1]

یہاں تین گروہوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ ایک ایمان لانے والے مخلص، دوسرے ایمان نہ لانے والے کافر اور تیسرا منافقین کا گروہ جو زبانی طور پر ایمان لائے لیکن دل میں کافر رہے۔

پہلا گروہ متقین کا ہے جو اللہ کی ہدایت سے حقیقی طور پر فیض یاب ہوئے۔ دوسرا گروہ کفار کا ہے جن کے برے اعمال کی وجہ سے ان کی آنکھوں، کانوں اور دلوں پر مہر لگ گئی اور وہ ہدایت کے قابل نہ رہے۔ تیسرا گروہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے منافقانہ طرزِ عمل سے دنیا کا کوئی فائدہ اٹھالیں گے۔ یہ ان کی بھول ہے۔ ان کے نفاق کا وبال انھی پر پڑے گا۔

---

(۱۳)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ	نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان)
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ	کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر
وَالْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ	اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے
عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ	اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے)

[1] تفسیر جلالین، البقرہ:۳

وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ [1]	میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔

تشریح الفاظ

حُبِّهٖ: ح ب ب سے اسم مصدر، مضاعف ثلاثی۔ محبت۔

اَلْبَاْسَآءِ: بِئْسَ سے اسم مصدر فَعْلَاءُ کے وزن پر۔ مالی سختی، تنگی۔

وَالضَّرَّآءِ: ضَرَّ یَضُرُّ سے صفت مشبہ۔ جسمانی تکلیف۔ اَلْبَاْسِ: ب ء س سے اسم مصدر۔ جنگ۔

ایمان و عمل اور اخلاق کی تعلیم

اس آیت میں ایمانیات، ارکانِ اسلام اور چند اہم اخلاق کو بڑے خوبصورت انداز میں جمع کیا گیا ہے۔ شروع میں بیان ہوا کہ نیکی محض چند ظاہری اعمال کا نام نہیں بلکہ اس کے لیے سب سے پہلے عقائد کی اصلاح اور قلبی ایمان و یقین ضروری ہے۔ پھر عملِ صالح میں قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ جو لوگ شرم کے مارے سوال نہیں کرتے انھیں تلاش کر کے ان پر خرچ کرنا بھی ضروری ہے۔ وفی الرقاب سے مراد غلامی یا قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگ ہیں۔ ان پر خرچ کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر اللہ نے نماز اور زکوٰۃ جیسی دو بڑی عبادتوں کا ذکر کیا۔ آخر میں اخلاق کی دو اہم باتوں کا ذکر ہوا، یعنی ایفائے عہد اور صبر۔ صبر کے تحت تین اہم مواقع کا صبر ذکر ہوا:

البَاْسَآءُ (مالی تنگی) الضَّرَّآءُ (جسمانی بیماری) اَلْبَاْس (گھمسان کی جنگ)

یہ آیت سچے مومنین کے اخلاق و کردار کی جامع آیت ہے۔[2]

---

[1] البقرۃ: ۲/ ۱۷۷

[2] تفسیر جلالین، البقرۃ: ۱۷۷

(۱۴)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾	جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے، وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾	جو لوگ اپنا مال اللہ کے راستے میں صَرف کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ اس خرچ کا (کسی پر) احسان رکھتے ہیں اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس (تیار) ہے اور (قیامت کے روز) نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾[1]	جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے کو) ایذا دی جائے اس سے تو نرم بات کہہ دینی اور (اس کی بے ادبی سے) درگزر کرنا بہتر ہے اور اللہ بے پروا (اور) بردبار ہے۔

تشریح الفاظ

سُنْۢبُلَةٍ: سُنْبُل سے اسم جامد، رباعی مجرد۔ سٹے۔ مَنًّا: مَنَّ يَمُنُّ سے اسم مصدر۔ احسان جتلانا۔

اَذًى: اٰذَى يُؤْذِي سے اسم مصدر۔ تکلیف، اذیت۔

صدقہ و خیرات کی فضیلت و آداب

ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور آداب کا ذکر ہوا۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ ایک

[1] البقرۃ: ۲/۲۶۱ — ۲۶۳

دانے کے بدلے سات سو دانوں کے برابر ثواب ہوگا اور یہ محض اخلاص وخلوص کی وجہ سے ممکن ہے۔ انفاق کا ادب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد احسان جتلانے اور دل آزاری کا عمل نہ کیا جائے۔ خوش کلامی اور درگزر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس میں احسان جتلایا جائے۔

(۱۵)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ [۲]	اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمھارا یا تمھارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل نہ چھوڑ دینا، اگر تم پیچدار [۱] شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے۔

تشریح الفاظ

قَوّٰمِيْنَ: اسم مبالغہ قَامَ يَقُوْمُ سے۔ نہایت اہتمام سے قائم ہونے والے۔

اَوْلٰى: وَلِيَ يَلِيْ سے اسم تفضیل۔ زیادہ خیر خواہ، زیادہ قریب۔

تَلْوٗٓا: لَوٰى يَلْوِيْ سے فعل مضارع، جمع مذکر حاضر، اصل میں تَلْوُوْنَ تھا، اِنْ کی وجہ سے ن گر گیا۔ پیچ دار بات کرنا، کسی چیز کو مروڑنا۔

حق کی گواہی، اہمیت وآداب

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان صرف اور صرف حق اور انصاف کے علم بردار بنیں۔ وہ اللہ کے لیے گواہی دیں۔ کسی کی منفعت، مفاد اور غرض اس میں پوشیدہ نہ ہو۔ والدین، اقرباء اور اپنی ذات کے خلاف گواہی دینی پڑے تو اللہ کے لیے اس سے بھی دریغ نہ کریں۔ کسی کی امیری غریبی کا خیال نہ کریں۔

[۱] پیچیدہ، خلافِ حقیقت۔

[۲] النساء: ۴/ ۱۳۵

حق کی گواہی خوب واضح اور کھلے لفظوں میں دیں، گول مول یا مبہم الفاظ میں بات نہ کریں۔

(۱۶)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ [1]

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشریح الفاظ

مُتَعَمِّدًا: تَعَمَّدَ يَتَعَمَّدُ سے اسم فاعل، واحد مذکر۔ قصداً، جان بوجھ کر۔

مومن کے قتل کا گناہ

اسلام میں حقوق العباد کے سلسلے میں سب سے بڑا گناہ قتل عمد یعنی جان بوجھ کر قتل کرنا ہے۔ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور کسی بھی مسلمان پر سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ اسے جان سے مار دیا جائے۔ اسی وجہ سے قاتل کی آخرت میں وہی سزا مقرر کی گئی ہے جو ایک کافر کی ہے، یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہو گا اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا جائے گا۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک شرک کا گناہ قتل سے بھی بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شرک کو کبھی معاف نہ کرے گا اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ گویا قتل عمد پر ابدی عذاب کی سزا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ چاہے تو اسے معاف بھی کر سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾﴾ [2]

[1] النساء: ۴/ ۹۳

[2] النساء: ۴/ ۴۸

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔''

اسی سورت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے البتہ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾[1]

''اور جو اللہ کے ساتھ شریک بنائے تو یقیناً وہ بھٹک گیا بہت دور بھٹکنا۔''

---

(۱۷)

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾[2]

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا امر کرنے والے، بری باتوں سے منع کرنے والے، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور (اے پیغمبر! ایسے) مومنوں کو (بہشت کی) خوشخبری سنا دو۔

---

[1] النساء: ۴/۱۱۶

[2] التوبہ: ۹/۱۱۱—۱۱۲

تشریح الفاظ

السَّآئِحُوْنَ: سَاحَ يَسِيْحُ سے اسم فاعل، جمع مذکر۔ روزہ رکھنے والے۔

الْمُنْكَرِ: اَنْكَرَ يُنْكِرُ سے اسم مفعول، واحد مذکر۔ برائی۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت

اللہ نے مومنوں سے ان کے جان اور مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، خود بھی مرتے ہیں اور دشمنوں کو بھی مارتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ کی راہ میں شہادت کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا اللہ کی راہ میں شہید ہونا تھی۔ شہادت کے بدلے جنت کا وعدہ صرف قرآن ہی میں نہیں بلکہ تورات اور انجیل میں بھی کیا گیا ہے۔

دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومن فقط تلوار باز جنگجو ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ سب سے پہلے اپنے نفس کے شیطان سے جہاد کرتا ہے۔ اپنی ذات کی اصلاح، گناہوں سے توبہ، اللہ کے حضور حمد و مناجات، عبادت اور رکوع و سجود کے علاوہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور گناہوں سے روکتا ہے۔ گویا تلوار کے جہاد سے پہلے نیک اور صالح انسان بننا ضروری ہے۔[۱]

(۱۸)

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾	اور تمھارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے بات اَدب کے ساتھ کرنا۔
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾	اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار! جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی ان

[۱] التوبہ ۹: ۱۱۱

	(کے حال) پر رحمت فرما۔
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾	جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے تمھارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے، اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخش دینے والا ہے۔
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾	اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾	کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔
وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾	اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمھیں اُمید ہو ان (مستحقین) کی طرف توجہ نہ کر سکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو۔
وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾	اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کر لو اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔
اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾	بے شک تمھارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور (جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور (ان کو) دیکھ رہا ہے۔
وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ	اور اپنی اولاد کو مُفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، کچھ

خِطْئًا كَبِيْرًا ﴿٣١﴾	شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَآ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾	اور زنا کے پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بُری راہ ہے۔
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿٣٣﴾	اور جس جاندار کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی بفتوئ شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و فتح یاب ہے۔
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿٣٤﴾	اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾	اور جب (کوئی چیز) ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿٣٦﴾	اور (اے بندے!) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾	اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ [۱]	ان سب (عادتوں) کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے۔

تشریح الفاظ

رَبَّيَانِيْ: رَبّٰى يُرَبِّيْ سے فعل ماضی تثنیہ، نِيْ ضمیر متکلم۔ پالنا پوسنا، پرورش کرنا۔

لِلْاَوَّابِيْنَ: أوب سے اسم مبالغہ جمع مذکر۔ بہت رجوع کرنے والوں کے لیے۔

مَيْسُوْرًا: يَسَرَ يَيْسِرُ سے اسم مفعول۔ آسان، نرم۔

مَغْلُوْلَةً: غَلَّ يَغُلُّ سے اسم مفعول، يَدٌ کی وجہ سے مؤنث استعمال ہوا۔ بندھا ہوا۔

بِالْقِسْطَاسِ: اسم جامد۔ ترازو۔

لَا تَقْفُ: قَفَا يَقْفُوْا سے فعل نہی، واحد مذکر حاضر۔ نہ پیچھے لگو۔

مَرَحًا: مَرِحَ يَمْرَحُ سے اسم مصدر۔ اکڑ کر۔

دین کے بنیادی دس احکام

ان آیات میں احکام عشرہ کی تلقین کی گئی ہے جن پر مکمل شریعت کی تفصیلات استوار ہیں۔ سب سے پہلے توحید کا ذکر ہے جو دین کی اساس ہے۔ ایک اللہ کو ماننے اور صرف اسی کی عبادت کے بغیر کوئی نیکی اور عمل قبول نہیں ہوتا۔ توحید کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے، خصوصاً جب وہ بوڑھے ہو جائیں۔ ان کا احترام بھی کرنا ہے اور ان کے حق میں دعا بھی کرنی ہے۔ والدین کے بعد رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ہیں۔ ان سے حسن سلوک کیا جائے۔ ضرورت کے وقت ان کی مالی امداد کی جائے۔ ان سے درجہ بدرجہ محبت، شفقت اور احترام سے پیش آیا جائے۔

حقوق العباد کے بعد مالی احکام کا ذکر ہے۔ فضول خرچی کرنے والا کبھی لوگوں کے حقوق پورے نہیں کر سکتا، اس لیے اسے شیطان کا بھائی قرار دیا گیا۔ اگر کسی ضرورت مند کی فوری ضرورت پوری نہ کی جا سکے تو اس سے نرم لہجے میں معذرت کی جائے۔ اخراجات میں میانہ روی ضروری ہے تاکہ مشکل وقت میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

---

[۱] بنی اسرائیل: ۱۷/ ۲۳ ـ ۳۸

اللہ نے اولاد کو فقیری کے ڈر سے قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ اللہ سب مخلوق کا کفیل ہے۔ وہی سب کا روزی رساں ہے۔ اس نے زنا سے منع کیا ہے۔ زنا کی کوشش وہی کرتے ہیں جو نکاح کی ذمہ داریوں سے گھبراتے ہیں اور آزاد شہوت کو پسند کرتے ہیں۔

اللہ نے ناحق قتل سے بھی منع کیا۔ قتل کے بدلے قتل یعنی قصاص اللہ کا حکم ہے، لیکن یہ حکومت کی ذمہ داری ہے عام مسلمانوں کی نہیں۔ البتہ مقتول کے ورثاء حکومت کے ذریعے یہ حق وصول کر سکتے ہیں۔ قتل کے بدلے قتل میں برابری کا سلوک ہو، کوئی ظلم یا زیادتی نہ ہو۔[1]

اللہ نے یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم دیا۔ اسے یتیموں پر خرچ کیا جائے یا اسے تجارت میں لگایا جائے۔ اس میں خرد برد جائز نہیں۔ اللہ نے وعدوں کی پابندی کا بھی حکم دیا۔ ناپ تول میں کمی سے روکا۔ اس سے دنیوی ساکھ بھی کمزور ہوتی ہے اور آخرت میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ اللہ نے بغیر تحقیق بات کہنے یا کام کرنے سے بھی روکا۔ اس سے معاشرے میں بدامنی اور فساد پھیلتا ہے۔ اس طرح اللہ نے غرور اور تکبر سے بھی منع فرمایا۔ انسان فطرتاً اور طبعاً کمزور مخلوق ہے تو وہ کس بات پر اتنا اکڑتا اور فخر کرتا ہے۔

---

[1] بیضاوی، التفسیر، بنی اسرائیل: ۲۳-۳۸

منتخب آیات کا ترجمہ وتشریح (حصہ سوم)[1]

(۱)

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ ۚ وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ؕ ذٰ لِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾[2]

کہو کہ (لوگو!) آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کردی ہیں (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے)۔ ان باتوں کی وہ تمھیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

آیت:۱۵۱۔ تشریح الفاظ

اَتۡلُ: تَلَا یَتۡلُوۡا سے فعل مضارع واحد متکلم۔ میں تلاوت کروں۔

اِمۡلَاقٍ: اَمۡلَقَ یُمۡلِقُ سے اسم مصدر۔ بھوک، افلاس۔

اَلۡفَوَاحِشَ: ف ح ش سے اسم جامد، فَاحِشَۃ کی جمع۔ بے حیائی کے کام۔

حقوق العباد

اللہ کے حقوق میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے جس سے روکنے کے لیے تمام انبیاء تشریف لائے اور

[1] برائے بی۔اے، اسلامیات لازمی

[2] انعام:۶/ ۱۵۱

انھوں نے اپنی دعوت کا بنیادی نکتہ توحید کو بنایا۔ بندوں میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔ احسان ہر قسم کی خیر خواہی، بھلائی اور رضا طلبی پر مشتمل ہے۔ روزی کی کمی کے باعث اولاد کو قتل کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ اس میں تین گناہ اکٹھے ہو جاتے ہیں:

(۱) قتل نفس (۲) قطع رحمی (۳) اللہ پر توکل نہ کرنا

فواحش ہر بڑے گناہ کو کہتے ہیں اور کبھی اس کا اطلاق شرمگاہ کے گناہوں پر ہوتا ہے۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد ظاہری گناہ ہیں اور مَا بَطَنَ مِنْهَا سے مراد باطنی یعنی قلبی یا چوری چھپے گناہ ہیں اور لَا تَقْرَبُوْا کہہ کر اس سے بچنے میں مبالغہ ظاہر کیا کہ بڑے گناہوں کے قریب بھی نہیں جانا۔

کسی بھی بے قصور اور معصوم جان کو قتل کرنا حرام ہے۔ ہاں حق کے تحت قتل کر سکتے ہیں۔ جیسے قصاص، مرتد کا قتل، شادی شدہ زانی کو رجم کرنا وغیرہ۔[۱]

---

(۲)

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾[۲]	اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو، یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمھارا) رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

آیت: ۱۵۲۔ تشریح الفاظ

اَشُدَّهٗ: ش د د سے اسم جامد، جمع مکسر۔ عمر و عقل کی پختگی۔

---

[۱] تفسیر بیضاوی وجلالین وابن کثیر، الانعام: ۱۵۱

[۲] انعام: ۶/ ۱۵۲

اَلْمِیْزَانَ: وَزَنَ یَزِنُ سے اسم آلہ۔ ترازو۔

یتیم کے مال کی حفاظت اور عدل

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ یعنی اُسے جلدی جلدی خرچ نہ کرو کہ وہ یتیم کے بڑے ہونے سے پہلے ختم ہو جائے یا بددیانتی، بے احتیاطی اور بغیر ضرورت خرچ نہ کرو کہ گناہ لاحق ہو۔ ہاں! ضرورت کے تحت یا اُس کی نشوونما کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے۔

ماپ تول انصاف کے مطابق پورا ہو۔ لَا نُكَلِّفُ کہہ کر اشارہ دیا کہ حق کی صحیح اور مکمل ادائیگی مشکل ہے لیکن جتنا تمھارے بس میں ہو وہ ضرور کرو۔ حکومت اور دیگر معاملات میں حق کی بات کرو، اگرچہ وہ بات رشتے دار کے حق میں ہو یا اس کے خلاف ہو۔ اللہ کے تمام عہد پورے کرو یعنی شرعی احکام جو مذکور ہوئے اور جو عبادت وعدل کے عمومی احکام ہیں۔ اللہ تمھیں حق بات کہتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔[1]

---

(۳)

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾[2]	اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے، ان باتوں کا اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

ہدایت کا راستہ

صراطِ مستقیم سے مراد قرآن وسنت کی راہ ہے جو کہ ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ حق ہمیشہ ایک ہوتا ہے اور حق سے انحراف کی راہیں بے شمار ہوتی ہیں۔ اس آیت میں سب کو ایک راہ پر چلنے کی ہدایت ہے اور حق سے انحراف، تفرقہ اور انتشار سے بچنے کی تلقین ہے۔

---

(۴)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ	اور اسی نے تمھارے لیے رات اور دن اور سورج

---

[1] تفسیر بیضاوی وجلالین وابن کثیر، الانعام: ۱۵۲

[2] الانعام: ٦ / ۱۵۳

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾	اور چاند کو کام میں لگایا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں، سمجھنے والوں کے لیے اس میں (اللہ کی قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾	اور جو طرح طرح کے رنگوں کی چیزیں اس نے زمین میں پیدا کیں (سب تمھارے زیر فرمان کر دیں) نصیحت پکڑنے والوں کے لیے اس میں نشانی ہے۔
وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ [1]	اور وہی تو ہے جس نے دریا کو تمھارے اختیار میں کیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو جسے تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور اس لیے بھی (دریا کو تمھارے اختیار میں کیا) کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو تاکہ اس کا شکر کرو۔

آیات: ۱۲ تا ۱۴۔ تشریح الفاظ

طَرِيًّا: طرو سے صفت مشبہ۔ تروتازہ۔ حِلْيَةً: ح ل ی سے اسم جامد واحد مؤنث۔ زیور۔

مَوَاخِرَ: مَخَرَ يَمْخُرُ سے اسم فاعل، مَاخِرَة کی جمع۔ پانی کو پھاڑنے والی۔

کائنات پر غور وفکر

ان آیات مبارکہ میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مظاہر قدرت کو کس طرح سے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ رات انسان کے سکون کے لیے ہے۔ دن انسان کی محنت و مشقت کے لیے ہے۔ سورج سے فصلیں پکتی ہیں۔ چاند اور ستاروں سے رات کا سفر ممکن ہوتا ہے۔ زمین مختلف قسم اور رنگوں کی مخلوق ہے۔ یعنی نباتات، جمادات، حیوانات، معدنیات وغیرہ۔ یہ سب انسانوں کے فائدے کے لیے مسخر ہیں۔

[1] النحل: ۱۶/ ۱۲ - ۱۴

سمندر کے تین فائدے ہیں: اس سے مچھلیوں کا تازہ گوشت حاصل ہوتا ہے۔ اس میں سیپ اور موتیوں سے جواہر حاصل ہوتے ہیں اور سمندر کے ذریعے بے پناہ ملکی و عالمی تجارت ہوتی ہے۔ انسانوں پر یہ تمام انعامات اس لیے ہیں تاکہ وہ شکر کریں۔[1]

---

(۵)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾	اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔
وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾	اور وہ جو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کر کے اور (عجز وادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾	اور وہ جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھنا کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے۔
اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾	اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾[2]	اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔

آیات: ۶۳ تا ۶۷۔ تشریح الفاظ

هَوْنًا: هَانَ يَهُوْنُ سے اسم مصدر، اجوف واوی۔ نرمی سے۔

غَرَامًا: غ ر م سے اسم مصدر بمعنی فاعل، ثلاثی مزید فیہ۔ ہمیشہ چمٹنے والا، تکلیف دہ چیز۔

لَمْ يَقْتُرُوْا: قَتَرَ يَقْتُرُ سے فعل نفی جحد، جمع مذکر۔ نہ وہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں۔

---

[1] تفسیر بیضاوی وجلالین وابن کثیر، النحل: ۱۲-۱۴

[2] الفرقان: ۲۵ / ۶۳-۶۷

قَوَامًا: قَامَ يَقُوْمُ سے صفت مشبہ، اجوف واوی۔ اَوسط درجہ، معتدل۔

نیک بندوں کے اوصاف

یہ سورت الفرقان کی آخری آیات ہیں۔ ان آیات میں ''عباد الرحمٰن'' یعنی اللہ کے بندوں کے اوصاف ذکر ہوئے ہیں۔ وہ زمین پر فخر سے اور اکڑ کر نہیں چلتے بلکہ عاجزی اور انکسار سے چلتے ہیں اور جب اُن سے اکھڑ اور بدد ماغ لوگ اُلجھنے کی کوشش کریں تو وہ ان سے سلام کہہ کر یعنی نرمی سے پیچھا چھڑاتے ہیں۔ ان کی راتیں اللہ کی عبادت میں گزرتی ہیں۔ رات کی عبادت کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ وہ ریا و نمائش سے پاک ہوتی ہے اور صاف دل و دماغ سے ہوتی ہے۔ اللہ کے بندے عبادت کر کے بھی اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ انھیں اپنی عبادت پر غرور نہیں ہوتا۔

اللہ کے بندے نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ اسراف سے مراد غیر شرعی اخراجات یا حلال امور پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا۔ اللہ نے اسراف کرنے والوں کو شیاطین کا بھائی قرار دیا۔ بخل یہ ہے کہ اپنی ذات، اہل خانہ اور شرعی واجبات پر سرے سے خرچ نہ کیا جائے یا ضرورت سے کم خرچ کیا جائے۔

(۶)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾	اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔
يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾	قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہوگا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا۔
اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾	مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهٗ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ [1]	اور جو توبہ کرتا اور عمل نیک کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

آیات: ۶۸ تا ۷۱۔ تشریح الفاظ

يَلْقَ: لَقِيَ يَلْقٰى سے فعل مضارع، واحد مذکر، جزمی حالت۔ وہ ملے گا۔

مُهَانًا: اجوف واوی، باب افعال، اَهَانَ يُهِينُ سے اسم مفعول، یاء پر زبر آنے کی وجہ سے اسے الف میں بدل دیا۔ ذلیل کیا گیا۔

مَتَابًا: تَابَ يَتُوبُ سے مصدر میمی، اجوف واوی۔ رجوع کرنا۔

آدابِ معاشرت

سلبی امور میں سب سے پہلے شرک نہ کرنے کا ذکر کیا کیونکہ یہ تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ کی ذات، صفات، اَفعال میں کسی کو شریک ماننا شرک ہے۔ اِسی طرح عبادت کی وہ تمام اقسام جو صرف اللہ کے لیے مختص ہیں، کسی اَور کے لیے بجالانا شرک ہے جیسے رکوع، سجدہ، ندا، استمداد، بھروسہ، خوف، رجاوغیرہ۔ اللہ کے بندے کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے۔ ہاں جہاں شریعت کا یا انسان کا ذاتی حق بنتا ہو وہاں شریعت کے مطابق قتل کی اجازت ہے جیسے رجم اور قصاص وغیرہ۔

اللہ کے بندے زنا نہیں کرتے۔ زنا انسان کا اپنی ذات، معاشرہ، زنا کا شکار ہونے والی عورت اور اس کے ہونے والے بچے پر شدید ظلم ہے۔ اس سے سماج تباہی کا شکار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ ہاں جو سچے دِل سے توبہ کرے تو اللہ معاف کرنے والا ہے۔

(۷)

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾	اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔
وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ	اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو

[1] الفرقان: ۲۵/ ۶۸-۷۱

رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ﴿۷۳﴾	ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور وفکر سے سنتے ہیں)۔
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ [1]	اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔

آیات:۷۲ تا ۷۴۔ تشریح الفاظ

الزُّوْرَ: زُوْر اجوف واوی، اسم جامد، واحد مذکر۔ جھوٹی بات۔

كِرَامًا: كَرُمَ يَكْرُمُ سے صفت مشبہ، جمع مکسر، كَرِيْمٌ کی جمع۔ عزت دار۔

يَخِرُّوْا: خَرَّ يَخِرُّ سے نفی جحد، جمع مذکر غائب۔ يَخِرُّوْنَ تھا، لَمْ کی وجہ سے نون گر گیا۔ نہیں گرتے۔

هَبْ: وَهَبَ يَهَبُ سے فعل امر۔ عطا فرما۔

قُرَّةَ: قَرَّ يَقِرُّ سے مضاعف ثلاثی، اسم مصدر۔ ٹھنڈک۔

گناہوں سے اجتناب

اہل ایمان گناہوں، جھوٹ اور فسق و فجور کی مجلس میں شریک نہیں ہوتے جیسے مشرکین کے میلے ٹھیلے، گانے اور شراب کی مجلس، عدالت کی جھوٹی گواہیاں وغیرہ۔ اللہ کے بندے لغو اور بے ہودہ مجلسوں سے گزریں تو سنجیدگی اور شرافت سے گزر جاتے ہیں۔ نہ لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں اور نہ تکبر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اللہ کے بندے اللہ کی آیات غور وفکر سے سنتے ہیں۔ انھیں سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ وہ بلا سوچے سمجھے اُن پر گر نہیں جاتے۔

اللہ کے بندے اہل وعیال والی زندگی گزارتے ہیں اور ہمیشہ اُن کے نیک ہونے اور خوشحال ہونے کی فکر کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ آنکھوں کی ٹھنڈک میں ظاہری اور باطنی دونوں خوشیاں مراد ہیں۔ متقین کے امام سے مراد عہدہ کی طلب نہیں بلکہ لوگوں کے لیے نمونہ بننے کی خواہش ہے تا کہ اللہ کے ہاں اجر بلند ہو۔

[1] الفرقان: ۲۵/ ۷۲-۷۴

(۸)

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾	ان (صفات کے) لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔
خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾	اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے۔
قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ [1]	کہہ دو کہ اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا پروردگار بھی تمھاری کچھ پروا نہیں کرتا، تم نے تکذیب کی ہے سو اس کی سزا (تمھارے لیے) لازم ہوگی۔

آیات: ۷۵ تا ۷۷۔ تشریح الفاظ

تَحِيَّةً: (ح، ی، و) باب تفعیل سے اسم مصدر۔ تحفہ۔

مَا يَعْبَأُ: (ع، ب، ء) وزن فَتَحَ يَفْتَحُ، فعل مضارع منفی، واحد مذکر۔ نہیں پروا کرے گا۔

لِزَامًا: لَازَمَ يُلَازِمُ سے اسم مصدر۔ لازم ہو جاتا۔

جزا و سزا کا معیار

اللہ کے بندوں کو مذکورہ اوصاف کے حامل ہونے پر جنتوں کا وعدہ ہے، جبکہ کفار اور مشرکین کو کہا گیا کہ اگر تم اللہ کو نہ پکارو گے تو اللہ بھی تمھاری پروا نہیں کرے گا۔ تم لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا ہے، تمھارے اعراض و تکذیب کا نتیجہ عذاب کی صورت میں تم پر ظاہر ہو کر رہے گا۔[2]

---

[1] الفرقان: ۲۵/ ۷۵-۷۷

[2] تفسیر بیضاوی وجلالین وابن کثیر، الفرقان: ۷۷

اسلامیات لازمی اور اختیاری کا موجودہ نصاب [۱]

جماعت اوّل تا ایم۔اے

اوّل تا ہشتم

عم پارے کی آخری ۱۸ سورتیں

میٹرک

اسلامیات لازمی: سورۂ انفال، سورۂ ممتحنہ

اسلامیات اختیاری: ۱۹ مختلف سورتوں سے مختصر انتخاب

ایف اے

اسلامیات لازمی: ۱۲ آیات مختلف سورتوں سے مختصر انتخاب

اسلامیات اختیاری: سورۂ بقرہ کے پہلے ۲۰ رکوع

بی اے

اسلامیات لازمی: ۷ مختلف سورتوں سے مختصر انتخاب

اسلامیات اختیاری: سورۂ بقرہ کے آخری ۲۰ رکوع، سورۂ نور مکمل

ایم اے

ترجمہ وتفسیر قرآن کا پرچے کا نصاب: سورۂ مائدہ، سورۂ احزاب

---

[۱] از ۲۰۲۳ء

سورتوں کا انتخاب اور حالیہ نصابات

(جماعت اوّل تا ایم۔اے)

سورۂ بقرہ:	ایف اے، اسلامیات اختیاری (پہلے بیس رکوع)
	بی اے، اسلامیات اختیاری (آخری بیس رکوع)
سورۂ نساء:	موجودہ دور میں کسی کلاس کے نصاب میں نہیں
سورۂ مائدہ:	ایم اے اسلامیات، قرآن کا پرچہ۔مکمل سورت
سورۂ انفال:	میٹرک اسلامیات لازمی۔مکمل سورت
سورۂ نور:	بی اے اسلامیات اختیاری۔مکمل سورت
سورۂ احزاب:	ایم اے اسلامیات، قرآن کا پرچہ۔مکمل سورت
سورۂ ممتحنہ:	میٹرک اسلامیات لازمی۔مکمل سورت

عم پارہ (اٹھارہ سورتیں): جماعت اول تا ہشتم

مصادر و مراجع

تفسیر

۱۔ ابن اَبی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۹ھ

۲۔ عبدالرزاق، التفسیر، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ

۳۔ الطبری، جامع البیان، دار ہجر، ۲۰۰۱ء

۴۔ زمخشری، الکشاف، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۵۔ رازی، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ

۶۔ راغب الاَصبہانی، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، ۱۴۱۲ھ

۷۔ القرطبی، الجامع لاَحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، القاہرہ، ۱۹۶۴ء

۸۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ

۹۔ بغوی، معالم التنزیل، دار طیبہ، ۱۹۹۷ء

۱۰۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ

۱۱۔ بیضاوی، اَنوار التنزیل، دار احیاء التراث، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۲۔ المحلیٰ و السیوطی، تفسیر الجلالین، دار الحدیث، القاہرہ

۱۳۔ السیوطی، لباب النقول، دار احیاء العلوم

۱۴۔ السیوطی، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت

۱۵۔ عبدالقادر جرجانی، درج الدرر، مجلہ الحکمہ، بریطانیہ، ۲۰۰۸ء

۱۶۔ الشوکانی، فتح القدیر، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۷۔ نواب صدیق حسن خان، فتح البیان، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۹۹۲ء

۱۸۔ ابن عاشور، التحریر والتنویر، الدار التونسیہ، تونس، ۱۹۸۴ء

۱۹۔ ناصر الدین السعدی، تیسیر الکریم، مؤسسۃ الرسالہ، ۲۰۰۰ء

۲۰۔ ابوبکر الجزائری، اَیسر التفاسیر، مکتبۃ العلوم، مدینہ منورہ، ۲۰۰۳ء

۲۱۔ المراغی، التفسیر، مصطفیٰ البابی الحلبی

۲۲۔محمد علی الصابونی،صفوۃ التفاسیر، دار القرآن الکریم، بیروت، ۱۹۸۱ء
۲۳۔حسن عز الدین، معجم وتفسیر لغوی لکلمات القرآن، الهیئة المصریه، ۲۰۰۸ء
۲۴۔محمد ثناء اللہ، تفسیر مظہری، مکتبہ الرشدیہ، پاکستان، ۱۴۱۲ھ
۲۵۔عبداللہ بن أحمد (مؤلف)مختصر تفسیر بغوی، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۶ھ
۲۶۔أمین شنقیطی ، أضواء البیان، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء
۲۷۔إسماعیل حقی، روح البیان، دار النشر
۲۸۔أبو سعود، إرشاد العقل السلیم، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۹۔أبو زہرہ مصری، زہرۃ التفاسیر، دار الفکر العربی
۳۰۔مجمع البحوث، التفسیر الوسیط، المطابع الامیریہ، ۱۹۹۳ء
31- Prof. Abdul Qayyum, The Study of Early Arabic Literature, Dar-ul-Ma'arif, 2013 (اس کتاب میں سورۂ آل عمران کا انگریزی ترجمہ شامل ہے۔)

حدیث وشروح

۳۲۔مالک بن أنس، المؤطا، مؤسسۃ زاید، ابوظہبی، ۲۰۰۴ء
۳۳۔ابن أبی شیبہ، المصنف، مکتبہ الرشد، الریاض، ۱۴۰۹ھ
۳۴۔صحیح البخاری، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ
۳۵۔صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۶۔سنن أبی داود، المکتبۃ العصریہ، بیروت
۳۷۔سنن النسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، ۱۴۰۶ھ
۳۸۔سنن الترمذی، مصطفیٰ البابی الحلبی ، مصر، ۱۹۷۵ء
۳۹۔سنن ابن ماجہ، دار احیاء الکتب العربیہ
۴۰۔الحاکم، المستدرک، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ۱۹۹۰ء
۴۱۔أبو یعلی ، المسند، دار المامون للتراث، ۱۹۸۴ء
۴۲۔أبو نعیم، دلائل النبوہ، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۶ء
۴۳۔ابن حبان، الصحیح، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت
۴۴۔الطبرانی، المعجم الأوسط، دار الحرمین، القاہرہ

۴۵۔ البیہقی، دلائل النبوہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۴۶۔ الطبرانی، المعجم الکبیر، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ
۴۷۔ الدارقطنی، السنن، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۲۰۰۴ء
۴۸۔ البیہقی، شعب الایمان، مکتبۃ الرشد، الریاض، ۲۰۰۵ء
۴۹۔ أبو محمد بغدادی، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، مرکز خدمۃ السنہ، المدینہ المنورہ، ۱۹۹۲ء
۵۰۔ الطحاوی، شرح مشکل الآثار، مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۱۵ھ
۵۱۔ الہیثمی، مجمع الزوائد، مکتبۃ القدسی، القاہرہ، ۱۹۹۴ء
۵۲۔ المتقی الہندی، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۸۱ء
۵۳۔ السیوطی، الفتح الکبیر، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۳ء
۵۴۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، المکتب الاسلامی، ۱۹۸۵ء
۵۵۔ ابن کثیر، جامع المسانید، دار خضر، بیروت، ۱۹۹۸ء
۵۶۔ الالبانی، صحیح الأدب المفرد، دار الصدیق، ۱۹۹۷ء
۵۷۔ الالبانی، ضعیف الترغیب والترہیب، مکتبۃ المعارف، الریاض
۵۸۔ الالبانی، سلسلۃ الأحادیث الضعیفہ، دار المعارف، الریاض، ۱۹۹۲ء
۵۹۔ الالبانی، سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ، مکتبۃ المعارف، الریاض
۶۰۔ ابن عبدالبر، التمہید، وزارۃ عموم الاوقاف، المغرب
۶۱۔ النووی، شرح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ
۶۲۔ ابن حجر، فتح الباری، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ
۶۳۔ ابن حجر، التلخیص الحبیر، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۹ء
۶۴۔ بدر الدین عینی، عمدۃ القاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۶۵۔ ملا علی القاری، مرعاۃ المفاتیح، ادارۃ البحوث العلمیہ، بنارس، ۱۹۸۴ء
۶۶۔ الشوکانی، نیل الاوطار، دار الحدیث، مصر، ۱۹۹۳ء
۶۷۔ المبارکفوری، تحفۃ الأحوذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۶۸۔ غزالہ حامد، شروح صحیح البخاری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء

سیرت

۶۹۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، دارالجیل، ۱۴۱۱ھ

۷۰۔الصالحی، سبل الہدیٰ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۱۔مقریزی، إمتاع الأسماع، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۹ء

۷۲۔السہیلی، الروض الأنف، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۰ء

۷۳۔نورالدین، السیرۃ الحلبیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ

۷۴۔ابن سیدالناس، عیون الأثر، دارالقلم، بیروت، ۱۴۲۷ء

۷۵۔الزرقانی، شرح المواہب، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء

۷۶۔سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، مجلس نشریات اسلام، کراچی

۷۷۔پروفیسر عبدالقیوم، سیرت رحمت عالم ﷺ، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۲۱ء

فقہ وفتاویٰ

۷۸۔ابن رشد، بدایۃ المجتہد، وبہامشہ السبیل المرشد، دارالسلام، ۲۰۰۹ء

۷۹۔الشاطبی، الاعتصام، دارابن الجوزی، ۲۰۰۸ء

۸۰۔الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ، وزارۃ الاوقاف، الکویت، ۱۴۲۷ھ

۸۱۔أحمد الدویش، فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ، رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیہ، الریاض

۸۲۔لجنۃ العلماء، الفتاویٰ الہندیہ، دارالفکر، ۱۳۱۰ھ

۸۳۔مفتی محمد شفیع، اوزان شرعیہ، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۸۲ھ

۸۴۔فاروق اصغر صارم، اسلامی اوزان، احیاء التحقیق، گوجرانوالہ

۸۵۔پروفیسر عبدالقیوم، آئینہ اسلام، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۲۱ء

۸۶۔پروفیسر عبدالقیوم، مبادیات مطالعہ قرآن، حدیث وفقہ/فہم اسلام، لاہور، ۱۹۵۷ء

عقیدہ وتزکیہ

۸۷۔ابن أبی عاصم، السنہ، المکتبۃ الاسلامی، بیروت

۸۸۔أبوالليث سمرقندی، تنبیہ الغافلین، دارابن کثیر، دمشق، ۲۰۰۰ء

۸۹۔الغزالی، احیاء علوم الدین، دارالمعرفہ، بیروت

۹۰۔سلیمان ندوی، رسالہ اہل السنہ والجماعہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ط:۱، ۱۹۱۷ء

تاریخ

۹۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء
۹۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، دار الجیل، بیروت، ۱۹۹۲ء
۹۳۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق، دار الفکر، ۱۹۹۵ء
۹۴۔ ابن الجوزی، المنتظم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۲ء
۹۵۔ ابن الاثیر، الکامل، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء
۹۶۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۸ء
۹۷۔ الذہبی، تاریخ الاسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء
۹۸۔ پروفیسر عبد القیوم، تاریخ اسلام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۶ء بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء (نیا ایڈیشن)
۹۹۔ پروفیسر عبد القیوم، مقالات، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء

لغت وادب

۱۰۰۔ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۰۱۔ مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، دار الہدایہ

مذاہب عالم

۱۰۲۔ رحمت اللہ کیرانوی، اظہار الحق، الرئاسۃ العلمۃ لادارات البحوث، السعودیہ، ۱۹۸۹ء

تراجم ووفیات

۱۰۳۔ الصفدی، الوافی بالوفیات، دار احیاء التراث، بیروت، ۲۰۰۰ء
۱۰۴۔ الذہبی، سیر أعلام النبلاء، دار الحدیث، القاہرہ، ۲۰۰۶ء
۱۰۵۔ الزرکلی، الأعلام، دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء

موسوعات/انسائیکلو پیڈیاز

۱۰۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
۱۰۷۔ مؤسسۃ اعمال الموسوعہ، الموسوعۃ العربیۃ العالمیہ، السعودیہ، ط:۱، ۱۹۹۶ء
۱۰۸۔ دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ، دار المعارف لاہور، ۲۰۲۲ء

دار المعارف، لاہور کی اہم تالیفات

سلسلہ مطبوعاتِ سیرت

۱۔ ہمارے رسول ﷺ۔ (۱۰، ۱۲ سال کے بچوں کے لیے) ط ۱، ۱۹۵۳۔ بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱۔

۲۔ ہمارے رسول ﷺ۔ (دس بارہ سال کے بچوں کے لیے، انگریزی ترجمہ از فاطمہ زبیر) (زیر طبع)

۳۔ سیرت رحمتِ عالم ﷺ۔ (طلبہ و طالبات کے لیے) بزمِ اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء

۴۔ سیرتِ طیبہ ایک نظر میں (ہجری سنین کی ترتیب سے، ایک جلد، زیر طبع)

۵۔ دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ (۱۱ جلدیں)، بزمِ اقبال لاہور، ۲۰۲۲ء

پروفیسر عبدالقیوم کی چند مطبوع اور زیر طبع کتب

۱۔ فہارس لسان العرب (۴ جلدیں)، المکتبۃ القدوسیہ لاہور، ۲۰۰۷ء

۲۔ نوادر الاخبار وظرائف الاشعار (قلمی نسخہ/تصحیح نقل و کتابت پروفیسر عبدالقیوم)، دارالمعارف لاہور، ۲۰۱۲ء

۳۔ مقالات پروفیسر عبدالقیوم (۲ جلدیں)، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء

۴۔ تاریخ اسلام۔ طبع اوّل مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۶ء۔ بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء

۵۔ سیرت رحمت عالم ﷺ۔ اوپر تذکرہ گزر چکا ہے۔

۶۔ آئینہ اسلام۔ بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء

۷۔ ہمارے رسول ﷺ۔ اوپر تذکرہ گزر چکا ہے۔

8. *Glimpses of Arabic Literature, Dar-ul-Ma'arif, 2013*
9. *The Study of Early Arabic Literature, Dar-ul-Ma'arif, 2013*
10. *Aid to the Study of Simt-ud-Durar, 1st Edition Lahore1934, 2nd Edition Dar-ul-Ma'arif, Lahore, 2014*
11. *Some notes on Islamic History and Arabic Literature, Dar-ul-Ma'arif, 2012*
12. *The poems of the desert by several authors. Lahore:1933*
13. *Specimens of Arabic Literature (poetry and prose) for English reader. Lahore:1936*
14. *English Arabic Translation Exercises. Lahore:1935(2nd Ed . under publication)*

۱۵۔ مجموعۂ تفسیر قرآن (۲۹ منتخب سورتوں کی تفسیر)

۱۶۔ مبادیات مطالعہ قرآن، حدیث وفقہ

۱۷۔ شرح اربعین نووی

۱۸۔ اَربعین پروفیسر عبدالقیوم

۱۹۔ مرقاۃ القواعد (عربی گرامر پر مختصر اور جامع کتاب)

۲۰۔ مدارج الأدب (عربی گرامر کی عملی مشقوں پر مشتمل ایک جامع کتاب)

نوٹ: ۱۴، ۱۵، ۱۹۔ یہ تین کتب زیرِ طبع ہیں۔ جبکہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ کو مقالات پروفیسر عبدالقیوم کی طبع جدید از ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۲۰۲۴ء میں ضم کیا گیا ہے۔

آئندہ کے منصوبہ جات

۱۔ تاریخ علوم اسلامیہ (۱۲۔۱۵ جلدیں) بمطابق خاکہ در مقالات پروفیسر عبدالقیوم (۱/ ۸۵) (زیرترتیب)

۲۔ نوادر الاخبار وظرائف الاشعار، مصنفہ شہاب الدین الحجازی (کمپوزنگ، ترجمہ وتعلیق اور تعارف رجال) (زیرترتیب)

برائے رابطہ وخریداری کتب

دارالمعارف
متصل اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ لاہور
Landline: +92-42-37378492
Mobile: 0304-8603542

دارالنوادر
سیکنڈ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار لاہور
0300-8898639

یادداشت

''دار المعارف'' ۲۰۰۸ء میں معرضِ وجود میں آیا اور اس کے ساتھ ہی محققین کی آسانی اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ''پروفیسر عبد القیوم لائبریری'' کی بنیاد رکھی گئی جو ارتقاء کی منازل طے کرتی ہوئی اِس وقت عربی و اسلامی علوم پر لاہور کی بہترین لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔

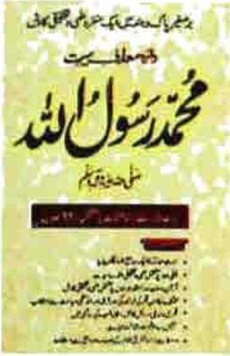
''دارالمعارف'' استاذ الاساتذہ پروفیسر عبد القیوم کے تین اہم علمی خاکوں پر کام کر رہا ہے۔

پہلا علمی خاکہ سیرت طیبہ پر مبسوط تصنیف کا متقاضی تھا، جو ''دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ'' کے عنوان کے ساتھ ۱۱ جلدوں میں ۱۴ سالوں کی مسلسل محنت سے مکمل کیا گیا۔

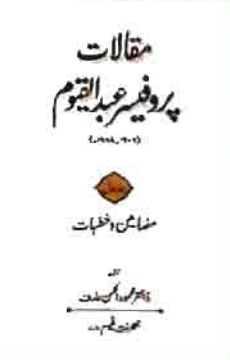
دوسرا علمی خاکہ متوسط سیرت نگاری کے لیے موزوں تھا اس خاکے پر بھی ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل علمی کاوش پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔

تیسرا علمی خاکہ ''تاریخ علوم اسلامیہ'' کے عنوان سے ایک بڑا جامع اور وسیع منصوبہ ہے۔اس پر تحقیقی کام جاری ہے۔

دارالمعارف اب تک ۲۰ کے لگ بھگ عربی، اردو اور انگریزی تالیفات شائع کر چکا ہے۔جن کی تفصیل زیر نظر کتاب کے آخری صفحے سے دیکھی جا سکتی ہے۔





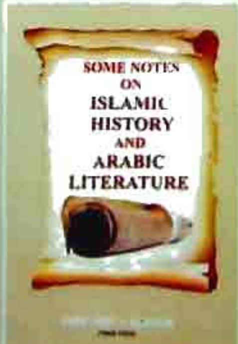


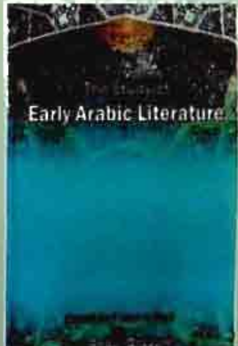












ISBN: 978-969-7730-07-0
9 789697 730070

Institute of Islamic Culture
ادارہ ثقافت اسلامیہ
Lahore - Pakistan